قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے حالاتِ زندگی

حکیم محمود احمد ظفر



فہرست مضامین

اعتراضات کے جوابات

عرضِ احوال

طبع ثانی

جولائی ۱۹۶۷ء میں جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اہلِ علم کے ہاں اس کتاب کی اس قدر پذیرائی ہوگی، کیونکہ اس موضوع پر اس زمانہ میں جو کتابیں شائع ہوئیں اگرچہ انہوں نے بہت سے ذہنوں کو متاثر کیا لیکن ان میں بہت کچھ مسلک اہلسنّت سے ہٹ کر لکھا گیا جس کی وجہ سے اہلِ علم حضرات نے ان کے ردّ میں متعدد کتابیں لکھیں اور اپنی تقاریر اور عام گفتگو میں بھی ان کی تردید کی، چنانچہ اس خوف سے کہ کہیں میری کتاب میں بھی ایسا مواد موجود نہ ہو، میں نے کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی تین جید اہل علم

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ ٹنڈو الہ یار

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

(۳) حضرت مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

کو کتاب کی ایک ایک کاپی اس غرض سے بھیجی تاکہ وہ اس کو پڑھ کر یہ بتائیں کہ اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں کہی گئی جو مسلک اہلسنّت کے خلاف ہو۔

الحمد للہ! ان تینوں بزرگوں نے اپنی جو آراء اس کتاب کے بارہ میں ارسال فرمائیں ان کی بناء پر میں اس کتاب کو اپنے لئے سرمایۂ آخرت سمجھتا ہوں۔

کیونکہ اس کتاب کے ذریعہ میں نے ایک مظلوم ترین صحابی رسول سیدنا امیر معاویہؓ کا کامیاب دفاع کیا ہے۔ ان آراء کو کتاب کے شروع میں درج کیا جارہا ہے تاکہ قارئین کرام بھی ان سے آشنا ہوں۔

کتاب کے اس جدید ایڈیشن میں کچھ حک واضافہ کیا گیا ہے جس نے کتاب کی افادیت میں پہلے سے زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ دوسرے صحابہؓ کے بارے میں بھی مجھ ایسے ناتواں کو ایسی کتابیں لکھنے کی توفیق عطا فرماوے۔

آمین یا الله العلمین !

نیاز آگین

حکیم محمود احمد ظفر

۱۰ دسمبر ۷۷ء



بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم

تعارف

حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، لاہور

مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی اس قیمتی تصنیف پر ایک سرسری نظر ڈالنے کا موقع مجھے ملا ہے اور میں اس رائے کے اظہار میں دِلی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ موصوف نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف ہماری تاریخی کتابوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ کیا ہے بلکہ اس سے دین کی بھی نہایت اہم خدمت انجام دی ہے۔

ہماری تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی مسلمانوں کے اندر منافقین و مُفسدین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ایک طرف تو ملت کے اجتماعی و سیاسی نظام کی چولیں ہلا کر رکھ دیں، دوسری طرف اپنی تلبیسات اور دروغ بافیوں سے ہمارے تاریخی لٹریچر میں ایسا زہر آلود مواد بھر دیا جس کے مُہلک اثرات سے آج تک ملتِ اسلامیہ کو نجات نہ مل سکی۔ ہر دور کے مُفسدین و اشرار اس زہریلے مواد کو اُبھار اُبھار کر کوئی نہ کوئی فتنہ ایسا اٹھاتے رہے ہیں جس سے پوری ملت برابر ایک انتشار و اضطراب میں مُبتلا رہی ہے۔

ہمارے اصحاب علم و نظر پر یہ ایک بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ پر ایک گہری ناقدانہ نظر ڈال کر اس قسم کی تدلیسات و تلبیسات سے اس کو پاک کریں۔ اس کے بغیر افکار و جذبات کی وہ ہم آہنگی وجود میں نہیں آسکتی جو تنظیمِ ملّت کی حقیقی بنیاد ہے، خاص طور پر صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

کا معاملہ نہایت اہم معاملہ ہے، ان کے باب میں کوئی اختلاف صرف تاریخ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ عقائد و ایمانیات اور ارواح و قلوب کا اختلاف ہے اور اس کی زد بالواسطہ اصل دین پر پڑتی ہے۔ اگرچہ ہر دور میں ہمارے بیدار مغز علماء نے اس فرض کا احساس کیا اور انہوں نے بہت سی تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کی پوری کوشش کی ہے لیکن اس فتنے کی جڑیں ہمارے ادب اور ہماری تاریخ کے اندر اتنی گہری اتری ہوئی ہیں کہ جب تک تنقید کے جدید آلاتِ جراحی سے کام لے کر اس سرطان کے ہر اثر کا کلی استیصال نہ کر دیا جائے گا مفسدین اور منافقین اپنے مشئوم اغراض کے لیے اس کو غذا بہم پہنچاتے رہیں گے اور کمزور طبائع پر اس کا حملہ ہوتا رہے گا۔

ہر کام کے لیے قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے شاید یہ دور اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ ہمارا چمنستانِ تاریخ اِس تمام جھاڑ و جھنکاڑ سے پاک و صاف ہو جائے جس کی تخم ریزی مفسدین نے کی اور جو چمن کے مالیوں کی غفلت کے سبب سے جڑ پکڑ گیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے اور ہمیں اس پر اللہ تعالےٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ادھر تھوڑے سے عرصے میں، ہماری تاریخ کے اس خاص پہلو پر متعدد ایسی بلند پایہ کتابیں نکلی ہیں جو ذہنوں کے صاف کرنے اور طرزِ فکر کے بدلنے میں نہایت مؤثر اور مفید ثابت ہوئی ہیں۔

جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب بھی اسی زُمرے کی ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ ہم نے اس کے جن مباحث پر نظر ڈالی ہے ان سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حکیم صاحب نے اپنے موضوع کا گہرائی اور وُسعت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سلجھے ہوئے انداز میں دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ موصوف کے پیش کردہ دلائل کے بعض اجزاء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن کتاب کی ہر فصل کا مُدعا بحیثیتِ مجموعی اس قدر واضح ہے کہ اس سے مشکل ہی سے کوئی

انصاف پسند آدمی اختلاف کر سکے گا۔

اس کتاب کے مباحث پر نظر ڈالتے ہوئے بار بار ہمیں خیال آیا کہ جب سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا امیر معاویہؓ اور اکابر بنی امیہ سے متعلق تاریخ کی کتابوں میں یہ پاکیزہ مواد بھی موجود ہے جو اس کتاب میں مستند حوالوں سے نقل ہوا ہے تو آخر اس کو نظر انداز کر کے بعض لوگوں نے صرف اُس مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں فرمائی جس سے ان جلیل القدر صحابیوں کی تنقیص ہو سکے۔ آخر یہ مطالعۂ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاظت پسند مکھی کی طرح صرف انہی گندے چھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مُفتری نے ہمارے پاکیزہ خصائل اسلاف کے دامن پر اڑائے ہوں۔ اس معاملے میں جو کوتاہی ہمارے مؤرخین سے ہوئی ہے اگرچہ وہ بھی قابلِ افسوس ہے لیکن ان کی طرف سے یہ عُذر کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے صرف روایات واقوال کے جمع کر دینے پر اکتفا کیا ہے، تحقیق و تنقید کا کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی طرف سے آخر کیا عُذر پیش کیا جا سکتا ہے جو تحقیق و تنقید کے دعوے کے ساتھ اُٹھتے ہیں اور سبائیوں اور روافض کی روایات کو بنیاد بنا کر جلیل القدر صحابہ کو مطعون کر ڈالتے ہیں۔ اگر کسی جامع اقوال مؤرخ کی کتاب میں کوئی روایت درج ہو تو اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت اُس مؤرخ کا مذہب و مسلک ہے لیکن اگر اس روایت کو کوئی شخص اپنی تحقیق کی حیثیت سے اختیار کر لیتا ہے تو اس کے صاف معنی ہیں کہ یہی اس کا مذہب و عقیدہ ہے۔ پھر یہ بات بھی اپنی جگہ پر ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ مؤرخین نے خواہ کتنی ہی ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہوں لیکن ان کی رطب و یابس روایات کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بناء پر صحابہؓ کو مجروح قرار دیا جائے، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ تو خیر بڑی چیز ہیں ایک ادنیٰ صحابی کا بھی یہ درجہ ہے کہ اس کی ثقاہت و عدالت کو ہزاروں طبری و جزری اور لاکھوں کلبی و واقدی بھی مجروح نہیں کر سکتے۔

ہماری دُعا ہے کہ اس کتاب کو حُسنِ قبول حاصل ہو اور ان فتنوں کی استیصال میں یہ ایک مؤثر قوت ثابت ہو جو اس وقت بعض سیاسی طالع آزماؤں نے اٹھا دیئے ہیں۔

امین احسن اصلاحی
۱۰ رجولائی ۱۹۶۷ء

رائے گرامی

شیخ الاسلام زبدۃ المحدثین حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ
سابق شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ ٹنڈوالہ یار

میں نے آپ کی کتاب "سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار" مختلف مقامات سے دیکھی ۔ ماشاءاللہ آپ نے خوب تحقیق سے کام لیا ہے ، افسوس ہے کہ بعض نام نہاد علماء جیسے ڈاکٹر طہٰ حسین اور سید قطب وغیرہ نے اس حقیقت سے صرفِ نظر کر لی ہے کہ تاریخ میں بھی موضوعات اور مکذوبات موجود ہیں ۔ جب فتنہ پردازوں نے حدیثِ رسول میں بھی موضوعات و مکذوبات شامل کر دی ہیں تو تاریخ بیچاری کیا چیز؟ پھر جیسے محدثین نے حدیثوں میں سے موضوعات و مکذوبات کو الگ کر دیا ہے اسی طرح مبصرین کو تاریخ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے ۔ آجکل بعض مؤرخین آنکھوں کے بھی اندھے اور دل کے بھی اندھے اور بعضے آنکھوں سے بینا ہیں لیکن دل کے نابینا ہیں ۔ آپ نے ماشاءاللہ دونوں سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی ہے ، اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے ۔ آجکل اس قسم کی تصنیفات کی بہت ضرورت ہے کیونکہ یہودی اور عیسائی مبلغوں کا بڑا حربہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو حضرات صحابہؓ کی طرف سے بدظن کر دیا جائے تو پھر دین کی بنیاد کمزور ہو کر دین منہدم ہو جائے گا ۔ یہی حربہ انکارِ حدیث کے سلسلہ میں کارفرما ہے کیونکہ جب حدیث حجت نہ رہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کی شرح تھی تو اب ہر شخص آزاد ہو گا کہ قرآن کی جو چاہے شرح کر دے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولِ عام اور نافع بنائیں ۔ (آمین)

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۵ ر جمادی الاول ۱۳۸۷ھ

رائے گرامی

فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

کتاب "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ" مصنفہ عالی قدر مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی، احقر نے اوّل سے آخر تک پوری پڑھی اور اس کی دلچسپ تعبیر، بلاغت بیانی اور تسلسلِ واقعات کے سبب پورا پڑھے بغیر چارۂ کار بھی نہ تھا۔

کتاب مسئلہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سیرتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں تاریخ، تفسیر اور حدیث کی روایات کا نچوڑ اور صحتِ فکر کا مُرقع ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی عظمت، جلالت اور شرفِ صحابیت کی وجہ سے بلندئ مقام کو جن غلط تاریخی روایات کے نیچے دبائے رکھنے اور اصل حقیقت کو تعصبات کے غلیظ پردوں میں چھپائے رکھنے کی جو کوششیں ایک خاص نقطہ نظر کے ماتحت کی جاتی رہی ہیں اِس کتاب نے اُن غلیظ پردوں کو چاک کر کے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی عظمت وشان نکھار کر سامنے رکھ دی ہے، خصوصیت سے کتاب کا مقدمہ تاریخ اور تاریخی روایات کے ردّ وقبول کے اصولوں کا ایک بہت ہی قابلِ قدر اور کارآمد مجموعہ ہے جس سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارہ میں تاریخی روایات کے غث وثمین کو بآسانی پرکھا جاسکتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اگر کسی طبقہ کو من حیث الطبقہ پورے کے پورے طبقہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہر تاریخی روایت کے ردّ وقبول کا سیدھا اور صاف معیار قرآن حکیم ہے جس سے مصنف نے جگہ جگہ کام لے کر واضح کر دیا ہے کہ اسلامی ذہن اس سلسلہ میں کسی ایسی روایت پر مطمئن نہیں ہوسکتا جو اس قطعی اور سچے معیار پر پوری نہ اُترتی ہو۔ نیز اس باب کی ایسی روایات کے وضع کرنے میں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وجلالت

میں شکوک وشبہات وادرام پیدا کرسکتی تھیں، جن چابکدستیوں سے کام لیا گیا ہے مصنف دام فیضہٗ نے ان سب کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ساتھ ہی اس بارہ میں مستند مؤرخین کی معیاری شہادتوں اور ان سے بھی بالاتر احادیثِ نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ مُستند حوالوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں سارے شکوک وشبہات کا قرارواقعی جواب واستیصال ہے۔ مصنف ممدوح نے محنتِ شاقہ اٹھا کر اور سینکڑوں کتابوں کی چھان بین کر کے مشاجراتِ صحابہؓ اور بالخصوص فیصلہ تحکیم کے بُنیادی نقاط سامنے رکھ دیئے ہیں جنہیں سامنے رکھنے سے اُمتِ مرحومہ تمام ایسی جعلی اور فرضی کارروائیوں کے دامِ فریب سے بچ سکتی ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن بنائے اور اس اُمت میں تفریق ڈالنے کے لیے منافقوں کی طرف سے انجام دی گئیں۔

کتاب ماشاء اللہ محققانہ، سنجیدہ اور اپنے موضوع میں کامیاب اور قابلِ قدر ہے۔ حق تعالیٰ مصنف کو ہم سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اس سعی کو قبول فرما کر مقبولِ عام بنائے۔ (آمین)

محمد طیّب
(مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۱۶ شعبان ۱۳۸۷ھ)

رائے گرامی

حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

یہ کتاب ایک ایسے نازک اور پیچیدہ موضوع پر لکھی گئی ہے کہ جس کی پیچیدگی کے چند اسباب حسب ذیل ہیں :۔

(۱) حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مقبولانِ بارگاہِ خداوندی میں سے ہیں اور دونوں میں اس کے باوجود صفین کے موقعہ پر تصادم کی نوبت بھی آئی ہے۔ اب مؤرخانہ انداز میں تاریخی حقائق کو اس انداز میں پیش کرنا کہ دونوں میں سے کسی کی شخصیت بھی مجروح نہ ہو اور کتاب و سنت کے آئینے میں دونوں کی جو قطعی شخصیت ہے اس سے بھی ٹکراؤ نہ ہو، یہ بہت نازک اور محتاط کام ہے۔

(۲) دوم یہ کہ اربابِ تاریخ نے اربابِ غرض و سیاست رواۃ کی تقلید میں ان دونوں حضرات کی تاریخ کچھ ایسی مسخ کی ہے کہ دونوں حضرات کی زندگی کے اصلی خدوخال نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں، اب ان بناوٹی پردوں کو ہٹا کر اصل حقیقت تک پہنچنا آسان کام نہیں۔

(۳) تاریخ میں قاتلانِ عثمانؓ پر اسلامی قانون نافذ کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اور بارہ صوبوں کے گورنروں کی یک قلم اور بلاوجہ تبدیلی اور فتوحاتِ اسلامیہ اور تبلیغِ اسلام کی رکاوٹ سب کچھ مذکور ہیں لیکن حضرت علیؓ کی طرف سے ان فروگذاشتوں کے سلسلے میں معذرت اور مجبوریاں واضح نہیں کی گئی ہیں۔ اسی طرح فیصلہ تحکیم جس سے جانبین کی جنگ رک گئی اس کی تحریری شکل کو نظر انداز کر کے اس کو افسانے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس سے جانبین کے متعلق بدگمانی ہوتی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس مؤرخین نے سیدنا امیر معاویہؓ کے فرضی عیوب کو اچھالا ہے لیکن ان کے

علم، جود وسخاوت، شجاعت، جہاد، فتوحاتِ اسلامیہ اور مملکت کے تعمیری کاموں کو نظر انداز کر دیا ہے اور اگر کچھ کیا بھی ہے تو واضح اور مفصل بیان نہیں کیا۔

مصنفِ کتاب دام فیضہ نے ان سب مشکلات کو حل کیا ہے اور اس نازک موضوع کو ایسا نبھایا ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ علماء، طلباء دونوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وہ بھی اس جہادِ دفاع عن الصحابہ میں شریک ہو سکیں۔

احقر شمس الحق افغانی
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور
سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند
وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان

رائے گرامی

اُستاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی مدظلہٗ سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ

جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی کتاب "سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار" کی جلد اول کا میں نے مطالعہ کیا، مطالعہ کر کے جناب مصنف کیلئے دل سے دُعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس عظیم خدمت کو قبول فرما کر اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔ آمین

صحابۂ کرامؓ کی جانب سے دفاع درحقیقت دلائلِ نبوت کی جانب سے دفاع ہے، کیونکہ ہر صحابی اپنی اعلیٰ شخصیت اور اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی شانِ تعلیم وتربیت کا آئینہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی ایک مستقل دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ دین کے ایک گروہ نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا وقار ناواقف مسلمانوں کی نگاہ سے گرا دیں تاکہ ہدایت کا یہ دروازہ بند ہو جائے۔ خصوصاً سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنا اور آں محترم پر بہتان باندھ کر چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کرنا تو ابن سباء اور اس کے متبعین کا خاص شعار ہے۔ کچھ سبائی تو نقابِ تقیہ ڈال کر اور بظاہر سُنی بن کر اس جلیل القدر صحابیٔ رسول پر افتراء پردازی کرتے ہیں تاکہ ناواقف اہلِ سُنت فریب میں آ کر آں محترم کے متعلق سوءِ ظن میں مبتلا ہو جائیں اور اپنی عاقبت خراب کر لیں۔

ایسے حالات میں جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب تحفظِ دین اور ہدایتِ مسلمین کا ذریعہ اور بہت اہم خدمتِ اسلام ہے جس کے لیے وہ سب مسلمانوں کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کتاب میں ہر بات مدلل و مبرہن

اور ہر دلیل اطمینان بخش اور مسکت ہے۔ تاریخی واقعات کی تحقیقات بحوالہ کتب کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب حق اور منصف مزاج کے لیے یہ کتاب نسخۂ تریاق اور رفض کے زہر سے نجات کی ضامن ہے، البتہ معاند کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔ (آمین)

محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ
ناظم شعبہ تصنیف و تالیف
مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی
۴ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

رائے گرامی

حضرت مولانا محمد سرفراز خانصاحب صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں جو درجہ، شان اور مرتبہ امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ نہ عرش وکرسی کو، نہ لوح وقلم کو، نہ حُور و ملک کو اور نہ کعبہ کو اور نہ کسی بشر کو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بلند مقام کے لیے صرف آپؐ ہی کو چُنا اور اختیار فرمایا، جو کتاب آپؐ کو مرحمت فرمائی وہ سب کتابوں سے اعلیٰ، جو قبلہ آپ کو عطا کیا وہ سب قبلوں سے عمدہ، جو دین آپؐ کو عنایت فرمایا وہ سب ادیان سے اکمل اور جو صحابۂ کرام آپ کو دیئے وہ اپنی شان واخلاص میں سب سے یکتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پوری نوعِ انسانی میں ان کی نظیر اور مثال ناممکن ہے جن کے ایمانی کارنامے رہتی دنیا تک ساری اُمت کے لیے بہترین نمُونہ ہیں۔ وہی حضرات قرآن وحدیث کے اوّلین راوی اور توحید وسُنت کے پہلے گواہ ہیں۔ اگر معاذ اللہ ان کا ایمان ثابت نہیں تو یقین جانیئے کہ قرآن وحدیث اور توحید وسُنت کچھ بھی ثابت نہیں۔ اس لیے کہ وہی حضرات تو ان کی حقانیت کے گواہ ہیں، اگر وہی غیر معتبر اور ناقابلِ اعتماد ہوں تو قرآن وحدیث پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ توحید ورسالت پر کیا یقین ہوسکتا ہے؟ جنت ودوزخ اور حشر ونشر کا کیا یقین ہوسکتا ہے؟ کیونکہ جب گواہ ہی قابلِ اعتماد نہ ہوں تو جس امر کی وہ گواہی دے رہے ہیں اس کا بھلا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ

کا ان کے بارے میں جو منصفانہ اور عادلانہ نظریہ ہے وہ یہی ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" ان کی عدالت پر اعتراض کرنے والا ظالم اور فاسق ہے اور وہ آفتاب و ماہتاب پر تھوکنے کی ناپاک اور سعی لاحاصل کے درپے ہے۔
نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں حضرات صحابہ کرامؓ کو مغفرت اور رضا کی جو سند عطا فرمائی ہے اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے شاہی انعام سے جس طرح ان کو نوازا ہے وہ کس مسلمان سے مخفی ہے؟ اور کون مسلمان ان کے مناقب و فضائل اور شمائل و خصائل کی عمدہ صفات سے ناواقف ہے؟ اس مقام پر ہم قرآنِ کریم کا ایک مضمون عرض کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفاتِ حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ۔ (الانفال: ۱۰)

(ترجمہ) "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی تو وہ لوگ یقینی بات ہے کہ مومن ہیں، ان کیلئے بخشش ہے اور عزت کی روزی، اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہیں میں سے ہیں"

اس مضمون میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تین طبقوں کا ذکر فرمایا ہے:۔

۱۔ وہ حضرات جو ایمان لائے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت اور جہاد کیا یعنی مہاجرین! مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور

حضرت علیؓ وغیرہم۔

۲۔ وہ حضرات جو ایمان لائے اور مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح سے اُنکی نصرت کی، یعنی انصار، جیسے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت ابو ایوبؓ وغیرہم۔

۳۔ وہ حضرات جو اُس زمانہ میں ایمان لائے جب نُصرت اور امداد کی چنداں ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ مثال کے طور پر حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہم۔

اور اسلام کو بفضلہٖ تعالیٰ خوب تائید و تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ۔ (الآیۃ) میں انہی حضرات کا ذکر ہے جو مثلاً صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے، ان سب کو اللہ تعالیٰ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے تعبیر فرماتے ہیں کہ یہ سبھی حضرات یقینی طور پر مومن ہیں اور ان سے مغفرت کے علاوہ جنت میں عزت کی روزی کا وعدہ بھی ہے۔ جن کو پروردگار یقینی طور پر مومن فرمائے اور جن کو بخشش کا پروانہ دے اور جن کو رزقِ کریم کی بشارت سُنائے اُن کے مومن، متقی، عادل اور جنّتی ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ قرآنِ حکیم میں اگر کوئی اور مضمون بالفرض حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں نہ بھی ہوتا تو ان کی مقبولیت اور مرتبت کے لیے یہ ارشاد کیا کم ہے؟ مگر یہ سب کچھ مومنوں کے لیے ہے۔

(۲) حضرت عویم بن ساعدہ الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِخْتَارَنِيْ وَاخْتَارَ لِيْ اَصْحَابًا وَجَعَلَ لِيْ مِنْهُمْ وُزَرَاءَ وَاَنْصَارًا وَاَصْهَارًا فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

(ترجمہ) بلا شبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے (اپنی ساری مخلوق میں سے) مجھے چُنا اور خود اسی نے میرے لیے

میرے صحابہ چُنے اور اس نے میرے لیے ان میں سے وزیر، مددگار اور سسرال بنائے، سو جس شخص نے ان کو بُرا کہا تو اس پر اللہ تعالےٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، ایسے شخص کی قیامت کے دن نہ تو نفلی عبادت قبول ہوگی اور نہ فرضی۔"

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۲ - قال الحاکم والذہبی صحیح)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابۂ کرامؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لیے پروردگار نے منتخب فرمایا ہے اس میں کسی انسان کے انتخاب کا دخل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے صحابۂ کرامؓ پر تنقید (معاذاللہ) رب العزت پر تنقید کو مستلزم ہے اور ان پر تنقید کرنے والا اور ان کو ہدفِ ملامت بنانے والا اللہ تعالیٰ اور تمام انسانوں اور معصوم فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہے، کیونکہ ان صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ جیسے آپؐ کے وزراء ہیں اور حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے حضرات آپؐ کے انصار اور مددگار ہیں اور حضرت ابوسفیانؓ جیسے آپؐ کے خُسر اور حضرت امیر معاویہؓ جیسے آپؐ کے برادرِ نسبتی اور مومنوں کے ماموں ہیں۔ لہٰذا حضرات صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کو بھی بُرا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کی اعلیٰ مخلوق کی لعنت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(۳) حضرات صحابۂ کرامؓ پر تنقید کرنا اور عامۃ الناس میں ان نفوسِ قدسیہ کو مطعون ٹھہرانا دینِ قویم کی مضبوط دیواروں کو کھوکھلا کرنا ہے، اس شنیع حرکت کا ارتکاب کوئی دانستہ طور پر کرے یا نادانستہ، اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے اور باطل پرست اور علی الخصوص سبائی پارٹی اور اُن کے کاسہ لیس اسی طریق سے اسلام کی عمارت کو گرانا چاہتے تھے اور اب بھی اس کے درپئے ہیں، حالانکہ یہی حضرات عملی طور پر اسلام کا بہترین سرمایہ

ہیں، مگر افسوس کہ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کیے فلک نے تھے جو خاک چھان کر

علامہ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) مشہور زندیق شاکر کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابو داؤد سجستانی ؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

لما جاء الرشید بشاکر رأس الزنادقة لیضرب عنقه قال اخبرنی لم تعلمون المتعلم منکم اوّل ما تعلمونه الرفض والقدر؟ قال اما قولنا بالرفض فانا نرید الطعن علی الناقلة فاذا بطلت الناقلة اوشك ان نبطل المنقول واما قولنا بالقدر فانا نرید ان نجوز ان یخرج بعض افعال العبادة نبات قدر الله فاذا جاز ان یخرج البعض جاز ان یخرج الکل۔ (تاریخ بغداد جلد ۴ ص ۳۰۸ طبع مصر)

(ترجمہ) "جب ہارون رشید کے سامنے زندیقوں کا پیشوا شاکر رافضی پیش کیا گیا تاکہ اس کی گردن اڑا دی جائے، تو ہارون رشید نے اس سے پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ کہ تم سب سے پہلے رفض اور انکارِ تقدیر کا سبق متعلم کو کیوں سکھلاتے ہو؟ شاکر نے جواب دیا کہ ہم رفض (جس میں حضرات صحابۂ کرام کی تکفیر اور ان پر طعن ہے) تو اس لیے سکھلاتے ہیں کہ ہمارا مطلب ناقلین (مذہب صحابۂ کرام) پر طعن کرنا ہے، جب ناقلینِ مذہب غیر معتمد قرار پائیں تو دین خود بخود باطل ہو جائے گا، اور ہم تقدیر کا انکار اس لیے سکھلاتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ بندوں کے بعض افعال اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے خارج ہیں تو اس سے کُل افعال کے خارج ہونے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے۔"

اس حوالہ سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبائیوں

رافضیوں اور باطل پرستوں نے قرآن وحدیث کے اولین راویوں (صحابۂ کرامؓ) پر محض اس لیے طعن شروع کیا ہے کہ اس طرح کرنے سے دینِ اسلام کی بنیاد ہل جاتی ہے اور یہی ان کا ناپاک مقصد ہے ۔ اور حضرات اہلبیت کی محبت کے پردہ میں حضرات اصحاب ثلاثہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ حضرات پر جس بیباکی سے انہوں نے طعن کیا ہے اور ان کو بدنام کرنے کے لیے گہرے منصوبے کے تحت جو جو باتیں گھڑ گھڑ کر ان کے گلے مڑھی گئیں اور ان کے سر تھوپی گئی ہیں ان سے ہر شریف آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔

(۴) اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے محترم دوست حضرت مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کو جنہوں نے تاریخ کے صدہا اوراق اُلٹنے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے مذہبی اور سیاسی کارناموں کو اُجاگر کیا اور اُن پر کیے گئے مطاعن کا خوب جائزہ لیا اور سبائیوں کی خود ساختہ تاریخ کے دبیز پردوں کے نیچے دبی ہوئی شخصیت کو عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیا۔ کتاب " سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار " راقم الحروف نے اوّل سے آخر تک بغور دیکھی ہے، جس نرالے اور انوکھے طرز سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے دل کی تہہ سے ان کے حق میں دُعائیں نکلتی ہیں ۔ کتاب صوری اور معنوی حیثیت سے بلند پایہ کتاب ہے ۔ چند دیگر حضرات صحابۂ کرامؓ کے حالات سے عموماً اور حضرت امیر معاویہؓ کے حالات سے خصوصاً واقف ہونے والے حضرات سے پُر زور التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابۂ کرامؓ کے دامن سے وابستہ رکھے ، اِسی پر جئیں اور اسی پر مریں ۔ (آمین ثم آمین)

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۶ شوال ۱۳۸۷ھ / ۷ جنوری ۱۹۶۸ء

تقریظ

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

میں نے جناب مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی تصنیف "سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار" کی جلد اول کو مسلسل دیکھا، مولانا موصوف نے نہایت کاوش و کوشش سے مفید و عظیم خزانہ یکجا کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا صحیح مقام یہی تھا اور جس نظر سے انہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اس نظرِ محبت سے دیکھنا عین ایمان ہے۔ افراط و تفریط سے جو مفاسد پیدا ہوئے انہوں نے مستقل فرقوں کی شکل اختیار کر لی ہے حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابن مبارکؒ نقل فرماتے ہیں:۔

سأل ابو عصمة ابا حنيفة فمن تأمرني ان اسمع الآثار قال من كل عدل في هواه الا الشيعة فان اصل عقيدتهم تضليل اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ومن اتى السلطان طائعًا اما اني لا اقول انهم يكذبونهم او يامرونهم بما لا ينبغي ولكن وطاوا لهم حتى انقادت العامة بهم فهذان لا ينبغي ان يكونا من ائمة المسلمين۔

"یعنی ابو عصمہ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے کس سے احادیث سننے کا حکم دیں گے؟ فرمایا ہر اس شخص سے حدیث سنو جو اپنی خواہشاتِ نفس میں اعتدال پر رہتا ہو سوائے شیعوں کے کہ ان کا

اصل اعتقاد یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ ثابت کیا جائے (معاذ اللہ) اور اس شخص سے بھی روایات نہ لو جو بادشاہ کے پاس اطاعت کرتا ہوا پہنچتا ہو، میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے لوگ بادشاہوں سے جھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں یا انہیں ایسے کام کرنے کو کہتے ہیں جو مناسب نہ ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ ایسے لوگ عوام کی اطاعت کیلئے زمین ہموار کر دیتے ہیں تو یہ دونوں طبقے مسلمانوں کے رہبر نہ ہونے چاہئیں۔"

یہ روایت خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب کفایہ ص۱۴۶ پر درج کی ہے اور اپنی سند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک بتوسط ابن مبارکؒ نقل کی ہے۔

حقیقت یہ ہے جو ابو زرعہ رازیؒ نے بیان فرمائی ہے:۔

اذا رأيت الرجل ينتقص احدًا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه زنديق وذلك ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادى الينا هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولى وهم زنادقة۔ (كفايه ص۴۹)

"جب کسی کو صحابۂ کرام میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہؓ پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابلِ جرح ہیں اور زندیق ہیں۔"

سلف سے مسلمانوں کا یہی اعتقاد چلا آرہا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

اس کتاب میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا گیا ہے اور ان پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی مُدلّل دیئے گئے ہیں، لہٰذا ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے، ہم سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزّت و ناموس کے تحفّظ کی خدمت لے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہمیں محشور فرمائے۔ (آمین)

حامد میاں

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۶۷ء

رائے گرامی

اُستاذ الحدیث حضرت مولانا عبد الکبیر صاحب مدظلہ محدث جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ ڈھاکہ

سیدنا امیر معاویہؓ کے بارے میں بعض بد ذہن اور فتنہ انگیز لوگوں کی بعض تحریروں کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد میں کچھ رخنہ پیدا ہونے لگا تھا، اچھے اچھے لوگوں کو بھی غلط فہمی ہونے لگی تھی۔

آپ کا اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے سیدنا امیر معاویہؓ کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب تصنیف فرماکر متزلزل عقائد والوں کو ٹھکانے لگایا اور فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کے لیے فتنہ انگیزی کا دروازہ بند کر دیا۔

خداوند کریم آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے، میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں

احقر عبد الکبیر
محدث جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ ڈھاکہ
۲۶ رجب ۱۳۸۷ھ

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کا تبصرہ

ماہنامہ الحق ملک کا ایک معیاری پرچہ ہے جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے زیر اہتمام اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی زیر ادارت چار سال سے جاری ہے۔ اس پرچہ کے دسمبر کے شمارہ میں کتاب "سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار" پر تین صفحات میں شاندار تبصرہ کیا گیا ہے۔ مکمل تبصرہ کو تو نقل کرنا مشکل ہے البتہ اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں:۔

"صحابہ کرام" میں حضرت معاویہؓ کی ذات بڑی مظلوم ہے، اس کاتب وحی ہادی اور مہدی شخصیت کے آئینہ مصفا پر بعض مؤرخین نے منوں گرد ڈال دی ہے جس سے موصوف کا جمال جہاں آراء ابھی تک ایسا مستور رہا ہے جس طرح چاند کی طلعت ابر آلود ہو جائے۔

آگے تاریخ کی تدوین میں جو کچھ عیاریاں کی گئیں اور شیعہ حضرات نے کس طرح اپنی تقیہ کی فیکٹری میں ان روایات کو ڈھالا اور سیدنا عثمانؓ غنی اور سیدنا علیؓ کے بعد بعض لوگوں کو بدنام کرنے کی جو مہم شروع کی گئی تبصرہ نگار نے ان کی نشاندہی کی ہے، اس کے بعد فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ مصنف "سیدنا معاویہؓ" کو جزائے خیر دے کہ اس نے شبانہ روز محنت، جگر کاوی اور عرق ریزی سے اس گرد کو جھاڑنے کی مستحسن کوشش کی ہے جو اولوالعزم اور جلیل القدر صحابیؓ کے دامن اور آئینہ مصفا پر پڑی تھی۔ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں اکابر صحابہؓ حتیٰ کہ اہل بیت تک کے افراد عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن حنفیہؒ،

عبداللہ بن عمرؓ اور عقیل بن ابی طالبؓ کے اقوال بیان کر کے حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرنے کی سعی کی ہے، اور تاریخ کا تانا بانا جس رطب و یابس مواد سے تیار کیا گیا ہے اُسے بھی خوب بے نقاب کیا گیا ہے اور اس پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ خرابیاں کس راستے سے آئی ہیں۔ کتاب کیا ہے؟ اس روشنی کا مینار ہے جو تاریخ کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے طالب علموں کو صحیح راستہ دکھا سکتی ہے، ایک صیقل ہے جس نے تاریخ کے چہروں کو مصفّا اور مجلّا کر دیا ہے، غلط روایات کا پوسٹمارٹم ہے اور ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر صحیح اور غلط واقعات کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ ہم اپنے جملہ قارئین اور خصوصاً اہلسنّت حضرات سے اس کے مطالعہ کی پُرزور سفارش کرتے ہیں اور مصنّف کی اس غوّاصانہ عرق ریزی کی داد دیتے ہیں مصنّف کا سب سے بڑا کمال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرتے کرتے اپنے دامن کو بھی خارجیت سے بچا گئے ہیں ورنہ اس سلسلہ میں پہلے جتنی کوششیں ہوئیں ان میں ایک گرہ کھولی گئی تو دس گرہیں اور نمودار ہو گئیں، حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کیا اور یوں خارجیت کی پرورش کی، لیکن مصنّف کتاب ہٰذا نے اہلسنت والجماعت کے مسلک کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک
دسمبر ۱۹۶۷ء

قطعة تاريخيّة عربيّة

(از)

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب نوری شیخ الادب مدرسہ عربیہ معین الاسلام ہاٹھزاری چٹاگانگ

كتابًا الف حبر عجيبًا ۔ وَلا تلقى كمثله لبيبًا
اديبًا شاعرًا علام دهرٍ ۔ بليغًا ماهرًا فهام عصرٍ
ذكيًا حاذقًا مقدام علم ۔ نقيبًا فائقًا سباق حلم
شهيرًا فى جميع العلم فردًا ۔ ولا تلقى لهٗ فى الفضل ندًا
ففى التحرير سباق زمانٍ ۔ وَفى التقرير منطيق بيانٍ
وفى النظم هو كبر خضمٌ ۔ وَكُلٌّ ناقص وهو متمٌّ
لجبت الشرق والغرب جميعًا ۔ فانى نلتهٗ فضلًا رفيعًا
هو الشيحان فى كل الامور ۔ فقيد المثل فى كل الدهور
وفى التاريخ قد جمع كتابًا ۔ وقد سهل ما كان صعابًا
وكل لفظه دُرٌ ثمين ۔ على ما قال والله امين
جزاه الله فى الدارين خيرًا ۔ وقاه الله فى الكونين ضيرًا
وقد كلَّ النذير عن ثنائه ۔ على ما كان فيه من سنائه

وَفى التاريخ قولوا من سرور
كتاب السيرة جاء بنور
١٣٨٧ھ

ت وقد فى سن طبع من سرور

نذرِ عقیدت

نتیجۂ فکر مولانا الحاج محمد عبدالکریم صاحب صابر ڈیرہ اسماعیل خان



کیا بہترین، کتنی انوکھی کتاب ہے — اور یہ کتاب آپ ہی اپنا جواب ہے
عنوان ہیں اچھوتے تو تحریر دلپذیر — کیا بحث کیا دلائل پختہ ہیں بے نظیر
ہے دل نشین بیانِ امیرِ معاویہؓ — ظاہر ہے جس سے شانِ امیرِ معاویہؓ
جو وقت کا مدبرِ اعظم تھا بے مثال — لاریب اِک مفکرِ اعظم تھا بے مثال
وہ کاتبانِ وحی میں جس کا شمار تھا — جو شاہکارِ قدرتِ پروردگار تھا
وہ کہ جو تھا صحابی محبوبِ کردگار — گنجینۂ رسولؐ کا اِک دُرِ تابدار
حاصل تھی جس کو دنیا میں فوقیت عظیم — وہ فاتحِ دُنیا کا شخصیت عظیم
جس کے ہے کارناموں پہ تاریخ کو بھی ناز — اسلام جس کے عہد میں کتنا تھا سرفراز
کردار میں اسی کے لکھی گئی یہ کتاب — پھر کیوں نہ یہ کتاب ہو دنیا میں لاجواب
اس دور میں یہ واقعی تصنیف ہے عجیب — اور اپنے رنگِ خاص کی تالیف ہے عجیب
محمود کی ظفر کی ہے احمد کی یادگار — اس عہد کا یہ ایک نرالا ہے شاہکار

کاوش ظفر کی دہر میں یہ بے مثیل ہے
صابر قبول اس کی یہ سعیِ جمیل ہے



پیشِ آہنگ

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے نابغۂ اسلام، کاتبِ وحی، خال المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی کتابِ زندگی ہے، اس میں آپ کے واقعاتِ زندگی، واقعات کے نشیب و فراز اور ان کی مختلف کروٹوں پر کتاب و سنت اور تاریخِ اسلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

سیدنا معاویہؓ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو اپنی سیادت اور قیادت کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھا اور ہر موقع پر اس خاندان نے سیاسی و اقتصادی مسائل میں قریش کی قیادت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں اس خاندان نے اہلِ اسلام کی نہایت شدت سے مخالفت کی لیکن جونہی اس خاندان کے لوگوں نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالا اور نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا تو وہی لوگ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط کے مصداق بن گئے اور ان کی شدتِ نفرت شدتِ محبت میں بدل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہی لوگ جس طرح دورِ جاہلیت میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کے قائد و سردار تھے اسی طرح اسلام قبول کرتے ہی مخالفینِ اسلام کا سر کچلنے والوں کی قیادت کے فرائض سرانجام دینے لگے اور ان کے حسنِ اسلام کی وجہ سے ان کی سیادت میں اور بھی حسن پیدا ہو گیا۔

ان کی سیادت کا سب سے بڑا اظہار سیدنا عثمانِ غنیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا جب تمام مملکتِ اسلامیہ ایک ایسے خلیفۃ المسلمین اور چند ایسے گورنروں کے تحت آ گئی جن کا تعلق خاندانِ بنو اُمیہ سے تھا وہ گورنر اگرچہ سیدنا عثمانِ غنی کے مقرر کردہ نہ تھے بلکہ ان کے تقرر کا تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے تھا،

لیکن بعض بنو ہاشم کو جو شروع ہی سے اپنے کو خلافت کا سب سے بڑا مستحق سمجھتے تھے بنو اُمیہ کی شان و شوکت اور بر عروج بالکل نہ بھاتا تھا۔ اس کے ساتھ اہلِ ایران اور یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلافتِ عثمانی کے خلاف ایک فتنہ بپا کر دیا جو سیدنا عثمان رضؓ کی شہادت کا موجب بنا، پھر بعد میں علوی خلافت میں بھی انہی شورش پسندوں کی وجہ سے ہنگامہ میں اور زیادہ اضافہ ہُوا اور جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں کئی ہزار جانوں کو خاک و خون میں لیٹنا پڑا، جس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

اِن ہنگاموں میں جو کچھ بھی ہُوا وہ کسی خاندانی رقابت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بعض سیاسی حالات ان واقعات کا پیش خیمہ تھے، مگر بعد کے تاریخ نگاروں نے ان واقعات کو ایک تو باہمی خاندانی رقابت کا رنگ دے دیا اور دُوسرے ان میں اس قدر مبالغہ اور غُلو سے کام لیا کہ حقیقت غلط روایات کی نذر ہو گئی۔ تاریخ کو اس طرح مسخ کرنے میں سب سے زیادہ دخل بنو عباس کو ہے کیونکہ ایک تو وہ خود خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے دوسرے خاندانِ بنو اُمیہ سے انہوں نے زمامِ خلافت چھینی تھی اور وہ اپنے اس پروپیگنڈے سے بنو اُمیہ کو خلافت کا واقعی غیر مستحق اور اپنے کو اس کا سب سے بڑا مستحق سمجھانا چاہتے تھے۔ پھر تاریخ نویسی کا آغاز بھی چونکہ انہی کے زمانہ میں ہُوا اس لیے انہوں نے ایک خاص سیاسی مصلحت کے پیشِ نظر تاریخ میں ایسی غلط روایات داخل کروا دیں جن کا حقیقت سے دُور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ ندوہ کے ایک فاضل مؤرخ مولانا شاہ معین الدین ندوی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

> "بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی یہ سب بنو اُمیہ کے سخت دشمن تھے، اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہُوا، اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آ رہی تھیں تاریخوں میں داخل ہو گئیں کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہُوا تھا روایات کی

اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے مشکل تھی گو بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا تنقید سے مسترد ہو گئیں لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریرؒ اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے ان میں داخل ہو گئے۔ تاہم زمانہ مابعد میں جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی روایتیں ناقابلِ اعتبار قرار پائیں، چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے"۔

(سیر الصحابہ جلد ۶ صـ۹۳)

مصر کے فاضل مصنف علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس حقیقت کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:۔

ان التاریخ الاسلامی لم یبدا تدوینه الا بعد زوال بنی امیة وقیام دولة لا یسر رجالها التحدث بمفاخر ذٰلك الماضی ومحاسن اهله فتولیٰ تدوین تاریخ الاسلام ثلاث طوائف طائفة كانت تنشر العیش والجدة من التقرب الی بغض بنی اُمیة بما تكتبه وتؤلفه وطائفة ظنت ان التدوین لا یتم ولا یكون التقرب الی الله إلّا بتشویة سمعة ابی بكر وعمر وعثمان وبنی عبد شمس جمیعًا وطائفة ثالثة من اهل الانصاف والدین۔

(العواصم من القواصم صـ۱۷۷ تعلیقه)

(ترجمہ) "تاریخِ اسلام کی تدوین بنو امیہ کے زوال اور اس سلطنت کے قیام کے وقت شروع ہوئی جس کے لوگوں کو بنو امیہ کے مفاخر اور محاسن کا تذکرہ یک قلم نہیں بھاتا تھا۔ چنانچہ تاریخِ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں

نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصدِ وحید بنو اُمیہ کی مخالفت
میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر ان کے
دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔ دوسرا گروہ وہ
تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ آدمی کا تدین اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا اور
اس کو قربِ خداوندی اُس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک
ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور تمام بنو عبدشمس (بنو اُمیہ) کے دامنِ شہرت کو
داغدار نہ کیا جائے، اور تیسرا گروہ اہلِ انصاف و اہلِ دین کا تھا"!
گیارہویں صدی ہجری کے مشہور محدث مُلّا علی قاریؒ ایک سلسلۂ گفتگو میں
تاریخ اسلام کے پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ومن ذلك الاحاديث فى ذم معاوية وذم عمرو بن العاص
وذم بنى اُمية ومدح المنصور والسفاح وكذا ذم يزيد والوليد
ومروان بن الحكم۔ (الموضوعات الكبير ط ۱۰۷/۶۹ اصح المطابع کراچی)

(ترجمہ) "انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی موضوع ہیں جو حضرت معاویہؓ
حضرت عمرو بن العاصؓ اور بنو اُمیہ کی مذمت میں ہیں اور (اس کے مقابلے
میں) منصور عباسی اور سفاح عباسی کی مدح و تعریف میں ہیں اور اسی طرح
یزید بن معاویہ اور ولید اور مروان بن الحکمؓ کی مذمت میں جو احادیث ہیں
وہ بھی موضوع ہیں۔ (کیونکہ وہ بنو عباس کے زمانہ میں محض ان لوگوں کو
بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں)"!

ہر سہ اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ بنو اُمیہ ایسے نہیں تھے جیسے تاریخی روایات
بتاتی ہیں بلکہ وہ اسلام کے نہایت مخلص خدمت گذار تھے اور اسلام کی خدمت میں وہ
کسی قبیلے سے پیچھے نہیں تھے بلکہ سب سے پیش پیش تھے۔ اور یہ روایات جن سے
ابن جریر طبری، ابن الاثیر اور ابن عساکر کی تواریخ اٹی پڑی ہیں، سیاسی اغراض کی تکمیل
اور خاص سیاسی جذبات کی تسکین کے لیئے اپنے سیاسی حریفوں کیلئے خاص کر گھڑے

لوگوں سے وضع کرائی گئیں اور بعد میں ان روایات کو کچھ اس طرح سے ہوا دی گئی کہ بے خبر لوگوں نے ان غلط روایات کو حدیث کے ہم پلہ اور ان افسانوں کو تاریخ کی مستحکم اور ثقہ روایات سمجھ لیا۔

اسلامی تاریخ کے ماخذ

اسلامی تاریخ کے ماخذ صرف کتب تواریخ ہی نہیں بلکہ اس تاریخ کے ماخذ تین ہیں:۔

(۱) قرآن حکیم اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا ماخذ قرآن حکیم ہے جس نے اپنے خاص مشن کے تحت صحابہؓ کی ایک جماعت تیار کی پھر اس جماعت کی صفات، ذہنی رجحانات، قلبی کوائف کو بیان کیا اور ان کی خصوصیات کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے بطور اتباع اور حجت پیش کیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے ذہنی رجحانات، قلبی کوائف اور فکری ارتقاء کا تذکرہ کئی سو آیات میں بیان کیا گیا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کی سیرت سے متعلق بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) احادیث قرآن کریم کے بعد احادیثِ رسول کا درجہ ہے جو نہ صرف قرآن کی تشریح و تفسیر ہیں بلکہ صاحبِ قرآن اور حاملانِ قرآن کی سیرت اور واقعاتِ زندگی پر بھی کافی حد تک روشنی ڈالتی ہیں۔ حدیث کی متعدد کتب میں ارشاداتِ نبویہ کے ماسوا صحابہؓ اور تابعین کے اقوال و اعمال کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ان سے تبع تابعین تک کے احوال و وقائع پر روشنی پڑتی ہے۔

صحت کے لحاظ سے کتب احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

پہلا طبقہ کتبِ احادیث کا پہلا طبقہ تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ مؤطا امام مالکؒ، صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ۔ مؤطا کے رجال کی عدالت اور ضبط پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ فقہائے امصار کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ متعدد اہلِ علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ صحیحین (بخاری و مسلم) اگرچہ احادیث کی کثرت اور پھیلاؤ میں

مؤطا سے دس گنا ہوں گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) اور امام مسلمؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) نے احادیث کی روایت کرنے کا طریقہ، راویوں کی تمیز کا سلیقہ تتبع طرق حدیث اور استنباط مسائل کا ڈھنگ مؤطا ہی سے معلوم کیا ہے۔ صحیحین کے جامعین نے بڑی محنت اور رجال روایت پر بڑی کڑی شرطیں لگا کر احادیث کا استخراج کیا ہے لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ صحیحین کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں صحیح حدیث نہ ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

ان قولنا رواہ البخاری ومسلم علامة لنا علیٰ صحته لا انه کان صحیحًا بمجرد روایة البخاری ومسلم رواھا غیرھما من العلماء والمحدثین من لا یحصی عددھم الّا الله ولم ینفرد واحد منھما بحدیث بل ما من حدیث الّا قد رواہ قبل زمانه وفی زمانه وبعد زمانه طوائف ولو لم یخلق البخاری ومسلم لم ینقص من الدین شیٔ و کانت تلك الاحادیث موجودة باسانید یحصل بھا المقصود وفوق المقصود۔

ہمارا یہ کہنا کہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے ہمارے نزدیک اس کی صحت کی علامت ہوتی ہے لیکن محض اس لیے نہیں کہ اس کو امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کیا ہے بلکہ ان کی احادیث کے علاوہ ان حدیثوں کو علماء اور محدثین کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے، ان احادیث میں ایک بھی ایسی نہیں جس کو کافی لوگوں نے ان کے زمانے سے قبل اور خود ان کے زمانے میں اور ان کے زمانہ کے بعد روایت نہ کیا ہو اگر بخاریؒ اور مسلمؒ پیدا نہ ہوتے تو پھر بھی دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی اور یہ احادیث اپنی اسناد کے ساتھ اسی طرح موجود ہوتیں اور ان سے یہی مقصود حاصل ہوتا بلکہ مقصود سے بھی کچھ زیادہ حاصل ہوتا۔

وانما قولنا رواه البخاری ومسلم كقولنا فی القرآن رواه القراء السبعة والقرآن منقول بالتواتر لم يختص هؤلاء السبعة بنقل شیٔ منه وكذلك التصحيح لم يقلد ائمة الحديث فيه البخاری ومسلماً بل جمهور ما صححاه كان قبلهما عند ائمة الحديث صحيحاً ملتقى بالقبول وكذلك فی عصرهما وكذلك بعدهما قد نظر ائمة هذا الفن فی كتابيهما واتفقوا على صحة ما صححاه الا مواضع يسيرة نحو عشرين حديثاً غالبها فی مسلم انتقدها عليهما طائفة من الحفاظ۔

ہمارا یہ کہنا کہ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم قرآن کی بابت کہتے ہیں کہ اسے قراء سبعہ نے روایت کیا ہے حالانکہ قرآن تواتر سے منقول ہے اور اس کی کسی شے کے بارہ میں قراء سبعہ کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اسی طرح حدیثوں کی تصحیح کا معاملہ ہے اس میں بھی محدثین بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کرتے بلکہ جن احادیث کو انہوں نے صحیح کہا ہے محدثین کے نزدیک وہ ان سے پہلے زمانہ میں بھی صحیح اور ملتقی بالقبول ہی تھیں، اسی طرح ان کے زمانہ میں بھی اور ان کے بعد بھی۔ اس فن کے ائمہ (محدثین کرام) نے ان دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان روایات کی صحت پر ان کے ساتھ اتفاق کیا جن کو ان دونوں (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) نے صحیح کہا ہے سوائے بیس احادیث کے قریب جن میں اکثر مسلم میں ہیں اور بعض حفاظِ حدیث نے ان دونوں کتابوں کی ان احادیث پر تنقید کی ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۵۸/۵۹ بولاق مصر)

دوسرا طبقہ کتب احادیث کا دوسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ کتابیں ہیں جو ان دونوں کتابوں کے درجہ تک تو نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں

جیسے جامع ترمذی (م ۲۷۹ھ) سنن ابی داؤد (م ۲۷۵ھ) سنن نسائی (م ۳۰۳ھ) جن کے مؤلفین وثوق، عدالت، حفظ اور ضبط میں مشہور تھے اور فنون حدیث میں تبحر۔ ان حضرات نے اپنی ان کتابوں میں ان شروط میں کوتاہی اور چشم پوشی کرنے کو پسند نہیں کیا ہے جن کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور احادیث کے احوال وعلل کے بیان کرنے میں کم کوشش نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور ائمہ حدیث نے ان چھ کتابوں کو "صحاح ستّہ" کے نام سے موسوم کیا ہے لیکن سنن اربعہ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) کی سب روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع سبھی قسم کی روایات شامل ہیں۔

چنانچہ علامہ عبد الحی لکھنوی فرماتے ہیں:۔

لیس کل ما فی ھٰذہ الکتب وامثالھا صحیحًا وحسنًا بل ھی مشتملۃ علی الاخبار الصحیحۃ والحسنۃ والضعیفۃ والموضوعۃ۔

"ان کتابوں اور ان جیسی دوسری کتابوں میں صرف صحیح اور حسن روایات ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات ہیں"۔ (الاجوبۃ الفاضلۃ ص۶۶)

ایسا ہی علامہ نووی نے لکھا ہے کہ:۔

ان فی السنن الصحیح والحسن والضعیف والمنکر۔

"سنن اربعہ میں صحیح، حسن، ضعیف اور منکر ہر قسم کی روایات ہیں"۔ (التقریب ص۹۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک مسند امام احمد (م ۲۴۱ھ) بھی اسی طبقہ ثانیہ میں سے ہے، وہ اصل ہے جس سے صحیح اور سقیم کا علم ہوتا ہے اور اس سے اس حدیث کی جس کی کوئی اصل ہے اس حدیث سے جس کی کوئی اصل نہیں ہے تمیز کیا جاتا ہے۔

بایں ہمہ اس مسند میں بہت سی ضعیف احادیث بھی ہیں جن کا احوال بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ مسند احمد کی ضعیف احادیث بھی اُن ضعیف احادیث سے کہیں بہتر ہیں جن کی متاخرین تصحیح کرتے ہیں کیونکہ مسند احمد کی ضعیف حدیث بھی حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ بہر حال مسند امام احمدؒ سے بڑا صحیح احادیث کا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے بلکہ علامہ حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے "غایۃ المقصد فی زوائد المسند" میں تصریح کی ہے کہ:۔

مسند احمد اصح صحیحاً من غیرہ۔

"صحیح ہونے کے لحاظ سے مسند احمد اوروں کی نسبت زیادہ صحیح ہے"۔ (تدریب الراوی ص۵۷)

لیکن محدثین کی یہ تصحیح اسناد کے لحاظ سے ہے، درایت کے اصولوں پر اگر ان احادیث کو پرکھا جائے تو کئی احادیث ایسی ملیں گی جو کہ حد درجہ کی ضعیف ہیں اور ان کے راویوں نے اپنی مرویات میں نادانستہ یا دانستہ دروغ گوئی سے اور کذب بیانی سے کام لیا ہے۔

علمائے حدیث و فقہ نے مسند احمد کو اپنا راہ نما بنایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ فنِ حدیث میں اس کی حیثیت رکنِ اعظم کی ہے۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) بھی طبقہ ثانیہ میں شمار کی جاتی ہے اگرچہ اس کی بعض احادیث انتہا درجہ کی ضعیف ہیں۔

حدیث کی کوئی کتاب بھی ہو، خواہ وہ بخاری مسلم ہی کیوں نہ ہوں تنقید اور چھان پھٹک سے بالاتر نہیں اور محدثین نے اپنی کتابوں میں ان سب کتابوں کی روایات پر بحث اور تنقید کی ہے اور ان کی احادیث کے بارہ میں استدراکات لکھے جیسا کہ امام دارقطنیؒ نے بخاری کی دوسو احادیث پر "الاستدراکات" نامی کتاب لکھی۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ ص)

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ان کا جواب دینے کی بھی سعی کی ہے لیکن جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ مضمحل نظر آتے ہیں۔

(ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ص۳۴۸ تا ۳۸۲)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ایک تقسیم کے لحاظ سے احادیث کی تین قسمیں ہیں :۔

(۱) وہ احادیث جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو فضائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن میں واقعات، تنازعات، مشاجرات اور سیر و مغازی کا ذکر ہے۔

ان میں سے پہلی قسم کی احادیث پر ائمہ اربعہ اور ان کے متعلقین فقہاء نے اسناد و درایت کے لحاظ سے سیر حاصل بحثیں کر کے ان کی چھان پھٹک کر دی ہے اور اب ان پر زیادہ تنقید اور تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم کی احادیث پر علمائے کرام نے کچھ بحث کی ہے لیکن اس قسم کی احادیث پر ان کا معیار تنقید احکامی احادیث سے الگ ہے۔ ان احادیث کے بارہ میں علماء نے نہایت تساہل سے کام لیا ہے۔ اگر کسی ضعیف حدیث سے بھی کسی عمل کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو اس ضعیف حدیث پر عمل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے ائمہ حدیث فرماتے ہیں :۔

اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا و اذا روینا فی الفضائل و نحوها تساهلنا۔

جب ہم حلال و حرام (یعنی احکام) کے بارہ میں احادیث روایت کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں لیکن جب فضائل کی احادیث روایت کرتے ہیں تو (ان پر جرح اور تنقید کے بارہ میں) تساہل سے کام لیتے ہیں۔ (کفایہ ص۱۳۴)

اس مضمون کو ان کتابوں میں بھی مختلف الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے :۔

(۱) عیون الاثر فی فنون مغازی والسیر لابن سید النّاس جلد ۱ ص۱۵

(۲) الحظ الاوفر فی الحج الاکبر ص۶۲۔ (۳) الموضوعات لعلی القاری ص۷۳

(۴) شرح الفیۃ الحدیث جلد ۲ ص ۲۹۱ (۵) الفتح المبین شرح اربعین نووی لابن حجر مکی ص ۳۲

تیسری قسم کی احادیث جن کا تعلق مغازی و سیر اور مشاجرات و واقعات صحابہ سے ہے ان کی تنقیح و تنقید پر بہت ہی کم لوگوں نے توجہ کی ہے اور جن لوگوں نے ان احادیث کے بارہ میں کچھ لکھا ہے انہوں نے بھی صرف اسنادی لحاظ سے ان پر جرح و نقد کیا ہے، اصولِ درایت کے لحاظ سے ان کے بارہ میں کوئی بحث نہیں کی۔ لہٰذا سیر و مغازی اور مشاجراتِ صحابہؓ کے بارہ میں ہر قسم کی احادیث کو بڑے بڑے محدثین نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ اور عام لوگ ہر موضوع اور ضعیف حدیث کو بھی صرف اس وجہ سے کہ فلاں عالم نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اپنے معتقدات کی بنیاد ان پر رکھنے لگے۔

علاوہ ازیں سیر و مغازی اور مشاجرات کا تعلق تاریخ سے بھی ہے اور تاریخ کی اکثر روایات محمد بن اسحاق، واقدی اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں جن کے کذب پر بڑے بڑے ائمہ حدیث کا اتفاق اور اجماع ہے چنانچہ محمد بن اسحاق کے بارہ میں امام نسائی، امام ابو حاتم، امام دار قطنی، سلیمان تیمی، یحییٰ بن سعید القطان، وہیب بن خالد، امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، حافظ ابن القیم، امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور دیگر ائمہ حدیث نے کذاب، ضعیف، لیس بحجۃ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضعفاء صغیر ص ۵۲، کتاب العلل جلد ۱ ص ۲۳۳، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۳، ۴۶، توجیہ النظر ص ۲۸، زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۴۳، نیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۳۴، دلیل الطالب ص ۲۳۹ وغیرہم۔

بلکہ امام مالکؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ محمد بن اسحٰق "دجالوں میں سے ایک دجال تھا"

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۱، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱)

اسی طرح واقدی کے بارہ میں ائمہ حدیث نے کذاب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۴/۳۶۶، لسان المیزان جلد ۶ ص ۸۲۵، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱۱، المغنی جلد ۲ ص ۶۱۹)

اسی طرح ابو مخنف لوط بن یحییٰ بھی اہل علم کے نزدیک دروغ گو، اخباری، غیر ثقہ اور

جلا بھنا شیعہ ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶، لسان المیزان جلد ۴ ص ۲۹۲)

یہی حال ہشام بن محمد بن سائب الکلبی کا ہے۔ علمائے جرح و تعدیل نے اس کا چہرہ بھی گھناؤنا پیش کیا ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔

ان راویوں کی مرویات آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسی ہوں گی! کذب اور دروغ بافی کا مرقع، صحابہ کرام پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی کا مجموعہ، دینِ اسلام کے خلاف ایک سازش، جس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے۔

ہمارے محدثین نے تاریخ اور حدیث کی بعض روایات میں جب ہم آہنگی دیکھی تو بعض ضعیف بلکہ موضوع احادیث کو بھی جن کا تعلق سیر و مغازی اور مشاجرات سے تھا بغیر اسناد پر بحث کئے اور درایت کے اصولوں کو نگاہ میں رکھے بیک جنبشِ قلم ان کو صحیح لکھ دیا اور متاخرین نے متقدمین پر اعتماد کی بنیاد استوار کرتے ہوئے بغیر جرح و تنقید کے ان کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی اور آنے والے لوگوں کے راستہ میں مشکلات کی دیوار کھڑی کر دی۔ مثال کے طور پر حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ"۔

اس حدیث کو اگرچہ طبقہ اعلیٰ کی کتابوں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سننِ ابی داؤد وغیرہ میں روایت نہیں کیا گیا، لیکن یہ درست ہے کہ یہ حدیث کثرتِ رواۃ اور تعدد طرق سے مروی ہے لیکن اس کے باوجود غیر صحیح اور ضعیف ہے، چنانچہ حافظ جمال دین زیلعیؒ نے لکھا ہے کہ:

کم من حدیث کثرت رواتہٗ و تعددت طرقہٗ وھو حدیث ضعیف۔

"کئی احادیث کثرتِ رواۃ اور تعددِ طرق کے باوجود ضعیف ہیں"

ان ہی احادیث میں حافظ زیلعیؒ نے حدیث مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ کو بھی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد ۱ ص ۳۵۹، ۳۶۰)

اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہؒ نے علامہ ابنِ حزم ظاہریؒ کا قول نقل کیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ فَلَا يصح من طرق

الثقات اصلاً -

"اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ ثقہ اور معتبر طریقوں سے ہرگز ثابت نہیں"۔ (منہاج السنۃ جلد ۴ ص۸۶ بولاق)

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ثقات کے نزدیک بالکل ضعیف ہے لیکن کثرت رواۃ اور تعدد طرق کی بناء پر بعض محدثین نے اسے صحیح لکھ دیا ہے جو کہ اصولِ روایت اور اصولِ درایت کی رُو سے سراسر غلط ہے۔

ساری بحث کا حاصل یہ کہ سیر و مغازی اور مشاجرات و واقعاتِ صحابہؓ کے بارہ میں احادیث پر علمائے متقدمین اور متاخرین نے اصولِ روایت و درایت کے لحاظ سے وہ جرح و تنقید اور بحث و تحقیق نہیں کی ہے جو احکامی احادیث پر کی ہے اور اگر کچھ جرح و نقد کی بھی ہے تو نہایت تساہل سے۔

دوسری چیز یہ کہ حدیث صحیح اور خبر صحیح وہی ہے جو اصولِ روایت و درایت پر پوری اُترتی ہو محض یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے اور یہ خبر فلاں مؤرخ نے نقل کی ہے ایک بے وزن بات ہے۔

ایسی احادیث اور اخبار سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات کو مجروح نہیں کیا جا سکتا جن کی پاکدامنی اور رضائے الٰہی کی سند خبرِ متواتر یعنی قرآنِ حکیم سے دی جا چکی ہے۔

تیسرا طبقہ کتبِ احادیث کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ مسانید، جوامع اور مصنفات شامل ہیں جو بخاریؒ اور مسلمؒ کے زمانے سے قبل یا ان کے زمانے میں یا ان کے بعد تصنیف ہوئیں اور وہ صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطا و صواب اور ثابت و مقلوب ہر نوع کی احادیث پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ ان سے اجنبیت مطلقہ زائل ہو گئی ہے تاہم علماء میں ان کی شہرت و مقبولیت ویسی نہ ہو سکی جیسی طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی کتابوں کی ہوئی۔

ان میں مختلف معیار کی کتابیں ہیں بعض کتابیں بعض سے زیادہ قوی ہیں۔ ان کتابوں کے کچھ نام یہ ہیں:-

مسند امام شافعی دم ۲۰۴ھ، سنن ابن ماجہ دم ۲۷۳ھ، مسند دارمی دم ۲۵۵ھ، مسند ابو یعلی موصلی دم ۳۰۷ھ، مصنف عبدالرزاق دم ۲۱۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ دم ۲۳۵ھ، مسند عبد بن حمید دم ۲۴۹ھ، مسند ابو داؤد طیالسی دم ۲۰۳ھ، سنن دارقطنی دم ۳۸۵ھ، صحیح ابن حبان دم ۳۵۴ھ، مستدرک حاکم دم ۴۰۵ھ، کتب بیہقی، دم ۴۵۸ھ، کتب طحاوی دم ۳۲۱ھ، اور مصنفات طبرانی دم ۳۶۰ھ،

چوتھا طبقہ کتب حدیث کے چوتھے طبقے میں وہ کتابیں شامل ہیں جن کے مصنفین نے زمانہ دراز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو گزشتہ زمانوں (طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں) میں نہیں تھیں، لہٰذا ان کی احادیث دو شقوں سے خالی نہ ہوں گی۔ ایک شق یہ ہے کہ سلف نے ان سے کافی بحث کی لیکن انہیں ان کی اصل نہ ملی کہ ان کی روایت میں مشغول و مصروف ہوتے، دوسری شق یہ ہے کہ انہیں اصل تو ملی لیکن ان میں قدح و علت تھی جس کی وجہ سے وہ ان کی روایت ترک کرنے پر مجبور ہوئے۔ غرض ان دونوں شقوں کی بناء پر ان کتابوں پر کوئی ایسا اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ ان کتابوں سے کوئی عقیدہ ثابت کیا جا سکے یا ان سے کسی عمل کے ارتکاب پر کوئی دلیل قائم کی جا سکے۔

اس قسم کی کتابیں بکثرت موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :۔

کتاب الضعفاء لابن حبان دم ۳۵۴ھ، مسند الفردوس للدیلمی دم ۵۰۹ھ، مصنفات حاکم دم ۴۰۵ھ، بلکہ ان کی ساری تصانیف۔

کتاب الضعفاء للعقیلی دم ۳۲۳ھ، مصنفات ابی نعیم دم ۴۳۰ھ،
کتاب الکامل لابن عدی دم ۳۶۵ھ، مصنفات جوزقانی دم ۵۴۳ھ،
مصنفات ابن مردویہ دم ۴۱۶ھ، مصنفات ابن عساکر دم ۵۷۱ھ،
کتب خطیب دم ۴۶۳ھ، مصنفات ابی الشیخ دم ۳۶۹ھ،
تصانیف ابن شاہین دم ۳۸۵ھ، اور
تفسیر ابن جریر دم ۳۱۰ھ، مصنفات ابن النجار دم ۶۴۳ھ،

علامہ ابن جوزیؒ (م ۵۹۶ھ) نے اپنی کتاب "موضوعات" میں ان کتابوں کی اکثر موضوع روایات کی خوب خبر لی ہے، چنانچہ ان کو انہوں نے مجروح اور مطعون ثابت کیا ہے اور ان کے دلائل وضع و کذب کو خوب واضح کیا ہے، نیز کتاب "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ" للشیخ ابی الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی (م ۹۶۳ھ) اس قسم کی فریب دہ چیزوں کو دور کرنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ دوسری کتابوں کی حاجت ہی نہیں رہتی، اکثر عجیب و غریب مسائل مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسلمان ہونا اور ابن عباس سے مسح رجلین کی روایات اور اس طرح کے بہت سے عجیب و غریب مسائل اسی طبقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی تصانیف کا سارا سرمایہ یہی کتابیں ہیں کیونکہ وہ زیادہ انہی کتابوں میں مشغول رہتے اور ان سے ایسے ایسے احکام استنباط کرتے کہ جن کی کوئی حد نہیں۔

اگر کسی کو ان کتابوں سے کوئی دلچسپی ہو تو وہ علامہ شمس الدین ذہبیؒ کی کتاب "میزان الضعفا" اور ابن حجر عسقلانیؒ کی "لسان المیزان" کو اپنے زیر مطالعہ رکھے کیونکہ یہ دونوں کتابیں ان کتابوں کی روایات کی تحقیق کے بارہ میں از حد مفید ہیں۔ (ماخوذ از عجالۂ نافعہ از شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی ص ۵-۸، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ ص ۶۶،۱۳۷)

(۳) تاریخ

تاریخ اسلامی کا تیسرا ماخذ کتب تواریخ ہیں، لیکن یہ ماخذ اتنا معتبر نہیں ہے کہ اس پر کلی اعتماد کر کے پہلے دو ماخذوں کی روایات اور وقائع کو نظر انداز کر دیا جائے یا ان کو غلط قرار دے دیا جائے۔ کیونکہ پہلے دونوں ماخذوں (قرآن و حدیث) کی اکثر روایات یقینی اور کچھ قریب بہ یقین ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں تاریخی روایات بالکل ظنی بلکہ اکثر محرف ہیں جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اکثر کتب تاریخ بنی عباس کے زمانہ میں مدون ہوئیں اور ایک خاص پولیٹیکل سازش کے تحت ان میں جان بوجھ کر ایسا مواد اور ایسی روایات جمع کر دی گئیں کہ

جن سے بنو اُمیہ کی تنقیص مقصود تھی اور اس کے محاسن کو بھی معائب و مثالب کے رنگ میں پیش کیا گیا تھا اور اس مقصد کے لیے کرائے کے ٹٹو بھی خریدے گئے۔

(۲) بعد کے زمانہ میں شیعہ راویوں اور شیعہ مؤرخین نے اپنے کو سُنی ظاہر کر کے تاریخ کی ایسی کتابیں تالیف کیں جن میں بنو اُمیہ کے خلاف اپنے دلی بغض کا کُھل کر اظہار کیا گیا اور سُنی کتب تواریخ میں تحریف کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جن کا تفصیلی ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحؒ نے اپنی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں فرمایا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

(ا) شیعہ علماء اکثر یہ کیا کرتے ہیں کہ تفسیر و سیر کی ان کتابوں میں جن کا استعمال سُنی علماء و طلباء کے ہاں کم رہتا ہے یا حدیث کی ان کتابوں میں جو زیادہ مشہور نہیں ہوتیں اپنی طرف سے موضوع اور جھوٹی باتیں جو کہ مذہب شیعہ کی مؤید ہوتی ہیں ملحق کر دیتے ہیں اور پھر اس سے سُنی ناواقف علماء کو بھی بعد میں دھوکا لگ جاتا ہے۔

پھر اس کی ایک مثال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

—— "محمد شاہ کے زمانہ میں دہلی میں دو شیعہ بھائی طبقہ اُمراء میں سے ایسے تھے جو کہ صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور اہلسنت کی دوسری کئی ایک تفاسیر کو بہترین کاغذ پر خوشخط کاتبوں سے لکھواتے اور جگہ جگہ اپنے مذہب کی تائید کی حدیثیں ملا دیتے، پھر ان نسخوں کی جلدوں کو مطلّا اور مُذہّب کر کے بہت معمولی قیمت پر فروخت کرنے کیلئے بازار میں پیش کرتے، معمولی قیمت پر بہترین خط و کاغذ کی اعلیٰ کتابوں کو دیکھ کر ناواقف لوگ شوق سے خرید لیتے اور اس طرح ان کتابوں کی اشاعت ہو جاتی۔

اسی طرح اصفہان میں خاندانِ صفویہ کے اُمراء میں سے ابراہیم بن علی شاہ شیعہ وہاں پر اسی طرح کا کام کرتے رہے لیکن ان مکاریوں اور دھوکہ بازیوں سے بھی ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا کیونکہ اہلسنت کی مشہور کتابیں کمال شہرت کی وجہ سے ناقابل تحریف تھیں اور کُتب غیر مشہورہ کا کوئی اعتبار نہیں"—— (تحفہ اثنا عشریہ صٓ ۹۵)

(ب) کبھی شیعہ علماء فضائل خلفاء اربعہ میں کوئی کتاب تصنیف کر دیتے ہیں اور اس میں

اہل سنت کی صحیح کتابوں سے صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں لیکن جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ذکر کرنے کی نوبت آتی ہے تو اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں جو کہ خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہؓ کے حق میں موجب قدح ہوتی ہیں، وضع کر جاتے ہیں یا حضرات شیعہ کی کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت کی حقیقت کے بارے میں چند نصوص صریحہ اور یہ کہ سیدنا علیؓ کے ہوتے ہوئے جو کوئی خلیفہ بن جاوے تو وہ "یہ اور وہ" ہے درج کر جاتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ سُنکر پڑھنے اور سُننے والے شبہ میں پڑ جاویں اور خلفائے راشدین کے بارہ میں ان کے دل میں بدظنی پیدا ہو جاوے۔

(تحفہ اثنا عشریہ صـ۹۶)

اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کی مثالیں بھی نقل فرمائی ہیں۔

(ج) کبھی یہ لوگ اہلسنت کے مؤرخوں کے ساتھ یوں بھی کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتاب لکھ لیتے ہیں اور اس میں کوئی ایسی بات جس سے یہ وہم پیدا ہو سکے کہ مؤلف اہلسنت سے خارج ہے، درج نہیں کرتے، لیکن سیر خلفاء، احوال صحابہؓ اور ان کے باہمی محاربات کے بیان میں کچھ حصہ تھوڑا سا اپنے مذہب کا ملا لیتے ہیں، بعض اہلسنت مؤرخین اس خیال سے کہ مصنف سُنی اور محقق ہے اس سے نقل کرتے اور غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہی بے تحقیق عبارت قارئین کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

پھر ایک مثال دے کر فرماتے ہیں کہ محققین اہلسنت ایسی تاریخوں کے مطالعہ سے احتراز ضروری قرار دیتے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ صـ۱۱۷)

(د) کبھی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اہلسنت کے معتبر اور مستند علماء کے اسماء والقاب اور ان کی کنیتوں پر غور کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی بڑا شخص اپنے کسی عالم کا ہم نام یا ہم لقب پا لیتے ہیں تو اپنے اس شیعہ عالم کی حدیث و روایت اس سُنی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، نام و لقب کے اتحاد کی وجہ سے دونوں میں امتیاز بہت مشکل ہوتا ہے لہٰذا ناواقف سُنی اس کو اپنے ائمہ میں سے ایک امام سمجھ کر اس کی روایت کو قابل اعتبار سمجھ لیتے ہیں، جیسے "سدی"۔ اس نام کے دو شخص ہوتے ہیں، ایک سُدی کبیر

اور دوسرا سدی صغیر۔ کبیر اہلسنت کے معتبر علماء میں سے ہیں اور صغیر وضاعین و کذابین میں سے ہے اور غالی متشدد رافضی ہے۔ اور اسی طرح ابن قتیبہ نام کے بھی دو شخص ہیں۔ ایک ابراہیم بن قتیبہ غالی رافضی ہے، اور دوسرا عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ اہلسنت میں سے ہے "کتاب المعارف" اصل میں سُنّی ابن قتیبہ کی ہے لیکن شیعہ ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب کا نام معارف رکھا تاکہ لوگوں کو نام سے اشتباہ ہو جائے۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص۶۷)

(۳) کتب تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا تیسرا سبب اکثر تاریخی روایات کا بے سند ہونا ہے مسلمانوں نے جب اقوالِ رسول کے لیے سند کا ہونا ضروری قرار دیا ہے تو تاریخ کے لیے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ بغیر سند کے ہر کوئی جو کچھ چاہے کسی کے متعلق کہہ سکتا ہے، اسی لیے امام مسلمؒ اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ:۔

لَوْلَا الْاَسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ۔ (مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۲)

اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔

چنانچہ کتب تاریخ میں اکثر روایات بے سند ہیں کسی کو "ذکروا" اور کسی کو "قیل" یا "یقال" یا "روی عن اصحابنا" یا اسی طرح کے اور مبہم سے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اب ایسی روایات کی حقیقت قرآن اور حدیث کی صحیح روایات کے مقابلہ میں کچھ نہیں، چنانچہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ مؤرخین کی روائیتیں تو عموماً بے سر و پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و ثمین سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد"۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص۲۶۶)

(۴) تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا چوتھا سبب یہ ہے کہ تاریخی کتابیں پریس نہ ہونے کے سبب سے کافی عرصہ سے قریبًا ناپید ہو چکی تھیں، اس زمانہ میں یورپ کے مستشرقین نے ان کو چھاپا ہے، اب معلوم نہیں انہوں نے ان میں کیا کیا تحریفات کی ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلام کے خلاف ایک گہری سازش کیے ہوئے ہیں اور اسلامی کتابوں کے انگریزی ترجمے اور اسلامی نایاب کتابوں کی طباعت ان کی بُری نیت کی غمازی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ کی دو عظیم الشان کتب "طبری" اور "طبقات ابن سعد" ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مصنف ایک بہت بڑے عالم اور محدث تھے، واقدی کے شاگرد اور فتوح البلدان کے مصنف بلاذری کے استاذ تھے، طبقات ۱۲ جلدوں میں مرتب فرمائی جن میں دو حصے صرف جناب ختمی مرتبت کے حالات کے بارہ میں ہیں اور باقی دس حصے صحابہؓ، تابعین کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہیں، لیکن یہ کتاب قریبًا ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ جرمن کے شہنشاہ کو اس کی طباعت واشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ اس نے لاکھ روپے اپنی جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ کے مختلف کتب خانوں سے اس کے تمام اجزاء فراہم کیے اور یورپ کے بارہ پروفیسروں نے جن میں اکثر پادری تھے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ سن ۱۹۰۰ء میں لیڈن (ہالینڈ) سے اس کو طبع کر کے شائع کیا گیا۔ (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۶)

آج یہی کتاب تمام دنیا میں ملتی ہے اگرچہ بعد میں یہ کتاب مصر میں بھی شائع ہوئی لیکن انہوں نے اسی لیڈن کے نسخہ کی نقل کر کے شائع کی ہے۔ اب ایک ایسی کتاب جو ایک عرصہ تک ناپید رہی ہو اور اہل علم میں اس کے علمی تعارف کا واسطہ قطعی منقطع ہو کر رہ گیا ہو اور اس کو دوبارہ مرتب کرنے والے غیر عرب، غیر مسلم اور متعصب عیسائی پادری ہوں جو تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ قائم کیے ہوئے ہوں اور پیغمبر علیہ السلام اور ان کے اصحابؓ اور ان کی اُمت کے ساتھ

ان کا تعصب اظہر من الشمس ہو اس کی اعتمادی حیثیت کس پایہ کی رہ جاتی ہے اور اس کی روایات کو بلا تنقیح و تنقید کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے؟

یہی حال طبری کی "تاریخ الامم والملوک" کا ہے، یہ بھی یورپ ہی کے طفیل زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہے اور اسی طرح غیروں بلکہ دشمنوں کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے، اسی طرح اور کئی کتابیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ ان کتابوں کی طباعت سے علمی دنیا کو بہت فائدہ پہنچا، لیکن اسلامی دنیا کو اس سے اتنا ہی نقصان بھی ہوا اور ان لوگوں نے ان میں بہت سی تحریفات کر دیں۔

(۵) تاریخ کے غیر معتمد ہونے کا پانچواں سبب یہ ہے کہ دورِ بنی عباس میں جب اس کی تدوین ہوئی تو اس وقت جو کتابیں مدوّن ہوئیں وہ تاریخ نہیں تھیں بلکہ موادِ تاریخ پر مشتمل تھیں۔ ان کتابوں میں مؤرخین نے صحیح اور غلط، مستند اور غیر مستند، قوی اور ضعیف ہر قسم کی روایات جمع کر دیں اور جمع کرنی چاہیے بھی تھیں تاکہ بعد کے مؤرخین ان روایات کی چھان پھٹک کر کے صحیح تاریخ مرتب کریں۔ لیکن بعد کے مؤرخین نے بجائے اس بات کے کہ ان روایات کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنی کتابوں میں جگہ دیتے اسی طرح اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور وہ ضعیف و قوی اور صحیح و غلط روایات متعدی امراض کی طرح ایک کتاب سے دوسری کتاب میں پھیلتی چلی گئیں، اور اگر کسی مؤرخ نے ان روایات پر تنقید کی بھی اور ان کو اصولِ روایت و درایت کے لحاظ سے غلط بھی پایا پھر بھی محض تقلیدی ذہنیت کے تحت ان کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور بعض معتمد مؤرخین نے ایسا کیا اور کچھ تنبیہ بھی کر دی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ "طبری" کی بعض روایات پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"وفی بعض ما اوردناه نظر ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمة ذکروہ ما سقته" (البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۲۰۲)

"اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس میں سے بعض حصہ محلِ نظر ہے اور اگر ابن جریر طبریؒ اور دُوسرے ائمہ حفاظ نے ان روایات کو نقل نہ کیا ہوتا تو ہم بھی ترک کر دیتے"۔

مؤرخین کی یہ روش ان کی کتابوں کی اعتمادی حیثیت کو مجروح کر دیتی ہے، تاریخ کی اسی غیر اعتمادی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

المؤرخون الّذین یکثر الکذب فیما یروونه وقلّ ان یسلم لهم نقلهم من الزیادة والنقصان۔ (منهاج السنّة ج ۳ ص ۱۹۶)

"مؤرخین اپنی روایات میں اکثر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور یہ بہت کم ہوتا ہے کہ ان کی روایات زیادتی و نقصان اور افراط و تفریط سے محفوظ رہیں"۔

ایک دوسرے مقام پر امام ابن تیمیہؒ اسی شے کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:-

وانما هو من جنس نقلة التوارخ الّتی لا یعتمد علیها اولوا الابصار۔ (منهاج السنّة ج ۳ ص ۲۴۲)

"اور یہ تاریخی منقولات کی نوع میں سے ہے جن پر اہلِ بصیرت حضرات بالکل اعتماد نہیں کرتے"۔

(۶) تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تاریخ چونکہ بنو عباس کے دور میں مرتب ہوئی اس وجہ سے تاریخ ایسے لوگوں نے مرتب کی جو درباری و سرکاری لوگ تھے، ان لوگوں نے حکومتِ وقت سے انعام و اکرام حاصل کرنے کیلئے عام صحابہ کرامؓ اور خصوصی طور پر بنو اُمیہ کے خلاف غلط روایات وضع کر کے تاریخ میں گھسیڑ دیں۔ بنو عباس نے حکومت چونکہ بنو اُمیہ سے چھینی تھی اس وجہ سے انہوں نے ہر اُس مؤرخ اور راوی کو انعام و اکرام سے نوازا جس نے بنو اُمیہ کے خلاف روایات وضع کر کے تاریخ کو مہیا کیں۔ چنانچہ کچھ لوگ جو اندر سے شیعہ تھے انہوں نے سنّیت کا لبادہ اوڑھ کر تاریخ کو اَن گنت ایسی روایات مہیا کیں جو نہ صرف خلافِ عقل و دانش تھیں بلکہ

روایت کے اصولوں کے بھی سراسر متضاد تھیں۔ چنانچہ الواقدی، ابومخنف لوط بن یحیٰی اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی جیسے شیعہ حضرات نے ہماری تاریخ کو اتنا غلط اور خلافِ واقعہ مواد فراہم کیا جس کو پڑھ کر حیا و دیانت بھی منہ چھپا لیتی ہے۔ چنانچہ الواقدی نے ایک روایت کی جس کو طبری نے نقل کیا کہ سیدنا معاویہؓ نے حکم دیا کہ منبرِ رسول ﷺ کو مدینہ طیبہ سے اٹھا کر شام یعنی دمشق لے جایا جائے، لیکن جب منبرِ نبوی کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوری طور پر آفتاب بے نور ہو گیا حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے، چنانچہ یہ حالت دیکھ کر سیدنا معاویہؓ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور رائے عامہ کو اپنے خلاف دیکھ کر بہانہ یہ تراشا کہ میں منبرِ نبوی کو اٹھا کے لے جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ میں نے اس کو اپنی جگہ سے صرف اس لیے اٹھایا تاکہ دیکھوں کہ کہیں اس کے نیچے دیمک تو نہیں لگ گئی، چنانچہ آپ نے منبر وہیں رکھ دیا بلکہ اس پر غلاف چڑھا دیا۔

اب الواقدی کا یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ نہ آفتاب بے نور ہوا، نہ دن کو ستارے نظر آئے اور نہ سیدنا معاویہؓ نے منبرِ نبوی کو اٹھا کر شام لے جانے کی کوشش کی، لیکن بات نے کہی اپنے نے مانی، الواقدی نے روایت گھڑی اور طبری نے اس کو اپنی تاریخ میں جگہ دی۔ الواقدی بھی شیعہ اور طبری بھی شیعہ لیکن سُنیوں نے ان دونوں شیعوں کی روایت پر یقین کرتے ہوئے کاتبِ وحی، خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کے خلاف واہی تباہی کہنی شروع کر دی۔ اسی طرح ابن شہاب الزہری اندر سے شیعہ تھا لیکن بخاری اور صحاحِ ستہ کی دوسری کتابوں کا بڑا معتبر راوی، اُس نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ روایت نقل کی کہ معاویہؓ امت میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ حالانکہ سیدنا معاویہؓ اس میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ سیدنا معاذ بن جبلؓ کا مسلک بھی یہی ہے اور انہوں نے یمن میں خود بھی ایک ایسا فیصلہ کیا۔ (ملاحظہ ہو المسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۶،۲۳۰، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۷۴، البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۱۰۳) لیکن نام انہوں نے سیدنا معاویہؓ کا لیا تاکہ بنو عباس خوش ہو جائیں۔ اسی طرح یمین مع الشاہد کے مسئلہ میں بھی انہوں نے سیدنا معاویہؓ کا نام لیا حالانکہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے اور سیدنا علیؓ کا مسلک بھی یہی تھا۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص۱۷۲، المبسوط جلد ۷، ص۱۳۴)

اسی طرح لوط بن یحییٰ بھی اسی قسم کا راوی تھا کٹر شیعہ لیکن تاریخ اسلام کا راوی، اور اپنے خبثِ باطن کا اپنی روایات میں اس نے پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔

حدیث و تاریخ کا تقابل

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ تاریخ کی روایات کی اکثریت غیر مستند روایات پر مبنی ہے، لہٰذا جب تاریخ کا تقابل حدیث کی روایاتِ صحیحہ سے ہو گا تو تاریخ کی غیر مستند روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے گا یا ان کی مناسب تاویل کی جائے گی۔ صحابہ کرامؓ جن کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر قرآن و حدیث و اجماعِ امت اور منقولاتِ متواترہ حقہ سے ثابت ہے، ان کے مقابلہ میں طبری، ابن اثیر، ابن سعد، ابن کثیر کی مقطوع اور بے سند روایات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ چنانچہ شیخ العرب والعجم سندی و مولائی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیثِ صحیحہ میں تعارض واقع ہو گا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔" (مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد ۱ ص۲۴۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

"صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائلِ عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایاتِ صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماؤل قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایاتِ تاریخ، اب آپ اصولِ تنقید

کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے ''۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد ا ص ۲۶۶)
شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ ایک جگہ فلاسفہ و متکلمین کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

''اور فلاسفہ کے یہ اقوال، تاریخ وسیرت وغیرہ کی مرسل اور منقطع روایات کی قسم سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی، جب ایسا ہے تو صحابۂ کرامؓ کے فضائل و محاسن جو قرآن وسنت اور روایاتِ متواترہ سے ثابت ہیں ایسی روایات سے جن میں بعض منقطع بعض محرف اور بعض ایسی ہیں جن سے معلوماتِ قطعیہ پر جرح و قدح نہیں ہو سکتی۔ محاسن و فضائلِ صحابہؓ کی قطعی روایات کا رد جائز نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا اور ہمارا یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور سلف کے اجماع سے ثابت ہیں، اور ان منقولاتِ متواترہ کی دلائلِ عقلیہ سے بھی تصدیق ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ صحابۂ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ افضل ہیں، لہٰذا ان کے بارہ میں مشکوک باتوں سے جرح و قدح نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ باطل روایات و خرافات سے''۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۰۹)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں ایک اصول بیان فرمایا کہ :۔

''جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصولِ شرعی کے معارض ہوں اُن کے متعلق یقین کرلیں کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے راویوں کا کوئی اعتبار نہیں ۔ دوسری بات یہ کہ جو روایت حس اور مشاہدات کے خلاف پائی جائے اور قرآن وسنت کی نصوصِ متواترہ کے متبائین اور اجماعِ قطعی کے برخلاف ہو وہ روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی''۔

(فتح المغیث جلد ا ص ۲۴۹)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی

اس سلسلہ میں یوں فرمایا ہے کہ :۔

"فترد کل من روایات التاریخ مایعود منها علی شین وعیب فی بعض اصحاب الرّسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

وہ تاریخی روایات جن سے بعض صحابۂ کرامؓ پر طعن اور عیب پیدا کیا جاتا ہے وہ قابلِ رد ہیں۔" (احکام القرآن عربی جلد ۴ ص۲۷۴)

اِسی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ :۔

"ومن ذٰلک الاحادیث فی ذم معاویۃ رضی اللہ عنہ......... وکل حدیث فی ذمہ کذب

ان موضوع اور جھوٹی احادیث میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جو سیدنا معاویہؓ کی مذمت میں بنائی گئی ہیں کیونکہ ان کی مذمت کی ہر حدیث کذبِ محض ہے۔" (المنار المنیف ص۱۱۷)

ایسا ہی ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الموضوعات الکبیر" میں لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو الموضوعات الکبیر" ص۱۶۹، ۱۷۰)

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "العواصم من القواصم" میں احادیث و تواریخ کے اس تقابل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

"قاضی ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں دیکھتے اور اس کا حسد اور عداوت ان پر غالب ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے کئی عیوب تراش لیتے ہیں۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ سوائے صحیح روایات کے اور کسی طرف التفات بھی نہ کرو، اور جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے خصوصی طور پر مؤرخین سے بچو، یہ سلف سے تھوڑی سی صحیح خبریں ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ بہت سی باطل روایات نقل کرسکیں، یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف لوگوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں تاکہ سلف کی تحقیر اور دین کی توہین و تذلیل کرسکیں حالانکہ دین اس سے عزیز تر

اور سلف ہم سے زیادہ محترم ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

اور جو شخص صحابہؓ کے حالات و افعال پر نظر کرے گا اس پر وہ توہین آمیز الزامات واضح ہو جائیں گے جنہیں مؤرخین نے کمزور لوگوں کے قلوب کو گمراہ اور بے راہ بناتے کیلئے تراشا ہے"۔ (العواصم من القواصم ص ۲۴۴، ۲۴۵)

پھر دو صفحات کے بعد غیر معتبر مفسرین کے بارے میں بھی لکھتے ہیں:-

انما ذکرت لکم ھذا لتحترزوا من الخلق وخاصة من المفسرین والمؤرخین واھل الادب بانھم اھل جھالة بحرمات الدین او علی بدعة مصرین فلا تبالوا بما رووا ولا تقبلوا روایة الا عن ائمة الحدیث ولا تسمعوا المؤرخ کلاما الا للطبری وغیر ذلک ھو الموت الاحمر والداء الاکبر فانھم ینشئون احادیث فیھا استحقار الصحابة والسلف والاستخفاف بھم واختراع الاسترسال فی الاقوال والافعال عنھم وخروج مقاصدھم عن الدین الی الدنیا وعن الحق الی الھوی"۔

(العواصم من القواصم ص ۲۴۷، ۲۴۸)

"یہ باتیں میں نے تم سے اس لیے ذکر کیں تاکہ تم لوگوں سے بچو خصوصاً مفسرین، مؤرخین اور اہلِ ادب سے، کیونکہ یہ لوگ دین کے احترام سے جاہل اور بدعت پر اصرار کرنے والے ہوتے ہیں، ان کی روایات کی بھی مطلق پرواہ نہ کرو، اور محدثین اور ائمہ حدیث کے سوا کسی کی روایت قبول نہ کرو، اور سوائے طبری[1] کے اور کسی مؤرخ کی بھی بات نہ سنو، کیونکہ وہ دین کے لیے موت کا پیغام ہیں اور بہت بڑا مرض، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ایسی ایسی روایات تراشتے ہیں جن میں صحابہؓ اور سلف کی تحقیر اور

---

[1] طبری کے متعلق ابن العربیؒ کی اس رائے سے ہمیں اختلاف ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ان کا استخفاف پایا جاتا ہے۔"

تاریخ تو پھر بھی تاریخ ہے محدثین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تاویل کرنا واجب ہے اور اگر کوئی تاویل نہ ہو سکے تو وہ روایت قابلِ قبول نہ ہو گی کیونکہ کسی حدیث سے کسی صحابی کی تنقیص نہیں ہو سکتی، چنانچہ شارحِ مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :-

"قال العلماء الاحادیث الواردۃ التی ظاھرھا دخل علی صحابی یجب تاویلھا قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الا مایمکن تاویلہ۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۷۸)

علماء کہتے ہیں کہ وہ احادیث جن میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تاویل واجب ہے اور علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو۔"

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں :-

"والواجب ایضاً علی کل من سمع شیئاً من ذلک ان یثبت فیہ فلا ینسبہ الی احد منھم بمجرد رؤیتہ فی کتاب او سماعہ من شخص بل لا بد ان یبحث عنہ حتی یصح عندہ نسبتہ الی احدھم فحینئذ الواجب ان یلتمس لھم احسن التاویلات واصوب المخارج اذھم اھل لذلک کما ھو مشھور فی مناقبھم ومعدود من ماثرھم۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۲۹)

جو شخص صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی بات سنے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ اس کی پوری تحقیق کرے اور صرف کسی کتاب میں پڑھ لینے سے اور کسی شخص سے سن لینے کی بناء پر اس بات کی نسبت ان کی طرف نہ کرے، (اگر وہ بات ان کے خلاف پڑتی ہے) تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی کوئی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی بہتر محمل تلاش

کرے کیونکہ وہ اپنے مناقب و مآثر کی بناء پر اس کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہیں"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک مقام پر بڑے پتہ کی بات لکھی ہے چاہتا ہوں کہ اس کو بھی قارئین کے گوش گزار کر دیا جائے تاکہ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں روایات پر تنقید کا ایک معیار ذہن میں آ جائے، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں :۔

"واذا كان كذلك لم يجز لاحد ان يحتج فى مسئلة فرعية بحديث حتى يبين ما به يثبت فكيف يحتج فى مسائل الاصول التى يقدح فيها فى خيار القرون وجماهير المسلمين وسادات اولياء الله المقربين بحيث لا يعلم المحتج به صدقه۔

جب کسی شخص کے لیے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اُس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اُسے (روایت و درایت کے اصول سے) صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ اس کے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اُن روایات سے جن کے صحیح ہونے کے بارہ میں اسے کوئی علم نہیں، اسلام کے اصولی مسائل کے بارہ میں جن سے خیر القرون جمہور مسلمان اور مقرب اولیاء اللہ کے سرداروں (صحابہ کرامؓ) کے بارہ میں استدلال کرے"۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص۱۸۱)

جب تاریخ کی حیثیت یہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے قرآن و سنت کی متواتر اور صحیح روایات کو غلط قرار دینا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبانِ طعن دراز کرنا جہلاء کا شیوہ تو ہو سکتا ہے، علماء کی شان کے یہ چیز سراسر خلاف ہے۔ اب اس زمانے میں اپنے کو مفکرین اسلام کہنے والے معلوم نہیں کس فکر میں پڑ کر صحابہؓ کے خلاف مسلسل مقالات کا سلسلہ جاری کیے ہوئے ہیں۔ اعاذنا اللہ من هذه الخرافات۔

تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول

اوپر کی بحث سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ تاریخ کی روایات میں اکثریت غلط اور منقطع روایات کی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کو پرکھنے کے چند مشہور اصول بھی لکھ دیئے جائیں جن کی روشنی میں ہر روایت کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جا سکے، وہ اصول حسب ذیل ہیں :-

(۱) روایت نصِ قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

(۲) روایت سندِ متواترہ کے خلاف نہ ہو۔

(۳) روایت صحابہؓ کے اجماعِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔

(۴) روایت میں کوئی ایسا محسوس و مشہور واقعہ بیان ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو اس کو روایت کرنے والے متعدد آدمی ہوتے لیکن اس کے خلاف ایک ہی راوی ہوں تو وہ روایت بھی قابلِ قبول نہ ہوگی۔

(۵) روایت مسلّمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔

(۶) روایت صحیح اور مقبول حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(۷) روایت قواعدِ عربیہ کے خلاف نہ ہو۔

(۸) روایت ایسی نہ ہو جس میں راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہو کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

(۹) روایت ایسی نہ ہو کہ اس کے معنیٰ رکیک یا شانِ نبوت یا شانِ صحابہؓ کے منافی ہوں۔

(۱۰) روایت عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو۔

روایت کے اس دسویں اصول کو محدثین کی اصطلاح میں "اصولِ درایت" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بارہ میں محدثین نے بہت بحث کی ہے ،

جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

یہ دس اصول تو متن روایت کو پرکھنے کے لیے ہیں، باقی سندِ روایت کے پرکھنے کے لیے حسبِ ذیل اصول ہیں :-

(۱) راوی عادل، تام الضبط اور ثقہ ہو۔

(۲) روایت کتنے طریق سے مروی ہے اور راویوں کی تعداد کیا ہے۔

(۳) روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہے یا راستہ ہی میں رک جاتی ہے اگر روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہو گی تو وہ مرفوع کہلائے گی اور اگر راستہ میں رک جاتی ہے تو اسے منقطع کہتے ہیں۔

یہ وہ اصول ہیں جن پر تاریخ کی ہر روایت کے متن اور سند کو پرکھ کر دیکھا جا سکتا ہے کہ اس روایت کی اعتمادی حیثیت کیسی ہے، اور میرے خیال میں اگر ان اصولوں کو تاریخی روایات میں اپنایا جائے تو غلط اور منقطع روایات کی کافی حد تک چھان پھٹک ہو سکتی ہے۔

اور اس وقت ایک قاری اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اچھے طریقے سے سمجھ جائے گا کہ غلط روایات کا کس قدر ذخیرہ تاریخ کے صفحات میں سمو دیا گیا ہے۔

چنانچہ مودودی صاحب تاریخ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ :-

"تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کیلئے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ کا ۹۰ فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حصہ دریا بُرد کر دینا ہوگا[۱]" (خلافت و ملوکیت ص۲۱ حاشیہ)

---

[۱] یہ کوئی ضروری ہے کہ ہم نوّے ۹۰ فیصد یا اس سے زیادہ غلط روایات کی موٹی موٹی تاریخی کتابوں کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھیں اور دشمنانِ اسلام ان کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کے پاکیزہ دامنوں کو داغدار بناتے رہیں، پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صداقت پر قرآن و سنت شاہد و ناطق ہیں اُن کی روایات تو اصولِ روایت و درایت پہ پرکھ کر قبول کریں اور تاریخ کے کذاب اور دشمنِ اسلام رپورٹروں کی باتوں کو بغیر کسی تحقیق کے ہی مان لیں۔

تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر

فن تاریخ اور کتب تاریخ کی اعتمادی حیثیت پر ایک اجمالی تبصرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مشہور کتب تاریخ پر انفرادی طور پر بھی کچھ لکھ دیا جائے۔ جن کو مستشرقین اور اس زمانہ کے نام نہاد منکرین اسلام صحابہؓ اور خصوصی طور پر بنو اُمیہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس سے ایک تو ان کتابوں اور ان کے مصنفین کی حیثیت اور دوسرے ان لوگوں کی دیانت کا پتہ چل جائے گا جو قرآن و حدیث کی روایاتِ معتبرہ متواترہ وصحیحہ کے مقابلے میں ان کتابوں کی بے سند اور غیر معتبر راویوں کی روایات کو اپنی مطلب برآری کے لیے استعمال کرتے ہیں:۔

(۱) تاریخ طبری

اس کا اصلی نام "تاریخ الامم والملوک" ہے اور اس کے مصنف محمد ابن جریر طبری ہیں، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ قریباً تمام محدثین ان کی وسعتِ علم اور فضل و کمال کے معترف ہیں، یہ نہ صرف مؤرخ ہیں بلکہ مفسر بھی ہیں اور ان کی تفسیر قریباً ام التفاسیر کہلاتی ہے، یہ ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۱۰ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ان کی تاریخ ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے اور زیادہ روایات ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی نقل کی ہوئی ہیں، بقول مولانا شبلی نعمانیؒ:۔

"تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں، یہ کتاب بھی عرصہ سے ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی"۔ (سیرت النبی جلد ۱ صـ۲۷)

بعض مؤرخین ان کے بہت مداح ہیں، حتیٰ کہ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ:۔

"مَا اَعْلَمُ عَلَىٰ اَدِيْمِ الْاَرْضِ اَعْلَمَ مِنْ ابْنِ جَرِيْرٍ"۔

میں روئے زمین پر کسی کو ابن جریر سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔"
(لسان المیزان جلد ۵ ص۱۰۲)

اور قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں :۔

"ولا تسمعوا المؤرخ کلاماً الا الطبری ۔۔۔ طبری کے سوا کسی مؤرخ کی بات نہ سنو۔" (العواصم من القواصم ص۲۴۸)

لیکن اکثر محدثین کے نزدیک وہ شیعہ تھا اور خود ان کی روایات اور مسائل بھی اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا۔ چنانچہ محدث احمد بن علی سلیمانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"کان یضع للروافض ۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص۱۰۰)
وہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔"

اگرچہ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام ذہبیؒ نے سلیمانیؒ کے اس قول کو بدگمانی پر محمول کیا ہے اور ان کو اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک امام شمار کیا ہے لیکن ان کو ان کے شیعہ ہونے کا اقرار کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام ذہبیؒ دونوں متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ :۔

"ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا۔" (لسان المیزان جلد ۱ ص۱۰۰، میزان الاعتدال جلد ۳ ص۳۵)

ابن حجرؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :۔

"ابو جعفر الطبری وھو امام من الائمۃ الامامیۃ ۔
ابو جعفر محمد بن جریر طبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے۔"
(لسان المیزان جلد ۵ ص۱۰۰)

انہوں نے خم غدیر جیسے خالص شیعی قصہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کیں، وضو میں جواز مسح رجلین (پاؤں پر مسح کرنے) کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے، اپنی تاریخ الامم والملوک کی جلد ۱۳ کے ص۲۴ کی سطر ۲۵ پر "فی وسط خلافۃ معاویۃ

لعنہ اللہ۔ اور ص۲۹ سطر۱ پر فی خلافۃ یزید بن معاویۃ لعنہما اللہ
لکھا ہے جو کہ خالص شیعی فکر کی غمازی کرتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ابن جریر کی زندگی ہی میں اکثر لوگ ان کے شیعی فکر کی وجہ سے ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے وقت ان کی لاش کو اُن کے رفض کی وجہ سے اہلِ اسلام کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا، چنانچہ ان کو اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص۱۴۶)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جریر طبری نے جس قدر روایتیں اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں ان میں اکثر شیعہ راویوں کی ہیں جن میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی قریباً ۹۰ فیصد روایات ہیں، جس کے متعلق محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا، کذاب تھا، اس کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔
(میزان الاعتدال جلد۲ ص۳۶، تذکرۃ الموضوعات ص۲۸۶، لسان المیزان جلد۴ ص۴۹۲،
تاج العروس شرح قاموس جز۶ فصل ۵ ص۱۰۵)

دوسرے راوی محمد بن سائب الکلبی اور اس کا بیٹا ہشام بن محمد بن السائب ہیں، یہ دونوں راوی بھی سبائی تھے اور ان کا تعلق بھی کذابین سے تھا۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد۳ ص۶۲، ص۲۵۶، لسان المیزان جلد ۶ ص۱۹۶، ص۱۹۷)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ انہیں راویوں کے متعلق اہل علم کا فیصلہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ابو مخنف وھشام بن محمد بن السائب وامثالھما من المعروفین بالکذب عند اھل العلم۔ (منہاج السنۃ ج۱ ص۱۴)
راویوں کا اہل علم کے نزدیک دروغ گو اور کاذب ہونا مشہور و معروف ہے۔"

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ابن حجرؒ اور ذہبیؒ کے اس قول کے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مُضر نہیں تھا، کیا معنی ہیں؟ صحابہؓ پر لعنت کرنا، خم غدیر جیسے قصہ

پر دو ضخیم جلدیں مرتب کرنا، وضو میں پاؤں کے نہ دھونے کا قائل ہونا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ شیعہ راویوں کی روایات اپنی کتابوں میں لا کر صحابہؓ کے متعلق اُمت کے جذبات کو اُکسانا[1]، اگر یہ چیزیں مضر نہیں ہیں تو پھر معلوم نہیں کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک "مضرت" کی تعریف کیا ہے ؟

پھر شیعہ ہونا اور غیر مضر ہونا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں، شیعہ حضرات کا صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارنا اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنا "تحفہ اثنا عشریہ" کے حوالے سے ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں۔

جب دلائل واضحہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ طبری شیعہ تھا اور اس نے اپنی کتاب میں شیعہ راویوں کی روایات کثیر تعداد میں نقل کی ہیں جن میں صحابۂ کرامؓ کے خلاف ایسی ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی صحیح روایات کے سراسر خلاف ہیں۔ اب ایک شیعہ مؤرخ کی روایات کو قرآن و حدیث کی صحیح روایات کے مقابلہ میں کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے ؟

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ طبری شیعہ نہیں تھا پھر بھی اس میں کسی کو انکار نہیں کہ تاریخ طبری میں ہر قسم کا رطب و یابس بھرا ہوا ہے اور وہ تاریخ نہیں بلکہ موادِ تاریخ ہے، اس صورت میں اس کی روایات کو ان اصولوں پر پرکھا جائے گا جو محدثین اور

---

[1] علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ "ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتال کرنے پر اُکسایا گیا تھا" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۷۵)

ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ھذا کذب علی الصحابۃ (یہ صحابہؓ پر افترا ہے)

صحابہؓ پر یہ افترا پردازی معلوم نہیں ابن جریرؒ اور ذہبیؒ کے نزدیک کس طرح غیر مضر ہے ؟

ابنِ خلدون جیسے مؤرخین نے قائم کیے ہیں، جو روایات ان کی روایت اور درایت کے اصولوں پر پوری اتریں گی وہ قبول کی جائیں گی اور دوسری کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ طبری کے اردو ترجمہ پر "ترجمان القرآن" کے تبصرہ نگار نے اپریل ۶۷ء کے شمارہ میں لکھا تھا۔

"ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی معروف کتاب "تاریخ الامم والملوک" تاریخ کے پہلے حصے یعنی واقعات کے جمع کرنے میں اُمہات الکتب کا درجہ رکھتی ہے...... انہوں نے روایات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح و تعدیل کا کام دوسرے اصحاب علم کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود قوی اور ضعیف یا غلط و صحیح کے درمیان امتیاز کریں، چونکہ یہ تاریخ کی کتاب ہے احادیث کی کتاب نہیں اس لیے واقعات کی چھان بین اور جن حضرات سے واقعات منقول ہیں، ان کے علمی اور اخلاقی مقام کو مشخص کرنے میں وہ احتیاط نہیں برتی گئی جو تدوینِ حدیث کے معاملے میں پیشِ نظر رکھی گئی ہے، اس لیے اس کتاب میں بہت سی غیر مُستند چیزیں بھی جمع ہو گئی ہیں۔"

(ترجمان القرآن ص ۱۲۶، ۱۲۷ اپریل ۶۷ء)

علامہ شبلی نعمانی رح نے نہایت محتاط انداز میں طبری اور ابن سعد کی کتابوں کے بارہ میں اظہارِ خیال فرمایا ہے، فرماتے ہیں:۔

"ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مُستند ہونا ان کی تصنیفات پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریکِ واقعہ نہیں اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مُستند ہیں۔"

(سیرت النبی جلد ۱ ص ۴۵)

(۲) کتاب الامامۃ والسیاسۃ یہ کتاب ۱۳۲۲ھ میں مصر میں چھپی اور اس کے سرِورق پر اس کے مصنف کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ (المتوفی ۲۷۶ھ) لکھا ہے۔ جہاں تک ابنِ قتیبہؒ کا تعلق ہے وہ واقعی بعض علماء کے نزدیک صاحبِ فضل و شرف آدمی تھے، لیکن قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" کی وجہ سے اسے "جاہل" کا خطاب دیا ہے۔

(العواصم من القواصم ص۲۴۸)

امام حاکم نے کذاب کہا ہے۔ (لسان المیزان جلد۳ ص۳۵۷) سید محمود آلوسی ابن قتیبہ، ابن اعثم کوفی اور سمساطی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"کانوا مشھورین بالکذب والافتراء۔ یہ سب دروغگوئی اور افتراء پردازی میں مشہور تھے۔" (تفسیر روح المعانی جلد۷ سورۃ احزاب ص۱۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے "تحفہ اثنا عشریہ" میں جگہ جگہ ابنِ قتیبہ کا نام شیعہ مؤرخ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے لیکن آپ کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اہلِ تشیع سے کوئی تعلق نہیں تھا اور "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" آپ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے جس کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:-

(۱) علامہ ابن قتیبہؒ کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا کہیں نام نہیں[۱] ملتا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ابن قتیبہؒ جیسا مشہور و معروف آدمی ایک ایسی کتاب لکھے جس میں صریحاً صحابہؓ پر حملے کیے گئے ہوں اور صحابہؓ کی عدالت و ثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور ہمارے محدثین اور مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہ کریں۔

(۲) ابنِ قتیبہؒ ایک ادیب اور فاضل شخص تھے اور فنونِ ادب میں ایک ممتاز حیثیت

---

[۱] ابنِ قتیبہؒ کی تصانیف کے لیے دیکھو "ابن الخلکان، لسان المیزان، تاریخ خطیب بغدادی، شذرات الذہب اور بغیۃ الوعاۃ وغیرہ"۔

کے حامل تھے، ادب میں "ادب الکاتب" آپ کی ایک ایسی کتاب ہے جو علامہ ابن خلدونؒ کے شیوخ کی بناء پر علم و ادب کے اصول و ارکان میں سے ایک ہے۔ (مقدمہ صفحہ ۴۸۶)

اسی وجہ سے آپ کی ہر کتاب میں ادبی چاشنی، عبارت کی حلاوت و دلکشی اور وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو ایک ادیب اور ماہر علم کی کتاب میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ غریب القرآن، غریب الحدیث، تاویل مختلف الحدیث وغیرہ کی عبارتیں آپ کے ادبی ذوق کی بین مثال ہیں اور "ادب الکاتب" کی عبارت آپ کی ادبی ذہنیت کی غمازی کرتی ہے "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف علم و ادب میں کوئی ممتاز درجہ نہیں رکھتا، اگر ہم اس کے غلط واقعات اور فضول روایات سے قطع نظر کر کے صرف اس کے ادبی معیار ہی کو دیکھیں تو ذوق سلیم صاف فیصلہ کرے گا کہ یہ کتاب ابن قتیبہؒ جیسے قادر الکلام شخص کی نہیں ہو سکتی۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ یہی واقعات جو "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان کا اجمالی تذکرہ ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب "معارف" میں کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک مصنف کے تفصیل و اجمال میں نفس اور روحِ واقعہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا اور مفصل تذکرہ میں جو جو چیزیں اہم اور واقعہ کی جان ہوتی ہیں خلاصہ بیان کرتے وقت یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کا کوئی جز رہ نہ جائے تاکہ حقیقتِ حال سمجھنے میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو۔ مگر ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ایک معمولی قاری بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" میں جن مباحث مثلاً مشاجراتِ صحابہؓ اور بنو امیہ کے مظالم و مثالب کو خاص اہمیت دی گئی ہے "معارف" میں اس کے متعلق کچھ ذکر ہی نہیں۔ مثال کے طور پر "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" میں سیدنا علیؓ کی سیدنا ابو بکرؓ سے بیعت جبری اور ظالمانہ رنگ میں پیش کی گئی ہے اور کتاب کی جلد ۱ کے صفحہ ۱۱ سے لیکر ۱۴ تک صفحات میں ان بیعت

کو جبری ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب قسم کی روایات نقل کی ہیں اور کچھ روایات ایسی بھی نقل کی ہیں جن کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا اور حضرات صحابہؓ کے متعلق بدظنی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اسی بیعت کا تذکرہ جب وہ کتاب "معارف" میں کرتے ہیں تو اس انداز میں کرتے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا۔ (معارف ص۹۵)

اسی طرح "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" جلد ۱ ص ۳، ۴ میں واقعات کو جس طرز و انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی طرز و انداز کے بالکل مغائر "معارف ص۵۶" میں پیش کیا گیا ہے، ایسے ہی اور بہت سے مقامات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ "کتاب الامامۃ والسیاسۃ" میں اکثر روایات شیعہ مذہب کی تائید میں ہیں اور ایک عام آدمی بھی اس کتاب کے سرسری مطالعہ سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتاب کسی ایسے مصنف کی ہے جو شیعہ فکر کا حامل ہے حالانکہ ابن قتیبہؒ اہلِ تشیع کے سخت مخالف ہیں اور ان کو باطل فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاویل مختلف الاحادیث ص۸۶، ۸۷، ۹۷)

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسا شخص جس کی پوری زندگی ردِ روافض میں گزری اور جنہوں نے "منہاج السنۃ" جیسی لاجواب کتاب روافض کے رد میں لکھی ابن قتیبہؒ کو اہلسنت ہیں سے شمار کرتا ہے اور ان کی فضیلت علم کو بیان کرتے ہوئے اہلِ مغرب کا ایک عام مقولہ ذکر کرتا ہے کہ:۔

"کل بیت لیس فیہ شئی من تصنیفہ لاخیر۔ (تفسیر سورۃ اخلاص ص۸۶)

جس گھر میں ابنِ قتیبہؒ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ گھر خیر و برکت سے خالی ہے۔"

پھر اپنی طرف سے لکھتے ہیں:۔

"ابن قتیبہؒ اہلِ سنت کے لیے ایسے ہیں جس طرح معتزلہ کے لیے جاحظ

کیونکہ وہ خطیب اہل السنۃ ہیں جس طرح جاحظ خطیب المعتزلہ تھا"
(تفسیر سورۃ اخلاص ص۸۶)

(۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ اس کتاب میں علماء مصر کی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں حالانکہ ابن قتیبہؒ مصر میں نہ ہی گئے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ان علماء سے کوئی روایت کی ہے۔

ان دلائل سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ "الامامۃ والسیاسۃ" ابن قتیبہؒ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، اسی لیے اکثر محدثین اور مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا اور جن چند لوگوں نے کیا بھی ہے انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس کی نسبت ابن قتیبہؒ کی طرف نہیں کی، چنانچہ ابوبکر بن العربیؒ اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان صح عنه جميع ما فيه۔ (العواصم ص۲۴۸) اگر جو کچھ کتاب (الامامۃ والسیاسۃ) میں اس کی نسبت ابن قتیبہؒ کی طرف صحیح ہے"!

اسی طرح حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ "حیاتِ مالکؒ" میں فرماتے ہیں:۔

"بقول ابن قتیبہؒ المتوفی ۲۷۶ھ (اگر وہ کتاب الامامۃ کا مصنف ہے)"
(حیاتِ امام مالکؒ ص۵۸)

بلکہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ حیدرآباد دکن کے مقالہ نویس نے تو صاف لفظوں میں لکھ دیا۔

"وكتاب الامامة والسياسة (طبع بالقاهرة ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۷ھ) وهذا ينسب إلى ابن قتيبة بيد ان ده غوى في...... جلد۱ ص۱۵۱، ۴۲۲ يرجح ان هذا المصنف كتبه في حياة ابن قتيبة رجل مصري او مغربي۔ (دائرة المعارف الاسلامية ج۱ حصه۴ ص۲۶۲)

کتاب الامامۃ والسیاستہ جو ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۷ھ میں قاہرہ میں طبع ہوئی، ابن قتیبہؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن دہ غوی نے...... جلد۱ ص۱۵۱، ۴۲۲ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ کتاب کسی مصری یا مغربی نے ان کی زندگی

میں لکھی ہے اور بعد میں ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے"۔

اور کسی آدمی نے اگر اس کو ابن قتیبہؒ کی کتاب مانا بھی ہے تو اس نے بھی اس بات کو ضرور تسلیم کیا ہے کہ اس میں اکثر روایات الحاقی ہیں اور ان لوگوں نے صاف لکھا ہے کہ "اس میں بعض روایات ایسی ہیں جو ابن قتیبہؒ کے علم اور اس کی دوسری تصنیفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں"۔

(۳) طبقات ابن سعد

اس کے مصنف محمد بن سعد ہیں جو واقدی کے شاگرد اور بلاذری کے استاذ ہیں۔ اگرچہ خطیب بغدادی، ابن خلکان اور دوسرے کئی محدثین نے ان کو صدوق، ثقہ، اہل العلم والفضل میں سے شمار کیا ہے لیکن یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر محدث نے ان کی توثیق نہیں کی۔

ان کی کتاب طبقات ۱۲ جلدوں میں ہے اور بالکل ناپید ہو گئی تھی اب اہل یورپ کی بدولت چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

ان کے استاذ واقدی، ہشام بن محمد بن السائب اور ابو مخنف ہیں۔ واقدی کے متعلق تو تمام محدثین متفق ہیں کہ وہ ایک افسانہ گو تھا۔ چنانچہ امام نسائیؒ کا قول ہے:۔

"وہ کذاب جو روایات تراشنے میں شہرہ آفاق ہیں چار ہیں۔ (۱) مدینہ میں ابن ابی یحییٰ (۲) بغداد میں واقدی (۳) خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور (۴) شام میں محمد بن سعید جنہیں سولی دی گئی"۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ___)

امام بخاریؒ "متروک الحدیث" کہتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ "کذاب" کا خطاب دیتے ہیں یقلب الاحادیث جو احادیث میں ہیر پھیر کرتا ہے۔ محدث مرہ فرماتے ہیں لیس بشیء (بالکل کچھ نہیں یعنی ناقابلِ اعتبار ہے) یحییٰ بن معینؒ ضعیف کہتے ہیں، (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶) محدث ابن المدینی فرماتے ہیں کہ: "عندہ عشرون الف حدیث یعنی ما لہا من اصل (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶)

اس کے پاس بیس ہزار ایسی حدیثیں تھیں جن کی کوئی اصل نہیں تھی"۔
ایک اور مقام پر یہی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن یحییٰ کذاب ہے لیکن وہ واقدی سے بہتر ہے یعنی واقدی اس سے زیادہ کذاب ہے۔
اور امام ذہبیؒ "میزان الاعتدال" میں فرماتے ہیں :۔
"استقر الاجماع علی وھن الواقدی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۳۶۸، میزان الاعتدال جلد ۳ ص۱۱)
واقدی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے"۔
امام ذہبیؒ نے "مغنی" میں لکھا ہے :۔
"مجمع علی ترکہ وقال النسائی کان یضع الحدیث۔ اس کے متروک ہونے پر اجماع ہے اور امام نسائیؒ نے فرمایا کہ وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا"۔ (المغنی جلد ۲ ص۶۱۹)
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۳۶۴، ص۳۶۶، لسان المیزان جلد ۶ ص۸۵۲، کتاب المجروحین لابن حبان جلد ۲ ص۲۸۴، میزان الاعتدال جلد ۳ ص۱۱)
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں، لیکن کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں"۔
ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ "اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں ہے اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں"۔
(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۳۶۸)
یہی حال ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ابو معشر کا ہے۔ ہشام کو حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے کذاب کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص۲۵۶، ۲۵۷، لسان المیزان جلد ۶ ص۱۹۶، ۱۹۷)
اسی طرح شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھا ہے کہ ہشام بن محمد بن السائب اہل علم کے نزدیک دروغ گو اور کاذب مشہور و معروف ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۱ ص۱۳)
جب محمد ابن سعد کے اساتذہ اس طرح کے غیر ثقہ اور کذاب ہیں تو اس کا اثر ان کی

کتاب پر کیوں نہ پڑا ہوگا؟ یقیناً پڑا ہے، اس لیے کہ ان کی کتاب میں اکثر روایات واقدی وغیرہ کی ہیں، چنانچہ مولانا شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے"۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۶)

اس سے معلوم ہوا کہ باوجود محمد بن سعد کے ثقہ ہونے کے ان کی کتاب "طبقات" اتنی ثقہ نہیں ہے بلکہ واقدی، ہشام بن محمد بن السائب وغیرہ کذاب راویوں کی وجہ سے ان کی کتاب کی اعتمادی حیثیت پر بہت برا اثر پڑا ہے اور اب اس کی روایات اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو نقد و جرح کے بغیر قبول کیا جا سکے۔

چنانچہ محدثین کرام نے ان کی کتاب "طبقات" کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"هو فی نفسه ثقة ولکن کم روی فی کتابه المذکور عن اناس ضعفاء منهم شیخه الواقدی مقتصراً کثیراً علی اسمه واسم ابیه من غیر تمییز نسبته ولا غیرها ومنهم هشام بن محمد بن السائب فاکثر عنهما ومنهم نصر بن ابی سهل الخراسانی۔

ابن سعد بذات خود تو ثقہ ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتاب "طبقات" میں بہت سی روایات کمزور اور ضعیف لوگوں سے روایت کی ہیں جن میں ایک تو ان کے شیخ واقدی ہیں جو روایت میں اقتصار سے کام لیتا ہے یعنی سلسلہ سند پورا ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف اپنا نام اور اپنے باپ کا نام ذکر کرتا ہے اور اسناد کی نسبت اور ان کے درمیان تمیز کا بھی علم اسے نہیں ہوتا۔ ان کمزور اور ضعیف راویوں میں سے دوسرا ہشام بن محمد ابن السائب ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب میں ان دونوں (واقدی اور ہشام بن محمد) سے بہت زیادہ روایات کی ہیں اور ان میں ایک اور راوی نصر بن ابی سہل الخراسانی ہے"۔

(تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ص ۵۲۹)

(۴) ابن الاثیر تاریخ پر آپ کی دو مشہور تصانیف "الکامل" اور "اسد الغابہ" بہترین کتابیں ہیں، آپ قدیم وجدید تاریخ کے حافظ اور حدیث اور اس کے متعلقات کے امام تھے لیکن تاریخ میں ان کا ماخذ وہی "طبری" کی تاریخ تھی جس کی اکثر روایات ابومخنف لوط بن یحییٰ، محمد بن السائب الکلبی وغیرہ غیر معتبر حضرات کی ہیں اور باوجود امام حدیث ہونے کے تاریخ میں وہی رطب و یابس سے کام لیا ہے جو اکثر مؤرخین کا شیوہ ہے۔ چنانچہ مصر کے فاضل علامہ محب الدین الخطیب مؤرخین کے تین گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وطائفة ثالثة من اهل الانصاف والدين كالطبري وابن عساكر وابن الاثير وابن كثير رأت ان من الانصاف ان تجتمع اخبار الاخباريين من كل المذاهب والمشارب كلوط بن يحيى الشيعي محترق وسيف بن عمر العراقي معتدل۔

اور تیسرا گروہ اہل انصاف اور اہل دین کا ہے جیسے طبری، ابن عساکر، ابن الاثیر، ابن کثیر، ان کے فکر میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب کے اہل اخبار مثلاً لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور اہل اعتدال میں سے سیف بن عمر عراقی کی خبریں جمع کر دی جائیں"۔ (العواصم من القواصم ص۲۴۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الاثیر اگرچہ خود ثقہ اور حافظِ تاریخ ... ان کی تاریخ اس قابل نہیں کہ بغیر کسی جرح و نقد کے اس کی ہر روایت کو صرف اس اعتماد پر کہ ابن الاثیر نے نقل کیا ہے قبول کر لیا جائے۔

(۵) ابن کثیر تفسیر، حدیث اور تاریخ کے حافظ اور امام ہیں، ان کی تفسیر کتب تفاسیر میں ایک خاص مقام کی حامل ہے، آپ کی تاریخ "البدایہ والنہایہ" چودہ [۱۴] جلدوں پر مشتمل ہے جس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر وفاتِ امام تک کے واقعات درج ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ صحیح و ناقص روایات میں تمیز کرتا ہے، کتاب میں کئی شیعہ روایات کی تردید کی گئی ہے، لیکن ان

سب باتوں کے باوجود وہ بھی اپنی تاریخ میں بعض ایسی باتیں درج کر گئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صرف طبری کے اعتماد پر ابو مخنف لوط بن یحییٰ وغیرہ شیعوں کی روایات سے اپنی کتاب کو نہ بچا سکے بلکہ ایک جگہ تو صاف کھل کر لکھ گئے ہیں کہ :-

"وللشیعة والرافضة فی صفة مصرع الحسین کذب کثیر واخبار باطلة وفیما ذکرناہ کفایة وفی بعض اوردناہ نظر ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمة ذکرہ لما سقتہ واکثرہ من روایة ابی مخنف لوط بن یحییٰ وقد کان شیعیًا وھو ضعیف الحدیث عند الائمة"

(البدایة والنھایة ج ۸ ص ۲۰۲)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹی اور باطل خبریں ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہیں اور ان میں سے بعض حصہ محل نظر ہے، اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ و حفاظ اس کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے، ان میں اکثر روایات تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے"

یہ ہے تاریخ کی مشہور ترین کتابوں پر اجمالی تبصرہ! باقی رہیں یعقوبی، مسعودی، فخری اور حضری کی کتب تاریخ، تو یہ وہ لوگ ہیں جن میں کوئی معتزلہ اور کوئی کٹر شیعہ تھا، پھر نہ ان کو روایت سے کوئی مقصد اور نہ درایت سے کوئی سروکار، جو دل میں آیا لکھ دیا اور جس کے خلاف چاہا لکھ دیا۔ ان لوگوں کا مقصود زندگی ہی اُمت میں غلط روایات پھیلا کر تشتت و افتراق پیدا کرنا تھا جس کے لیے انہوں نے بہت محنت کی اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔

کیا کتبِ تاریخ ناقابلِ اعتماد ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کتبِ تاریخ کی یہ حالت ہے تو پھر ان کی اعتمادی حیثیت کیا رہی؟ پھر تو ان کی کوئی بات بھی قابلِ اعتبار نہیں؟ یہ چیز غلط ہے اور نہ ہی کتبِ تاریخ پر اس تنقیدی نظر سے ہمارا یہ مقصد ہے۔ بتایا صرف یہ گیا ہے کہ کتبِ تاریخ نہ تو اس قدر قابلِ اعتماد ہیں کہ ان کی ہر روایت اور ہر واقعہ کو بغیر کسی جرح و قدح کے من وعن تسلیم کر لیا جائے اور نہ ہی ان کی ہر روایت ایسی ہے کہ اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے، بلکہ جس طرح حدیث کی روایت کو جرح و تعدیل کے اصول پر پرکھا جاتا ہے اسی طرح تاریخ کی روایات کو بھی نقد و جرح کے اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور صحیح و سقیم کے درمیان امتیاز پیدا کر کے صحیح کو لے لیا جائے اور سقیم کو رد کر دیا جائے گا۔ ان اصولوں کو کام میں لا کر امت کی صحیح تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے لیکن اگر ان اصولوں کے استعمال کے بغیر صرف مؤرخین کے نام کی شہرت کی وجہ سے ان کی کتابوں کو ایک اعتمادی حیثیت دے دی جائے تو یہ چیز صرف حق و باطل اور غلط و صحیح کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کر سکے گی بلکہ امت کے لیے ایک انتہائی نقصان کا باعث ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ تاریخ پر ایک تنقیدی بحث کرنے کے بعد اپنی کتاب کے بالکل آخری صفحہ پر فرماتے ہیں:۔

"وقد بینت لکم انکم لا تقبلون علی انفسکم فی دینار بل فی درھم الا عدلا بریئا من التھم سلیما من الشھوۃ فکیف تقبلون فی احوال السلف وما جری بین الاوائل ممن لیس لہ مرتبۃ فی الدین فکیف فی العدالۃ۔

میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف ایک دینار تو کیا ایک درہم کا دعوٰی بھی اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ

مدعی عادل اور تہمتوں سے بری اور خواہشاتِ نفسانی سے پاک نہ ہو پس
تم احوالِ سلف اور مشاجراتِ صحابہؓ کے بارہ میں ایسے آدمی کی بات کو
کس طرح تسلیم کر لیتے ہو جن کا عادل ہونا تو کجا خود دین ہی میں کوئی مقام
نہیں"۔ (العواصم من القواصم ص۲۵۲)

بتایا یہ جا رہا ہے کہ سلف کے احوال اور مشاجراتِ صحابہؓ کے بارہ میں بات چیت کرنا اور ان کو زیرِ بحث لانا نہایت نازک مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ قرآن و حدیث بلکہ پورے دین کے اولین راوی ہیں، ان کے بارہ میں اگر ذرہ برابر غلط روایت قبول کر لی جائے جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو تو نہ صرف ان کی ذات مجروح ہو گی بلکہ پورے دین کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو صحابہ کی شان میں تنقیص سے کام لیتا ہے وہ زندیق اور بے دین ہے۔

(الکفایہ ص۴۶، ۴۹)

دوسرے اگر ان کتابوں کی روایات قرآن و احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہوں گی تو وہ نقل کرنے والوں کے منہ پر مار دی جائیں گی کیونکہ دین کی روح ایک لمحہ کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ قرآن و حدیث کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف کوئی روایت قبول کی جائے، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بے نقاب کرتے ہیں:۔

"بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے جو مجہول راویوں سے صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف جو روایات نقل کی ہیں وہ ناقلین کے منہ پر ماری جائیں گی۔
صحابہؓ سے حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان روافض اور غبی الذہن قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف، مستقیم اور سقیم اور کمزور و مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں"۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۴۷)

ویسے بھی یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ غیر قومیں تو اپنے بزرگوں کے غیر اہم کاموں کو کارہائے نمایاں ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھیں اور ہم اپنے اکابر کے محاسن و مفاخر کو قبیح اور بدشکل صورت میں پیش کریں اور اُن راویوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں نمایاں جگہ دیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن و جمال کو قبیح بنائیں، اسی بات کا رونا موجودہ دنیا کے بہترین فاضل علامہ محب الدین الخطیب ان الفاظ میں روتے ہیں :۔

اُمّا عظمة اسلافنا نحن فقد سلط الشیطان علیها قلوبًا فاسدة تفیض بالسّوءِ وصدق اکاذیبها الاکثرون منا کالامة التی لا مجد لها بینما ھی نائمة علی تراث من المجد لا تحلم الانسانیة بمثله۔

(العواصم من القواصم تعلیقه ص۸۵)

اور ہمارے اسلاف کی عظمت! سو شیطان نے ایسے لوگ مسلط کر دیئے جن کے قلوب بدترین تھے اور ان سے برائی ہی ٹپکتی تھی، انہوں نے ان کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ کو صحیح سمجھ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک ایسی اُمت ہو کر رہ گئے جن کی کوئی عظمت اور بزرگی نہ ہو اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ جب مجد و عظمت بٹ رہی تھی اُس وقت یہ اُمت سوئی ہوئی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انسانیت ایسی گہری نیند کبھی نہیں سوئی۔"

ایک اور مقام پر اس نشے پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کرتے ہیں :۔

"تعجب ہے اس امت پر کہ یہ اپنے ابطالِ جلیلہ کی برائی بیان کرتی ہے اور اپنی تاریخ کے خوب صورت ترین دور کو بدترین انداز میں پیش کرتی ہے اور اپنی بزرگیوں اور کارہائے نمایاں کو مٹاتی ہے جیسا کہ ہم میں سے

اشرار اور سازشی ذہن رکھنے والے لوگ کرتے ہیں، پھر ان اشرار کا
پروپیگنڈہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو بھی گمان ہو جاتا ہے
کہ شاید یہ باتیں سچی ہوں۔" (العواصم من القواصم ص۹۹ تعلیقہ)
یہ تھا تاریخ اسلام کا مختصر تذکرہ جس کو مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے
پیش کر دیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ مؤرخین پر اس معمولی سی تنقید پر کچھ حضرات
غم و غصہ کا اظہار کریں، لیکن میں مجبور ہوں، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام بزرگوں
سے بڑے بزرگ تھے اور ہر بزرگ پر تنقید برداشت کی جا سکتی ہے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہ
پر کسی قلم سے تنقید کا ایک حرف بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا، اور ہر کتاب کی اُس
روایت کو رَدّ کرنا واجب ہے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذرا سا بھی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔

نیاز آگیں

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی عفی عنہ

خاندانِ قریش

خاندانِ قریش عرب کا ایک معزز ترین خاندان تھا اور اپنی طاقت اور قوت میں اپنی مثال آپ۔ اس خاندان کا نام بھی اس کی شجاعت، بہادری اور عزت و احترام کی خاطر ہی قریش رکھا گیا تھا، کیونکہ قریش ایک سمندری جانور کو کہتے ہیں جو اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے سمندر کے دوسرے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے اور ہر جانور پر اس کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے، جس کو چاہتا ہے فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنا دل بہلانے کے لیے رکھ چھوڑتا ہے، وہ سب پر غالب و حاکم ہوتا ہے لیکن اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے علم و فضل اور کمالات و محاسن کی وجہ سے ایک خاص مقام کے حامل تھے باتوں باتوں میں انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم سے بڑا کوئی عالم نہیں، بھلا قریش کی وجہ تسمیہ بیان کرو، اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قریش کی وجہ تسمیہ بھی بیان فرمائی جو اوپر بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی مندرجہ ذیل شعر بطور دلیل پڑھے، فرمایا کہ شمرخ بن عمرو حمیری کہتا ہے ؎

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ ... بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشًا

تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِينَ وَلَا تَتْرُكُ ... لِذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيشًا

هٰكَذَا فِي الْبِلَادِ حَيُّ قُرَيْشٍ ... يَأْكُلُونَ الْبِلَادَ أَكْلًا كَمِيشًا

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶)

"یعنی قریش دراصل ایک جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کے نام پر قریش کا نام قریش رکھا گیا ہے۔ وہ جانور دُبلے پتلے، طاقتور اور موٹے جانوروں کو اس طرح چٹ کر جاتا ہے کہ ان کے پَر تک نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح یہ قبیلہ قریش مختلف شہروں کو نہایت تیزی سے کھا جاتا ہے"۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ قریش ایک بحری جانور ہے میں نے اس کو خود دیکھا ہے، اس کا بدن باہم ایک دوسرے کے ساتھ گُٹھا ہوا ہوتا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ نے اپنی اجتماعی زندگی کی جو تنظیم کی تھی وہ سمٹ کر ایک نکتہ اور اکائی پر مرکوز تھی، اسی وجہ سے اس اجتماعی تنظیم کا نام قریش رکھا گیا۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)

قریش کی شاخیں

اس خاندان کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں لیکن بنو ہاشم اور بنو اُمیہ ان سب میں سے دُنیوی عظمت اور وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ ہاشم بہت سخی اور بامروت انسان تھے، سارے عرب میں ان کی سخاوت اور داد و دہش زبان زدِ عوام تھی۔ ان کا اصلی نام تو عَمرو تھا لیکن ایک دفعہ مکہ میں قحط کے دوران انہوں نے شوربہ میں روٹیاں چُورہ کر کے قحط زدہ لوگوں کو کھلائیں جس کی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، کیونکہ ہاشم ہشم سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں چُورہ کرنے والا۔

ہاشم ہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے قریش میں سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ موسم سرما میں یمن کی طرف اور موسم گرما میں شام کی طرف۔ نجاشی شاہِ حبشہ اور قیصرِ روم ہاشم کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ عرب کے دوسرے قبائل کی نگاہ میں بھی ہاشم کی خاص توقیر تھی اس وجہ سے ان دو سفروں کے راستوں پر جو جو قبائل آباد تھے ہاشم نے اُن قبائل سے

سے بھی یہ معاہدہ کیا کہ ہم تمہاری تمام ضرورتیں پوری کیا کریں گے اور تم ہمارے قافلے کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۴۵) ہاشم کی اس تدبیر سے قریش کے قافلوں کے تمام راستے مامون و مصئون ہو گئے۔

اس کے علاوہ ہاشم نے اپنے لیے یہ دستور وضع کر رکھا تھا کہ حج کے ایام میں تمام حجاج کی گوشت، روٹی، ستو، کھجوروں اور دیگر اشیائے خورد و نوش سے تواضع کرتے اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام فرماتے جس سے اُن کی چار دانگِ عالم میں شہرت پھیل گئی۔

بنو اُمیّہ

قریش کے دوسرے ممتاز بزرگ اُمیہ بن عبد شمس تھے جن سے خاندانِ بنو اُمیّہ کی شاخ چلی، یہ قریش کے سپہ سالار تھے، اگرچہ ابتدا میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنو مخزوم میں تھا لیکن عبدِ شمس کے زمانہ سے یہ عہدہ اور منصب بنو اُمیہ میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ عکاظ، فجار اول اور فجار دوم وغیرہ سب لڑائیوں میں جو زمانۂ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں میں ہوئیں سپہ سالاری کے فرائض عبد شمس کے پوتے، ابو سفیان کے والد حرب بن اُمیہ نے سرانجام دیئے۔

(العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۱)

حرب بن اُمیہ کی موت کے بعد سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے تک قریش کی سپہ سالاری انہی کے ہاتھوں میں رہی۔ جنگِ بدر میں جو کہ اہل اسلام اور اہلِ کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ تھا ابو سفیان رضی اللہ عنہ قریش کے قافلہ کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے، اس کے بعد ان کے اسلام لانے تک جتنے معرکے بھی کفر اور اسلام کے درمیان ہوئے ان سب میں قریش کی قیادت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ (تاریخ اسلام ایساسی جلد ۱ ص ۳۹۵)

بنو اُمیہ اور تجارت

بنو اُمیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے خانوادوں کی طرح صاحبِ مال اور تجارت پیشہ بھی تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ جنگِ بدر کے موقع پر قریش کا جو قافلہ شام گیا ہوا تھا اُس کی قیادت بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی اور ہرقل کے نام جب سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا خط بھیجا اُس زمانے میں بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے تجارتی قافلہ کو وہاں لے کر گئے ہوئے تھے، آپ اس سارے قافلہ کے قائد اور سربراہ تھے، چنانچہ ہرقل نے حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیقِ حال کے لیے انہی کو بلایا اور مختلف سوالات کے ذریعہ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حالات سے آشنائی حاصل کی۔ (یہ واقعہ بخاری کے متعلق ابواب میں تفصیلاً مذکور ہے) تجارت کی وجہ سے بنو امیہ کی مالی پوزیشن بھی بہت مضبوط تھی اور مکہ کے مالداروں میں اکثریت انہی کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کی ساری دولت اسلام کے دورِ عسرت میں اس خدمت کے لیے وقف تھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

بنو اُمیہ مخالفت اور موافقت کے رُوپ میں

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوّت کے بعد بنو ہاشم کی طرح بنو اُمیہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، لیکن بنو ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کے بناء پر آپ کی زیادہ حمایت کی تھی، چنانچہ آپ کے قتل کی سازش میں بنو ہاشم میں سے کوئی بھی شریکِ محفل نہ تھا۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

بنو امیہ چونکہ قریش کی قیادتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھے لہٰذا انہوں نے اس

عہدے کے عظیم فرائض منصبی کا احساس کرتے ہوئے اہلِ اسلام کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور ان کا یہ مقابلہ اہلِ اسلام سے خاندانی چشمک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور جماعت سے اگر ان کا مقابلہ ہوتا تو اس کے ساتھ بھی بنو اُمیہ یہی سرگرمی دکھاتے۔ اس دشمنی کو خاندانی چشمک کا نتیجہ بنانا تاریخ سے جہالت اور بنو اُمیہ کے اصلی حالات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، تاہم تاریخِ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ حبشہ کی ہجرتِ اولیٰ میں زیادہ بنو اُمیہ ہی کے لوگ تھے بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا حضرت جعفر طیارؓ ابن ابی طالب تھے۔ (ابن ہشام جلد ا ص ۳۴۹)

چنانچہ علامہ احمد بن یحییٰ البلاذریؒ نے بھی لکھا ہے کہ بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(انساب الاشراف جلد ا ص ۱۹۸)

اور بنو اُمیہ اور ان کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی تھی ان کے نام حسبِ ذیل ہیں :-

۱۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رُقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

۲۔ خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہؓ۔

۳۔ عمرو بن سعیدؓ۔

۴۔ ابو حذیفہ بن عُتبہ بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سُہیل۔

۵۔ عبد اللہ کنیت ابو محمد — حلیف بنو اُمیہ

۶۔ عبد اللہ کنیت ابو احمد — 〃 〃

۷۔ عبید اللہ کنیت ابو جحش — 〃 〃

۸۔ شجاع بن وہب بن ربیعہ — 〃 〃

۹۔ قیس بن عبد اللہ — 〃 〃

۱۰۔ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی　　حلیف آلِ سعید بن العاص

۱۱۔ ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس بن سلیم بن خضار　　حلیف آلِ عتبہ بن ربیعہ

(انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰)

ہجرت اولیٰ بجانب حبشہ کے مہاجرین کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو:۔
(عیون الاثر ابن سید الناس جلد ۱ صفحہ ۱۱۵، فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۴۸)

اس کے علاوہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے میٹھے پانی کے اُس رومہ کنوئیں کو جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا غریب مسلمانوں کی تکلیف کی خاطر آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۸۸، فتح الباری باب مناقب عثمان جلد ۷ صفحہ ۴۳)

پھر انہی سیدنا عثمانؓ نے غزوۂ تبوک میں تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور نقد ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے، اس سے آپؐ اس قدر خوش ہوئے کہ آپؐ ان اشرفیوں کو بار بار اچھالتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل نقصان نہ پہنچا سکے گا، اور فرماتے اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۴۳، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۰۲، زرقانی جلد ۳ صفحہ ۶۴، ترمذی باب مناقب عثمان جلد ۲ صفحہ ۲۱۱)

بنو امیہ کی اسلام دشمنی جو کچھ کہ تھی اس کو زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے، یہ درست ہے کہ حالتِ کفر میں ان لوگوں نے اسلام اور اہلِ اسلام کی سرتوڑ مخالفت کی، لیکن جب یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلام کی محبت اور دوستی میں بھی انہوں نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ اسلام کی تاریخ میں وہ واقعات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، خود ابوسفیانؓ جنہوں نے اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی لڑائیوں میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش اس قدر گرم جوشی سے حصہ لیتے رہے کہ خود ان کی جاہلیت کی تاریخ اس کے سامنے گرد تھی غزوۂ حنین میں شرکت فرمائی، پھر محاصرۂ طائف میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے یہاں تک کہ

اس غزوہ میں ایک آنکھ جاتی رہی ۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)
اور یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی ۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۲۱۶،
الصدیق للہیکل صفحہ ۲۰۶)

اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:۔
"اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا ۔
(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۶، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۱، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)
لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی بہتر ہیں اگر انہیں دین کی سمجھ حاصل ہو جائے"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور بنو امیہ

یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بنو امیہ کو جوں جوں وہ اسلام لاتے رہے اپنی خاص نوازشات سے نوازتے رہے کیونکہ آپ ان کے اندرونی مخفی گوہر سے آشنا تھے اور سمجھتے تھے کہ جس طرح ان لوگوں نے حالتِ کفر میں کفر کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی اسی طرح اب یہ اسلام کے لیے بھی اپنا سب سرمایۂ حیات قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے جیسا کہ بنو امیہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے، چنانچہ آپ نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیوں (زینب، رقیہ، ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہن) کا نکاح بنو امیہ میں کیا، اپنی سب سے بڑی صاحبزادی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کا نکاح ابو العاص ابن ربیع ابن عبد العزیٰ اموی سے کیا ۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

سیدنا عثمان غنی رض سے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور

سیدہ ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہا کو بیاہا۔[1] (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۳۰)

اور فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کی زوجیت

---

[1] بعض حضرات اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہؓ سے چار صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم، سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہن تھیں، اور اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ رقیہؓ کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ یہ مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں، خواہ مخواہ اگر کوئی اس میں اختلاف کرے تو یہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی معتبر کتابیں سیدنا عثمانؓ کے دامادِ رسولؐ ہونے کو تسلیم کرتی ہیں۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب نہج البلاغۃ میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ کو مخاطب فرماتے ہوئے آپ کے شرف اور بزرگی کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:-

"وما ابن ابی قحافۃ ولا ابن الخطاب اولیٰ بعمل الحق منک وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشیجۃ رحم منھما وقد نلت من صھرہ مالم ینالا۔ (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۲۲)

اور ابوبکرؓ و عمرؓ حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ مستحق نہ تھے آپ ان کی نسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی قرابت میں زیادہ قریب ہیں اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بھی حاصل کیا۔ جو وہ دونوں حاصل نہیں کر سکے"۔

اسی مسئلہ کو تحفۃ العوام ص ۱۱۲، اصول کافی ص ۲۷۸، استبصار جلد ۱ ص ۲۴۵، تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۱۵۴، مرأۃ العقول ص ۳۵۲، حیات القلوب جلد ۲ ص ۳۳، ص ۸۱، ص ۸۹، ص ۳۲۸، تفسیر مجمع البیان جلد ۳ ص ۲۳۳، مجالس المومنین مجلس ۳ ص ۸۲، مسالک الافہام الی تنقیح شرائع الاسلام ص ۵۳۲ وغیرہ شیعی کتابوں میں نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اہل سنت کی بھی تقریباً تمام کتابوں مثلاً تاریخ الخلفاء ص ۱۴۷، ۱۴۸، اصابہ جلد ۴ ص ۲۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۹، استیعاب ذکر عثمانؓ بن عفان ص ــــ، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۹۵، وغیرہ میں اس بات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

میں دیتا۔[1] (مجمع الزوائد جلد ۹ صـ ۲۱۷)

دوسری طرف بنو امیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی بیٹی سیدہ اُم حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے نکاح کر کے بنو اُمیہ سے اپنی نہایت قریبی رشتہ داری کے تعلقات قائم فرمائے۔

(زرقانی جلد ۳ صـ ۲۴۲، اصابہ جلد ۴ صـ ۳۵، صفتہ الصفوۃ جلد ۲ صـ ۲۲)

فتح مکہ کے روز آپؐ نے ابوسفیانؓ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دیدیا اور فرمایا:۔

"مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ"[2] (مسلم باب فتح مکہ جلد ۲ صـ ۱۰۴، مسند احمد صـ ۱۰۹۶ حدیث ۹۰۹، تہذیب التہذیب جلد ۴ صـ ۴۱۱، تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صـ ۵)

جو ابی سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا"

---

[1] ایک روایت میں آتا ہے:۔

"ولو كان لى ثالثة لزوجته وما زوجته الا بالوحى من الله تعالىٰ۔ (تاریخ الخلفاء صـ ۱۵۲)

اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ سے بیاہ دیتا اور میں از خود نہ بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے حکم سے بیاہتا"۔

ایک روایت میں چالیس بیٹیوں کا ذکر آتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء صـ ۱۵۲) اور ایک روایت میں سو کا لفظ بھی آتا ہے۔

[2] یہ گھر بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا اور جب مسجد حرام کی توسیع کی گئی اُس وقت اس گھر کو حرم شریف میں داخل کر دیا گیا۔ علامہ محب الدین الخطیب صاحب تعلیقات العواصم من القواصم والمنتقیٰ من منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے حرم شریف کے اس حصے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو پہلے دار ابی سفیانؓ تھا، وہاں ایک پتھر نصب تھا جس پر نہایت خوبصورت خط میں لکھا ہوا تھا مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ۔ جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امان سے ہے"۔ (المنتقیٰ از محمد ابن عثمان الذہبی تعلیقہ صـ ۲۵۳)

جمادی الاول ۴ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا' اس مہم میں جب آپؐ تشریف لے گئے تو آپؐ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔
(طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۹)

پھر ۶ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت رضوان منعقد فرمائی اور اخیر میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔ (بخاری شریف)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔
(زرقانی جلد ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۸)

اس بیعت میں اللہ جل شانہ نے صرف سیدنا عثمانؓ کی طفیل ۱۴۰۰ اور بعض روایات کے مطابق ۱۵۰۰ مسلمانوں کو اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ عطا فرمایا جس کا ذکر سورۂ فتح میں فرمایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲ ص ۱۸۰)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (الفتح آیت ۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنوں سے جبکہ وہ آپؐ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس اللہ نے ان کے دلوں کے (اخلاص اور محبت کو) جان لیا، چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی (خاص) سکینت اور طمانیت نازل فرمائی اور (اس کے علاوہ) اور بھی وہ بہت سی غنیمتیں حاصل کریں گے اور اللہ جل شانہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

انہی سیدنا عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے کتابت وحی کے ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ

رات کے وقت وحی نازل ہوئی، سیدنا عثمانؓ موجود تھے، آپؐ نے انہیں لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۷)

بنو ہاشم کا قبولِ اسلام

عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی شروع ہی سے چونکہ باہمی دشمنی چلی آ رہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے رقیب و حریف تھے اس وجہ سے بنو اُمیہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازحد مخالفت کی۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے اور اس پر تعمیر کردہ نتائج کی دنیا محض ایک باطل مفروضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لانے کی سعادت آپؐ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنتِ خویلد سلام اللہ علیہا کے حصہ میں آئی تھی جو اگرچہ قبیلہ وخاندان کے لحاظ سے بنو اسد کی فرد تھیں لیکن شادی کے بعد عملی طور پر بنو ہاشم کی رکن بن چکی تھیں۔ عربوں کی قبائلی روایات کے مطابق بیویاں اپنے خاوندوں کے خاندان کی رکن سمجھی جاتی تھیں، اسی طرح موالی اور حلیف بھی اپنے سرپرستوں یا آقاؤں کے خاندان ہی کے افراد سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن حارثہؓ کلبی کے علاوہ ابورافع، صالح شقران، ابوکبشہ اور انسہ اور غالباً کچھ اور موالی بھی بنو ہاشم اور اہل بیت رسول کے مکی مسلمان تھے۔ اہل بیتِ کرام میں آپؐ کی چار صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ بھی ابتدائی مکی دور کی مسلمان تھیں۔ خاندانِ رسول کے موالی میں سیدنا زید بن حارثہؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ اُم ایمنؓ بھی قدیم ترین اسلام لانے والوں میں سے تھیں، پھر سیدنا زیدؓ کے فرزند سیدنا اُسامہ بن زید کلبیؓ بھی پیدائشی مسلمان تھے۔

ابوطالب قدیم وجدید مورخین کی روایت کے مطابق دولتِ اسلام سے محروم رہے لیکن ان کے دو بیٹے سیدنا علیؓ اور سیدنا جعفرؓ اور ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس خثعمیؓ بھی

قدیم مکی مسلمان ہیں۔ سیدہ اسماءؓ نے تو اپنے شوہر سیدنا جعفرؓ کے ساتھ ہجرت حبشہ بھی فرمائی تھی۔ ابو طالب اگرچہ خود شرفِ اسلام سے محروم رہے لیکن ان کی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہؓ بنت اسد بن ہاشم نے مکہ ہی میں غالباً ابو طالب کی وفات کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا اور بعد میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی تھی، ان کے بیٹے عقیل کی کی اہلیہ فاطمہ بنتِ عتبہ بن ربیعہ اموی نے بھی غالباً صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانہ میں اپنے خاوند کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔

بنو ہاشم ہی کے ایک اہم فرد اور آپؐ کے چچا ابو لہب بن عبد المطلب ہاشمی نے نہ صرف اسلام قبول نہ کیا بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور آپؐ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا، لیکن اس دشمن اسلام و رسول کے دو لڑکوں عتبہؓ اور عتیبہؓ نے فتح مکہ کے بعد دعوتِ اسلام کو قبول کر لیا تھا اور غالباً ان کی تمام اولاد نے بھی۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ جس کا تعلق سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ سے تھا یہ بھی آپؐ کے چچا تھے، انہوں نے صلح حدیبیہ کے کچھ بعد یا فتح مکہ سے کچھ قبل اسلام قبول کیا تھا، اس زمانہ میں آپ کے صاحبزادے بہت چھوٹے تھے لیکن غالباً اپنے والد کے ساتھ وہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ ان میں فضل، قثم، عبیداللہ اور عبداللہ وغیرہ شامل ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ سیّدنا حمزہ بن عبد المطلبؓ کا گھرانہ تھا، سیدنا حمزہؓ کا خاندان ابتدائی عہد کا مسلم تھا جبکہ آپؐ دارِ ارقم میں قیام پذیر تھے، سیدنا حمزہؓ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، ایک لڑکی امامہؓ تھی جو عمرۃ القضاء میں بہت چھوٹی تھی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کی تولیت میں دیا تھا کیونکہ ان کی بیوی سیدہ امامہؓ کی خالہ تھیں، البتہ ان کے موالی بنو غنی ابتدائی مکے مسلمان تھے جو ابو مرثدؓ اور مرثد غنویؓ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ حارث بن عبد المطلب بن ہاشم کا تھا، حارث تو بعثتِ نبوی

سے قبل ہی انتقال کر چکے تھے، لیکن ان کے بیٹے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے جنگِ بدر کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مدینہ کو ہجرت جنگِ خندق کے بعد سیدنا عباسؓ کے ساتھ کی تھی۔ نوفل کے باقی تین بھائیوں ربیعہ، عبداللہ اور ابوسفیانؓ کے بارہ میں تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

سیدنا ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی کے بارہ میں روایات ہیں کہ اپنے وقت کے بہت اچھے شاعر تھے لیکن اسلام کے سخت دشمن تھے، وہ بیس برس تک اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کی ہجو کرتے رہے لیکن فتح مکہ کے روز جاں نثارِ رسول بن گئے۔ اس خاندان کے تین اور افراد جعفر بن ابی سفیانؓ، حارثؓ بن نوفل بن حارث اور عبدالمطلبؓ بن ربیعہ بن حارث نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی اہلیہ جمیلہ بنت ابی طالب جو سیدنا علیؓ کی ہمشیرہ تھیں اپنے خاوند سے قبل مکہ میں اسلام میں داخل ہو کر ہجرتِ مدینہ کے شرف سے مشرف ہو چکی تھیں۔

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو ہاشم نے خاندان کی محبت میں اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایک ہاشمی فرد ہونے کی وجہ سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا بلکہ اسلام کو سچا سمجھتے ہوئے اسے قبول کیا تھا، دوسرے لفظوں میں بنو ہاشم نے اسلام کی شدید ترین مخالفت بھی کی اور شدید ترین حمایت بھی۔

بنو اُمیہ کا قبولِ اسلام

بنو عبد مناف کی دوسری شاخ بنو عبد شمس کی تھی، یہ قبیلہ دنیوی جاہ و حشمت، مال و دولت اور عددی لحاظ سے بنو عبد مناف کا سب سے زیادہ طاقتور اور مال دار قبیلہ تھا، اس کی اہم ترین شاخ بنو اُمیہ اتنی اہمیت اختیار کر گئی تھی کہ بنو عبد شمس عملاً بنو اُمیہ ہی سمجھے جانے لگے تھے۔ ہمارے خیال میں بنو اُمیہ کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی

طور پر جو عروج اور بلند مقام حاصل ہوا وہ ہاشم اور ان کے فرزند عبد المطلب کی وفات کے بعد حاصل ہوا کیونکہ ہاشم ایک بڑے باوجاہت انسان تھے اور سرکاری دربار تک ان کی رسائی تھی، دوسرے بادشاہوں کے ہاں بھی انہیں باریابی حاصل تھی، وہ مدبر و منتظم بھی تھے، بڑے باہمت اور فرائض کی ادائیگی اور انجام دہی میں نہایت چابکدست تھے، اس وجہ سے ان کا سیاسی اور سماجی طور پر ایک خاص مقام تھا۔

ان کے صاحبزادے عبد المطلب کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہی صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا جن سے ان کے باپ ہاشم کو نوازا تھا، آپ سیرت و صورت دونوں میں یگانۂ روزگار تھے۔ قد بحر رجز میں، بدن سڈول، چہرہ سے وجاہت وہیبت، آنکھوں سے شرافت و نجابت، اور رخساروں سے جلالت و عظمت کی شعائیں ضو افشاں تھیں، ایک اجنبی بھی جب دیکھ پاتا تو قدموں پر گرنے کے لیے بیتاب ہو جاتا، جود و سخا میں شہرۂ آفاق تھے، آپ کا دسترخوان نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہوا کے پرندے بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔

ہاشم اور عبد المطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم میں اس پایہ کا ان کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ ابو طالب مالی طور پر نہایت مفلوک الحال تھے۔ خاندان کے سربراہ اور سردار کے لیے جو صفات اور خصوصیات ایک شخص میں پائی جانی چاہئیں جیسے شجاعت و بہادری، جود و نوال، بخشش و عطاء، مروت و بردباری اور دولت و ثروت وغیرہ، ابو طالب ان میں سے اکثر سے محروم تھے، پھر جسمانی طور پر بھی لنگڑے تھے۔ چنانچہ اس نقص کی وجہ سے نہ ہی حرب فجار میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ٹانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ عطر فروشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے تھے، چنانچہ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ:-

"ابی ساد فقیرًا وما ساد فقیرًا قبلہ
میرے والد ابو طالب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے قبل کوئی فقیر کبھی قبیلہ کا سردار نہیں ہوا۔" (تاریخ یعقوبی شیعی جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو امیہ کو سیادت و قیادت کی یہ زمام کار عبد المطلب کی وفات کے بعد ہاتھ آئی۔ عبد شمس کو ہاشم کی طرح اپنے باپ کی زندگی ہی میں برابری کا مقام حاصل تھا اور باپ کے انتقال کے بعد اگر ہاشم کو سقایہ اور رفادہ کے عہدے ملے تھے تو عبد شمس کو قیادہ کا عظیم منصب ملا تھا، اس طرح عبد مناف کے دونوں فرزند مکی اشرافیہ کے برابر کے رکن اور مکی سماج و معاشرہ میں یکساں عزت و توقیر کے حق دار بن گئے تھے۔

ہاشم کی نو عمری میں وفات اور ان کے بیشتر بچوں کا بچپن میں انتقال وغیرہ کی وجہ سے ان کی نسل صرف بنو عبد المطلب میں جاری رہی، جبکہ اس کے مقابلے میں عبد شمس کے متعدد لڑکوں سے ان کی نسل خوب چلی اور بعثتِ نبوی تک بنو عبد شمس کے اپنے متعدد بطون (چھوٹے قبیلے) وجود میں آچکے تھے، قبیلوں کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے جو اس زمانے میں ایک امتیازی خصوصیت تھی لہٰذا بنو عبد شمس کو ایک امتیازی، سیاسی اور سماجی عظمت و توقیر حاصل ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں ان کو ملکی اقتصادیات میں بھی نمایاں برتری حاصل تھی، عہدِ نبوی میں بھی بنو عبد شمس کو یہ قیادت و سیادت حاصل تھی، اس قیادت و سیادت کو قائم رکھنے میں بنو عبد شمس کی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے علاوہ کل خاندانِ بنو عبد مناف کی تائید و تصدیق اور اتحاد کی دولت حاصل تھی۔ گویا بنو عبد شمس کی عظمت و ریاست بنو ہاشم کی عظمت و ریاست تھی، یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے دوست، حلیف اور بھائی تھے نہ کہ رقیب، حریف اور مدمقابل۔

بعثتِ نبوی تک بنو عبد شمس کے متعدد خاندان اور گھرانے بجائے خود ایک سماجی اکائی بن چکے تھے، ان میں سب سے بڑا اور اہم ترین گھرانہ بنو اُمیہ کا تھا جو متعدد گھرانوں پر مشتمل تھا، اس کی اہم شاخیں مندرجہ ذیل تھیں:۔

۱۔ بنو ابی العاص بن اُمیہ اکبر۔ (اس کی مزید دو ذیلی شاخیں تھیں)

(ا) بنو عفان: سیدنا عثمانؓ بن عفان کا خاندان۔

(ب) بنو حکم: سیدنا مروان بن الحکم کا خاندان۔

۲۔ بنو حرب بن امیہ اکبر۔ (اس کی حسب ذیل تین اہم ترین شاخیں تھیں)

(ا) بنو ابو سفیانؓ بن حرب (ب) بنو عتبہ بن ابی سفیان (ح) بنو عتیبہ بن ابی سفیان ۔ ان کے علاوہ بھی بعض گھرانے ان میں شامل تھے ۔

۳۔ بنو ابی العیص ، سیدنا عتاب بن اُسیدؓ کا گھرانہ ۔

۴۔ بنو ابی عمرو بن اُمیہ ؛ دشمنِ رسول عقبہ بن ابی معیط کا خاندان ۔

۵۔ بنو عاص بن اُمیہ ؛ ابو احیحہ سعید بن عاص کا خاندان ۔

علاوہ ازیں عبد شمس کے متعدد بیٹوں کے خاندان تھے ، جیسے بنو حبیب بن عبد شمس ، بنو عبد امیہ بن عبد شمس ، بنو نوفل بن عبد شمس ، بنو ربیعہ بن عبد شمس اور بنو عبد العزیٰ بن عبد شمس ۔ پھر ان کے آگے کئی گھرانے ہو چکے تھے ۔ بنو ربیعہ بن عبد شمس کے دو افراد عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مکی اشرافیہ کے بعثتِ نبوی سے قبل اہم ترین ستون تھے ، جب کہ مؤخر الذکر رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بڑے داماد ابو العاص بن ربیع کا گھرانہ تھا ۔

یہ مختصر سی تفصیل تھی بنو عبد شمس / بنو اُمیہ کے خاندان کی ۔ اسلام کے بارہ میں اس خاندان کا رویہ بنو ہاشم یا دوسرے کسی مکی خاندان سے مختلف نہ تھا ، اگرچہ ان میں سے بعض نے اسلام کی پوری پوری مخالفت کی تھی لیکن اسی خاندان کے کئی افراد نے بھرپور حمایت بھی کی تھی ، بنو ہاشم کے بعض گھرانوں کی طرح بعض اموی / عبد شمسی گھرانوں نے بھی سبقتِ اسلام کی دولت سے حظِ وافر پایا ۔

خاندان بنو عاص بن اُمیہ اکبر میں ابو احیحہ سعید بن عاص کا گھرانہ اپنی دولت و ثروت ، شرافت و نجابت اور سیادت و ریاست کے لیے تمام مکہ میں ممتاز ترین گھرانہ سمجھا جاتا تھا ۔ اسی خاندانِ سعیدی کے ایک فرد سیدنا خالد بن سعید امویؓ غالباً اولین اموی مسلمان تھے اور روایات کے مطابق ان کا سلسلہ سابقین اوّلین صحابہ میں تیسرا یا چوتھا نمبر تھا ۔ ان میں سے ایک بھائی عمرو بن سعیدؓ نے غالباً ان کے اثر سے مکی عہد کے نصف اوّل کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا ، یہ دونوں بھائی اپنے والد ، دوسرے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے ۔

ابن اسحاق کے قول کے مطابق اپنی دونوں بیویوں امینہ بنت خلف خزاعی اور فاطمہ

بنت صفوان المدیحی کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی۔ سیدنا خالد بن سعیدؓ کے دو بچے سیدنا سعیدؓ اور سیدہ امہ حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں، غالباً عمرو بن سعیدؓ کی اولادیں بھی مکّہ یا حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ سربراہِ خاندان سعید بن عاص کا بدر کے بعد حالتِ کفر میں انتقال ہوا تھا جبکہ ان کے دو لڑکے ابان بن سعید اور حکم (عبداللہ) بن سعیدؓ نے صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ حسنِ اتفاق سے یہ چاروں بھائی بے پناہ اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے اس لیے انہوں نے اسلامی ریاست کے چار مختلف صوبوں میں عہدِ نبوی ہی میں گورنری کے فرائض سرانجام دیئے تھے، اس خاندان کے ایک فرد سعید غزوۂ طائف میں شہید ہوئے تھے۔

اس خاندان کے دوسرے کئی افراد نے بھی اسلام قبول کیا، اس خاندان کی بیٹیوں میں سے ایک فاختہ بنتِ سعیدؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد سیدنا ابوالعاص امویؓ کے حبالۂ عقد میں آئیں، انہی سے ان کی نسل چلی۔

خاندان بنو ابی العاص کے قدیم ترین مسلمان سیدنا عثمان بن عفانؓ اموی تھے جو سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے، یہ دارِ ارقم میں قیامِ نبوی سے قبل شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے، اور بقول ابن اسحاق پہلے آٹھ مسلمانوں میں سے تھے، ان کے حقیقی چچا حکم بن ابی العاص نے اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑے ظلم توڑے تھے، آخر تنگ آکر یہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۵ نبوی میں جانبِ حبشہ ہجرت فرما گئے، سیدنا عثمانؓ کے دوسرے بھائی بہنوں کے قبولِ اسلام کے بارہ میں کتابوں میں کچھ نہیں ملتا البتہ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ اروی بنتِ کریزؓ ابتدائی مکی مسلمان تھیں، اور ان کی ایک اموی اہلیہ سیدہ رملہؓ بنت شیبہ بن ربیعہ ابتدائی مکی مسلمان اور مہاجرِ مدینہ تھیں، ان کے چچا حکم بن ابی العاصؓ کے خاندان نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا تھا، سیدنا حکمؓ کے علاوہ ان کے بیٹے مروانؓ بھی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

بنو ربیعہ بن عبد شمس کی قسمت میں سبقتِ اسلام کا شرف حاصل کرنے والے

سیدنا ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ تھے، یہ تیسرے اہم اموی مکی مسلمان ہیں جو صرف آغازِ اسلام ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے بلکہ مکہ میں اپنوں ہی کے ہاتھوں ستائے جانے کی وجہ سے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ سہلہ بنت سہیل عامریؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئے تھے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائیؓ اور جنگِ بدر میں بھی شریک ہوئے جس میں ان کے بھائی، والد اور والدہ شریک ہوئے تھے، ان کے خاندان میں ان کی ایک عم زاد بہن کے علاوہ اور کسی کے فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے کا ذکر نہیں ملتا، البتہ ان کے ایک مولیٰ سیدنا سالمؓ تھے جو بالکل آغازِ اسلام میں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور قدیم مہاجر اور بدری تھے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو حرب بن اُمیہ کے کسی فرد نے مکی عہد میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کی ایک خاتون سیدہ ام حبیبہؓ جو ابو سفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں ابتدائی مسلمان تھیں اس خاندان کے مردوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قوی اور معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو سفیانؓ کے دو صاحبزادوں یزیدؓ اور معاویہؓ صلح حدیبیہ کے بعد غالباً عمرۃ القضا کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ غالباً ان کے اہل خانہ بھی مسلمان ہوئے ہوں گے۔ سیدنا ابو سفیانؓ اپنی زوجہ سیدہ ہندؓ بنت عتبہ اپنے دوسرے صاحبزادوں عتبہؓ اور عتیبہؓ کے ساتھ فتح مکہ میں دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

یہ نہایت تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ سیدنا ابو سفیانؓ اور ان کے خاندان کے اکثر ارکان مکی عہد میں دائرہ اسلام سے خارج رہے لیکن ان کے بنو غنم بن دودان کے تمام حلیف جن کی تعداد روایات کے مطابق چالیس بالغوں پر مشتمل تھی آغازِ اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ مکی دور کا آخر ہے۔ بہر حال زمانہ کوئی ہو ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے اور ان میں سے بعض ہجرت حبشہ میں بھی شریک تھے اور باقی مہاجرینِ مدینہ اور اصحاب بدر

میں شمار ہوتے ہیں۔ ابنِ اسحاق اور ابنِ سعد نے ان کے ۲۳ مردوں کے نام گنوائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عبداللہ بن جحش (۲) ان کے بھائی ابواحمد (۳) عبداللہ بن جحش کے فرزند محمدؓ
(۴) عکاشہ بن محصن (۵) شجاع بن وہب (۶) ان کے بھائی عقبہ
(۷) اربد بن جمیرہ (۸) منقذ بن نباتہ (۹) سعید بن رقیش
(۱۰) یزید بن رقیش (۱۱) عبدالرحمٰن بن رقیش (۱۲) محرز بن نضلہ
(۱۳) قیس بن جابر (۱۴) عمرو بن محصن (۱۵) مالک بن عمرو (۱۶) صفوان بن عمرو
(۱۷) ثقف بن عمرو (۱۸) ربیعہ بن اکثم (۱۹) زبیر بن عبیدہ (۲۰) تمام بن عبیدہ
(۲۱) سنجرہ بن عبیدہ (۲۲) ابوسنان بن محصن (۲۳) سنان بن ابی سنان۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کی آٹھ خواتین کے نام معلوم ہوتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) زینب بنت جحش (۲) ان کی بہن اُمِّ حبیب (۳) جذامہ بنت جندل
(۴) اُمِّ قیس بنت محصن (۵) اُمِّ حبیب بنت ثمامہ (۶) آمنہ بنت رقیش
(۷) صخرہ بنت تمیم (۸) حمنہ بنت جحش۔

اس طرح بنو حرب بن اُمیہ کے حلیف بنو غنم بن دودان کے ابتدائی مسلمانوں کی کل تعداد ۳۱ ہوتی ہے۔ کتابوں میں مزید ۹ بالغوں کے نام بھی آئے ہیں، ان کے بچوں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحش کی والدہ سیدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ہاشمی کا ذکر کہیں نہیں کیا گیا جو کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دور کی مسلمان پھوپھی ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ حلفاءِ بنی حرب بن اُمیہ کے ابتدائی مسلمانوں کی تعداد اڑھائی تین سو کے درمیان تھی۔

بنو اُمیہ کے ایک اور حلیف سیدنا معیقیب بن ابی فاطمہ دوسیؓ تھے جو کہ قدیم مسلمان تھے۔ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئے، بعض روایات میں ہے کہ وہ مکہ سے

واپس اپنے قبیلہ دوس چلے گئے تھے اور وہاں تبلیغ اسلام کرتے رہے۔

بنو عبدالعزیٰ بن عبد شمس کے ایک اہم رکن سیدنا ابوالعاصؓ بن ربیع تھے، وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد اور سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے، اس کے علاوہ سیدہ خدیجہ ام المومنین سلام اللہ علیہا کی بہن کے بیٹے تھے، انہوں نے صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کیا، پھر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، ان کی صاحبزادی اُمامہؓ پیدائشی مسلمان تھی، باقی گھرانہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لایا تھا۔

بنو ابی العیص میں سیدنا عتاب بن اُسیدؓ اموی فتح مکہ کے روز اپنے خاندان والوں کے ساتھ دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے، وہ قبولِ اسلام کے چند ہی روز کے بعد اسلامی ریاست کی طرف سے مکہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ زبیری نے ان کے ایک بھائی خالد بن اُسید کا ذکر بھی کیا ہے جس کا کافی بڑا گھرانہ تھا۔

خاندان بنی عمرو بن اُمیہ کے سردار عقبہ بن ابی معیط نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ وہ ابولہب ہاشمی اور ابوجہل مخزومی کی طرح اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، وہ اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا، اسی دشمنِ خدا اور رسول کی جرأت مند اور دلیر صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ بنت عقبہؓ بعد ہجرت کسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا اور صلح حدیبیہ کے فوراً بعد دلیرانہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئی تھیں۔ عقبہ اموی کے تین لڑکوں سیدنا ولیدؓ، سیدنا خالدؓ اور سیدنا عمارہؓ نے عام روایات کے مطابق فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان کی وجہ سے دوسروں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہو۔ بہرحال یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اموی کا گھرانہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا بسا تھا۔

بنو عبد شمس اور بنو اُمیہ کے باقی گھرانے اور افراد زیادہ تر فتح مکہ کے زمانے میں اسلام میں داخل ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات و خواتین کچھ عرصہ

سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں۔ پھر بھی ان میں سے ابو کیسہ حارث بن کریز، عامر بن کریز، عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ وغیرہ عظیم صحابہ کا ذکر مل ہی جاتا ہے۔

دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ

اگر خاندانِ بنو ہاشم اور خاندانِ بنو اُمیہ کے قبولِ اسلام کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو اس میں بڑی حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ خاندانِ بنو عبدِ مناف کے ان دو برادر قبیلوں اور ان کے افراد نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ساتھ یکساں رویہ اپنایا تھا۔ اگر چند ہاشمیوں نے سبقتِ اسلام اور حمایتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا تھا تو بعینہٖ یہی شرف چند امویوں نے بھی حاصل کیا تھا۔ اگر کچھ ہاشمیوں نے مکہ میں اللہ کے راستہ میں تکالیف اٹھائیں اور مصائب برداشت کئے تھے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی تو ان سے زیادہ امویوں نے بھی قربانیاں دی تھیں۔ اگر ابوسفیان بن حرب اموی اور عقبہ بن ابی معیط اموی نے امویوں میں سے اسلام کی مخالفت کی تو عنادِ اسلام اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابولہب ہاشمی اور ابوسفیان بن حارث ہاشمی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ڈٹ کر اسلام اور رسولِ اسلام کی مخالفت کی۔

لہٰذا یہ کہنا کہ امویوں نے غیر معمولی طور پر یا بنو ہاشم سے پرانے عناد کی وجہ سے اسلام اور رسولِ خدا کی مخالفت کی تھی تو یہ بات سراسر غلط ہے، واقعات اس بات کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

سیاسی نظام میں بنو اُمیّہ کا مقام

علاوہ ازیں بنو امیہ کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

خاص اہمیت دی، چنانچہ اکثر صوبوں کے گورنر اموی خاندان ہی سے مقرر فرمائے اور اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی، فتح مکہ کے بعد مکہ کا گورنر سیدنا ابوسفیانؓ کے چچا کے پوتے عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی اور روزینہ کے طور پر ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا، اس پر عتابؓ نے یہ کہا:-

"اَیُّھَا النَّاسُ اَجَاعَ اللّٰہُ کَبِدَ مَنْ جَاعَ عَلٰی دِرْھَمٍ

اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے"۔

عتاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے سارے دور خلافت میں مکہ کے گورنر رہے۔ (روض الانف للسہیلی جلد ۲ ص۲۷۶، استیعاب جلد ۳ ص۵۳ ترجمہ عتاب بن اُسید، اسد الغابہ جلد ۳ ص۳۵۸، تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۸۹)

بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عتابؓ کو ارشاد فرمایا:-

"عتاب! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ پر، اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ کوئی شخص موزوں نظر آتا تو ... سے بناتا"۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص۳۵۸)

آپؐ پہلے ہی سے ان سے بخوبی آشنا تھے اور فتح مکہ سے دورات پہلے ایک مجلس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ:-

"قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا عتاب بن اُسید، جُبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو"۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص۵۹۵)

پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۸۹،

اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۸) اس لحاظ سے عتاب تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

سیدنا ابوسفیانؓ کو آپؐ نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۱، تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۱۲، کتاب المحبر لابی جعفر بغدادی صفحہ ۱۲۶، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ صفحہ ۶۲)

اور قبیلہ بنی ثقیف کے مناۃ نامی بت کو توڑنے کے لیے بھی آپ کو اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو مقرر فرمایا چنانچہ ان دونوں نے اس بت کو توڑا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۱۲، البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۳۳،۳۲، سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۵۴۱)

ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قریش کو تقسیم کرنے کے لیے کچھ مال بھیجا وہ مال سیدنا ابوسفیانؓ نے قریش میں تقسیم کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۳۳،۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۲۹)

سیدنا ابوسفیانؓ ایک امیر اور صاحب حیثیت شخص تھے اسلئے کئی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال کو غریب اور نادار لوگوں کی حاجتوں میں صرف کیا۔

چنانچہ قبیلہ بنی ثقیف کے دو شخص عروہ اور الاسود مقروض تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا ابوسفیانؓ کو ان کا قرض اتارنے کے لیے ارشاد فرمایا اور آپ نے حسب فرمان نبویؐ ان کا قرض ادا کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۵۴۲)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف اور اس کے ملحقات کا گورنر مقرر فرمایا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۲۸)

آپ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے اور دور فاروقی اور صدیقی میں بصرہ، بحرین، عمان کے گورنر رہے، یمن میں سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدہ پر مقرر فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۶۳، زاد المعاد لابن القیم جلد ۱ صفحہ ۳۱)

آپ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چچا عاص کے پوتے تھے، جنگ مرج میں شہید ہوئے۔[1]

---

[1] ان کی شہادت کی کیفیت بھی عجیب بیان کی گئی ہے، لکھا ہے کہ فحل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے جب مرج صفر کا رخ کیا تو اسی دوران میں حضرت خالدؓ نے ابوجہل کی بہو جو عکرمہ کی بیوہ تھی (سیدہ ام حکیم) سے شادی کر لی اور اور مرج صفر میں جو دمشق کے قریب ہے بیوی سے ملنے کی تیاریاں شروع کیں، بیوی نے کہا کہ بہتر ہوتا اگر اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جہادِ شام کے لیے سب سے پہلے آپ نے ہی آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ (فتوح الشام ازدی جلد ۱ ص۴)
عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کو آپ نے خیبر کا گورنر مقرر فرمایا اور ان کے بھائی ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو بحرین کی گورنری عطا فرمائی۔ (استیعاب جلد ۱ ص۳۵)
سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو تاریخ اسلام میں "یزید الخیر" کے نام سے مشہور ہیں، بڑی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے فتح مکہ کے روز اسلام سے مشرف ہوئے اور غزوۂ حنین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں شریک ہوئے، جنگ کے اختتام پر آپ نے انہیں بہت سا مال مرحمت فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص۱۲۷، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۹۵) آپ کا شمار بھی کاتبانِ وحی میں سے ہے۔ (جوامع السیرت لابن حزم ص۲۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ننھیال کے قبیلہ بنی فراس پر انہیں عاملِ صدقات مقرر فرمایا۔ (الاصابہ جلد ۳ ص۶۱۹، اسد الغابہ جلد ۵ ص۱۱۲)
علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیماء کا گورنر بھی مقرر فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص۳۶۳، کتاب المحبر ص۱۲۶) چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
معرکہ کے بعد اطمینان سے ملتے، لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے لہٰذا خواہش ہے کہ عروس تیغ کے گلے ملنے سے قبل تم سے مل لوں، وہ راضی ہو گئیں، چنانچہ ایک پل کے پاس جو اب قنطرہ ام حکیم کہلاتا ہے بیوی کے پاس شب باش ہوئے اور صبح کو احباب کی دعوتِ ولیمہ کی۔ ابھی یہ لوگ دعوت ولیمہ سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آ گئے اور جنگ شروع ہو گئی، ایک رومی نے مبارزطلبی کی، خالد رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہو گئے۔
ان کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا اگرچہ جامہ عروسی میں تھیں لیکن رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا اس لیے شکستہ خاطر اور غمزدہ ہونے کے بجائے اور زیادہ جوش میں آ گئیں، فوراً اٹھیں کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اتار کر کافروں پر حملہ کیا، تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس چوب سے انہوں نے ۷ کافروں کو جہنم واصل کیا۔ (اصابہ جلد ۸ ص۲۲۵، فتوح البلدان بلاذری ص۱۴۵) تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے۔

"وکان بنوامیۃ اکثرالقبائل عمالاً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہٗ لما فتح مکۃ استعمل علیہا عتاب بن اُسید بن ابی العاص بن اُمیۃ وخالد بن سعید واخویہ ابان وسعیداً علی اعمال اخر واستعمل ابا سفیان بن حرب وابنہ یزید ومات وھو علیہا وصاھر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ببناتہ الثلاثۃ لبنی اُمیۃ۔

(منہاج السنۃ جلد۲ ص۱۲۵)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنروں میں دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت بنواُمیہ کے لوگ اکثر و بیشتر تھے، چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے عتاب بن اُسید رضؓ بن ابی العاص بن اُمیہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن ابی العاص اور ان کے دونوں بھائیوں ابان اور سعید کو دوسرے علاقوں کا گورنر بنایا، ابوسفیان اور ان کے صاحبزادے یزید کو بھی نجران اور تیماء کا گورنر بنا کر بھیجا، حتیٰ کہ آپؐ کی وفات تک وہ اس منصب جلیلہ پر فائز تھے، علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں (زینب، رقیہ، ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہن) کو بھی بنواُمیہ ہی میں بیاہا۔"

علامہ بلاذریؒ نے بھی واقدی کی روایت سے لکھا ہے کہ:۔

"توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ من بنی اُمیۃ عما لہٗ عتاب بن اُسید علی مکۃ، ابان بن سعید بن العاص علی البحرین، خالد بن سعید علی صنعا وابوسفیان بن حرب علی نجران۔ (انساب الاشراف جلد۱ ص۵۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے انتقال فرمایا تو آپؐ کے بنو امیہ میں سے مختلف صوبوں پر چار گورنر تھے۔ (۱) عتاب بن اُسید مکہ پر (۲) ابان بن سعید بن العاصؓ بحرین پر (۳) خالد بن سعید صنعاء پر اور (۴) ابوسفیان بن حرب نجران پر۔

اس کے برعکس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حینِ حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبہ کی حکومت عطا فرمائی اور نہ ہی کسی بڑی فوج کا خود مختار سپہ سالار بنایا اپنی اس دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں آپؐ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند روز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا لیکن اقتدارِ اعلیٰ اور افسری سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ کو عطا فرمائی۔ (حلیۃ الاولیاء ابونعیم اصفہانی جلد ۱ ص ۳۵۴، مدارج النبوۃ ص ۵۰۲، زرقانی جلد ۳ ص ۹۹، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

چنانچہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی پوری تاریخ اسلام کی ورق گردانی فرما لیجئے آپ کو ایک گورنر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا تعلقِ نسبی بنو ہاشم سے ہو بلکہ بنو ہاشم میں سے بعض لوگوں نے تقرر کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپؐ نے منظور نہ فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیات دنیوی کے آخری ایام میں جب آپؐ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے علیؓ! خدا کی قسم تین دن کے بعد تم پر کوئی اور حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں انتقال فرما جائیں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کرلیں کہ آپؐ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپؐ اس کو ہمارے متعلق وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بارہ میں انکار فرما دیں تو ہم پھر ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جائیں گے، بخدا میں اس بارہ میں آپؐ سے ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔ (بخاری کتاب المغازی، مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۵، ۲۶۳، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۷، ۲۵۱)

غرض کہ عہدِ رسالت میں اکثر و بیشتر بنو امیہ کو گورنری کے عہدوں پر فائز کیا گیا اور بنو ہاشم میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس کو حضور اکرمؐ نے کسی اور جگہ کا گورنر بنا کر بھیجا ہو حالانکہ آپؐ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؐ کے چچا کے بیٹے

سیدنا عقیل اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر تمام عصبات موجود تھے، سرکاری عہدہ تو ایک طرف رہا آپ نے غزوات کے سلسلہ میں ۲۸ مرتبہ مدینہ پاک چھوڑا لیکن ایک مرتبہ بھی انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے آپ نے بنو ہاشم میں سے اپنے نائبین کا تقرر نہیں فرمایا بلکہ کبھی کسی اموی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور کبھی کسی انصاری کو، کبھی کسی مخزومی کو تو کبھی کسی کلبی اور غفاری کو۔ جنگِ تبوک کے موقع پر آپ نے سیدنا علیؓ کو مدینہ میں چھوڑا لیکن اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کر کے نہیں بلکہ صرف اہل و عیال کی حفاظت اور خبر گیری کے واسطے اور اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی محمد بن مسلمہ انصاری کو مقرر فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۹)

عہدِ صدیقی اور بنو اُمیّہ

جس خاندان کو حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوازشات سے نوازیں اور اسٹیٹ میں ان کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز فرماویں بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خلفائے راشدین اپنے عہدِ راشدہ میں اس خاندان کی قابلیت اور تدبر سے فائدہ نہ اٹھاویں، چنانچہ تاریخ اسلام کے صفحات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ خلفائے راشدین نے اس خاندان کے لوگوں کی قابلیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسٹیٹ میں گورنری اور سپہ سالاروں کی آسامیوں کے لیے اس خاندان کی خدمات حاصل کیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ ردہ میں اموی سرداروں کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ہر موقع پر اموی قائدین نے نہایت قابلیت، محنت اور جانفشانی سے اپنے فرائض سرانجام دے کر خلافتِ اسلامیہ میں ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل کی، شام کی فوج کشی میں سیدنا ابوسفیانؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا یزیدؓ کو اسلامی فوج کے ایک بڑے حصے کا سردار مقرر فرمایا۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۱ ص ۲۴۷، العواصم من القواصم ص ۸۱، فتوح البلدان ص ۲۸) اور سیدنا معاویہؓ کو اس لشکر کا علمبردار مقرر کیا۔

(ہسٹری آف دی عربز (انگریزی) ص۱۷۸) روانگی کے وقت کچھ دور تک پیادہ پا رخصت کرنے کے لیے نکلے (طبری جلد ۴ ص۳۰) سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبرؓ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا امیر المومنین! آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے پیادہ پا چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے اور نہ تم کو اترنے کی، میں جتنے قدم رکھتا ہوں اُن کو اللہ کی راہ میں شمار کرتا ہوں"۔ رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا "اے یزید! شام میں تم کو بہت سے تارک الدنیا راہب ملیں گے اُن سے اور اُن کی رہبانیت سے تعرض نہ کرنا۔ پھر فرمایا تم کو جنگ میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو بیچ سے سر منڈاتے ہیں اسی حصہ پر تلوار مارنا۔ پھر فرمایا میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں ان کا ہمیشہ خیال رکھنا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارنا، پھلے پھولے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے علاوہ بیکار ذبح نہ کرنا، درخت نہ جلانا، پانی میں نہ ڈبانا، خیانت اور بزدلی نہ کرنا"۔ (موطا امام مالک ص۱۶۶، تاریخ الخلفاء ص۔)

ان ہدایات کو لے کر جب سیدنا یزید شام کی سرزمین میں پہنچے تو آپ نے سب سے پہلے خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصریٰ پر حملہ کیا، بصریٰ والوں نے صلح کر لی، بصریٰ کے بعد فلسطین کا رخ کیا اور اجنادین کے مقام پر رومیوں کو شکست فاش دی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص۱۱۲) اُردن کی فتح کے بعد ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے یزید کو ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیا، انہوں نے عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مل کر اس کو زیر نگیں کیا۔ (فتوح البلدان للبلاذری ص۱۳۶) دمشق کے محاصرہ میں شہر پناہ کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ افسر متعین تھے، چنانچہ باب صغیر سے باب کیسان تک کی نگرانی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے سپرد تھی، دمشق کی فتح کے بعد جب سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے حمص کا ارادہ کیا تو سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کو دمشق میں اپنے قائم مقام کی حیثیت سے چھوڑ دیا۔ (فتوح البلدان ص۱۳۷) جنگِ یرموک میں بھی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اسلامی فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے، اس جنگ میں آپ کے والد ماجد سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ

بھی شریک تھے، آپ نے اس جنگ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا یہاں تک کہ ان کی
دوسری آنکھ بھی اس لڑائی میں جاتی رہی ۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶ ، الصدیق ص ۲۰۶)
سیدنا ابی سفیانؓ کی پہلی آنکھ طائف کے محاصرہ میں ضائع ہوئی تھی ۔ (الاستیعاب
لابن عبدالبر جلد ۲ ص ۷) اور دوسری آنکھ جنگِ یرموک میں ضائع ہوئی اس وجہ سے
وہ جنگِ یرموک کے بعد ظاہری بینائی سے کلیتہً محروم ہوگئے ۔ اس جنگ میں سیدنا
یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے پورے کنبے، باپ، ماں اور بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ
کے ساتھ شریک تھے اور ان کی والدہ سپاہیوں کو جنگ پر ابھارتی تھیں ۔ (فتوح البلدان ۱۴۲)
جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریلا زیادہ ہوا تو سیدنا یزیدؓ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ
لڑتے بھی جاتے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں فتح و نصرت کی دعا بھی فرماتے جاتے
اور ساتھ ہی جان نثارانِ اسلام کو ابھارتے بھی جاتے کہ :

"اللہ اللہ! تم لوگ عرب کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو
ہو اور تمہارے حریف سلطنتِ روم کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور مشرکین کے
دست و بازو ہیں، اے اللہ! آج کا دن تیرا دن ہے تو اپنے بندوں کی مدد فرما۔"
(المنتقٰی ۱ ص ۲۵۴ ، فتوح البلدان ص ۱۴۲ ، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶ ، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۹۷)

مشہور تابعی سعید بن مسیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگِ یرموک کے
روز جبکہ مسلمان رومیوں سے نبرد آزما تھے ایک ہُو کا عالم طاری تھا اور جنگ کی شدت
کے باعث تمام لوگ چُپ تھے لیکن ایک آدمی ایسا تھا کہ جو بآوازِ بلند پکار رہا تھا :

يَا نَصْرَ اللهِ اِقْتَرِبْ ، يَا نَصْرَ اللهِ اِقْتَرِبْ

اے اللہ کی مدد جلد آ ، اے اللہ کی مدد جلد آ

میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزندِ ارجمند سیدنا
یزیدؓ کے جھنڈے تلے رُومیوں سے لڑ رہے تھے ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۴۱۲ ،
اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶ ، تاریخ اسلام للذہبیؒ جلد ۱ ص ۱)

اسی جنگِ یرموک میں مسلم خواتین کی قیادت ایک اموی خاتون سیدہ جویریہ

بنت ابی سفیانؓ نے فرمائی ۔ (الصدیق ص۲۰۶)

اس کے علاوہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن اموی قائدین کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں جو مقام دیا تھا خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اس مقام کو برقرار رکھا بلکہ جہاں تک ہو سکا اپنے مختصر دورِ خلافت میں اُن کے مقام میں اور اضافہ کیا، چنانچہ عتاب بن اُسیدؓ گورنرِ مکہ کو آپ نے مکہ کی گورنری پر برقرار رکھا۔ (استیعاب جلد ۳ ص۱۵۳، تہذیب التہذیب جلد ۷، ص۸۹)

عہدِ فاروقی اور بنو اُمیہ

عہدِ فاروقی میں سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ۱۸ھ میں امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی طرف سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فلسطین کے حاکم مقرر ہوئے اور قیساریہ کی مہم ان کے سپرد ہوئی مسلمان اس وقت قیساریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، یزیدؓ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سترہ ہزار فوج لے کر اُن کی امداد کو پہنچے اور اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے، سیدنا معاویہؓ نے اس مہم کو سر کر کے ان کے پاس اس کی اطلاع بھیجی اور انہوں نے مدینۃ الرسول میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع بھجوائی ۔ (فتوح البلدان بلاذریؒ ص۱۴۷)

عہدِ فاروقی میں جب عمواس کے تاریخی طاعون میں سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کو شام کے صوبے کا والی اور گورنر مقرر فرمایا۔ (ہسٹری آف دی عرب ص۱۵۴، فتح الباری جلد ۷، ص۸۲) خود سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی آپ اسلامی فوج کے علمبردار تھے۔ اور جس لشکر نے صیدا، عرقہ، بیروت وغیرہ علاقوں کو فتح کیا، اس کے ہراول دستہ کی قیادت سیدنا معاویہؓ ہی فرما رہے تھے۔ (ہسٹری آو دی عرب ہٹی ص۱۴۸)

چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یزید بن ابی سفیانؓ کو لوگ "یزید الخیر" کے نام سے پکارتے تھے۔

"اسلم یوم الفتح وحسن اسلامہ وشھد حنیناً۔
یہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن و خوبی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا اور جنگ حنین میں بھی انہوں نے شرکت کی۔"

ایک اور مقام پر علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

"وکان جلیل القدر شریفاً سیداً فاضلاً وھو احد الامراء الاربعۃ الذین عقد لھم ابو بکر الصدیق وسیرھم لغزو الشام۔
سیدنا یزیدؓ شرافت، سیادت، اور بزرگی کے لحاظ سے ایک جلیل القدر انسان تھے اور یہ اُن چار نیک صفت امراء میں سے تھے جن کو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے شام کی فتح کے وقت متعین فرمایا تھا۔" (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۶)

ساحل شام پر واقع شہر قیساریہ کو فتح کرنے کے بعد ۱۹ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"فلما فتحت دمشق امرہ عمر علی دمشق ثم ولی بعد موتہ اخاہ معاویۃ۔ (تاریخ اسلام للذھبی ج ۲ ص ۱۸)
دمشق جب فتح ہو گیا تو سیدنا عمرؓ نے انہیں وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی معاویہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔"

یہ تھے اِس خاندان کے اجمالی حالات جس خاندان کے نابغۂ روزگار سیدنا معاویہؓ کی سیرت اور سیاسی زندگی آئندہ صفحات میں آ رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان جس طرح جاہلیت میں ایک عظیم مقام کا حامل تھا اسی طرح جب یہ حلقہ بگوش اسلام ہوا تو ان کی سیادت و قیادت میں ذرا بھی کمی نہ ہوئی بلکہ روز بروز اضافہ ہوا، کیونکہ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۹۴، مسلم جلد ۱ ص ۴۳۱) اور ان کے کمالات، ہر موقع پر اسلام اور اہلِ اسلام کی معاونت کرتے

رہے لیکن جتنا یہ خاندان عظمت، بلندی اور رفعت کا مالک تھا اتنا ہی اس خاندان کو دشمنانِ اسلام نے اپنے غلط اعتراضات اور بے بنیاد الزامات کا نشانہ بنایا، کبھی کہہ دیا کہ یہ لوگ (معاذ اللہ) منافق تھے، یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام اور اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے۔ کبھی یہ کہہ دیا کہ جس طرح جاہلیت میں اس خاندان نے اسلام کی مخالفت کی اسی طرح زمانۂ اسلام میں بھی یہ لوگ اندرونی طور پر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ اپنے اس دعویٰ کو مضبوط بنانے کے لیے چند غلط سلط اور عجیب وغریب روایتیں بھی مشہور کر دیں جن سے ان کی اسلام دشمنی کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی، افسوس کہ اس سازش میں کچھ ایسے لوگ بھی شریک ہیں اور وہ باقاعدہ مضامین لکھ کر ان غلط واقعات کو اور شہرت دے رہے ہیں جو اپنے کو موجودہ وقت میں اسلام کا مفکر اور مسلمانوں کی سیاسی کشتی کا ناخدا کہتے ہیں۔ علامہ ابنِ عبد البرؒ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان کے متعلق اسی قسم کے واقعات کا ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"لَهٗ اَخْبَارٌ مِّنْ هٰذَا رَدِيَّةٌ ۔ (استیعاب ج ۲ ص۷۱۵)

ان کے متعلق اس قسم کے واقعات جس قدر ہیں وہ سب ردی، لغو اور مہمل ہیں۔"

اسی طرح "اسد الغابہ" میں علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"نُقِلَ عَنْهُ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ اَشْيَاءُ كَثِيْرَةٌ لَا تَثْبُتُ (اسد الغابہ جلد ۵ ص۲۱۶ تذکرہ ابوسفیانؓ)

اُن کے متعلق اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔"

یہ روایات صحیح بھی کیسے ہوسکتی ہیں جبکہ اس خاندان کی قربانیوں سے پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ خود سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن پر زیادہ اتہامات لگائے جاتے ہیں اپنی دونوں آنکھوں تک کو اللہ رب العزت کے راستہ میں

قربان کر دیا۔ (الصدیق ص۲۰، اسد الغابہ جلد ۵ ص۲۱۶، استیعاب جلد ۲ ص۷۱)

ان کے دونوں صاحبزادوں سیدنا یزیدؓ اور سیدنا معاویہؓ نے اپنی ساری زندگیاں اللہ کے دین کی خدمت میں وقف کر دیں، اور اسلامی تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت پیش کرنے سے ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیتے کہ اس خاندان کے قریباً تمام افراد نے اسلام کے دستور العمل کو نہایت اعلیٰ طریقے سے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور افریقہ، یورپ اور دوسرے بیشمار علاقوں کے لوگ قبولِ اسلام میں آج تک ان کے زیرِ بارِ احسان ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندان بنو امیہ کے ایک ایسے گوہرِ تابدار اور اسلام کے ایک ایسے بطلِ جلیل ہیں کہ اسلام کی تاریخ ان کے سنہری کارناموں سے بھری پڑی ہے اور ملتِ اسلامیہ ان کے کارناموں کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ آپ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندِ ارجمند ہیں جو ساری عمر قریش کے سپہ سالار اور قائد رہے، اسی شرفِ نسب اور خاندانی علوِّ مرتبی کی وجہ سے شروع ہی سے اعلیٰ اخلاقی اقدار، شرفِ نسب اور اعلیٰ خاندانیت کی جملہ مقتضیات اور لوازمات پیدا ہو گئے۔ آپ بہادری، شجاعت، حلم و بردباری، سخاوت اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ تھے، ایک خاص خصوصیت آپ میں یہ تھی کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس خصوصیت سے اس زمانہ میں عوام کیا خواص بھی محروم تھے لیکن آپ کے والد ماجد نے آپ کی تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ دنیا کی کوئی خوبی ایسی نہ ہو جس سے ان کا بچہ محروم رہے۔ آپ کی تربیت میں آپ کے بڑے بھائی سیدنا یزیدؓ کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا کیونکہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں جہاں جہاں بھی وہ گئے اپنے اس بھائی کو انہوں نے ساتھ رکھا اور بڑے بڑے تلخ تجربات میں ڈال کر ان کے ذہن میں ایک خاص قسم کی پختگی اور جلا دی جو مستقبل میں آپ کے کام آئی۔

زمانۂ جاہلیت کوئی ایسا زمانہ نہ تھا جس کی تفصیلات لوگ ذہن میں رکھتے، دوسرے

زمانۂ جاہلیت میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے حالاتِ زندگی اس قابل ہی نہ تھے جن کو لوگ اپنے سینوں اور ذہنوں میں جگہ دیتے۔ یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے اپنے ماننے والوں کو جس طرح اگلی زندگی میں دوام بخشا اسی طرح اس زندگی میں بھی ان کے حالات و واقعات کو حیاتِ جاودانی عطا کی، آپ کی پیدائش بھی چونکہ زمانۂ جاہلیت میں ہوئی اور بچپنہ بھی جہالت میں گذرا، اس لیے بچپن کے حالات مستند طریقے سے تاریخ کے صفحات میں نایاب ہیں، البتہ آپ کی اسلام کے بعد کی زندگی کے حالات تاریخ کے اوراق کے سینے پر ابھرے ہوئے ہیں لیکن جتنی ہی کسی میں خوبیاں زیادہ ہوں اتنے ہی اس کے حاسد اور دشمن بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دشمنانِ اسلام نے اسلام کے اس بطلِ جلیل کے بہترین اعمال پر تعصب اور نافہمی کے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں اور کسی ایک بات سے آزردہ ہو کر ان کی بے مثال فراست، انتظامی صلاحیت اور حلم و بردباری کو یک قلم نظرانداز کر دیا ہے، اس لحاظ سے اسلام کی پوری تاریخ میں شاید یہ سب سے زیادہ مظلوم شخصیت ہیں۔

نسب نامہ

آپ کا پدری اور مادری نسب نامہ حسب ذیل ہے:۔

(ا) معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

(ب) ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

(اصابہ جلد ۴ ص ۴۰۹، المعارف ص ۱۵، نسب قریش ص ۱۲۴، ۱۲۵)

گویا کہ آپ کا نسب چوتھی پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، چونکہ آپ کی ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا ام المؤمنین تھیں اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں تھیں، اس وجہ سے نبوت سے اس رشتہ کے تعلق کی وجہ سے آپ کو احتراماً "خال المؤمنین" بھی

کہا جاتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۷)

ولادت

سیدنا معاویہؓ ہوں یا کوئی اور صحابی، اسلام لانے سے قبل ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے ایک ایسی قوم کو جس پر حکومت کرنا لوگ اپنے لیے باعث عزت نہ سمجھتے تھے پوری دنیا کا حکمران بنا دیا، اس وجہ سے کسی بھی شخص کا سن ولادت حتمی نہیں کہا جا سکتا، لیکن سیدنا معاویہؓ کے سن ولادت کے بارہ میں اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۴ سال چھوٹے تھے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین الحلبی نے "سیرتِ حلبیہ" میں لکھا ہے کہ:۔

"نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۳۴ سال بعد سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ پیدا ہوئے"۔ (سیرتِ حلبیہ جلد ۳ ص۴۰۵)

یہ بیان تو علامہ حلبیؒ کا ہے لیکن دیگر علماء نے ان سے اختلاف کیا ہے، بعض نے لکھا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سال قبل اور کسی نے سات سال قبل اور کسی نے تیرہ سال قبل آپ کی ولادت کا سال تحریر کیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قول کہ آپؓ کی ولادت بعثتِ نبویؐ سے ہوئی زیادہ مشہور ہے۔ (الاصابہ جلد ۳ ص۴۱۲)

جب سال کا تعین ظن وتخمین سے ہے تو دن اور مہینہ تو یقینی طور پر کہا نہیں جا سکتا، کیونکہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو کسی کو بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ یہ بڑا ہو کر کیا بنے گا لہٰذا اسکی ولادت کے سن وسال کو کون اس زمانے میں درج کرتا تھا۔

صورت وسیرت

جس طرح آپ سیرت وکردار میں اعلیٰ تھے اسی طرح آپ کی صورت میں بھی ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی، رنگ سُرخ وسفید کا امتزاج، سر وقد، جسیم وشحیم، وضع وقطع

اور چال و ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی موٹی اور چتون شیر کی مانند۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص۳۰۲) صورت وجیہ، بظاہر شان و شوکت اور تمکنت لیکن مزاج میں زہد و تواضع اور فروتنی نہایت درجہ بردبار، حلیم اور وسیع القلب۔ (کتاب الزہد ص۱۷۱ ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہٹی ص۱۹۶) فقیر کی تمکنت اور امیر کی مسکنت کا بہترین امتزاج، داڑھی گھنی، مہندی اور وسمہ کے خضاب سے رنگی ہوئی، لباس میں سادگی بلکہ اکثر دفعہ دسیوں پیوند صرف قمیض کو لگے ہوئے ہوتے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ علی بن ابی جبلہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ:-

"رَأَیْتُ مُعَاوِیَۃَ عَلَی الْمِنْبَرِ بِدِمَشْقَ یَخْطُبُ النَّاسَ وَعَلَیْہِ ثَوْبٌ مَرْقُوْعٌ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۱۳۵)

میں نے سیدنا معاویہؓ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور آپ نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔"

یونس بن میسر الحمیری الزاہدؒ جو کہ امام اوزاعیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں:-

"رَأَیْتُ مُعَاوِیَۃَ فِیْ سُوْقِ دِمَشْقَ وَھُوَ مُرْدِفٌ وَرَاءَہٗ وَصِیْفًا وَعَلَیْہِ قَمِیْصٌ مَرْقُوْعُ الْجَیْبِ یَسِیْرُ فِیْ اَسْوَاقِ دِمَشْقَ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۱۳۴)

میں نے معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیض زیب تن کئے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ تھا اور آپ اسی حالت میں دمشق کے بازار میں پھر رہے تھے۔ (حالانکہ آپ وہاں کے حکمران تھے)"

اس طرح کے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں ملتے ہیں جن سے آپ کی سادگیٔ لباس کا پتہ چلتا ہے۔

مذہبی علوم میں آپ کا خاص مقام تھا، قرآن وسنت میں اس گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے صاحب فتویٰ صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۔)

اور بڑے بڑے صحابہؓ آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ چنانچہ جب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سیدنا معاویہؓ کے ایک وتر پڑھنے کی بابت کہا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔

"اصاب انہ فقیہ۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱)

اس نے صحیح کہا یقیناً وہ فقیہ ہے۔"

امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک وتر کی بحث چل پڑی، بحث میں سیدنا معاویہؓ کا ذکر بھی آگیا، سیدنا معاویہؓ کا نام سنکر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

"لیس احد منا اعلم من معاویۃ۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۶)

ہم میں معاویہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہیں۔"

مسند امام احمد بن حنبل میں زیر مسندات معاویہ بن ابی سفیان جلد ۴ ص ۹۵ پر بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کچھ اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں جن سے ان کی علمی ثقاہت کا پتہ چلتا ہے، بلکہ مسند احمد جلد ۴ ص ۹۷ پر سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ سے سیدنا معاویہؓ سے روایت بھی منقول ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ایک علمی گھرانے میں پرورش پائی تھی، اس زمانے میں حدیث وتفسیر سب سے بڑا علم تھا، چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے بھی اس علم میں خاصی درک حاصل کی۔

کتب حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ احادیث نبوی کے راوی بھی ہیں اور مروی عنہ بھی، یعنی آپ نے احادیث روایت بھی کی ہیں اور آپ سے دوسروں نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں سے مندرجہ ذیل حضرات نے آپ سے روایات نقل کی ہیں:۔

"سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن جریر البجلیؓ، سیدنا سائب بن یزیدؓ، سیدنا معاویہ بن خدیجؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور سیدنا ابوامامہ بن سہلؓ"۔

مندرجہ ذیل تابعین نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں :۔

"سعید بن المسیبؒ، عبداللہ بن الحارث بن نوفلؒ، قیس بن ابی حازمؒ، ابوادریس الخولانیؒ"۔

ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات ہیں جنہوں نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

"مندرجہ بالا حضرات اسلام کے ائمہ ہیں، انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے روایات نقل کی ہیں، لہٰذا معلوم ہونا چاہیئے کہ سیدنا معاویہؓ کتنے اعلیٰ درجہ کے مجتہد اور کتنے اعلیٰ درجہ کے فقیہ تھے"۔ (تطہیر الجنان ص۲۶، اسد الغابہ جلد ۴ ص۳۸۷)

سیدنا معاویہؓ احادیث کی روایت کرنے میں بہت محتاط تھے، اس معاملہ میں وہ سیدنا عمرؓ کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہؓ سے سنا کہ بیانِ روایت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ بے احتیاطی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مت بیان کیا کرو صرف وہ روایات بیان کیا کرو جو عہدِ فاروقی میں بیان کی جاتی تھیں، سیدنا فاروقِ اعظمؓ اللہ سے ڈرنے والے تھے لہٰذا وہ اپنے زمانہ میں بے اصل روایات کو روایت میں شامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس فرمان کے بعد سیدنا امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ :۔

"مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اُس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں"۔ (مسند احمد جلد ۴ ص۹۹)

نہ صرف احادیث بلکہ فقہی مسائل میں بھی آپ دوسرے اکابر صحابہؓ سے بعض دفعہ دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں ان کی کیا رائے ہے؟ آپ اگرچہ بقول سیدنا ابن عباسؓ خود بھی فقیہ تھے (بخاری جلد ا ص۵۳۱) لیکن پھر بھی بعض مسائل میں دوسرے صحابہؓ کی رائے معلوم کرنا ضروری سمجھتے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص الاحوص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، وہ عورت اپنی طلاق کی عدت گذارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ الاحوص کا انتقال ہو گیا، اس کی وراثت کے سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ نے مشہور صحابیٔ رسول سیدنا زید بن ثابتؓ کی خدمت میں آدمی بھیج کر وراثت کا مسئلہ دریافت کیا، سیدنا زیدؓ نے جواب میں فرمایا:۔

"چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی"۔
(مشکوٰۃ، باب العدۃ ص۲۸۹)

اسی شام کے علاقہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی شخص کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھا تو اس نے بیوی اور اس اجنبی شخص کو موقع پر ہی قتل کر دیا۔ اس معاملہ کے فیصلہ میں سیدنا معاویہؓ کو ایک اشکال ہؤا تو آپ نے سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کو خط لکھا کہ سیدنا علیؓ سے اس مسئلہ کا حل طلب فرمائیں، چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ نے سیدنا علیؓ کو خط لکھ کر اس مسئلہ کا شرعی حل دریافت کیا، سیدنا علیؓ نے لکھا کہ اگر قاتل چار گواہ پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے۔

(موطا امام مالکؒ ص۳۰۸)

اس طرح کے اور کئی مسائل ہیں جن کا حل سیدنا معاویہؓ نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے پوچھا اور پھر ان کے فتویٰ کے مطابق اس پر عمل کیا۔ یہ شریعت کے ساتھ اُن کی محبت کی دلیل ہے۔

شعروادب کا بھی کافی مذاق تھا (جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے) اور اشعار کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ (کتاب العمدہ صلا) تقریر میں اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ ان کی تقریریں تاریخ کے صفحات پر پڑھ کر ان کی فصاحت و بلاغت کی داد دینی پڑتی ہے۔ الجاحظ نے "کتاب البیان والتبیین جلد اوّل ص۱۱۲" میں آپ کی ایک تقریر بطور نمونہ درج کی ہے، اور المبرد نے "الکامل" میں بھی کہیں کہیں کچھ جملے ذکر کیے ہیں. علامہ ابن کثیرؒ نے بھی "البدایہ والنہایہ" کی ساتویں اور آٹھویں جلد میں کچھ اقتباسات نقل فرمائے ہیں۔

ابن جریر طبری نے قبیصہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی صحبت میں رہا اُن سے زیادہ میں نے کسی کو فقیہ اور دینی مہارت والا نہیں دیکھا، پھر میں طلحہ بن عبیداللہؓ کی صحبت میں رہا اُن سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

ثم صحبت معاویة فما رأیت رجلاً احب رفیقاً ولا اشبه سریرةً بعلانیة منه۔ (طبری ج ۶ ص۱۸۲)

میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ رہا تو میں نے ان سے زیادہ (اپنے) ساتھی کو محبوب رکھنے والا اور ظاہر و باطن میں ایک جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا ایسا امتزاج شاید ہی کسی میں ہو اور یہ شئے آدمی کے کریکٹر کا نقطہ عروج ہے، اسی وجہ سے سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں سے ایک بہت بڑے مقام کے مالک ہیں، سیدنا معاویہؓ کو ان کے صدق کی وجہ سے "المصحف" کے نام سے پکارتے تھے۔

(العواصم من القواصم قاضی ابوبکر بن العربی ص۲۱۰ تعلیقہ)

تالیفِ قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ (منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ جلد ۲ ص۲۱۹) اور اس بات کا خاص خیال کرتے تھے کہ کسی کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی وجہ سے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جو کہ عشرہ مبشرہ

میں سے ہیں اور سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی آپس کی جنگوں میں بالکل غیر جانبدار رہے ہیں، سیدنا معاویہؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے :-

"مَا رَأَيْتُ اَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ اَقْضٰى مِنْ صَاحِبِ هٰذَا الْبَابِ يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ - (البداية والنهاية جلد ۸ ص۱۳۳)

میں نے سیدنا عثمانؓ کے بعد اس دروازہ والے یعنی معاویہؓ سے زیادہ حق پر فیصلہ کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا"

حقوق اللہ کے ہوں یا بندوں کے، انسان کی نیکی اور صالحیت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو ادا کرے اور یہ ادا اسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ انسان اپنے کو اللہ رب العزت کے سامنے جوابدہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے قلب کی گہرائیوں میں موجزن ہو جس کو شریعت کی زبان میں تقویٰ اور خشیت کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اسی تقوای اور خشیتِ الٰہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ عدل، حلم، جہاد اور عملِ صالح میں دنیوی شہرت اور القابات کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا دھیان آخرت کی جزا پر رہتا تھا۔

بارگاہِ رسالتؐ میں مقام

آپ کے انہی اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بہت سی دعائیں ارشاد فرمائیں، ایک مرتبہ فرمایا :-

"اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَمَكِّنْ لَهٗ فِي الْبِلَادِ[1] - (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۱)

اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما اور اس کو مختلف شہروں میں حکومت عطا فرما"

---

[1] آپؓ کی اسی دعا کا اثر تھا کہ ۴۱ھ میں تمام امت نے بالاتفاق ان کو اپنا امیر منتخب کیا۔

کتاب کے علم کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم حساب کے حصول کی دعا بھی فرمائی، چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن عمیرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہؓ کے حق میں دعا کے طور پر فرمایا کہ :۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ط (التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۷، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۶)

سیدنا عرباض بن ساریہؓ سے حساب کے ساتھ کتاب کے علم کے حصول کی دعا بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں فرمایا :۔

"اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ۔

اے اللہ معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے اس کو محفوظ فرما۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۰، استیعاب جلد ۳ ص ۳۸۱، الفتح الربانی جلد ۲۲ ص ۳۵۶)

ایک اور موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ ۔

اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔" (ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۷، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ جلد ۲۲ ص ۳۵۶، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، تاریخ کبیر بخاری جلد ۳ ص ۲۴۰، جلد ۴ ص ۳۲۷، طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۳۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :۔

"لَوْ اَصْبَحْتُمْ فِيْ مِثْلِ عَمَلِ مُعَاوِيَةَ لَقَالَ اَكْثَرُكُمْ هٰذَا الْمَهْدِيُّ

اگر تم سیدنا معاویہؓ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اٹھتے کہ یہ مہدی ہے۔"

اِسی شے کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابو اسحٰق السبیعیؒ ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے :۔

"لَوْ اَدْرَکْتُمُوْہُ اَوْ اَدْرَکْتُمْ اَیَّامَہٗ لَقُلْتُمْ کَانَ الْمَھْدِیْ ھٰذَا۔

اگر تم لوگ معاویہؓ کو پا لیتے یا اس کے زمانہ کو پا لیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۵، العواصم من القواصم صفحہ ۲۰۵ تعلیقہ)

اِسی طرح کا قول سیدنا مجاہد سے بھی منقول ہے، فرماتے ہیں :۔

"لَوْ اَدْرَکْتُمْ مُعَاوِیَۃَ لَقُلْتُمْ ھٰذَا الْمَھْدِیْ۔

اگر تم لوگ، معاویہؓ کو پا لیتے تو بول اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں"۔ (العواصم صفحہ ۲۰۵ تعلیقہ)

معلوم ہوا کہ آپ خود ہدایت پر تھے، لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتے تھے، آپ کی کوئی بات ایسی نہ تھی جو ہدایت سے خالی ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ہادی اور مہدی ہونے کی دعا فرمائی تھی۔ اب جو آدمی سیدنا معاویہؓ کے کاموں میں رخنہ اندازی پیدا کرنے اور نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے یا تاریخ کی بعض لغو، مہمل اور غیر مستند روایات کی بناء پر ان کی طرف ایسے اعمال اور افعال منسوب کرتا ہے جو ہدایت سے خالی ہوں تو اُس کو خود اپنے لیے ہدایت کی تلاش کرنی چاہیئے اور اپنے ایمان پر نظر ثانی کرنی چاہیئے کیونکہ یہ اعتراض صحابیٔ رسول پر نہیں بلکہ خود ذاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے جس کا نتیجہ ایمان کا خُسران ہے۔

ان تمام فضائل اور بارگاہِ رسالت میں اس مقام کے باوجود بد باطن لوگوں نے ان پر ایسے ایسے اتہامات لگائے جو ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذرا بھی زیب نہیں دیتے، ان اتہامات لگانے والوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کی تشریح و تصریح کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کروائے ہوئے ہیں اور خود کو موجودہ زمانہ کے مفکرِ اسلام اور حدیث و تفسیر اور تاریخ کے میدان کے شاہسوار سمجھتے ہیں، پھر تعجب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی ظاہری نصوص کے برعکس تاریخ کی اُن روایات سے اپنے غلط دعوؤں کے لیے دلائل مہیا کیے جاتے ہیں جن کی نہ تو سند ہے اور اگر سند

ہے بھی تو راوی اس قدر مجہول اور غیر معتبر اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ جیسے کذاب جن پہ معمولی بات کے لیے بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ان ہستیوں کی تنقیص کے متعلق ان پر اعتبار کیا جائے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے دنیا ہی میں اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ عطا فرما دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے بھلا کہاں تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات جن کے راوی بھی اکثر ایسے جنہوں نے خالص سیاسی مصالح کی بنا پر ان کے متعلق یہ روایات وضع کیں، اور کہاں قرآن و سُنت کی متواتر اور قطعی خبریں جن کی سچائی میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جا سکتا، كَمَا لَا يَخْفَىٰ مَنْ لَّهُ أَدْنَىٰ مِنَ الْفَهْمِ ۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

صحیح مسلم میں ایک حدیث آتی ہے جس کو سیدنا ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے میں نے اپنے آپ کو ایک دروازے کے پیچھے چھپا لیا، آپؐ نے دیکھ لیا اور جہاں میں چھپا ہوا تھا وہاں مجھے آ لیا اور فرمایا کہ معاویہؓ کو بلاؤ، سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آ کر بتایا کہ وہ کھانا تناول فرما رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے مجھے بھیجا اور میں نے پھر آ کر کہا: "هُوَ يَأْكُلُ" یعنی وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اب کی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لَا أَشْبَعَ اللهُ بَطْنَهُ ۔ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے"۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۲۵)

اس حدیث کو مسند ابی داؤد طیالسی ص۳۵۹ حدیث نمبر ۲۷۴۶ حیدر آباد، مسند احمد حدیث نمبر ۲۶۵۱، ۲۶۵۰، ۳۱۰۴، ۳۱۳۱، اور تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۱۳۵ ص۱۳۶ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مخالفین لَا أَشْبَعَ اللهُ بَطْنَهُ کے کلمے کو اچھال کر

یہ بتاتے ہیں کہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ الفاظ خفگی اور ناراضگی سے بیان فرمائے تھے، اور پھر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ جس پر خدا کا رسول ناراض ہو وہ انسان رحمتِ الٰہی کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے! ان حضرات کا یہ کہنا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں وہ رحمتِ الٰہی سے بعید ہے یہ تو درست ہے لیکن لَا اَشْبَعَ اللّٰہُ بَطْنَہٗ کے جملہ سے یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض تھے سراسر غلط ہے اگر یہ کلمہ پیغمبرؐ کی ناراضگی کی علامت ہوسکتا ہے تو رَغِمَ اَنْفَ اَبِیْ ذَرٍّ، اور قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ۔ کے کلمات کے بارہ میں ان حضرات کا کیا فتویٰ ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس کلمے کو مخالفین سیدنا معاویہؓ کے حق میں بددعا بتاتے ہیں وہی کلمہ دراصل آپ کے حق میں ایک دُعا ہے چنانچہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے :۔

"باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سبّہ او دعا علیہ ولیس ھو اھلا لہٗ لَنْ لک کان لہٗ زکوۃ واجرًا وّرحمۃ۔

یعنی باب اس بارہ میں کہ جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لعنت کریں یا بُرا بھلا کہیں یا اس کے لیے بددعا کریں اور وہ ان باتوں کا مستحق نہ ہو تو وہ بددُعا، لعنت وغیرہ اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر و رحمت کا سبب ہوتی ہے"

پھر اس باب میں قریبًا سب اسی مضمون کی احادیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے :۔

"اَللّٰھُمَّ انما محمد بشر یَغْضَبُ کما یغضب البشر وانی قد اتخذت عندک عھدًا لم تخلفنیہ فایما مومن اذیتہٗ او سببتہٗ او جلدتہٗ فاجعلھا لہٗ کفارۃ وقربۃ تقربہٗ بھا الیک یوم القیٰمۃ۔

اے اللہ! محمد ایک بشر ہے وہ بعض دفعہ اسی طرح غصہ میں آتا ہے

جس طرح دوسرے انسان غصہ میں آتے ہیں اور میں نے تجھ سے عہد لیا ہوا ہے اور تو عہد کے خلاف کبھی نہیں کرتا کہ جس مومن کو میں کوئی اذیت دوں یا بُرا بھلا کہوں یا کوئی چیز ماروں تو ان چیزوں کو اس کے لیے کفارہ بنا دے اور قیامت کے دن اس چیز کو اس کے لیے اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔"

اس مضمون کی اور بہت سی احادیث بیان فرمانے کے بعد آخر میں مثال کے طور پر سیدنا معاویہؓ کا یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں جس سے مراد ان کی یہ ہے کہ یہ کلمہ جو بظاہر آپ کے لیے بددعا معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت آپ کے رفع درجات اور علوِ مرتبت کے لیے ایک دُعائیہ کلمہ ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"وقد فهم مسلم من هذا الحديث ان معاوية لم يكن مستحقاً للدعاء عليه فلهذا ادخله فى هذا الباب وجعله غيره من مناقب معاوية لانه فى الحقيقة يصير دعاء له۔ (مسلم شرح نووى ج ۲ ص ۳۲۵)

امام مسلمؒ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ معاویہؓ اس بددُعا کے مستحق نہیں تھے اس لیے انہوں نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس کو مناقب معاویہؓ میں شمار کیا ہے کیونکہ یہ درحقیقت ان کے لیے دُعا ہے۔"

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا آپ کے لیے ایک دُعائیہ کلمہ تھا نہ کہ بددُعا کا جملہ، مخالفین کا اس کو بددُعا سمجھنا کمیٔ علم اور کثرتِ جہالت کے سبب سے ہے۔ اعاذنا اللہ من هذا العلم والفهم والعقل۔

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ حصّۂ روایت "لَا اَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ" عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابو حمزہ کا تصرف اور ادراج ہے۔

اس راوی پر علماء نے نقد اور کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ ابن عباسؓ سے جو اس نے روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۳۹)

چنانچہ امام نوویؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ اس راوی کا تصرف ہے، چنانچہ مسلم میں اس کی صرف یہ حدیث ہے اور بخاری میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(نووی جلد ۲ ص ۳۲۵)

اصل واقعہ یہ ہے جو کہ دوسری روایات میں مذکور ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"اذهب فادع لي معاوية وكان كاتبه"

جاؤ اور معاویہؓ کو بلا کر لاؤ اور سیدنا معاویہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے"

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں دوڑتا ہوا گیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلاتے ہیں کیونکہ جنابؐ کو آپ سے کوئی کام ہے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۹۱، ص ۳۳۵)

اس میں نہ تو سیدنا ابن عباسؓ کے بار بار جانے کا ذکر اور نہ ہی اس شے کا ذکر کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ اس کے شکم کو سیر نہ کرے"۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ اصل روایت تو یہ ہے جو مسند احمد نے روایت کی اور مسلمؒ کی روایت میں تصرف کرنے والے عمران بن ابی عطاء ہیں جو کہ علماء رجال کے نزدیک ضعیف ہیں اور مسلمؒ نے اسکی اور کوئی حدیث نہیں لی، اور امام بخاریؒ نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ کو یہ بددعا دے بھی کیسے سکتے تھے جبکہ آپؐ ان کے شکم کے لیے یہ دعا دے چکے تھے:۔

"اللّٰهمّ املاء علماً وحلماً۔ اے اللہ اس پیٹ کو جو میرے

جسم کے ساتھ لگ رہا ہے علم اور حلم (بردباری) سے بھرے ہے"
(تاریخ اسلام ذہبیؒ جلد ۲ ص۳۱۹ ، التاریخ الکبیر، بخاری جلد ۴ ص۱۸)

اسلام

آپ کے اسلام لانے کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ فتح مکہ کے روز دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ :۔

اَسْلَمَ هُوَ وَاَبُوْهُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَ شَهِدَ حُنَيْنًا وَكَانَ مِنَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ ثُمَّ حَسُنَ اِسْلَامُهٗ ۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۹۳)

وہ (معاویہؓ) اور ان کے والد (ابوسفیانؓ) فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے، غزوہ حنین میں شرکت کی، مؤلفۃ القلوب میں سے تھے پھر آپ کا اسلام درست ہو گیا۔

لیکن محققین کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ علامہ ذہبیؒ، ابن عساکرؒ، اور ابن تیمیہؒ کی تحقیق کے مطابق آپ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان اسلام لائے (المنتقی ص۲۵۷ تعلیقہ) ابن حجرؒ نے "تقریب التہذیب" میں لکھا ہے :۔

"مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِىْ سُفْيَانَ خَلِيْفَةٌ صَحَابِىٌّ اَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَكَتَبَ الْوَحْىَ ۔ (ص۳۵۷)

معاویہ بن ابی سفیانؓ خلیفہ اور صحابی ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور آپ کاتب وحی تھے"۔

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے :۔

"اَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ يَوْمَ الْفَتْحِ ۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص۳۱۸)
فتح مکہ کے روز انہوں نے اپنے اسلام کو (جس کو وہ پہلے چھپائے ہوئے تھے) ظاہر کیا"۔

علامہ ذہبیؒ کے علاوہ اور بھی کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ عمرۃ القضا

کے موقعہ پر اسلام لائے لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا:۔

کَانَ مُعَاوِيَةُ يَقُولُ أَنَّهُ أَسْلَمَ عَامَ الْقَضِيَّةِ وَإِنَّهُ لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا وَكَتَمَ إِسْلَامَهُ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ ۔

سیدنا معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہو کر ملے لیکن اپنے باپ اور اپنی ماں سے اسلام مخفی رکھا۔" (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۰۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۷، تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۷)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۸۲ میں لکھتے ہیں :۔

"بعض وجوہ کی بناء پر آپ نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا جن میں سب سے بڑی وجہ کفارِ مکہ کی مسلمانوں پر سختی تھی، کیونکہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ نکالنا سارے عرب کو اپنی مخالفت کی دعوت دینا تھا، امام المؤذنین حضرت بلالؓ، حضرت عمار ابن یاسرؓ، حضرت صہیب رومیؓ اور خبابؓ کی ایذاؤں کا نقشہ آپ کے سامنے تھا۔" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۱۷، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، الاستیعاب تذکرہ عمار بن یاسرؓ، اصابہ جلد ۲ ص ۱۹۵)

پھر خود سید الکل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیفیں اور ایذائیں بھی آپ کی نگاہ کے سامنے تھیں کہ جب آپؐ لوگوں سے فرماتے :۔

"اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ تُفْلِحُوْا (اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے)"

تو لوگ پیچھے سے پتھر مارتے اور زور زور سے چلاتے :۔

"اَیُّھَا النَّاسُ لَا تُطِیْعُوْہُ فَاِنَّہٗ کَذَّابٌ۔ (اے لوگو! اس کی بالکل نہ سُننا (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔"

(کنز العمال جلد ۶ ص۳۰۲، مسند احمد جلد ۴ ص۶۳)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری جلد ۷ ص۱۳۱، زرقانی جلد ۱ ص۲۵۲، عیون الاثر لابن سید الناس جلد اول ص۱۰۴ وغیرہم)

پھر آپ کے گھریلو ماحول کا دباؤ بھی آپ کے ایمان کے اظہار میں مانع تھا کیونکہ سیدنا ابو سفیانؓ اس زمانہ میں قریش کے سردار اور قائد تھے اور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ خود اُن کے گھر میں اسلام کا وہ چشمہ جاری ہو پڑے جس کو بند کرنے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:۔

اَسْلَمْتُ یَوْمَ عُمْرَۃِ الْقَضَاءِ وَلٰکِنِّیْ کَتَمْتُ اِسْلَامِیْ مِنْ اَبِیْ اِلٰی یَوْمِ الْفَتْحِ۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۱، ص۱۱۸)

مَیں عمرہ قضاء کے روز اسلام لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔

ایسا ہی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ جلد ۳ ص۴۳۳ پر لکھا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر سیدنا معاویہؓ مجبور و مقہور تھے اور اسلام لانے کے باوجود اس زمانے میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اُس روز اس کا اظہار کیا جس روز آپ کے والد ماجد سیدنا ابو سفیانؓ دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ کا بیان زیادہ حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ان کے والد سردارِ مکہ اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے والے قریباً ہر لشکر کے سپہ سالار تھے، اب ان کا اپنا بیٹا جو اُن کے گھر میں رہتا ہے حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائے تو والدین کے لیے یہ کس قدر رُسوائی کا سبب بن سکتا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"ابن سعد کے بیان کے مطابق سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں عمرۃ القضاء سے قبل اسلام لایا لیکن میں اپنی ماں کے خوف سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے نہ جا سکا کیونکہ وہ مجھے کہتی تھی کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا دانہ پانی بند کر دیں گے۔" (الاصابہ جلد ۳ ص ۴۱۳)

مؤرخین کے بیان کے مطابق اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی، اٹھارہ سال کا بچہ وہ بھی قریش کے سپہ سالار کا نورِ نظر ماں کی اس دھمکی کی وجہ سے مرعوب ہو گیا اور اپنے ایمان کو کئی سال تک چھپائے رکھا، چنانچہ ابن اثیرؒ کے الفاظ ہم نے نقل کیے ہیں۔ لیکن اسلام کا چھپانا صرف والدین سے تھا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں صاف طور پر بتا دیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

"میں عمرۃ القضاء کے سال دولتِ اسلام سے مشرف ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے میں نے ان کو اپنے اسلام کے بارہ میں بتا دیا، آپؐ نے اسے قبول بھی فرمالیا۔"

(نسب قریش ص ۱۲۱، تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۸)

آپ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتا دیا تھا لیکن گھر والوں اور مکہ کے عام لوگوں کے سامنے اسلام لانے کا اظہار نہ کیا تھا۔ عام لوگوں کے سامنے آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا، اسی وجہ سے علامہ سیوطیؒ جیسے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ فتح مکہ کے روز ایمان لائے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

"جب فتح مکہ کا سال آیا تو میں نے اس روز اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا، میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ نے مجھے خوش آمدید فرمایا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۲۸)

آپ کے اسلام لانے کے اس واقعہ کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، بعض حضرات کے حوالہ جات ہم نے دے دیئے ہیں زیادہ تفصیل درکار ہو تو "تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صـ۳۱۸ اور دیگر کتب تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے ان کا فتح مکہ کے روز مسلمان ہونا لکھا ہے ان کو سیدنا ابوسفیانؓ کے ایمان لانے سے شبہ گذرا ہے کہ شاید سیدنا معاویہؓ بھی اسی روز ہی ایمان لائے تھے، جیسا کہ سیوطیؒ وغیرہ نے لکھا ہے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۹۳) حالانکہ ابوسفیانؓ بھی فتح مکہ سے ایک روز قبل ایمان لائے تھے اور ان کے مسلمان ہونے کے بعد ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا۔

"مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ" (مسلم باب فتح مکہ جلد ۲ صـ۱۰۲، تہذیب التہذیب جلد ۴ صـ۴۱۱، مسند احمد حدیث نمبر ۷۹۰۹، ۱۰۹۶۱)

جو ابی سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہوگا"

ان (ابوسفیانؓ) کے ایمان لانے کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو آپؐ دس ہزار صحابہؓ کی معیت میں ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو نمازِ عصر کے بعد مکہ کی جانب روانہ ہوئے، (فتح الباری لابن حجرؒ جلد ۸ صـ۲) جب آپؐ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت عباسؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، سیدنا عباسؓ نے سامان اور اہل وعیال کو تو مدینہ کی جانب بھیج دیا اور خود لشکرِ اسلام میں شریک ہو گئے۔

جب آپؐ کا لشکر وادی مرظہران پر پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لشکری کو اپنے خیمہ کے سامنے آگ جلانے کا ارشاد فرمایا تاکہ اگر کوئی دشمن کا جاسوس ہو تو اس پر لشکر کی کثرت کے سبب رعب پڑے، چنانچہ مرظہران کا میدان تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادی ایمن بنا ہوا تھا۔ اسی رات ابوسفیان، حکیم بن حزام

اور بدیل بن ورقہ تحقیقات کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے اور وہ اسلامی لشکر کی اس قدر کثرت دیکھ کر بہت مرعوب ہو گئے۔

قریش نے گو مسلمانوں پر بہت ستم رانیاں اور ظلم و تشدد کیے تھے لیکن پھر بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کے رشتہ دار اور خاندان کے فرد تھے اور مکہ میں ان کے عزیز و اقارب موجود تھے حضرت عباس[1] چونکہ حال ہی میں وہاں سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہاں کے بہت بڑے تاجر ہونے کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے سے ان کے تعلقات بھی تھے، اس وجہ سے ان کے دل میں خیال آیا کہ اگر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے سے قبل امان نہ لی تو شاید سب تباہ ہو جائیں، چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر کوئی مکہ جانے والا آدمی مل جائے تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی مرظہران تک پہنچ چکے ہیں لہٰذا وہ لوگ آ کر اپنی جان بخشی کروالیں۔ اتفاقاً سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اسی سمت کسی آدمی کی تلاش میں گئے جس طرف ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل وغیرہم تھے، ابوسفیان کی آواز سنکر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو پکارا، انہوں نے آواز کو پہچان کر کہا "ابوالفضل"! سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں میں ہوں"۔ ابوسفیان بولے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تم یہاں کہاں"؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان آ گئے ہیں' ابوسفیان نے پریشان حال ہو کر پوچھا "پھر کوئی تدبیر"! سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھیوں کو تو لوٹا دیا اور انہیں عفو و تقصیر اور معافی جرم کے لیے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، یہاں صبح کے وقت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے

---

[1] حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسلام تو کافی پہلے لا چکے تھے لیکن قیام مکہ ہی میں رکھا، ہجرت کیلئے دو تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی لیکن آپ نے یہ جواب دیا کہ چچا جان! آپ وہیں قیام رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کریگا جیسا کہ مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۰)

اسلام قبول کر لیا۔ (ابو داؤد مع شرح عون المعبود جلد ۳ ص۱۲۴)
سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص۲۳۳، ۲۳۵ میں بھی سیدنا ابوسفیانؓ کے اسلام لانے کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوسفیان فتح مکہ سے ایک روز قبل اسلام لائے تھے، لہٰذا علامہ سیوطیؒ کا یہ لکھنا کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے روز اسلام لائے، مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ کہاں تک درست ہے، البتہ اتفاق اس پر ہے کہ سیدنا معاویہؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔

(تطہیر الجنان لمعاویہ بن ابی سفیان ص۱، حیٰوۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۰۱)

آپ نے اگرچہ اپنے اسلام کو مخفی رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی آپ کے والد کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہو گیا اور آپ سے کہا:۔

هٰذَا اَخُوْكَ يَزِيْدُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ عَلٰى دِيْنِ قَوْمِهٖ۔

"تم سے تو تمہارا بھائی یزید ہی اچھا ہے جو اپنے آبائی دین پر قائم ہے"۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۷، طبقات ابن سعد جلد ۷ ص۱۲۸)

حضرت معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرۃ القضاء کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو میں اس وقت آپؐ کے رسول ہونے کی تصدیق کرتا تھا یعنی مسلمان تھا، پھر جب ۸ھ میں آپؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۷، اسد الغابہ جلد ۴ ص۳۸۵)

درایۃً بھی یہی بات درست ثابت ہوتی ہے کیونکہ فتح مکہ سے قبل آپ نے اسلام کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے والد اور خاندان کے دوسرے افراد ان جنگوں میں پیش پیش تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ایمان لائے۔ (تاریخ الخمیس جلد ۲ ص۳۳۱)

لیکن اپنے اسلام کا اظہار اُس روز کیا جب آپ کے والدِ محترم سیدنا ابوسفیانؓ بھی دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، آپ کے اسلام کے بارہ میں مشہور مؤرخ مصطفیٰ یک نجیب نے لکھا ہے :۔

”جہاں تک امیر معاویہؓ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا سیدنا عباسؓ کا جو جنگِ بدر کے موقع پر ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان آپ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا، چنانچہ امیرِ معاویہؓ بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا“۔

(حماۃ الاسلام جلد ا صـ۱۶۳)

آپ کے فتح مکہ سے قبل ایمان لانے کی وجہ سے ہی جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے آپ کو فتح مکہ کے بعد مستقل طور پر مدینہ طیبہ میں قیام کی اجازت دی حالانکہ آپؐ فرما چکے تھے ۔

”لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ۔ (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں)“۔

لہٰذا فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ کا قیام فرمانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ کا اسلام فتح مکہ سے قبل کا ہے ۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی ۔ (تاریخ بغداد جلد ا صـ۲۰۷) اس کے بعد صرف چند ایک غزوات (جیسے حنین اور طائف کے غزوات) ہوئے ہیں، تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ جونہی اس خاندان نے اسلام کی آواز پر لبیک کہا اور ایمان کی دولت کو قبول کیا، فوراً دل و جان سے اس کی تشہیر اور خدمت میں لگ گئے ، فتح مکہ رمضان ۸ ھ میں ہوئی۔ اس سال آپ کے والدین اور بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور آپ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اس کے فوری بعد شوال میں

غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف پیش آئے۔ ان دونوں غزوات میں بارہ ہزار صحابہ کرامؓ شریک ہوئے، یہ دونوں غزوات نہایت اہم شمار کئے جاتے ہیں۔

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کا مقابلہ بنو ثقیف اور بنو ہوازن سے تھا، یہ دونوں قبائل نہایت جری اور اعلیٰ قسم کے تیرانداز تھے، اس وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ نہایت سخت معرکہ ہوا، اس معرکہ میں دیگر صحابۂ کرامؓ کے ساتھ سیدنا ابوسفیانؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ اور سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایمانی تقاضا کے تحت شریک ہو کر اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

ان دونوں غزوات میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے اور غنیم خائب و خاسر ہوا، دشمن کا بہت سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا، چھ ہزار کے قریب لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ ان چھ ہزار قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے والد سیدنا ابوسفیانؓ کی قابلیت اور صلاحیت کے پیشِ نظر انہیں ان (قیدیوں) کے معاملات کا نگران اور امین مقرر فرمایا۔ (سیرتِ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۱)

غزوۂ طائف کے موقع پر بھی ابوسفیانؓ اور آپ کے دونوں بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ نے نہایت جرأت و بہادری کے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، اس غزوہ میں کفار نے مسلمانوں پر شدید تیراندازی کی تھی جس سے بہت سے مسلمان زخمی ہوگئے ان زخمیوں میں ایک سیدنا ابوسفیانؓ بھی تھے، دشمن کا ایک تیر آپ کی آنکھ میں پیوست ہوا اور آنکھ باہر نکل آئی، تاریخ کے رپورٹر بتلاتے ہیں کہ آپ وہ آنکھ ہتھیلی پر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:۔

"یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ابوسفیان! اگر تم کہو تو اللہ سے دعا کرتا ہوں اور نہیں یہ آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ اس کے بدلہ میں جنت چاہتے ہیں تو اس کو اسی

طرح رہنے دیں"۔

سیدنا ابو سفیانؓ اگر دل وجان سے مسلمان نہ ہوتے ہوتے (جیسا کہ بعض لوگ ان کے بارہ میں کہتے ہیں) تو یہ اُسی وقت جواب دیتے کہ مجھے آنکھ چاہیئے لہٰذا آپؐ دُعا کریں کہ مجھے آنکھ واپس مل جائے، لیکن اسلام کے اس شیدائی نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا:۔

"یا رسول اللہ! مجھے جنت چاہیئے اور فوراً اس آنکھ کو ہتھیلی سے پھینک دیا"۔ (سیرت الحلبیہ جلد ۳ صـ ۱۳۲)

ان دونوں غزوات میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، فتح کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو مالِ غنیمت میں سے حظِ وافر عطا فرمایا جنہوں نے فتح مکہ کے بعد پہلی مرتبہ اسلامی غزوات میں شرکت کی تھی، ان لوگوں میں سیدنا ابو سفیانؓ، سیدنا یزید بن سفیانؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ اور دیگر کئی حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

ان لوگوں کو حضورِ اکرمؐ نے کتنا مالِ غنیمت عطا فرمایا؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین میں سیدنا معاویہؓ کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، یہ چاندی سیدنا بلالؓ نے انہیں وزن کر کے دی۔ غزوۂ طائف میں بھی آپؐ نے سیدنا ابو سفیانؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ اور حارث بن کلاہ اخوہ بنی عبدالدار کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، سیدنا ابو سفیانؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے یزیدؓ کو بھی عنایت فرمائیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ابو سفیانؓ کے دونوں بیٹوں (یزیدؓ اور معاویہؓ) کو بھی اتنے اونٹ اور اتنی رقم عطا فرمائی، بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابو سفیانؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی:۔

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ کو میں نے جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان اور کریم پایا"۔

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:۔

"آپؐ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہتر جنگ کرنے والے پائے گئے اور آپؐ کے ساتھ صلح کا معاملہ پیش آیا تو آپؐ بہترین صلح کرنے والے پائے گئے۔"

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۶، سیرت الحلبیہ جلد ۳ ص۱۳۶)

عہدِ رسالت اور سیدنا معاویہؓ

آپ کی اسی علمی پختگی اور سبقتِ ایمانی کے پیشِ نظر بارگاہِ رسالت میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کیے، مختلف مواقع پر آپؐ نے ان کے بارہ میں مختلف قسم کی دعائیں کیں۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہؓ فرماتے ہیں کہ سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ان الفاظ میں دعا فرمائی:

اَللّٰھم اجعله ھادیًا مھدیًّا واھدہ واھد بہ

اے اللہ! معاویہؓ کو لوگوں کے لیے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کیلئے ذریعۂ ہدایت بنا۔

(التاریخ الکبیر جلد ۴ ص۳۲۷، طبرانی، المعجم الاوسط جلد ۱ ص۳۸، ترمذی جلد ۲ ص۲۱۱، اسد الغابہ جلد ۴ ص۳۸۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص۳۱۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص۳۵۸، طبقات ابنِ سعد جلد ۷ ص۱۳۶، تاریخ بغداد جلد ۱ ص۲۰۸، الاصابہ جلد ۲ ص۴۶۶ وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی جلد ۲ ص۳۵۶، تہذیب الاسماء واللغات للنووی جلد ۲ ص۱۰۳)

ہدایت کی یہ دعا آپؐ نے سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کے لیے بھی فرمائی تھی، چنانچہ سیدنا علیؓ جب یمن کو روانہ ہو رہے تھے تو آپؐ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا:

اللّٰھم ثبت لسانه واهد قلبه۔

اے اللہ! اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے دل کو ہدایت سے نواز۔ (البدایہ والنہایہ جلدہ ۵ صـ۱۰۷)

اسی طرح سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کے حق میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلۂ خثعم کے کعبہ یمانیہ کو گرانے کے لیے بھیجا تھا، انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا، یہ سُنکر سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر اپنا دستِ مبارک پھیر کر فرمایا:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِیًا مَهْدِیًّا حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَھَا۔

اے اللہ! اس کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ (البدایہ والنہایہ جلدہ ۵ صـ۷۶، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۲ صـ۱۵۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہؓ کی روایت کے بارہ میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ھٰذا الحدیث رواته ثقات ولکن اختلفوا فی صحبة عبدالرحمٰن والاظھر انه صحابی وروی نحوه من وجوه اخر۔

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں لیکن بعض حضرات نے عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہؓ کے صحابی ہونے کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ بات نہایت واضح ہے کہ وہ صحابی ہیں، اور اس طرح کی اور روایات بھی کئی طریقوں سے مروی ہیں۔" (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صـ۳۱۸)

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے، سیدِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ دُعا یہ

کلمات ارشاد فرمائے :-

"اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب جہنم سے محفوظ فرما" (مسند احمد جلد ۴ ص۱۲۷، تاریخ الاسلام للذہبیؒ جلد ۲ ص۳۱۸، البدایہ والنہایہ جلد ص۱۲۱، کنزل العمال جلد ۷ ص۸۷، الاستیعاب جلد ۳ ص۳۸۱، انساب الاشراف بلاذری جلد ۴ ص۱۰۷، مجمع الزوائد ہیثمی جلد ۹ ص۳۵۶، صحیح ابن حبان جلد ۱۰ ص۱۶۹، الاصابہ جلد ۱ ص۳۸۵)

علم الکتاب کی یہ دعا آپؐ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے بارہ میں بھی فرمائی تھی ۔

"اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ۔

اے اللہ! عبداللہ کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما"

(بخاری جلد ۱ ص۱۷، ص۵۳۱، مسلم جلد ۲ ص۲۹۸)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں حضور نبی کریمؐ کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور پوری اُمت جانتی ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے کتاب و حکمت کا خصوصی علم عطا فرمایا۔ جب سیدنا ابن عباسؓ کے بارہ میں آپؐ کی یہ دعا قبول ہوئی تو سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کیوں قبول نہ ہوئی ہوگی ۔

چنانچہ ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں :-

"ولا ارتیاب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن کان ھذا حالہ فکیف یرتاب فی حقہ"

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے" (مرقاۃ جلد ۱۱ ص۱۳۸)

اِس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک تو آپ کے لیے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دُوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دُعائیں کسی معمولی آدمی کے لیے نہیں ہوسکتیں بلکہ یہ صرف اُس کے لیے ہوسکتی ہیں جس سے خاص محبت اور اُلفت کا رشتہ ہو۔

بہرحال الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصئون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا سرمایۂ حیات یہی ہے کہ اُس کا نبی اِس دُنیا میں اُس کے لیے تعلیمِ کتاب، فہمِ دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دُعا کرے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دُعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو "المھدی" کہنے پر مجبور ہوتا۔ (العواصم من القواصم ص۲۰۵ تعلیقہ، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۵) اور کوئی ان کو "المصحف" کہتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۱) اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امام اعمشؒ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمشؒ نے فرمایا: "اگر تم سیدنا معاویہؓ کے زمانہ کو پا لیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا" لوگوں نے پوچھا "حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا، ان کے حلم و بُردباری کا؟" فرمایا: "نہیں! بلکہ ان کے عدل و انصاف کا۔"

(العواصم من القواصم ص۲۰۵ تعلیقہ)

سیدنا معاویہؓ پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت کا اِس حدیث

سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ سے کسی بات کے بارہ میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارہ میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے، آپؐ نے ان کا یہ جواب سنکر فرمایا :۔

ادعوا معاویۃ ۔ معاویہؓ کو بلاؤ۔

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپؐ نے فرمایا "معاویہؓ کو بلاؤ" جب سیدنا معاویہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ :۔

فَاِنَّهٗ قَوِیٌّ اَمِیْنٌ (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۲ تاریخ الاسلام للذہبیؒ جلد ۲ ص ۳۱۹،
مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۵)

تاریخ و حدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے سیدنا معاویہؓ کی خلافت وامارت کے بارہ میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے، سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا :۔

یا معاویۃ! ان ولیت امرًا فاتق اللہ واعدل۔

اے معاویہؓ! اگر تجھے امور مملکت و خلافت سونپے جائیں اور اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا۔" (البدایہ جلد ۸ ص ۱۲۳،

مجمع الزوائد جلد ۵ ص۱۸۶ و جلد ۹ ص۳۵۵ ، مسند احمد جلد ۴ ص۱۰۱ ،
تطہیر الجنان ص۱۸ ، دلائل النبوۃ جلد ۶ ص۴۴۶)
اس روایت کے تمام راوی صحیح ہیں ۔
علامہ ابن اثیرؒ اور ابو بکر ابن ابی شیبہؒ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :۔
"یا معاویۃ ! ان ولیت فاحسن ۔
اے معاویہؓ ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے
حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت و خلافت کو احسن طریقہ
سے سرانجام دینا" (المصنف ، ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص۱۴۷ ،
اسد الغابہ جلد ۴ ص۳۸۶ ، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۳ ، المطالب العالیہ
لابنِ حجر عسقلانیؒ جلد ۴ ص۱۰۸)
سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے یہ کلمات فرمائے تھے اُسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات
میں ضرور مبتلا ہوں گا ، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی" ۔
اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی دُعا کی وجہ سے ملی تھی ۔ چنانچہ علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ مختلف
شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی دعا کا نتیجہ تھا ۔ (نسیم الریاض جلد ۳ ص۱۲۶)
آپ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت
کے بارہ میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا :۔
"ان معاویۃ لا یصارع احدًا الا صرعہ معاویۃ ۔
معاویہؓ سے جو بھی نبرد آزما ہوگا معاویہؓ اسے پچھاڑ دے گا"
(کنز العمال جلد ۷ ص۸۷)
یہ تو دنیا کی کامیابی و کامرانی کی بشارت تھی ، آخرت میں آپ پر انعامِ الٰہی کا

ذکر فرماتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"یبعث اللہ تعالیٰ معاویۃ یوم القیٰمۃ وعلیہ رداء من الایمان۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۹۰)

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز معاویہؓ کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)"

علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹا لیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"معاویہؓ! تمہارے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے"؟

سیدنا معاویہؓ نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ! میرا پیٹ اور سینہ آپؐ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے"

یہ سُنکر حضور اکرمؐ نے دُعا کے طور پر فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ املأہ علمًا۔ (اے اللہ اس کو علم سے بھر دے)"

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے:۔

زاد ابو مسھر وحلمًا۔

ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی۔ یعنی "اے اللہ! اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم دونوں سے بھر دے"

(تاریخ اسلام جلد ۲ ص۳۱۹، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص۱۸)

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نوازا تھا اور حضورؐ کے ارشادِ گرامی اِنْ وُلِّیْتَ فَاَحْسِنْ پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال

شاید ہی ڈھونڈے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا آپ اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرمانے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ آپ کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ آپ کی سیرت پر تبصرہ فرماتے ہوئے اس چیز کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

"من المعلوم من سيرة معاوية انه كان من احلم الناس واصبرهم على من يؤذيه واعظم الناس تاليفا لمن يعاديه۔ (منهاج السنة جلد ۲ ص ۲۱۹)

آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ صد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بُردباری سے برداشت کرنے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔"

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل[1] بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ

---

[1] شیعہ مؤرخین نے حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے سیدنا علیؓ سے علیحدہ ہونے کے متعلق بڑے عجیب و غریب قصے تراشے ہیں اور بعض سُنیوں نے بھی ان قصوں کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ وہ بیت المال سے غلط طریقے سے روپیہ لینا چاہتے تھے، سیدنا علیؓ نے ان کو روکا اور وہ ناراض ہو کر معاویہؓ سے جا ملے۔ (جلد ۴ ص ۹۲/۹۳)

تاریخی لحاظ سے یہ سب قصے الف لیلیٰ کے قصوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ان سے مقصود صرف سیدنا عقیلؓ اور دیگر صحابہؓ کی پوزیشن کو داغدار کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ ابو طالب کا بیٹا اور علیؓ کا بھائی جس نے اپنی پوری زندگی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گزار دی، معاذ اللہ ایک بوگس کریکٹر کا انسان تھا۔ (م۔ا۔ظ)

سے جا ملے تھے اور جنگ صفین میں سید معاویہؓ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علیؓ سے جنگ لڑی، چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:۔

"وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المومنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ۔

(عمدۃ الطالب فی الانساب آلِ ابی طالب ص۱۵)

عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علیؓ سے) صفین کی جنگ لڑی"۔

آپ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الفخری ص۱۴۵، العقد الفرید جلد ۲ ص۳۰۴، جلد ص۱۶۵، مروج الذہب جلد ۲ ص۵۱)

لیکن یہ بات مسلّمہ ہے کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل التحیات والسلام کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنا لیا تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہٹی انگریزی ص)

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

"انی لارفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا بستری او اساءۃ اکثر من احسانی۔ (طبری جلد ۶ ص۱۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص)

میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں"۔

آپ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے ۔

"انی لا احول بین الناس وبین السنتھم مالم یحولوا بیننا وبین سلطاننا" (ملکنا) (طبری جلد ۵ ص۳۳۶، الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص۲۶۳، تاریخ الاسلام والحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ ص۱۴۷)

میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں"۔

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور حلم و بُردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا :-

"اَحْلَمُ اُمَّتِیْ مُعَاوِیَۃُ" ۔ (تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی ص۵۵)

میری اُمت میں سب سے بڑا حلیم اور بُردبار معاویہؓ ہے"۔

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر آپ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ کو بہت سے صحابہؓ پر ایک امتیاز حاصل تھا۔ اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام اُمت نے متفقہ طور آپ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسنؓ اور دیگر صحابہؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۴۱، فتح الباری جلد ۱۳ ص۵۳، نہج البلاغۃ ص۴۸، ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص۹، بحار الانوار از ملا باقر مجلسی جلد ۱۰ ص۱۶۴ وغیرہم)

فتح مکہ تک تو آپ نے اپنا اسلام اپنے گھر والوں سے چھپائے رکھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۷، تطہیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص۱، حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۰۴، الاصابہ تذکرہ معاویہ اسد الغابہ جلد ۴ ص۳۸۵) لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالتمآب علیہ افضل التحیات کی ہمرکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف

میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔ (الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۳۷۷)

صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ کو دربارِ رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چوتھی پشت میں آپؐ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اُم المؤمنین سیدہ اُمِ حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابتِ وحی اور سیدنا معاویہؓ

آپ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بنا پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصبِ جلیلہ عطا ہوا۔ (تقریب التہذیب صفحہ ۳۵۷، کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۸، آدابِ السلطانیہ للفخری صفحہ ۱۴۵، النجوم الزاہرہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۳۲۵)

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:۔

"کان (معاویۃ) احد کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔"

(ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۲۳۸)

آپ کا کاتبِ نبوی ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے مفضل الخلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:۔

"ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وكان معاوية كاتبه فيما بينه وبين العرب۔

حضرت زید بن ثابتؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے دوسرے قبائل یا ملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔"

(تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ صـ۳۱۸)

اگرچہ علامہ ذہبیؒ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایات اس کی تردید کرتی ہیں، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابتؓ صرف وحیِ الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ وحیِ الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اُمور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے اسی صفحہ پر سندِ صحیح کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:۔

كنت العب فدعانى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ادع لى معاوية وكان يكتب الوحى۔

"میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہؓ کو بلاؤ اور معاویہؓ وحی لکھا کرتے تھے"۔ (تاریخ اسلام للذہبیؒ جلد ۲ صـ۳۱۸)۔

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ معاویہؓ کو بُلا کر لاؤ اور سیدنا معاویہؓ ان دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتبِ وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہؓ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام دیا کہ سرکارؐ آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ کو تم سے کوئی کام ہے۔" (مسند احمد جلد ۱ صـ۳۳۵)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ (سیدنا معاویہؓ) صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف

وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۱) اور طبرانی سے بسند حسن روایت کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۷)

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے کہا کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعود بن وائلؓ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپؐ نے سیدنا معاویہؓ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیسے لکھوں؟ آپؐ نے فرمایا پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپ نے ایسے ہی لکھا۔ (الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۳)

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو اُمیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندیؓ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضر موت سے آکر مسلمان ہوئے، نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو فرمایا کہ وائلؓ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لیے ایک قطعۂ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دیدیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساتھ ہی ان کے لیے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہلِ خانہ کے لیے مزید مال و متاع کے لیے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل

فرمائی ہے۔ (التاریخ الکبیر جلد ۴ ص۱۷۵، اسد الغابہ جلد ۵ ص۸۱، الاصابہ جلد ۳ ص۵۹۲، صحیح ابن حبان جلد ۹/۱۰ ص۱۶۶ تحت وائل بن حجر الکندی رضؓ)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدثین اور اصحاب تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضؓ کو ساحل البحر کے علاقہ "معاون القبیلۃ" میں چند قطعات اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضؓ سے اس بارہ میں ایک وثیقہ تحریر کرواکر انہیں عطا فرمایا۔

(المستدرک حاکم جلد ۳ ص۵۱۷، معجم البلدان جلد ۱۵ ص۳۰۷)

محدثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضؓ کے کاتب رسول ہونے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اُن کے بااعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضؓ کی معرفت قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والا نامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصرِ روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات مقام تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا، میں آپؐ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضؓ سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ مبارک سے اپنی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں ہوں، میں نے وہ مکتوب آپؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، آپؐ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہیں؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان رضؓ ہیں، سیدنا معاویہ رضؓ نے وہ مکتوب آپؐ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپؐ سے پوچھا تھا)

آپؐ نے یہ سُنکر فرمایا :۔

سبحان اللہ اذا جاء اللیل فاین النھار ؟

سُبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے ؟

جب یہ مُراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپؐ نے قیصرِ رُوم کے قاصد سے فرمایا کہ آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اِس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔

آپؐ کی یہ بات سُنکر آپؐ کے اصحاب میں سے ایک شخص اُٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال لایا اور اُسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں ؟ انھوں نے کہا کہ یہ عثمان بن عفانؓ ہیں۔

بعد ازاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔

(مسند احمد جلد ۳ ص۴۴۱ ، جلد ۴ ص۷۵ ، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص۱۶ ،

مجمع الزوائد جلد ۸ ص۲۳۵)

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ سے پڑھواتے اور اُنہی سے ان کا جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابوبکرؓ اور عمر بن الخطابؓ جیسے حضرات کے ساتھ ان کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔ (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ جلد ۳ ص۴۱۲)

سیدنا صدیقِ اکبرؓ، سیدنا فاروقِ اعظمؓ، سیدنا عثمانِ غنیؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثبت کی وہیں حضورِ انورؐ کا سیدنا معاویہؓ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لیے فرمانا

ان کی کتاب زندگی کا ایک نہایت پُر اعتماد باب ہے۔ بلکہ میرے خیال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے ہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضؓ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرما رہے ہیں۔ (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

سیدنا معاویہؓ کے کاتب وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ حضرات کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپؐ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپ ہی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

" وکان کتابہُ الذین یکتبون الوحی والکتب والعھود علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و عمرو بن العاص بن امیۃ ومعاویۃ بن ابی سفیان و شرحبیل بن حسنۃ ....

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین جو آپ کے لیے وحی مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے وہ علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن عفانؓ، عمرو بن العاص بن امیہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ وغیرہم تھے "۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۸۰)

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ :۔

وکان زید بن ثابت من الزم الناس لذٰلک ثم تلاہ معاویۃ بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابتہ بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الوحی و غیر ذٰلک لا عمل لھما غیر ذٰلک۔

سیدنا زید بن ثابتؓ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کے لیے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں

میں سے جسے چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی " (جوامع السیرۃ ص۲۷)
آپ کے کاتب وحی ہونے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔ (الاستیعاب جلد۳ ص۳۷۵، الاصابہ جلد۳ ص۴۱۲، مجمع الزوائد جلد ۹ ص۳۵۷، زاد المعاد جلد ۱ ص۳۰)

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہ رسالت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ :۔

"یا محمد اقرأ معاویۃ السلام واستوص بہ خیرًا فانہ امین اللہ علی کتابہ ووحیہ ونعم الامین۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۰)

اے محمد! معاویہؓ کو سلام کہیئے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں "

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی بنانے کے لیے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا۔

"استکتبہ فانہ امین۔ (البدایہ والنہایۃ جلد۸ ص۱۲۰)

آپ ان کو کاتب وحی بنائیں کیونکہ وہ امین ہیں "

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونے کے لیے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لیے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحیٔ الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کر سکے، اسی طرح کاتب وحی کے لیے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کر سکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتب وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ لَہٗ اَدْنٰی مِنَ الْفَہْمِ

کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علوِ مرتبت

کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے، کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہؓ بھی تھے۔ (الحضارۃ الاسلامیہ ص۶۶) پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ (۱۷) یا بیس (۲۰) لکھنا پڑھنا جانتے تھے آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

عہدِ صدیقیؓ اور سیدنا معاویہؓ

عہدِ رسالت کے بعد دورِ صدیقی شروع ہوتا ہے، اس دور میں بھی ہم اس نابغہ اسلام کو اولین صفوں میں دیکھتے ہیں۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے زمانہ میں جہاں آپ کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ شام بھیجے جانے والے لشکر کے امیر بنائے گئے وہاں سیدنا معاویہؓ اس لشکر کے ہراول دستہ کے علمبردار مقرر ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد۲ ص۱۰۷، فتوح البلدان ص۲۸، حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۷، العواصم من القواصم ص۸۱، تاریخ الخمیس جلد۲ ص۳۲۵، ہسٹری آف دی عرب از ہٹی (انگریزی) ص۱۹۵)

آپ کی اٹھک بیٹھک اکابرین صحابہ اور بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ تھی جن سے آپ نے اپنی ذکاوت، تدبر، ذہانت اور بلندی فکر کی وجہ سے ہر قسم کی خوبیاں اور محاسن اپنے لیے انتخاب کیے اور جلد ہی سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا خالد ابن الولیدؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین جیسے لوگوں کے زمرہ میں شمار ہونے لگے، اسی زمانہ میں آپ نے قیادت وسیادت کے وہ جوہر اور کمالات اپنے اندر پیدا کیے کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے، ان کمالات کا اظہار آپ کے زمانۂ خلافت میں ہوا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

خلافتِ صدیقی میں آپ کو بعض موقعوں پر خود بھی قیادت کے فرائض سرانجام

دینے کا موقع ملا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳) اور تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں کہ آپ نے احسن طریق سے اس ذمہ داری کو پورا کیا اور اپنے مافوق لوگوں پر اپنی ثقاہت اور خود اعتمادی اور اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی شفقت، حسنِ تدبر اور حسنِ انتظام کا سکہ بٹھا دیا۔

طبری اور ابن کثیر کے بقول سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی امداد کے لیے سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک فوج مرتب فرمائی جس کی قیادت سیدنا معاویہؓ فرما رہے تھے سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے سیدنا معاویہؓ کو اس فوج کا امیر بنا کر اس کو خود رخصت فرمایا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"واجتمع الیٰ ابی بکر اناس فامّر علیھم معاویۃ وأمَرہٗ بالالحاق بیزید وخرج معاویۃ حتّٰی لحق بیزید۔

لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے پس آپ نے اُن پر حضرت معاویہؓ کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں یزیدؓ سے ملنے کا حکم فرمایا، چنانچہ امیر معاویہؓ ان کو لے کر یزید بن ابی سفیانؓ سے جا ملے۔"

(طبری جلد ۳ ص ۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۴)

یزید بن ابی سفیانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی زیرِ نگرانی آپ کے قوائے عملیہ کی تربیت اور اس پر آپ کے والد ماجد سیدنا ابی سفیانؓ کی بچپن کی بہترین تربیت، ان دو تربیتوں نے آپ کو علم و عمل کے لحاظ سے ایک پختہ انسان بنا دیا اور رعیت پر شفقت او تدبیرِ مملکت میں دِقت نظری اور امورِ انتظامیہ میں عواقب پر نگاہ کا ایک بہترین ملکہ پیدا کر دیا اور اسلام کی برکات نے ان کو بارعب، عزم و استقلال اور شجاعت و بسالت کا مجسمہ بنا دیا۔

(دول الاسلام جلد ۱ ص ۲۴)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور فرامین و مراسلات کی کتابت اکثر سیدنا معاویہؓ ہی کیا کرتے تھے۔ اب چونکہ وحی کا سلسلہ

تو ختم ہو چکا تھا اس وجہ سے فرامین اور مراسلات کی کتابت اکثر و بیشتر سیدنا معاویہؓ ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے سیدنا زبیر بن العوامؓ کو ایک قطعۂ اراضی مرحمت فرمایا، اس کا وثیقہ سیدنا معاویہؓ نے تحریر فرمایا۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۴۵)

عہدِ صدیقی میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے ایک زبردست جنگ لڑی جو تاریخ میں جنگِ یمامہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے، یہ جنگ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی زیرِ قیادت لڑی گئی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس زور کا رن پڑا کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے، سیدنا خالد بن ولیدؓ کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ "مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا" (لم یلق المسلمون حربًا مثلها قط)

سیدنا معاویہؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے اور بعض مؤرخین کے بقول مسیلمہ کذاب کو انہوں نے ہی قتل کیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کو پہلے سیدنا وحشی بن حربؓ نے وہی نیزہ مارا جس سے انہوں نے سیدنا حمزہؓ کو شہید کیا تھا، بعد میں ابو دجانہ سماک بن خرشہؓ نے تلوار سے اسے مضروب کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۷)

صاحب تاریخ الخمیس شیخ دیار بکری نے نقل کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ فرمایا کرتے تھے: "مسیلمہ کو میں نے قتل کیا تھا۔ (انا قتلته)"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے ساتھ اسلام کی اس اہم جنگ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے اور مسیلمہ کذاب کے قتل میں ان کا بھی اچھا خاصا ہاتھ تھا، یہ جنگ ربیع الاول سنہ ۱۲ ھ میں لڑی گئی۔

عہدِ فاروقی اور سیدنا معاویہؓ

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تو ویسے ہی امورِ خلافت کو سرانجام دینے کا بہت کم وقت ملا، کیونکہ آپ نے صرف دو سال تین مہینے دس دن خلافت کی۔ اس دوران میں آپ کو ایک روز بھی آرام کا سانس لینا نصیب نہ ہوا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد مملکتِ اسلامیہ میں مختلف فتنوں نے سر اٹھایا، کہیں مانعینِ زکوٰۃ کا فتنہ اور کہیں مدعیانِ نبوت کا فتنہ۔ ان اندرونی فتنوں کے علاوہ بیرونِ ملک بھی دشمنانِ اسلام نے مختلف شورشیں پیدا کرنے کی کوشش کی، پھر ملکی نظم و نسق، حکام کی نگرانی اور ان کا احتساب، مالی انتظامات، فوجی انتظامات، فوج کی اخلاقی تربیت کا اہتمام، بیرونِ ملک جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھنے کے لیے سامانِ حرب کی فراہمی، وسعتِ سلطنت کے ساتھ مختلف علاقوں میں فوجی چھاؤنیوں کا قیام اور ان کی نگرانی و دیکھ بھال، بدعات کا انسداد، اشاعتِ اسلام کی تدابیر اور جمع قرآن جیسے امور کی انجام دہی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے ملک کی خارجہ پالیسی اور وسعتِ خلافت پر زیادہ توجہ دینے کی مہلت آپ کو نہ دی، لیکن پھر بھی عراق، شام، اجنادین، قورج، مکران اور زارہ وغیرہ کے علاقے آپ کے دورِ خلافت میں فتح ہو کر خلافتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ (فتوح الشام ص ۱۱۶، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۱ اور تاریخ طبری وغیرہم)۔

خلیفۂ اول کا یہ مختصر دورِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے لیے ایک تربیتی دور تھا، اور اس زمانہ میں جو کمالات آپ نے حاصل کیے اُن کے جوہر دکھانے کا موقع آپ کو دورِ فاروقی میں میسر آیا، شروع شروع میں تو آپ نے اپنے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کی زیرِ قیادت بہادرانہ کارنامے سرانجام دیئے۔

چنانچہ عہدِ فاروقی میں صیدا، عرقہ، بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم

یزید بن ابی سفیانؓ کی زیرِ قیادت مقدمۃ الجیش کی کمان آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی اوران علاقوں کے اکثر و بیشتر حصّہ کی فتح آپ ہی کی مرہونِ منت ہے، خصوصی طور پر عرقہ کا علاقہ تو تمامتر آپ ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ قیساریہ کا معرکہ جس میں پہلے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ سترہ ہزار فوج کے ساتھ خود تشریف لے گئے اور بعد میں اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے [۱] (فتوح البلدان بلاذری ص۱۴۷ اور طبری وغیرہم) یہ معرکہ آپ ہی کے ہاتھوں سر ہوا اوراس میں رومیوں کے اُسّی ہزار سپاہی مارے گئے۔

۱۸ھ میں عمواس کے طاعون میں آپ کے بھائی یزید کا انتقال ہو گیا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ آپ کو شام کا والی مقرر فرمایا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص۸۲، استیعاب جلد ۱ ص۲۱۶، تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۴، تاریخ الخلفاء ص۱۹۴، ہسٹری آف دی عربز انگریزی ص۱۵۴، تاریخِ اسلام جلد ۲ ص۶۸، الاصابہ جلد ۳ ص۴۱۲، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص۱۰۳)

سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں بھی سیدنا معاویہؓ نے بڑی بڑی مہمات میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ چنانچہ سواحلِ اُردن کی مہم جو ۱۵ھ میں پیش آئی، اس میں بھی سیدنا معاویہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، اس مہم میں لشکرِ اسلام کے سپہ سالار سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ امیر الافواج کے

---

[۱] بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عمر بن خطابؓ نے مقرر فرمایا تھا اور آپ نے سیدنا معاویہؓ کو لکھا تھا۔

انی قد ولیتك قیساریة فسر الیها واستغفر الله واکثر من قول لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ (خطط الشام ج ۱ ص۱۲۳)

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرو اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔

فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہؓ امیر الامراء نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی درخواست پر ایک فوجی دستہ روانہ کرنے کے لیے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو حکم دیا انہوں نے جو فوجی دستہ کمک کے طور پر سواحل اُردن کی طرف روانہ کیا اس کے مقدمۃ الجیش پر سیدنا معاویہؓ کماندار تھے، سیدنا یزیدؓ خود بھی اس میں شامل تھے، چنانچہ اسلامی افواج نے اس علاقہ میں گھمسان کی جنگ لڑی اور فتحیاب ہوئی، اس فتح کا سہرا سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے سر ہے۔

سیدنا ابوعبیدہؓ نے بارگاہِ خلافت میں فتح کی خوشخبری کا سندیسہ بھجوایا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی اس فتح جلیلہ کا ذکر فرمایا۔ مرج الصفر کے معرکہ میں بھی سیدنا معاویہؓ کی شمولیت کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ اس معرکہ میں سیدنا خالد بن سعید بن العاصؓ نے جام شہادت نوش فرمایا اور ان کی شمشیرِ آبدار سیدنا معاویہؓ کو انعام کے طور پر دی گئی۔ مرج الصفر کی فتح سے فراغت کے بعد اسلامی افواج نے دمشق کی طرف رجوع کیا اور اس کو ــــ فتح کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "فتوح البلدان ص۱۲۳، ص۱۲٦، ص۱۲۷)

دمشق کی فتح میں اکابر صحابہ سیدنا خالد بن ولیدؓ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی مساعی جلیلہ کو بہت دخل حاصل ہے۔ اس موقع پر سیدنا معاویہؓ مقدمۃ الجیش کے کماندار تھے اس وجہ سے ان کا بھی ان فتوحات میں کافی حصہ ہے۔ خصوصی طور پر عرقہ کی فتح ان کی ہی مرہونِ منت ہے۔

دمشق کی فتح کے بعد سیدنا معاویہؓ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کی ہدایت پر سواحلِ دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کئی علاقوں کو قدرے مزاحمت کے ساتھ اور بعض کو نہایت آسانی کے ساتھ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

(ملاحظہ ہو فتوح البلدان ص۱۳۳، ۱۳۴)

قیساریہ کی مہم سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں خاص مہموں میں سے ایک ہے، پہلے ۱۷ھ میں اس کا محاصرہ کیا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی مہم

میں کافی وقت صرف ہوا اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام ابو عبیدہ بن الجراحؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ وغیرہم نے اس پر متعدد بار چڑھائی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

سنہ ۱۸ھ میں طاعون عمواس سے کئی صحابۂ کرام شہید ہو گئے جن میں سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ اسی مہم کے دوران مصر چلے گئے۔ اب سیدنا عمرؓ نے یزید بن ابی سفیانؓ کو شام اور فلسطین کے علاقوں میں فوج کا کنٹرولر مقرر فرمایا اور انہیں قیساریہ کی مہم سر کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ قیساریہ کی مہم نے قریباً سات سال سے پریشان کیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ سترہ ہزار فوج لے کر اس مہم کو سر کرنے کے لیے خود تشریف لے گئے لیکن سنہ ۱۸ھ میں ان کی طبیعت ناساز ہو گئی اور وہ اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر خود واپس فلسطین لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۷)

بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہؓ کو امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطابؓ نے براہ راست مقرر فرمایا تھا، چنانچہ آپ نے سیدنا معاویہؓ کو لکھا تھا:۔

"انی قد ولیتك قیساریۃ فسر الیها واستنصر اللہ واکثر من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

میں نے تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں، پس تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو" (خطط الشام جلد ۱ ص ۱۲۳)

سیدنا معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا اور دشمن کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں دیا، ایک روز ایک شخص نے مسلمانوں کو خفیہ راستے کی نشاندہی کی، اس پر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے جس روز مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے وہ اتوار کا دن تھا اور رومی اپنے کلیسا میں جمع تھے، ان کو مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا

علم نہ ہوسکا، وہ بالکل بے خبر کلیسا میں بیٹھے تھے کہ مسلمانوں نے یکبارگی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، رومی نعرہ تکبیر سنکر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے اور وہ مسلمانوں کے حملہ کے جواب میں کوئی مدافعت نہ کر سکے، اس طرح رومی مغلوب ہو گئے اور مسلمانوں کو حق تعالیٰ شانہٗ نے سات سال کی طویل جدوجہد کے بعد فتح ونصرت عطا فرمائی اور اس فتح کا سہرا سیدنا معاویہؓ کے سر باندھا گیا، یہ فتح ۱۹ سنہ ھ میں ہوئی۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۷، ۱۴۹، طبری جلد ۴ ص ۲۲۵)

اس معرکہ میں اسّی ہزار رومی مارے گئے، سیدنا معاویہؓ کو اس فتح کی بہت خوشی ہوئی، چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اس فتح کا مژدہ اور نوید ظفر سنانے کیلئے سیدنا تمیم بن ورقاء الخشعمی کو مدینہ طیبہ بھیجا، قاصد نے شب و روز سفر کر کے جب یہ مژدۂ جانفزا امیر المؤمنینؓ کو سنایا تو فتح قیسا ریہ کی اس خوشخبری کو سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۱ ص ۱۹۰، فتوح البلدان وغیرہ)

علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ جونہی امیر المؤمنین نے فتح کی یہ خوشخبری قاصد کے منہ سے سُنی تو سیدنا عمرؓ اور بارگاہِ خلافت میں موجود دوسرے مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۹)

قیساریہ کی یہ فتح سیدنا معاویہؓ کی مساعیٔ جلیلہ کا نتیجہ ہے اور آپ کی کتاب فتوحات کا ایک اہم باب ہے۔ (کتاب الاموال لابی عبید القاسم روایت ۲۷۹)

شیعہ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی یہ فتح سیدنا معاویہؓ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ البتہ اس نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے سیدنا معاویہؓ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا اور یہ مہم ۱۸ سنہ ھ میں سر ہوئی۔

(کتاب البلدان ص ۸۵)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو جنودِ شام کا کمانڈر مقرر فرمایا تو انہیں قیساریہ کی مہم سر کرنے کا بھی حکم دیا وہ سترہ ہزار کا

لشکر جرار لے کر قیساریہ پہنچے لیکن ۱۸ھ کے آخر میں سیدنا یزیدؓ بیمار ہو گئے اور وہ اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر دمشق واپس چلے گئے اور ان کی غیر موجودگی میں سیدنا معاویہؓ نے قیساریہ کو فتح کیا، لیکن جب عمواس کے طاعون میں سیدنا یزیدؓ نے جام شہادت نوش فرمایا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ سیدنا معاویہؓ کو شام کا والی مقرر فرما دیا، اس پر سیدنا ابوسفیانؓ نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کا شکریہ ادا کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب قاصد سیدنا یزیدؓ کے انتقال کی افسوسناک خبر لے کر مدینہ منورہ آیا تو سیدنا عمرؓ نے اسی قاصد کے بذریعہ سیدنا معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ پر شام کا والی مقرر فرما دیا، بعد میں ایک روز سیدنا فاروقِ اعظمؓ سیدنا یزیدؓ کی تعزیت کے لیے ان کے والد ابوسفیانؓ کے پاس گئے، باتوں باتوں میں سیدنا ابوسفیانؓ نے پوچھا: "امیر المؤمنینؓ! آپ نے یزیدؓ کی جگہ پر کس کو شام کا والی مقرر فرمایا ہے"؟ آپ نے فرمایا "اس کے بھائی معاویہؓ کو"۔ سیدنا ابوسفیانؓ نے امیر المؤمنینؓ سے کہا "آپ نے صلہ رحمی کا خیال رکھا"۔

(فتوح البلدان ص۱۴۷، ابن خلدون جلد ۳ ص۷، فتح الباری جلد ۷ ص۸۲، الاستیعاب جلد ۱ ص۲۱۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۱، تاریخ الخلفاء ص۱۹۴، ہسٹری آف عربز انگریزی ص۱۵۴، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص۶۸، الاصابہ جلد ۳ ص۴۱۲، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص۱۰۳)

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے سیدنا معاویہؓ کو شام کا گورنر مقرر کرنے کے بعد دو جلیل القدر صحابہ سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کو سیدنا معاویہؓ نے منصب قضاء پر فائز فرمایا، سیدنا ابوالدرداءؓ کو دمشق اور اُردن کا قاضی اور سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کو حمص اور قنسرین میں عہدۂ قضاء پر فائز کیا، اس کے ساتھ ان دونوں حضرات کو اپنے اپنے علاقے کے نظم ونسق کی نگرانی کے فرائض بھی تفویض فرمائے۔

اتنے جلیل القدر صحابہ کا آپ کی ماتحتی میں قضاء اور نماز کے انتظام وانصرام کو سنبھالنا

سیدنا معاویہؓ کی عظمتِ شان کا پتہ دیتا ہے۔ (فتوح البلدان ص۱۴۸)

سیدنا فاروق اعظمؓ کا سیدنا معاویہؓ کو شام اور اس کے ملحقات کا والی مقرر کرنے کے بعد چند ہی سالوں میں بیشتر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ ۱۹ھ میں قیساریہ فتح ہوا اور دو سال کے قلیل عرصہ میں سیدنا معاویہؓ نے حمص، قنسرین، اُردن، الجزیرہ، فلسطین اور انطاکیہ وغیرہ کئی علاقے فتح کر لیے اور اسلامی سلطنت کا دائرہ تیزی سے وسیع ہونے لگا۔ اب مرکزِ خلافت سے ایک مکتوب سیدنا معاویہؓ کو موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں سے عسقلان کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور اسلامی قلمرو میں شامل کرنے کی پوری سعی کی جائے۔ امیر المؤمنینؓ کے حکم کی تعمیل میں سیدنا معاویہؓ نے اس طرف پیشقدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

(فتوح البلدان ص۱۴۹)

علامہ ابن کثیرؒ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ عسقلان کو پہلی دفعہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے فتح کیا تھا لیکن ان کے جانے کے بعد وہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی، اس بغاوت میں سلطنتِ رومہ نے ان کی پوری پوری مدد کی، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سیدنا معاویہؓ نے پیشقدمی فرمائی اور اس علاقے کو دوبارہ فتح کیا۔

طبریؒ نے لکھا ہے کہ فتوحات کی وسعت کے پیشِ نظر اب البلقاء، اُردن، فلسطین، سواحل اور انطاکیہ کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کی ولایت میں تھا۔

(طبری جلد ۴ ص۲۵۰)

سیدنا فاروق اعظمؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے گورنروں کو وقتاً فوقتاً مختلف ہدایات اور نصائح بذریعہ خطوط کرتے رہتے تھے، اس سے آپ کے گورنروں کو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ خلیفۃ المسلمین ہم سے غافل نہیں ہیں لہٰذا وہ خود ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ اس اصول کے پیشِ نظر آپ نے سیدنا معاویہؓ کو بھی بعض مواقع پر مختلف قسم کی ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے

سیدنا معاویہؓ کو لکھا :-

"امابعد! فالزم الحق —— لك الحق منازل الحق ولاتقض
الا بالحق۔ والسلام

آپ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس سے اہلِ حق کے منازل ومراتب
آپ پر واضح ہوں گے اور ہر فیصلہ حق وانصاف سے کیجئے۔" والسلام
(کنز العمال جلد ۸ ص ۲۰۸، روایت ۳۵۰۶)

سیدنا معاویہؓ کی انہیں خدمات اور قابلیت کی وجہ سے سیدنا فاروقِ اعظمؓ
نے تمام گورنروں سے زیادہ سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا، ان سے زیادہ کسی اور گورنر کا وظیفہ
ہمارے علم کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر نہیں فرمایا تھا،
چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ :-

"سیدنا عمر بن الخطابؓ نے سیدنا معاویہؓ کا سالانہ وظیفہ دس ہزار دینار
مقرر فرمایا جب وہ شام کے گورنر مقرر کیئے گئے۔" (الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۸۳)

بارگاہِ خلافت سے یہ سیدنا معاویہؓ کا ایک بہت بڑا اعزاز تھا، دس ہزار
دینار سالانہ وظیفہ اس زمانے میں بڑے بڑے لوگوں کا نہیں تھا لیکن سیدنا معاویہؓ
کا اتنا بڑا وظیفہ ان کی قابلیت اور سلطنتِ اسلامیہ کے لیئے گرانقدر خدمات کی غمازی
کرتا ہے۔ پھر دوسرا اعزاز یہ تھا کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے اپنے پورے عہدِ خلافت
میں ان کو شام کی گورنری سے تبدیل نہیں کیا حالانکہ یہ بات بھی ان کی عادت کے
خلاف تھی، آپ نے اپنے عہد خلافت میں بڑے بڑے جلیل القدر گورنروں کو اپنے
عہدوں سے سال دو سال کے بعد تبدیل کر دیا جن میں ایک سیدنا سعد بن ابی
وقاصؓ بھی تھے جو فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے، لیکن سیدنا معاویہؓ کو آپ
نے اول روز جس علاقہ میں گورنر متعین کیا تھا آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات
تک ان کو وہاں سے تبدیل نہیں کیا۔

آپ کے دورِ گورنری میں دمشق نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی۔ جس کی تفصیل

آئندہ صفحات میں آرہی ہے) سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے سیاسی اور انتظامی لحاظ سے یہ بہت ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ظاہری دبدبہ اور رعب و داب بھی اہلِ کفر کے دلوں میں قائم رہے۔ اس کے لیے آپ نے ظاہری شان و شوکت کے طریق بھی اختیار فرمائے۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ ظاہری شان و شوکت کے طریقوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ کی سیاسی حکمتِ عملی کے پیشِ نظر آپ نے بھی ان ذرائع کو اختیار کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ جب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو آپ نے بڑی شان و شوکت سے امیر المومنین کا استقبال کیا، سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہ شان و شوکت اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ناپسند فرماتے ہوئے پوچھا معاویہؓ! تم نے یہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی ہے؟ آپ نے جواب میں یہ عذر بیان کیا:۔

اِنَّا بِاَرْضٍ جَوَاسِیْسُ الْعَدُوِّ فِیْھَا کَثِیْرَۃٌ فَیَجِبُ اَنْ تُظْھِرَ مِنْ عِزِّ السُّلْطَانِ مَا یَکُوْنُ فِیْھَا عِزُّ الْاِسْلَامِ وَ اَھْلِہٖ وَ نُرْھِبُھُمْ بِہٖ۔

(امیر المومنین!) ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کے لیے گورنر کو ظاہری شان و شوکت دکھانا ضروری ہے، اسی میں اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت بھی ہے“۔

سیدنا عبدالرحمٰن ابن عوفؓ بھی وہاں موجود تھے، سیدنا معاویہؓ کے منہ سے یہ حکیمانہ جواب سنکر سیدنا عمرِ فاروقؓ سے کہا امیر المومنین! دیکھئے کس احسن طریق سے انھوں نے اپنے آپ کو الزام سے بچالیا ہے، امیر المومنین نے جواب دیا: ”اسی لیے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بارِ گراں ڈالا ہے“۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵، مقدمہ ابنِ خلدون ص ۲۳۲، القلقشندی جلد ۴ ص ۲۳۱، کتاب الاعلام جلد ۳ ص ۱۵۲)

وہ عمر الفاروقؓ جو معمولی معمولی باتوں پر گرفت فرماتے تھے ایسی گرفت کہ اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں ملنی مشکل ہے، چنانچہ آپ نے ایک دفعہ ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے گورنری سے معزول فرما دیا کہ وہ بچوں سے پیار نہیں کرتا تھا اور آپ نے فرمایا کہ جب تُو چھوٹے بچوں سے پیار نہیں کرتا تو اپنی رعایا اور پبلک کے ساتھ کیسے شفقت و محبت سے پیش آئے گا، اُس فاروقؓ کا سیدنا معاویہؓ سے اتنی بڑی بات پر مؤاخذہ نہ فرمانا بلکہ اُلٹا اُن کے فعل کی تحسین فرمانا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ آپ کو سیدنا معاویہؓ پر ایک خاص قسم کا اعتماد تھا اور آپ اُن کی عقل و فراست کے قائل تھے، اِسی لیے ان کی ہر بات کو کسی نہ کسی حکمتِ عملی پر محمول فرماتے تھے بلکہ بقول مصطفےٰ بک: "جہاں تک سیدنا معاویہؓ کی عقل و فراست کا تعلق ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مردم شناس خلیفہ نے شام جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر فرمایا۔" (حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۶)

سیدنا الفاروقؓ کی عادت تھی بلکہ انتظامِ حکومت کے لیے ایک اصول تھا کہ کسی گورنر یا سپہ سالار کو زیادہ دیر تک ایک جگہ نہیں رکھتے تھے، آپ کے گورنروں میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ ہی وہ واحد شخصیت تھی جن کو آپ نے ایک دفعہ بھی دمشق سے تبدیل نہیں کیا۔ چنانچہ دینی یا انتظامی لحاظ سے آپ میں اگر کوئی نقص ہوتا تو اوّل تو آپ ان (معاویہؓ) کو بالکل معزول فرما دیتے نہیں تو کم از کم آپ کا تبادلہ تو ضرور فرما دیتے، لیکن آپ نے اپنے ساڑھے تیرہ سالہ دورِ خلافت میں ان کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہی کیا، اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ عمر الفاروقؓ کے نزدیک کس قدر قابلِ اعتماد تھے اور صرف قابلِ اعتماد ہی نہیں بلکہ اپنی نظری، فکری، علمی اور عملی قابلیتوں کا سکہ بھی سیدنا عمر فاروقؓ کے دل پر جما یا ہوا تھا کیونکہ دمشق جیسے سرحدی علاقے میں جہاں ہر وقت بازنطینی حکومت کے حملہ کا خطرہ ہو صرف اور صرف اس شخص کو اتنے عرصہ تک متعین کیا جا سکتا ہے جس کی ثقاہت اور نظری، فکری، سیاسی قابلیتوں پر غیر معمولی اعتماد اور بھروسہ ہو اور حکومت کے ساتھ اس کی وفاداری میں

ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو، ایسے علاقے میں ایسے آدمی کا تقرر ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا جس کی حکومت اور اسلام سے وفاداری ذرہ برابر بھی مشکوک ہو۔

پھر سیدنا عمر الفاروقؓ صرف ایسے آدمی ہی کو گورنری کا منصب عطا نہیں فرماتے تھے جو حکومت کے انتظامی اور ترقیاتی امور ہی سے آشنا ہو بلکہ آپ گورنر کی انفرادی، جماعتی، دینی، دنیاوی، اقتصادی اور معاشی زندگی کی باریکیوں پر بھی نگاہ رکھتے تھے، کیونکہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) کے تحت آپ یہ سمجھتے تھے کہ گورنر اور حاکم وقت کی مجموعی زندگی کا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے اور رعایا کی پوری زندگی اس سے متاثر ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے صرف اس وجہ سے ایک گورنر کو معزول فرما دیا کہ اس نے بچوں پر نظرِ شفقت نہیں کی تھی اور معزول فرماتے وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے تم میں قساوتِ قلبی کے آثار دیکھے ہیں لہٰذا میں ایسے آدمی کو ایک ثانیہ کیلئے بھی لوگوں پر حاکم نہیں بنا سکتا جس کے قلب میں رحم اور شفقت کی کمی ہو کیونکہ خطرہ ہے کہ اس کی سخت دلی کے اثرات لوگوں کو بھی قاسی القلب بنا دیں۔"

خالد بن الولیدؓ کو کون نہیں جانتا، لسانِ نبوت نے ان کو سیف من سیوف اللہ فرمایا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ـــ) غزوہ موتہ، سریہ نجران، سریہ عزیٰ، مذار کسکر، عین التمر، حصید و خنافس، شام، عراق، یرموک، حمص، بیت المقدس کی فتوحات آپ ہی کی مرہونِ منت ہیں، بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیانِ نبوت کا استیصال تو خصوصی طور پر سارے کا سارا آپ ہی کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ:-

"اِنَّ فُتُوْحَ اَھْلِ الرِّدَّۃِ کُلَّھَا کَانَتْ لِخَالِدِ بْنِ وَلِیْدٍ وَغَیْرِہٖ۔
ارتداد کی ساری فتوحات خالد بن ولیدؓ کی مرہونِ منت ہیں۔"
(طبری جلد ۳ واقعات سنہ ۱۱ھ)

قریباً سوا سو لڑائیوں میں آپ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے اور جسم پر ایک بالشت بھی حصہ ایسا نہیں تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے چھلنی نہ ہوا ہو۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص۹۵)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت محبوب سمجھتے تھے، محبوبیت کے لیے سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ کا لقب ہی کیا کم تھا کبھی فرماتے: "خالد کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس کو اس نے کافروں پر کھینچا ہے۔" (الاصابہ جلد ۲ ص۹۹)

فتح مکہ کے موقع پر جب آپؐ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور ایک گھاٹی کی طرف سے حضرت خالد بن ولید بھی داخلِ مکہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ دیکھو وہ کون ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا کہ "خالد بن ولیدؓ" آپؐ نے فرمایا: "یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص۲۶، اسد الغابہ جلد ۲ ص۹۴)

ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت سے سیدنا عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تو ابن جمیلؓ، خالد بن ولیدؓ اور عباس بن عبد المطلبؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: "ابن جمیلؓ فقیر تھا خدا نے اس کو دولت مند کیا یہ اس کا عوض ہے، لیکن خالدؓ پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو اُس نے اپنا تمام سامانِ حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا اس پر زکوٰۃ کیسی؟ رہا عباس بن عبد المطلبؓ کا معاملہ تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ چچا بجائے باپ کے ہے۔" (مسلم جلد ا ص —، ابو داؤد جلد ا ص۱۶۳)

یہی خالدؓ "سیف من سیوف اللہ" شجاعت اور جانبازی کے لحاظ سے تاریخ اسلام کے دُرِّ شاہوار، بارگاہ رسالت کے گوہرِ تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت با اثر اور ذی وقار بزرگ، بارگاہِ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب سے صرف اسلئے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک قصیدہ گو کو دس ہزار روپے کی ایک خطیر رقم

بطورِ انعام دی، سیدنا عمرؓ کو جب پتہ چلا تو آپ نے سپہ سالارِ اعظم سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو لکھا کہ خالدؓ نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (الکامل لابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱) اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان ہیں (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۶۷) غزوہ بدر، غزوہ اُحد، فتح مکہ، غزوہ طائف، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے جانباز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران، بانی کوفہ، ان خصوصیات کے حامل، لیکن بتانے والوں نے جب بتایا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں کچھ رکاوٹ ہوتی ہے یا رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے، تو آپ نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ جاکر ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں، چنانچہ محمد بن مسلمہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۵۵)

عیاض بن غنمؓ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک جلیل القدر صحابی اور گورنر مصر ہیں، دربارِ خلافت میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، اطلاع کا پہنچنا تھا کہ دربارِ خلافت سے احتساب شروع ہوا، فوراً محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم ہوا کہ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو عیاض بن غنمؓ کو فوراً دربارِ خلافت میں پیش کیا جاوے، محمد بن مسلمہؓ مصر پہنچے اور عیاض ابنِ غنمؓ کے گھر گئے، دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان ہے اور عیاض بن غنمؓ باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں، محمد بن مسلمہ گورنرِ مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر مدینہ طیبہ لائے، سیدنا عمر الفاروقؓ نے اُن کا باریک کرتا اُتروایا اور بالوں کا کُرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے، سیدنا فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے

اِس میں عار کیوں؟ غرض عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے اور احسن طریقہ سے سرانجام دیتے رہے۔

(کتاب الخراج صلاا، طبری جلد۴ صـ۲۰۷)

سیدنا ابی بن کعبؓ نہایت بلند مرتبہ صحابی اور قرآنِ کریم کے بہترین ماہر ہیں، (بخاری علی فتح الباری جلد ۷ صـ۱۰۱) ایک دفعہ کسی مجلس میں اُٹھے تو کچھ لوگ ادب و تعظیم کی وجہ سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظمؓ ادھر آنکلے، یہ حالت دیکھ کر آنکھیں سُرخ ہوگئیں اور ابی بن کعبؓ کو زور سے ایک کوڑا مارا، سیدنا اُبیؓ کو بہت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے؟ سیدنا عمرؓ نے فرمایا:۔

"اَمَا تَرٰی فِتْنَةً لِلْمَتْبُوْعِ وَمَذِلَّةً لِلتَّابِعِ۔ (مُسند دارمی صـ۷۱)

تجھے معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت کا سبب ہے۔"

سیدنا عمر الفاروقؓ کا اپنے گورنروں کا یہ احتساب اور ان کے اخلاق وعادات کی اس قدر نگرانی صرف اس لیے تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ حاکم اور گورنر میں اگر اخلاق اور تدین کی چھٹانک بھر کمی ہوئی تو رعایا میں منوں کے حساب سے کمی واقع ہو جائے گی، اس وجہ سے آپ جب بھی کسی کو گورنر بنا کر بھیجتے تو گورنر کے سارے فرائض اس کو سمجھاتے، پھر اس سے عہد لیتے کہ وہ:۔

(۱) تُرکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

(۲) باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

(۴) دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

(۵) اور اہل حاجت کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ (طبری جلد۴ صـ۲۰۷)

اور بھرے مجمع میں ان الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے:۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ عَلٰى اُمَرَاءِ الْاَمْصَارِ اِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ

لِيُعَلِّمُوا النَّاسَ دِيْنَهُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ وَاَنْ يَّقْسِمُوا بَيْنَهُمْ فَيْئَهُمْ وَاَنْ يَّعْدِلُوْا فَاِنْ اَشْكَلَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ رَفَعُوْهُ اِلَيَّ۔

(محاضرات تاریخ الاُمم الاسلامیۃ ج ۲ ص ۹)

اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارے میں جن کو میں نے مختلف شہروں میں مقرر کیا ہے تجھے گواہ بناتا ہوں، اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کے نبی کی سُنت کی تعلیم دیں اور فئے کا مال اُن پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر کسی معاملہ میں اُن کو کوئی مشکل پیش آجائے تو میری طرف رجوع کریں۔"

ایک مرتبہ ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس شے کو ان الفاظ میں دُہرایا،

"اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَبْعَثُ اِلَيْكُمْ عُمَّالِيْ لِيَضْرِبُوْا اَبْشَارَكُمْ وَلَا لِيَاْخُذُوْا مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنِّيْ اَبْعَثُهُمْ اِلَيْكُمْ لِيُعَلِّمُوْكُمْ دِيْنَكُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّكُمْ فَمَنْ فُعِلَ بِهٖ سِوٰى ذٰلِكَ فَلْيَرْفَعْهُ اِلَيَّ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاُقِصَّنَّهٗ مِنْهُ۔

بخدا! میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ وہ تم کو ماریں پیٹیں اور نہ اس لیے کہ تمہارے مال چھینیں بلکہ میں نے ان کو اسلیئے بھیجا ہے کہ تمہیں تمہارا دین اور نبی کی سُنت سکھائیں، جس کسی کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے اس کی شکایت کرے، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اُس سے ضرور بدلہ لُوں گا۔"

اس پر مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا کہ "حضرت! اگر کوئی شخص مسلمانوں کا گورنر ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو پیٹے تو کیا آپ اُس سے بھی بدلہ لیں گے؟" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں بخدا! میں اُس سے بھی بدلہ لوں گا کیونکہ میں نے خود سرورِ کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا

ہے"۔ (کتاب الخراج لقاضی ابو یوسف ص۹۶، الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص۳۰، مسند ابی داؤد طیالسی حدیث ۵۵، طبری جلد ۳ ص۲۷۳)

سیدنا عمرؓ کے ان کلمات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ گورنروں کو بھیجتے ہی صرف اس لیے تھے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا دین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کی تعلیم دیں، ان میں اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پیدا کریں۔ اگر اس بارہ میں کسی میں کوئی کمی محسوس فرماتے تو اس پر احتساب فرماتے، جیسا کہ گزشتہ صفحات کے واقعات اس پر شاہد و ناطق ہیں، یہی وجہ تھی کہ آپ کے عمّال سنّتِ نبوی کے اتباع میں اپنی مثال آپ تھے۔

اب سیدنا فاروقؓ جیسے محتسب اور سُنتِ نبوی کا لحاظ رکھنے والے خلیفۂ راشد کا سیدنا معاویہؓ کو دمشق کا گورنر بنانا اور ان کو اپنی پوری مدتِ خلافت بغیر کسی احتساب کے وہاں برقرار رکھنا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ تدین، تقوای اور سنتِ نبوی کی پیروی میں ایک بہت بڑے مقام کے حامل تھے اور صرف خود ہی سُنتِ نبوی کے عاشق نہ تھے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس معاملہ میں روشنی کا مینار تھے، اسی لیے سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلِ شام سے فرمایا کرتے تھے:۔

"مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ صَلٰوةً بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِمَامِكُمْ هٰذَا يعني معاوية" (منہاج السنۃ جلد ۳ ص۱۸۵)

میں نے تمہارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہو۔"

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے جب حضرت عمیرؓ کو حمص کی گورنری سے معزول فرما کر سیدنا معاویہؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر فرما دیا تو کچھ لوگوں نے حضرت عمیرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کے متعلق بعض بے جا باتیں کیں، ان کے جواب میں حضرت عمیرؓ نے فرمایا۔

"لَا تَذْكُرُوْا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اهْدِ بِهٖ۔ (ترمذی جلد ۲ ص۲۴۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۲۲)

التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ صفحہ ۳۲۸)۔

معاویہ کی بات اگر کرنی ہے تو اچھائی اور خیر سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سُنا ہے کہ اے اللہ! معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے اسی طرح کی ایک روایت سیدنا فاروقِ اعظمؓ سے بھی نقل فرمائی ہے کہ جب ان کے پاس سیدنا معاویہؓ پر کچھ تنقید کی گئی اور بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ معاویہؓ نوجوان ہیں اور عمیرؓ تجربہ کار اور ذہنی پختگی کے مالک ہیں، اس پر آپ نے اُن کے اعتراضات کا ان الفاظ میں جواب دیا کہ:۔

"معاویہؓ کا ذکر جس نے بھی کرنا ہو وہ اچھے طریقے سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سُنا کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت کا ذریعہ بنا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ:۔

"اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔"

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۲)

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "الفاروق" میں ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیدنا عمرؓ نے سیدنا شرجیل بن حسنہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر سیدنا معاویہؓ کو مقرر فرما دیا تو جب امیر المومنین سے سیدنا شرجیل ابن حسنہؓ کی وجہ معزولی دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:۔

"میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ اسلئے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی۔" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۲۹۸)

شرجیل بن حسنہؓ کی معزولی کے بعد شام کا پورا صوبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے تحت آگیا (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۳۰۷) اور ایک ہزار روپیہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ (الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۶۳)

حافظ ذہبیؒ نے اسماعیل بن اُمیہ سے نقل کیا ہے کہ:۔

"ان عمراً فرد معاویة بالشام ورزقهٗ فی کل شہر ثمانین دیناراً
سیدنا عمرؓ نے شام کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے تحت کر دیا اور ۸۰
دینار ماہانہ مشاہرہ مقرر فرمایا۔" (تاریخ اسلام جلد ۲ صـ۳۱۹)
ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہؓ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے اور آپ کی علمی اور فکری صلاحیتوں کا آپ کو اعتراف تھا، چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

"جب معاویہؓ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں
قیصر و کسریٰ کی زیرکی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"
(الکامل لابن اثیر جلد ۳ صـ۲۶۲، طبری جلد ۶ صـ۱۴۷، تاریخ اسلام جلد ۲ صـ۳۲۰)

ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ کے سامنے کسی نے کچھ نازیبا الفاظ کہے، آپ نے فرمایا:۔

"دعونا عن ذم فتی قریش من یضحك فی الغضب ولا ینالُ
مَا عندهٗ علی الرضیٰ ولا یؤخذ مَا فوق رأسه الا من تحت قدمیه۔
(ازالة الخفاء ج ۲ صـ۷۵، البدایه والنهایة ج ۸ صـ۱۲۴)

قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو، یہ نوجوان ایسا ہے
کہ غصہ میں ہنستا ہے اور سوائے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں
کیا جا سکتا اور جو کچھ اس کے سر پہ ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے
ہی سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی عزت و تکریم کے ساتھ۔"

اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے سیدنا معاویہؓ کی اصابت رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو تفرقہ و انتشار سے منع فرمایا۔ (الاصابہ جلد ۶ صـ۱۱۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ۱۲۵)
علاوہ ازیں تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کے دسیوں حوالہ جات ملتے ہیں جن میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا معاویہؓ کی تعریف فرمائی ہے اور اسی وجہ سے آپ نے

انہیں یزید بن ابی سفیانؓ کے بعد شام کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔
جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ اپنی نظری، فکری اور علمی اور عملی قابلیتوں کی بدولت جلد ہی اپنے معاصرین صحابہؓ کی نگاہ میں انتہائی بلند مقام حاصل کر چکے تھے اور صحابہؓ میں سے کوئی شخص بھی آپ کے متعلق کسی قسم کا بُرا خیال نہ رکھتا تھا۔ سیدنا عثمانؓ، سیدنا علی اور سیدنا حسن بن علی وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خیالات آپ کے متعلق نہایت اعلیٰ تھے، کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا تو درکنار حاشیۂ خیال میں بھی نہ لاتے تھے جس سے ذرہ برابر بھی ان کی تنقیص کا اظہار ہوتا ہو بلکہ سیدنا حسنؓ نے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے قیامت تک آنے والوں کو آپ کے مقام و احترام سے آگاہ کر دیا۔ حضرت علیؓ کے چچا زاد بھائی اور ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

"ما رأیت احداً الیق من اعطاف معاویۃ بالریاسۃ والملک" (الفخری ص ۷۶)
میں نے معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کوئی لائق نہیں دیکھا"
علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جذبات کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:۔

"ما رأیت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ۔
میں نے سیدنا معاویہؓ سے زیادہ بادشاہی کے لائق کسی کو نہیں دیکھا"
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۷، طبری جلد ۵ ص ۳۳۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۳، اصابہ جلد ۳ ص ۴۱۳)
اس قسم کی رائے سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کی آپ کے متعلق تھی، ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی میں سیدنا معاویہ ایک نہایت اہم مقام کے حامل تھے اور آپ کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیدنا عمرؓ نے آپ کو دمشق کی گورنری کے عہدہ پر متعین فرمایا تھا اور پوری مدتِ خلافت ان کو وہیں رکھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارہ میں خود اپنا بیان کافی و وافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معصومًا فولّانی فادخل فی امرہ ثم استخلف ابی بکرٍ فولّانی ثم استخلف عمر فولّانی ثم استخلف عثمان فولّانی فلم ال لاحد منھم ولم یولنی الا وھو راض عنی۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۶۳)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انہوں نے مجھے والی اور حاکم بنایا اور اپنے کام میں شامل فرمایا پھر ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا پھر عمرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے حاکم بنایا پھر عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی مجھے والی بنایا پس ان میں سے جس کے لیے بھی حاکم بنا اور جس نے بھی مجھے حاکم بنایا وہ سب مجھ سے راضی رہے"

عہدِ عثمانی اور سیدنا معاویہؓ

جس شخصیت کو حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ اپنی خصوصی نوازشات سے نوازیں اور اس کے حق میں دعائیں فرمائیں، کبھی علمبردارِ لشکر بنائیں تو کبھی گورنر اور والی کے منصب پر بٹھائیں، تو بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ اس پر نظرِ شفقت نہ فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں تو صرف دمشق کا علاقہ آپ کے زیرِ حکومت تھا لیکن سیدنا عثمانؓ نے ان کی علمی اور فکری صلاحیتوں کے پیشِ نظر شام، فلسطین، اُردن اور لبنان وغیرہ کا پورا علاقہ ان کے تصرف میں دیدیا۔

سنہ ۲۳ھ میں سیدنا عمرؓ کی شہادت ہوئی، سنہ ۲۴ھ میں اہل روم نے ایک عظیم الشان

لشکر مسلمانوں پر حملے کے لیے تیار کیا، سیدنا معاویہؓ نے اس بارہ میں سیدنا عثمانؓ کو مطلع کیا اور معاونت کی درخواست کی، امیر المؤمنینؓ نے کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہؓ کو تحریری حکم ارسال فرمایا کہ شام کے مسلمانوں کی امداد کے لیے آٹھ نو ہزار کا ایک لشکر کسی بہادر اور ماتندار آدمی کی قیادت میں بھیجدیں۔ چنانچہ ولید بن عقبہؓ نے مرکز کے حکم کی تعمیل کی اور آٹھ ہزار مجاہدین کا ایک لشکر سلمان بن ربیعہ کی زیر قیادت شام روانہ کیا' شام کے لشکر کے امیر حبیب بن مسلمہ الفہری تھے، ان دونوں لشکروں نے اکٹھے ہو کر بلادِ رُوم پر حملہ کیا اور دشمن کو شکست فاش دی، متعدد قلعے اپنی تحویل میں لیے، بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۱، ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۱)

بلادِ روم کے کچھ علاقے سردیوں کے موسم میں سخت سردی کی لپیٹ میں ہوتے تھے، اس موسم میں ان پر حملہ کرنا سخت مشکل ہوتا تھا اِس وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے موسم گرما میں ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے مجاہدینِ اسلام کے لشکر بھیجے، ان غزوات کو تاریخ میں "الصائفہ" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان سرد علاقوں میں سردیوں کے موسم میں لڑائی بند کردی جاتی اور موسمِ گرما میں مجاہدین کو ان علاقوں میں پھر روانہ کردیا جاتا، ان غزوات میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا بلکہ بعض مؤرخین کے بقول مجاہدینِ اسلام بلادِ رُوم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرطوس کے قلعوں کو خالی پا کر اپنے لشکر وہاں جمع کردیئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۵۱، ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۱)

گویا ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب ور رومی قلعوں پر بھی آپ نے قبضہ کرلیا اور پھر قبرص پر بحری حملہ کرنے کے لیے بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت امیر المؤمنین سے طلب کی اور قبرص کی فتح کے بعد بنگناتے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔

قبرص جس کو آجکل سائپرس بھی کہتے ہیں بحیرۂ رُوم میں شام کے قریب ایک نہایت

خوبصورت اور زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر اور شام کی فتح کا دروازہ ہے، اس مقام کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ مصر و شام جو اب تک مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہو چکے تھے کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی رومیوں کا خطرہ دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آ سکے اس لیے سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ ہی سے آپ کی اس زرخیز، حسین اور اہم جزیرہ پر نظر تھی اور اس زمانہ میں بھی آپ نے سیدنا فاروق اعظمؓ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی طلب کی تھی مگر بعض وجوہات کی بناء پر آپ کو اجازت نہ دی گئی جن میں بڑی وجہ یہ تھی کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ بری جنگوں ہی میں بہت زیادہ مصروف تھے اس لیے آپ بحری لڑائی کا نیا محاذ نہیں کھولنا چاہتے تھے۔ آخر ۲۸ھ میں سیدنا معاویہؓ نے پھر سیدنا عثمانؓ دامادِ رسولؐ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی، سیدنا عثمانؓ بحری جنگوں کو ذرا خوفناک تصور کرتے تھے کیونکہ مسلمانوں کو اس سے قبل اس کا تجربہ نہیں تھا، لیکن آپ رسیدنا معاویہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو اطمینان دلایا کہ بحری جنگ اس قدر خوفناک نہیں ہے جس قدر اس کو خوفناک سمجھا جاتا ہے۔ جواب میں سیدنا عثمانؓ نے تحریر فرمایا کہ اگر تمہارا بیان درست ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، لیکن اس مہم میں صرف اُسی شخص کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی اور رضا سے شرکت کرے۔ دربارِ خلافت سے اجازت ملتے ہی آپ نے بحریہ کی تشکیل کی اور پانچ سو جہازوں کا ایک بحری بیڑہ مرتب کیا اور عبداللہ بن قیس حارثیؓ کی قیادت میں اس کو قبرص کی فتح کے لیے روانہ کیا، یہ اسلامی بیڑہ صحیح اور سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا لیکن چند روز بعد اس بیڑے کے امیر البحر عبداللہ بن قیسؓ ناگہانی طور پر شہید ہو گئے، ان کی شہادت کے بعد سفیان بن عوف ازدیؓ نے عَلَم سنبھال کر اہلِ قبرص کو زیر کیا جس پر اہلِ قبرص نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کر لی:۔

(۱) اہلِ قبرص ۷ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳۱) بحری جنگوں میں اہلِ قبرص اسلام کے دشمنوں کی نقل وحرکت سے ان کو مطلع کرتے رہیں گے۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص۷۶،۷۵، فتح الباری جلد ۶ ص۶۷، فتوح البلدان فتح قبرص)

ابن الاثیرؒ اور خلیفہ بن خیاطؒ نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں سیدنا معاویہؓ نے بذاتِ خود مع اپنی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ کے بھی حصّہ لیا اور سیدنا ابو ذرؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا عبادہ بن الصامتؓ اور ان کی اہلیہ اُم حرام ؓ نے بھی شرکت کی تاکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مصداق ہوسکیں جس میں آپؐ نے اس لشکر کے لیے جنت کے واجب ہونے کی بشارت دی تھی۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص۱۳۵، الاصابہ جلد ۴ ص۴۲۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۵۳، حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص۱۶۲)

اہلِ قبرص کچھ دنوں تک تو اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن ۳۳ھ میں یعنی ۵ سال بعد انہوں نے اہلِ اسلام کے خلاف رُومی بحریہ کی مدد کی، لہٰذا سیدنا معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا اور اسلامی سلطنت کے ممالکِ محروسہ میں شامل کر لیا اور اعلان کر دیا کہ مستقبل میں یہاں کے باشندے رُومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۰۷)

اسی دوران مسلمانوں کو ایک عظیم الشان بحری جنگ لڑنا پڑی۔ ہوا یہ کہ ۳۱ھ میں قیصر روم قسطنطنیہ نے ایک بہت بڑا جنگی بیڑا جس میں قریباً پانچسو جہاز تھے، سواحل شام پر حملہ کے لیے بھیجا، اس بیڑے کی قیادت خود قیصر روم کر رہا تھا، سیدنا معاویہؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ بھی بذاتِ خود اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، بحریہ کی کمان عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کے ہاتھ میں تھی، سمندر پر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں نے تجویز پیش کی کہ دونوں فوجیں ساحلِ سمندر پر اتر کر لڑیں لیکن رومیوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہم سطح سمندر پر ہی لڑیں گے، اس پر مسلمانوں کے امیر البحر نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور

ان کو دشمن کے قریب لے جا کر حملہ کر دیا، فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، یہانتک کہ کشتوں کا خون ساحل تک بہتا ہوا نظر آیا اور خون کی سرخی پانی پر غالب آگئی، بیشمار رومی مارے گئے اور مسلمان بھی بہت شہید ہوئے لیکن ان کے عزم و استقلال نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت قلیل تعداد زندہ بچی، خود قسطنطین اس معرکہ میں شدید زخمی ہوا اور اہلِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کا اثر یہ ہوا کہ اہلِ روم کو پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔[1]

(الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸، عثمان بن عفانؓ از عرجون ص ۲۱۶، ۲۱۷)

بحریہ کی یہ فتح سیاسی اور عسکری لحاظ سے نہایت اہم تھی، اس سے:۔

(۱) ایک تو مسلمانوں کی بحریہ وجود میں آگئی۔

(۲) یہ کہ بحری جنگوں کیلئے اہلِ اسلام کے لیے زمین ہموار ہوگئی۔

(۳) مدینۂ قیصر یعنی قسطنطنیہ کی فتح جس پر حملہ کرنے کے لیے لسانِ نبوت نے بڑی بڑی بشارتیں دی تھیں، کا فتح کرنا بہت آسان ہوگیا اور مسلمانوں کا محاذ قسطنطنیہ کے بالکل قریب ہوگیا جس سے دشمن پر رعب طاری ہوگیا۔

اس بحری جہاد کا نقشہ اس سے قبل حضور انور سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دکھلایا گیا تھا اور آپؐ نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک روز نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کے گھر پر کھانا تناول فرما کر استراحت فرمانے لگے، سیدنا عبادہؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام حرامؓ[2] نے آپؐ کا سر مبارک دیکھنا شروع کیا، اسی اثنا میں آپ کو نیند آگئی، تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرامؓ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ام حرامؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ:۔

---

[1] اس جنگ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمان شخصیت اور کردار" جلد اول میں بیان کی ہے۔

[2] یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔

"میں نے ایک خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے سوار ہیں"

حضرت اُم حرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! دُعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں، آپؐ نے دعا فرمائی، اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر بعد آپؐ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔

(زرقانی جلد ۱ صفحہ ۶۶، اصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۲، بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۹۱ و جلد ۲ صفحہ ۹۲۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۱، ابو داؤد علی عون المعبود جلد ۲ صفحہ ۳۱۵، نسائی جلد ۲ صفحہ ۵۳، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۳۴)

بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

"اَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ اُمَّتِىْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۰۹، ۴۱۰)

میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس پر جنت واجب ہو گئی"

تاریخ کے اوراق بتلاتے ہیں کہ سب سے پہلا لشکر جس نے ۲۸ھ میں قبرص کو فتح کیا تھا سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۵، ۱۶۸) اور اسی میں سیدہ ام حرامؓ بھی شریک لشکر تھیں جو کر واپسی

---

[1] علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وکان امیر ذٰلک الجیش معاویۃ بن ابی سفیان فی خلافۃ عثمان و معہٗ ابوذر وابوالدرداء وغیرھما من الصحابۃ وذٰلک سنۃ سبع وعشرین۔ (اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۵۷۵)

اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے اور یہ مہم سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں سر ہوئی اور ان کے ساتھ اس مہم میں حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ صحابیٔ رسول شامل تھے، اور یہ واقعہ ۲۷ھ میں پیش آیا۔

ایک خچر پر سوار ہوتے وقت گر پڑیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ (صحیح بخاری جلد ۱، صفحہ ۳۹۱
ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۰۱، اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۷۵)

اس جنگ کے سن میں اختلاف ہے، ابن جریرؒ نے ۲۷ھ بتایا ہے، واقدیؒ نے ۲۸ھ نقل کیا ہے، اور ابو معشرؒ نے ۳۳ھ بیان کیا۔ (عینی جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۸) لیکن صحیح ۲۸ھ ہی ہے، ابو معشرؒ سے شاید سہو ہو گیا ہے کیونکہ ۳۳ھ میں سیدنا معاویہؓ نے قبرص پر دوسری بار حملہ کیا تھا اور انہوں نے شاید اسی کو پہلا حملہ سمجھ لیا ہے۔

اس جنگ کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

اس لحاظ سے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے بحریہ کی تشکیل کی اور بحری بیڑہ قائم کیا جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۶۰) اور مسلمانوں کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا۔ اسی زمانہ میں سیدنا معاویہؓ نے شام میں بحیرۂ روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لیکر طرطوس تک فوجی نوآبادیاں قائم کیں۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۴۴) جس سے ایک تو اسلامی حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ پہنچا اور دوسرے مسلمان دور دراز علاقوں تک پھیل گئے جس سے اسلام کی اشاعت کے کام کو کافی تقویت پہنچی اور بحر و بر میں اسلام کے چرچے ہونے لگے۔



فتنۂ عظیمہ اور سانحۂ عظیمہ

جس طرح خلافتِ فاروقی ہر لحاظ سے ایک کامیاب خلافت تھی اسی طرح خلافتِ عثمانی بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عبداللہ ابنِ ابی سرحؓ، سیدنا عبداللہ بن عامرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے باہمی اتحاد و یگانگت سے خلافتِ اسلامیہ کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی، ملکی حدود و ثغور روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہی تھیں، بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے مسلمانوں کی دسترس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور ہندوستان کی سرحدوں پر بھی مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے مصر کا سارا علاقہ اسلامی مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ طرابلس، قبرص، خراسان، طخارستان، اسپین، طالقان، فاریاب، جوزجان، سجستان، ہرات، کابل، نیشاپور، بست، اشبند ورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان اور سرخس وغیرہ کے علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گئے، فتوحات کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے ملک میں فارغ البالی، تموّل اور عیش و تنعم کو عام کر دیا یہاں تک کہ بعض صحابہ ایامِ رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانہ کے سامانِ تعیش، ثروت اور تموّل کو دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جو اپنی سادگی اور زہد و تقویٰ کے لحاظ مسیح الاسلام تھے، مسلمانوں کی اس حالت سے نہایت پریشان اور غمگین تھے، آپ اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

مخالفِ اسلام عناصر کو اسلام کی یہ روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لہٰذا انہوں نے اسلام اور خلافتِ اسلامیہ کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، گورنروں کے خلاف سازشیں ہونے لگیں، خود امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ کو بدنام کرتے

کی کوششیں شروع ہوئیں تو اندرونِ ملک ایک منظم جماعت عبداللہ بن سبا[۱] مسلم یہودی کی قیادت میں کام کرنے لگی اور کوفہ، مصر، شام اور خود دار الخلافت میں امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کو مختلف اعتراضات کا ہدف بنایا جانے لگا۔

---

[۱] یہ شخص ملک یمن کا رہنے والا یہودی تھا، ۳۵ھ میں بظاہر اسلام کو قبول کر لیا لیکن اندر سے اسلام کا نہایت سخت دشمن تھا، اس کے اسلام لانے کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے، یہ شخص اسلام کیلئے مارِ آستین ثابت ہوا اور بانیٔ اسلام اور اہلِ اسلام سے اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لینے لگا جن کو نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کی پاک سرزمین سے جلاوطن کیا تھا اور بعد میں سیدنا عمر الفاروقؓ نے ان کو عرب ہی کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا، لہٰذا اُس نے اندر ہی اندر ایک خفیہ تحریک چلائی اور مسلمانوں کے اندر ایسی باتیں پھیلانا شروع کر دیں جو کہ اسلامی اصولوں کے سراسر منافی تھیں مثلاً امامتِ علیؓ کی فرضیت کا اعلان (خلافتِ بلافصل) اصحابِ ثلاثہ کی تنقیص اور ان پر تبرا وغیرہا۔

چنانچہ ایک شیعہ مجتہد استرآبادی اپنی تصنیف "منہج المقال" میں لکھتے ہیں:۔

فانظر والی عبارة الکشی ذکر بعض اھل العلم ان عبداللہ بن سبا کان یھودیا واسلم ووالی علیاً وکان یقول علی یھودیته وصی بالغلو فقال بعد اسلامه بعد وفاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی علی مثل ذلك فکان من اشھر بالقول بفرض امامة علی علیه السلام البراءة من اعدائه وکان مخالفیه واکفرھم فمن ھھنا قال من خالف الشیعة اھل التشیع والرفض من الیھودیة۔

عبارتِ کشی دیکھو، بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ ابن سبا یہودی تھا، اسلام لایا اور سیدنا علی کا محب بنا، وہ اپنے یہودیت کے زمانہ میں یوشع وصی موسیٰ کی نسبت غلو کرتا تھا پھر اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے بارہ میں ایسا خیال رکھتا تھا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے فرضیت امامت علی کا اعلان کیا اور ان کے اعداء سے تبرا کیا، وہ سیدنا علی کے مخالفین کو برا کہتا اور ان کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عبداللہ بن سبا ہی دراصل اس پوری تحریک کا بانی تھا اور اسی نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا تھا اور خود پوری تحریک کے قائد کی حیثیت سے خلافتِ اسلامیہ میں امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) کافر قرار دیتا تھا' یہی وجہ ہے کہ مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی اصل بنیاد یہودیت ہے۔ ایسا ہی "تاریخ الاسلام السیاسی جلد ا ص ۳۴۷/۳۵۰" پر لکھا ہے۔

حافظ ابن عساکرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں عبداللہ ابن سبا کے بارہ میں لکھا ہے کہ:۔

اصلہ من اهل الیمن وکان یهودیا من امة سوداء فاظهر الاسلام وطاف بلاد المسلمین لیلفتهم عن طاعة الائمة ویلقی بینهم الشر وکان بدء اولا بالحجاز ثم بالبصرة ثم بالکوفة ثم دخل دمشق ایام عثمان بن عفان فلم یقدر علی مایرید عند من اهل الشام فاخرجوه حتی اتی مصر

عبداللہ بن سبا اصل میں یمن کا یہودی تھا اور سوداء قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور مملکتِ اسلامیہ میں اس نے اس غرض سے دورہ کیا تاکہ لوگوں کو خلفاء کی اطاعت سے گریزاں کیا جائے اور ان کے مابین شر و فساد کا بیج بویا جائے چنانچہ اس نے اپنا مشن کو حجاز سے شروع کیا پھر وہ بصرہ اور کوفہ گیا پھر دمشق میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کے عہدِ خلافت میں وارد ہوا لیکن اہل شام سے جو کچھ وہ چاہتا تھا حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اہل شام نے اس کو نکال دیا اور وہ مصر چلا گیا۔" (التاریخ الکبیر لابن عساکر جلد ۷ ص ۴۲۸)

(تفصیل کیلئے دیکھو تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۴۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۷/۱۶۸، لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۸۹، طبری جلد ۵ ص ۹۸، ۹۹، میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۴۲، فرق الشیعہ ص ۴۴، رجال کشی ص ۷۱، تحفۃ الاحباب ص ۱۸۴ از شیخ عباس قمی)

۳۵ھ میں بظاہر مسلمان ہونے کے بعد اس کا خیال تھا کہ سیدنا عثمانؓ اس کی کچھ عزت کریں گے اور اس کو کسی منصبِ جلیلہ پر فائز کریں گے، مگر آپ اس کی اندرونی کیفیت کو بھانپ گئے لہٰذا اس کی طرف کچھ توجہ نہ فرمائی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے آپ کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ مدینہ اور خیبر

کے خلاف سازشوں کا ایک خفیہ جال پھیلانا شروع کیا اور ان پر غلط اتہامات لگا کر لوگوں کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص ۳۴۷)

مخالفت کا پس منظر

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو علماء یہود خاص طور پر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور مختلف قسم کے سوالات کیے، وہ لوگ اس بات سے بخوبی آشنا تھے کہ جس نبی کی بشارتیں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہیں وہ مستقبل قریب میں سرزمین بطحا میں مبعوث ہونے والا ہے، وہ آئے دن مدینہ کے لوگوں سے یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ اگرچہ ہم لوگ یہاں اقلیت میں ہیں اور آئے روز تمہاری اکثریت ہمارے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرتی رہتی ہے لیکن عنقریب جب وہ نبی آخر الزمان، دعائے خلیل اور نوید مسیحا اس سرزمین

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) وغیرہ سے نکالے ہوئے یہودی جو اسلام کی شوکت سے متاثر ہو کر بظاہر اسلام لا چکے تھے اُسکے ساتھ مل گئے دوسری طرف اہلِ عجم جن کی سلطنت کی سیدنا عمر الفاروقؓ نے اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، اسلام کے خلاف دلی کدورت رکھتے تھے وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اس طرح سے اس سبائی گروہ نے اسلام میں فتنہ برپا کرنے کے لیے اندرونِ ملک سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا اُس کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے سادہ دل مسلمان بھی متاثر ہو کر عارضی طور پر اس سے مل گئے لیکن بعد میں اس گروہ کی حقیقت کھلنے پر اس سے الگ ہو گئے۔

مختصر یہ کہ عبداللہ بن سبا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی نقل تھا بلکہ سازشوں میں تو اُس کے بھی کان کترتا تھا۔

عبداللہ بن سبا یہودی کے بارہ میں تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمانؓ شخصیت اور کردار" جلد اوّل میں بیان کر دی ہے۔

میں مبعوث ہوں گے تو ہم ان کا اتباع کرکے تمہاری اکثریت پر غالب آجائیں گے اور اپنے وہ سب حقوق تم سے واپس لے لیں گے جو تم نے ناجائز ہم سے چھینے ہیں بلکہ جس طرح اب ہم تمہارے زیردست ہیں اسی طرح اُس وقت تم ہمارے زیردست ہو گے اور جس طرح ہم آج تمہارے دریوزہ گر ہیں اسی طرح اُس وقت تم ہمارے دریوزہ گر ہوگے' یہود کی آئے دن کی ان باتوں سے مدینہ کے لوگ بھی نبی آخرالزمان سے بخوبی واقف ہوچکے تھے۔ چنانچہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے ایک سال بعد خزرج قبیلہ کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے اور آپؐ کو دیکھ کر اور آپؐ کے قرآن کی تلاوت سے متاثر ہو کر وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بخدا یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر یہود ہم سے کیا کرتے ہیں، چنانچہ وہ چھ آدمی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے آپؐ کی علامات اور آپؐ کا تذکرہ علمائے یہود سے سنا تھا جن کی بنا پر ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے اب ہم مدینہ پہنچکر ان سے بھی آپؐ کا تذکرہ کریں گے اگر وہ آپؐ پر ایمان لے آئے تو پھر وہ اور ہم متحد ہوکر آپؐ کا ساتھ دیں گے۔

(فتح الباری جلد ۷، ص ۱۷۴، ۱۷۵، زرقانی جلد ۱ ص ۳۱۱، سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۰، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۴۸)

جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس پہنچے اور انہوں نے علمائے یہود سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ لوگ جو قبائلِ مدینہ سے پہلے ایمان لانے کے بارہ میں سبقت لے جانا چاہتے تھے اب بالکل انکار پر تُل گئے اور انصارِ مدینہ اور نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی مخالفت کرنی شروع کردی۔

دو سال بعد جب جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو علمائے یہود اجتماعی اور انفرادی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور جن کے نصیبہ تے ان کی یاوری کی وہ دولتِ ایمان سے مالامال ہو گئے اور محروم القسمت یک قلم تہی دامن رہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سُود از رہبر کامل
چُوں خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ مدینہ منورہ میں آپؐ کی تشریف آوری کی خبر سُنکر صرف آپؐ کو دیکھنے آئے لیکن فرماتے ہیں :۔

فلمّا رأیت وجھہ عرفت ان وجھہ لیس بوجہ کذاب۔

جب میں نے آپؐ کا روئے مبارک دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو، البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ جلد ۳ صـ۲۱۰، ۲۱۲،
عیون الاثر لابن سید الناس جلد صـ۲۰۷)

اسی طرح یہود کے سردار حی ابن اخطب کا بھائی ابو یاسر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنکر جب واپس گیا تو اپنی قوم سے کہنے لگا،

اطیعونی فانا ھذا النبی الذی کنا ننتظر۔

میرا کہا مانو کیونکہ یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے۔

لیکن حی ابن اخطب نے اس کی مخالفت کی اور قومِ یہود نے بھی حی ابن اخطب کا اتباع کیا اور ابو یاسر کے کہنے کو نہ مانا اور ایمان کی دولت سے تہی دست رہے۔

(فتح الباری جلد ۷ صـ۲۲۰)

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ :۔

ان اوّل من اتاہ منھم ابو یاسر بن اخطب۔

ابو یاسر بن اخطب سب سے پہلا آدمی تھا جو (علماء یہود میں سے) آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

یہودِ مدینہ کی مخالفت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے پر اگرچہ یہودی علماء آپؐ کی نبوت پر ایمان لے آئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی، اکثریت نے معاندانہ رویّہ

اختیار کیا اور آپ کے خلاف خفیہ طور پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی کا سدِ باب کرنے کے لیے ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ مرتب کیا جس کی تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۲۴ اور سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۷۹ وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ معاہدہ آپ نے یہود کے تین قبیلوں سے کیا جن کے نام یہ ہیں:

(۱) بنی قینقاع (۲) بنو نضیر اور (۳) بنی قریظہ

یہ قبائل یہود کے بڑے قبیلے تھے اور مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے ان قبیلوں نے آپ پر ایمان لانے سے گریز کیا لہٰذا آپ نے ان سے یہ معاہدہ کیا تاکہ وہ فتنہ و فساد کی آگ نہ بھڑکا سکیں، لیکن حالات کے شب و روز نے یہود کو اس معاہدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور ان تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے اس معاہدے کو توڑا چنانچہ سب سے پہلے بنی قینقاع نے اس معاہدے کی دھجیاں اڑائیں، شوال ۲ھ میں آپ نے ابو لبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت ایک مختصر سا لشکر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے، ابن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا آخر سولہ روز کے محاصرہ کے بعد وہ قلعہ سے باہر آ گئے، رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی عاجزانہ اپیل پر ان کو قتل تو نہ کیا گیا لیکن جلا وطن کر دیا گیا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳، زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۶، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۷ وغیرہم)۔

ربیع الاول ۴ھ میں بنو نضیر نے بھی آپ کے قتل کی سازش کر کے اس معاہدہ کو توڑا، ان لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبیلہ میں بلوا کر ایک دیوار کے نیچے بٹھائیں اور اوپر سے ایک آدمی ایک بڑا سا پتھر لڑھکا دے جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہو جائیں، چنانچہ اس خفیہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیت کے سلسلہ میں اپنے قبیلہ میں بلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا زبیر بن العوام اور سیدنا طلحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہم کی معیت میں

وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے سایہ تلے بیٹھ گئے، لیکن بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد آپؐ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہود کی اس سازش سے مطلع فرمادیا اور آپ وہاں سے اُٹھ کر واپس مدینہ تشریف لائے۔

بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ ابن اُم مکتومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر بنو نضیر کا محاصرہ کیا، بنو نضیر اپنے قلعوں میں گھس گئے، پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد آپ نے اُن کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا جس سے یہ لوگ اپنے قلعوں سے نکل کر امن کے خواستگار ہوئے، آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں دس روز کی مہلت دی جاتی ہے ان دس روز میں تم مدینہ کو یکسر خالی کردو اور اپنے اہل و عیال اور سامانِ حرب کے ماسوا دوسرے سامان کو جہاں لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔

بنی نضیر نے یہ شرط مان لی اور دس روز کے اندر اندر ان کے بعض لوگ شام چلے گئے اور بعض نے خیبر میں سکونت اختیار کر لی۔ خیبر میں سکونت اختیار کرنے والوں میں ان کے سردار حی ابنِ اخطب، سلام ابن ابی الحقیق اور کنانہ بن الربیع بھی تھے۔

(تفصیل کے لیے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۷۴ – ۸۰، فتح الباری جلد ۷ ص۲۵۴ ملاحظہ فرمائیں)۔

اس معاہدہ میں تیسرا قبیلہ بنی قریظہ شامل تھا، اس قبیلہ نے بھی ۵ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر قریشِ مکہ سے ساز باز کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا، چنانچہ غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آپؐ جبریلِ امین کے کہنے پر بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۱۱۶، فتح الباری جلد ۷ ص۳۱۲) آپؐ کو دیکھتے ہی بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے، آپؐ نے ۲۵ روز تک ان کا محاصرہ رکھا، آخر مجبور ہو کر بنو قریظہ نے سعد بن معاذؓ کا حکم مان لیا اور کہا جو فیصلہ وہ فرمائیں وہ ہمیں منظور ہے۔

(زرقانی جلد ۲ ص۱۳۳)

سیدنا سعد بن معاذؓ جنگِ خندق میں زخمی ہو گئے تھے اس لیے وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر فیصلہ کے لیے تشریف لائے، آپؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے اسیر کر کے لونڈی اور غلام بنا لیے جائیں اور ان کا

سب مال واسباب اہل اسلام میں تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔
(عیون الاثر لابن سید الناس جلد ۲ ص ۱۴۸، زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۷)

یہود کی خیبر سے جلاوطنی

غرض کہ مدینہ کے یہودی اپنی فتنہ پردازیوں اور آئے دن کی سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے، مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد یہ لوگ خیبر وغیرہ میں آباد ہو گئے، لیکن بقول شیخ سعدیؒ ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

فتنہ و فساد اُن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس وجہ سے انہوں نے وہاں بھی اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا اور اسلامی حکومت کے خلاف غلط پروپیگنڈہ شروع کر دیا، نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کی ان کارروائیوں کا علم ہوا تو آپ نے محرم ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر پر حملہ کیا اور چند ہی روز میں ناعم، نسطاط قموص، حصن قلہ وغیرہ یہودی قلعوں کو فتح کر لیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۳۶۷/۳۷۳، زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۷، الکامل لابن الاثیر جلد ۲ ص ۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۹۸، عون المعبود جلد ۳ ص ۱۲۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۴، ۱۳۵، ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۵، ۱۸۷)۔

اس غزوہ میں کچھ یہودی قتل ہوئے اور کچھ وطن چھوڑ کر ایران، شام اور دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے، وہ بھی یہودی ہی تھے جنہوں نے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا جس کا مفصل ذکر فتح الباری جلد ۷ ص ۴۰ اور دیگر حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے۔

یہودیوں کی اسی اسلام دشمنی اور باطل دوستی کا نتیجہ تھا کہ قرآن حکیم نے ان پر

ذلت اور مسکنت کے عذاب کا اعلان کیا، اور ان کی برائیوں کو عبداللہ بن رواحہؓ نے نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

یَا مَعْشَرَ الْیَهُوْدِ اَنْتُمْ اَبْغَضُ الْخَلْقِ اِلَیَّ قَتَلْتُمْ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ وَکَذَبْتُمْ عَلَی اللّٰهِ الخ۔ (معانی الآثار جلد ا ص۳۱۷ مطبع مصطفائی)

اے یہودیو! تمام مخلوق میں تم مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو، تمہیں نے اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا اور تم ہی نے اللہ رب العزت پر جھوٹ باندھا۔

یہود کی انہی اسلام دشمنیوں اور اہلِ اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا نتیجہ تھا کہ سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت امت کو جہاں اور وصیتیں کیں وہاں ایک وصیت یہ بھی فرمائی:-

"اَخْرِجُوا الْیَهُوْدَ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ۔

(بخاری جلد ا ص۴۲۶ مسند احمد جلد ۹ حدیث ۶۳۶۷)

یہودیوں کو عرب کے جزیرہ سے باہر نکال دینا"

یہ وصیت ہر اُس آدمی کے لیے تھی جو آپؐ کے بعد بارِ خلافت کی ذمہ داری کو اٹھائے۔ چنانچہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ اندرونی اور بیرونی فتنوں کی سرکوبی اور ملکی نظم ونسق کی طرف منعطف رہی، لہٰذا انہیں اپنی خلافت کے قلیل عرصہ میں اس وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت ہی نہ ملی، آپ کے قریباً اڑھائی سالہ دورِ خلافت کے بعد سیدنا عمر الفاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضورِ انورؐ کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تمام یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے باہر دھکیل دیا۔ (مسندِ احمد حدیث ۶۳۶۸)

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کے اسباب

(۱) جزیرۂ عرب سے نکالے ہوئے یہ یہودی خلافتِ اسلامیہ اور اس کے باہر مختلف

علاقوں میں پھیل گئے لیکن اسلام اور خلیفۂ اسلام کے خلاف اپنی جلاوطنی کا یہ انتقامی جذبہ اُن کے دلوں میں سُلگنے لگا جس کی تسکین کے لیے انہوں نے خلیفۂ ثانی سیدنا عمر الفارُوق رضؓ کے خلاف خفیہ سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ گویا خلافت اسلامیہ کے خلاف سب سے پہلا مخالف عنصر یہ یہودی ہی تھے جن کو سیدنا عمر الفاروق رضؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جزیرۂ عرب سے جلاوطن کیا تھا انہی میں ایک یہ عبداللہ بن سبأ بھی تھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لیے اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا۔

(۲) خلافتِ اسلامیہ کی مخالفت کا سبب دوم عربوں کا عجم پر تفوق تھا جن میں ایران سب سے پیش پیش تھا۔ ۱۴ھ میں جب سیدنا عمر فاروق رضؓ نے سلطنتِ ایران کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو سلطنتِ ایران کے اعیان واکابر نے خاندانِ کیانی کے وارث یزدگرد جس کی عمر اُس وقت بقول ابوحنیفہ الدینوریؒ اور ابن جریر الطبری کے ۱۲ سال تھی، کی قیادت میں باہم متفق و متحد ہو کر خلافتِ اسلامیہ کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا لیکن قادسیہ کی فیصلہ کُن جنگ نے خاندانِ کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا اور درفشِ کاویانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی عَلَم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا [۱]

---

[۱] یہ حملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تھا۔ جنگِ خندق میں جبکہ صحابہ کرامؓ خندق کھود رہے تھے اچانک ایک بڑی سی چٹان آ گئی اصحابؓ نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہ ٹوٹی، آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا آپؐ نے جب پہلی بار بسم اللہ پڑھ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی، آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر، مجھ کو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، بخدا میں اس وقت شام کے سُرخ محلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپؐ نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا، آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر، فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں۔ وَاللہِ اِنّی لَانظُرُ قصرَ المدائن اَبیَض۔ اور بخدا میں مدائن کے قصرِ ابیض کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایران فتح تو ہو گیا اور اس میں بجائے درفش کادیانی کے ہلالی پرچم لہرانے لگا اور لوگ دینِ زرتشت کو خیرباد کہہ کر دینِ اسلام کو قبول کرنے لگے لیکن اُن کی ذہنی زمین میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ ان کے ذہن بجائے اسلامی عقائد و احکام کے برگ و بار نکالنے کے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کی پیداوار کرنے لگے لیکن چند لوگ اس سے مُستثنےٰ تھے جن کی فطری صلاحیت، جبلّی انصاف پسندی اور قبولِ حق کے داعیہ نے ان میں ذہنی پختگی اور قلبی سکون پیدا کر دیا تھا۔ عوام اور خواص کی اکثریت طبعی تدین اور اعتدال مزاج کی بیش بہا دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملّت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتی تھی اور وہ بجائے دینی قدروں کے سیاسی قدروں کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔

وہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن ان کی ذہنی حالت ابھی غیر مستقل تھی، وہ اگرچہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھتے تھے لیکن اس کی تشریح میں ابھی وہ مختلف قسم کی تاویلات کا شکار تھے، وہ اگرچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی طور پر نبی تسلیم کر چکے تھے لیکن وہ جغرافیائی قدروں پر ایمان رکھتے ہوئے کبھی بھی ایرانیوں پر عربوں کا یہ سیاسی تفوق برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

دیگر نومفتوحہ علاقوں میں عمومی طور پر اور ایران میں خصوصی طور پر یہ ذہنیت جاری تھی، وہ یہودی جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے اور جن کو سیدنا عمر الفاروق رضؓ نے سرزمینِ عرب سے نکالا تھا پہلے ہی سے ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے، چنانچہ

(بقیہ حاشیہ از گذشتہ صفحہ) تیسری دفعہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر پھر کدال ماری تو باقی چٹان بھی ٹوٹ کر گر گئی اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر یمن کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں بخدا صنعاء کے دروازوں کو میں یہاں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸، حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۲۸)

یہ تمام علاقے خلافتِ صدیقی، خلافتِ فاروقی اور خلافتِ عثمانی میں فتح ہوئے اور حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف پیشگوئیوں میں جو کچھ ان علاقوں کے متعلق فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ہوا۔

انھوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوریوں سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور ان کے سامنے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کو غاصب، جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرنے والا کہنے لگے۔ ایرانی پہلے ہی سے سیدنا عمرؓ سے نالاں تھے کیونکہ انھوں نے ایران کی سلطنت کو تہس نہس کر دیا تھا اور ان کا سارا مال و متاع حتیٰ کہ ان کے دربار کے قالین اور فانوس بھی دربارِ خلافت میں مالِ غنیمت کے طور پر لائے گئے تھے اور ان کی لڑکیاں لونڈیاں بنا کر مدینہ طیبہ لائی گئیں، اور یہ سب چیزیں اُن کے اندر نفرت و انتقام کے جذبات کو سُلگا رہی تھیں لہٰذا وہ اُسی وقت اُنکے ہمنوا بن گئے اور جبر و غصب کے مظلوم شاہانِ عجم کو قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تاکہ اس سے ایک تو خود عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے اور دوسرے اس ذریعہ سے بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں، چنانچہ انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ ایران اور اہلِ ایران کی تاریخ کے مطالعہ میں گذارا ہے لکھتا ہے کہ:۔

"راشدین میں سے دُوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہلِ عجم متنفّر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارت گر عجم تھے، اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔"

(تاریخ ادبیاتِ ایران از ڈاکٹر براؤن اردو ترجمہ جلد ۱ صفحہ ۲۱)

پھر ڈاکٹر براؤن ایک اور مقام پر اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔" (تاریخ ادبیاتِ ایران جلد ۴ صفحہ ۴۸، ۴۹)

اس سلسلہ میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رضائے کُرد کے یہ دو شعر نقل کیے ہیں۔ ؎

بشکست عمرؓ پشت ہژبرانِ عجم را | بر باد فنا داد رگ و ریشہ جم را

بزغصبِ خلافت ز علیؓ نیست لیٰ عربدہ با آلِ عمرؓ کینۂ قدیم است عجم را

یعنی حضرت عمرؓ نے جنگل کے شیروں یعنی اہلِ ایران کی پشت توڑ کر رکھدی اور جمشید خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھدیا، یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے نہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت غصب کرلی بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اہلِ ایران کی آلِ عمرؓ سے پرانی دشمنی چلی آرہی ہے۔"

(تاریخ ادبیاتِ ایران از براؤن جلد ۴ ص۴۹ مطبع انجمن ترقی اُردو دہلی)

مختصر یہ کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے اہلِ ایران نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے خلاف عبداللہ بن سبا اور دیگر مسلم نما یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشوں کے زمین دوز بم بچھانے شروع کر دیے جو کہ صولتِ فاروقی کی وجہ سے خلافتِ فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے لیکن خلافتِ عثمانی کے آخری سالوں میں انہوں نے ایک دفعہ تو پوری ملتِ اسلامیہ اور مملکتِ اسلامیہ کو ہلا دیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بنی ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اہلِ ایران نے ایک حربہ یہ بھی استعمال کیا کہ ساسانی طرزِ حکومت کی طرح اسلام میں "بادشاہوں کے الٰہی حق" کے پروپیگنڈے کا پرچار شروع کر دیا۔[1] یہ عقیدہ ایران میں نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:۔

"ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور شدومد کے ساتھ ایران میں پالا گیا غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔" (تاریخ ادبیاتِ ایران جلد ۱ ص۲۱۵)

---

[1] تاریخ انگلستان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان بھی کافی زمانے تک اس "بادشاہوں کے الٰہی حق" کے عقیدہ پر کاربند رہا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس عقیدے کے بانی اہلِ ایران تھے یا کسی اور ملک کے باشندے۔

اس عقیدے کے پرچار اور خاندانِ رسالت کے ساتھ اس کی خصوصیت کی ایک وجہ اور بھی ہوئی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد جو کہ خاندانِ کیانی کی آخری یادگار تھا اپنی تمام حشمت و جاہ کے باوجود اہلِ اسلام سے شکست کھا گیا تو اس کا سب مال و منال دربارِ فاروقی میں مالِ غنیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بن کر سیدنا عمرؓ کے حضور میں آئیں اور مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں، چنانچہ سیدنا حسینؓ کی بیوی شہر بانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی[1] لہٰذا اہل ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولادِ علیؓ کو تخت و تاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیونکہ ان کا رشتہ پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا تھا اور آلِ ساسان سے بھی، چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:۔

"حضرت حسینؓ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہر بانو سے عقد کیا تھا اسلئے شیعوں کے دونوں فریق یعنی اثنا عشریہ اور اسمٰعیلیہ کے نزدیک (انکے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں، پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آلِ ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا۔" (تاریخ ادبیات ایران جلد ا ص ۲۱۸)

---

[1] بعض حضرات نے شہر بانو کا یزدگرد کی بیٹی ہونا اور سیدنا حسینؓ کی بیوی ہونے کا انکار کیا ہے وہ اپنی تائید میں تاریخ کے چند حوالہ جات بھی پیش کرتے ہیں لیکن حوالوں کے بارہ میں ان سے غلط فہمی ہو گئی ہے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ سیدنا زین العابدینؒ کی والدہ کا نام شہر بانو تھا اور وہ یزدگرد کی صاحبزادی تھیں۔ ہم اس مسئلہ کو یہاں تفصیل سے بیان کرنا نہیں چاہتے، ویسے اگر کسی کو تفصیل درکار ہو تو "الکافی مع شرح الصافی جلد ۲ حصہ ۴ ص ۲۰۲، فیوضِ قاسمیہ از حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ص ۱۷، تاریخ ادبیات ایران جلد ا ص ۲۱۸، جلد ۴ ص ۲۹، وسطِ ایشیا کا مذہب و فلسفہ از گوبی نیو ص ۲۷۵، تجلیات روحِ ایران در ادوارِ تاریخی از حسین کاظم زادہ ص، منتخب التاریخ از محمد ہاشم بن محمد علی ص ۲۹۹ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اور مقام پر بھی انگریز نقاد لکھتا ہے :۔

"تیسرے امام حسینؓ کے زمانے میں جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا، کیونکہ متقدمین اور مستند مؤرخین مثلاً الیعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسینؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان میں سے ایک صاحبزادے الموسوم بہ علی الملقب بہ زین العابدین تھے جو چوتھے امام تھے جو کہ ایک طرف اولادِ فاطمہؓ سے تھے تو دوسری جانب ایرانی شاہی خاندان سے بھی تعلق رکھتے تھے۔" (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۹)

ایک ایرانی مؤرخ حسین کاظم زادہ اپنی تصنیف "تجلیات روحِ ایران در ادوارِ تاریخی" میں شہر بانو دختر یزدگرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔

" آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن خطابؓ کے سامنے پیش ہوئیں انھوں نے اسے بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا، حضرت علیؓ اس بات میں مانع ہوئے اور کہا کہ بادشاہزادگان اور شریفوں کو ننگے سر بازار لے جانا خلافِ ادب ہے، بالآخر وہ تقسیم ہوئیں اور حضرت حسین بن علیؓ کے حصہ میں آئیں۔"

چند سطور کے بعد یہ مصنف پھر لکھتا ہے کہ :۔

"اسی سبب سے حضرت علیؓ کا خاندان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا اور رسولِ خدا سے رشتہ کی بناء پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا، صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت و تاج کا مالک ہو سکتا ہے، نیز اسی وجہ سے امام حسینؓ کے فرزند زین العابدین کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے عرب و عجم کا فخر کہتے ہیں کیونکہ باپ کی جانب سے اُن کا نسب پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتا

ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے روئے زمین
کے نجیب ترین بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے"۔
(تجلیات روحِ ایران در ادوارِ تاریخی ص ـــ)

اولادِ علیؓ اور خصوصی طور پر سید نا حسینؓ کی اولاد کا سلسلہ ایک طرف سے آلِ ساسان سے قائم کر کے اور دوسری طرف سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کر کے "بادشاہت کا الٰہی حق" جو ساسانیوں کو ان لوگوں نے دیا تھا وہی اولادِ علیؓ کو بھی دینا چاہا اور سرزمینِ عرب میں اس ساسانی نظریہ کو ایک اسلامی عقیدے کے رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

عرب کے لوگ فطرۃً شورائی نظام کے قائل تھے اور اب اسلام نے بھی ان کو وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ـــ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کی تعلیم دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دُنیا سے انتقال فرمانے کے بعد اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی شورائی نظام کے تحت ہوا تھا، لہٰذا ایرانیوں کے اس نظریہ کی تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے امتزاج کے دو زبردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کے برگ و بار سے ابھی تک شیعہ سُنی منافرت پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کیلئے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا"۔ (تاریخ ادبیاتِ ایران جلد ۱ ص ۲۱۷)

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:۔

شیعہ اور سُنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی "جمہوریت اور بادشاہوں کے حقِ الٰہی" کا جھگڑا ہے عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں، لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں، جو طبائع اس بات

تاٹ کو گوارا نہیں کر سکتیں کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو، وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسمٰعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے۔" (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۹، ۳۰)

نتیجۃً یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن و سنت کی رو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار شروع ہو گیا کہ :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے برادر عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے شوہر حضرت علیؓ کو ان کا جانشین ہونا چاہیے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں نامزد فرمایا تھا نیز یہ کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور حق الٰہی کے منتقل ہونی چاہیے تھی۔" (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات

عرب کے جلاوطن شدہ یہودی اور ایران کے مجوسیوں کے گٹھ جوڑ سے خلافتِ اسلامیہ کے خلاف جو خفیہ تحریکیں اٹھائی گئیں سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ان کو زیادہ برگ و بار پھیلانے کا موقع نہ مل سکا، اس کی کئی وجوہات تھیں لیکن سب سے بڑی وجہ خود سیدنا عمرؓ کی صولت اور رعب و داب تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی شخصیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے مدبرین اور جابرہ آپ سے تھراتے تھے، دین اور امورِ انتظامیہ میں ذرہ برابر مداخلت کو برداشت کرنا آپ کے لیے مشکل تھا، چنانچہ ایک موقعہ پر خود ہی فرماتے ہیں :-

وَاللّٰہِ لَانَ قَلْبِیْ فِی اللّٰہِ حَتّٰی لَھُوَ اَلْیَنُ مِنَ الزُّبْدِ وَلَقَدِ اشْتَدَّ

قَلْبِیْ فِی اللّٰہِ لَھُوَ اَشَدُّ مِنَ الْحَجَرِ
بخدا میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہے اور خدا ہی کے لیے سخت بن گیا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے"!

اس کی ایک مثال تو وہ ہے جسے ابن سعد رحمۃ اللہ نے "طبقات" میں نقل فرمایا ہے کہ: "غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ نے بنو ہاشم کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا تھا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ حضرت عباس اگر کہیں نظر آئیں تو انہیں قتل نہ کرنا، حضرت ابو حذیفہؓ جو کہ قریشی لشکر کے سردار عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے چونکہ جوش میں آئے ہوئے تھے اس لیے جوش کی حالت میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا، سیدنا عمرؓ ابو حذیفہؓ کے منہ سے یہ گستاخی آمیز کلمات سُنکر آپے سے باہر ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ مَیں اس کا سر اڑا دوں"! (طبقات ابن سعد ق اول جزء ۴ ص۶ تذکرہ سیدنا عباسؓ)

اس کے ساتھ ساتھ آپ بالطبع غیور بھی تھے جس کا اقرار خود لسانِ نبوت نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے جسے صحاح کی تقریباً سب کتابوں نے باختلافِ الفاظ نقل کیا ہے کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اور آیاتِ الٰہی آپ کو دکھائیں وہاں جنت کا مشاہدہ بھی کروایا، آپؐ نے فرمایا عمرؓ! وہاں مَیں نے ایک عالیشان طلائی محل دیکھا جو تمہارے لیے مخصوص تھا مَیں نے اس میں جانا چاہا لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی اور میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے لسانِ نبوت سے جب یہ سُنا تو رونے لگے اور عرض کیا:۔

"اَعَلَیْكَ اَغَارُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (بخاری ج۱ ص۵۲۰)
اے اللہ کے رسولؐ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا"!

آپ کی اس صولت، غیرت، حمیت اور فتنہ و فساد کے مقابلہ میں تشدد کی پالیسی نے اس فتنہ کے آتشیں لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا لیکن پھر بھی آپ کی زندگی کے آخری

ایام میں اس طوفان کی کچھ تیز ہواؤں نے امت کو اپنا احساس دلادیا اور انہی خفیہ سازشوں کا نتیجہ تھا کہ ابو لؤلؤ مجوسی نے جس کا اصلی نام فیروز تھا، صبح کی نماز میں اچانک آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۱) فاروق اعظمؓ کے قتل میں وہ اکیلا ہی شریک نہ تھا بلکہ ایک نومسلم ایرانی ہرمزان اور دوسرے کئی ایک ایرانیوں کی حمایت اس کی پشت پر تھی۔ جس کی تفصیل ہم نے سیدنا عثمانؓ کی سیرت میں ذکر کی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں فتنہ کے برگ و بار

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمانؓ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے، آپ فطری طور پر نرم دل اور سلیم الطبع تھے، مروت و نرم خوئی آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ آپ کے مزاج کے خلاف تھا، اس لیے آپ کے دورِ خلافت میں شریروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنی تحریک کو تیزی کے ساتھ چلانا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن سبا قائدِ تحریک بڑا فتان اور سازشی ذہن کا مالک تھا، لہٰذا اُس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور اپنی اس تحریک کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے اس نے عجیب و غریب عقائد اختراع کیے اور خفیہ طور پر ہر صوبے میں ان کو پھیلایا۔

عہدِ عثمانی میں قریباً ۷۔۸ سال تک حالات معمول پر رہے لیکن آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں عبداللہ بن سبا اور اس کے داعی اور سفیروں نے ہر جگہ دورے کر کے خلیفہ اسلام اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن و عافیت کی فضا کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں سے مسموم بنا دیا، اہلبیتِ نبوت کی ہمدردی اں

حاصل کرنے کے لیے محبتِ اہلِ بیت کا نعرہ لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے حسب ذیل طریقے اختیار کیے گئے۔

(۱) عمال اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے اتہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔

(۲) امیر المؤمنین پر ناانصافی اور کنبہ پروری کے الزامات کی تشہیر کرنا۔

(۳) بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا اور اپنے دامِ تزویر میں پھانسنا۔

ان طریقوں سے انہوں نے عوام میں خلافت کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی اور تمام اسلامی مرکزوں میں اس سازش کا جال پھیلا دیا، نیز ہر جگہ سبائی دعاۃ اور ان کی خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا گیا کہ چند ہی روز میں ملک کی امن و عافیت کی ساکن فضا میں فتنہ و فساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۹۴، البدایہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۸)

مصر اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ یہ عبداللہ بن سبا نومسلم یہودی کا مسکن تھا لیکن کوفہ میں بھی اس کے اثرات کچھ کم نہ تھے۔ وہاں اشتر نخعی، ابن الحنکہ، جندب صعصہ بن الکوا، کمیل، عمیر بن ضابی اس تحریک کے سرپرست تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۶۹)

ان لوگوں کا خیال تھا کہ ریاست و امارت قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ جواز نہیں، ان ممالک کو چونکہ عام مسلمانوں نے فتح کیا ہے لہٰذا وہ سب اس کے مستحق ہیں خواہ وہ کسی قبیلہ یا کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ گورنر کوفہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کو خاص رنج تھا کیونکہ وہ ان پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، لہٰذا انہوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے ہر روز ایک نئی تدبیر سوچنا شروع کر دی، ایک روز انہوں نے ایک نوجوان کو مار پیٹا، ان مفسدہ پردازوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور اشرافِ کوفہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ خدارا ان فتنہ جو اشخاص سے جلد از جلد کوفہ کی سرزمین کو نجات دلائی جائے، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے قیام امن کی خاطر قریباً دس آدمیوں کو

جوکہ اس تحریک کے روحِ رواں تھے کوفہ سے جلا وطن کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ فتنہ پرداز لوگ ہیں ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں تو انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے[1]۔ (الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷)

سیدنا معاویہؓ کے پاس جب یہ لوگ پہنچے تو آپ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی اور نرمی سے پوری کوشش کی کہ یہ لوگ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز آجائیں اور حکومتِ وقت کے ساتھ تعاون کریں، لیکن وہ لوگ نرمی سے کب ماننے والے تھے انہوں نے اپنی طینت کی دنائت کا مظاہرہ کیا اور ان کی نرمی و ملائمت کا جواب سختی سے دیا، ان کا یہ رویہ دیکھ کر آپ نے بھی سختی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یاد رکھو یہ کوفہ نہیں ہے، بخدا اگر شام کے لوگوں نے تمہاری اس قسم کی حرکتیں دیکھ لیں تو میں ان کا امام ہونے کے باوجود انہیں تمہارے قتل سے باز نہ رکھ سکوں گا، واللہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہاری کوئی باہمی سازش ہے"۔ (طبری جلد ۵ ص ۸۹)

سیدنا معاویہؓ نے جب ان کے مرض کو لاعلاج دیکھا تو امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ کو لکھ دیا:

"یہ لوگ جن کو آپ نے میرے پاس بھیجا ہے عقل و دانش سے بالکلیہ محروم ہیں اور دین سے ان کا کوئی سروکار نہیں، اللہ کی رضا ان کا مقصودِ زندگی نہیں اور دلیل و حجت سے بات کرنے کا ان میں سلیقہ نہیں، صرف فتنہ برپا کرنا اور ذمیوں کے مال کو ہڑپ کرنا ان کا مقصد ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہی مصیبت میں مبتلا کرے گا اور فتنہ و فساد کی جو آگ یہ امت کے لیے

---

[1] ایک روایت میں نو آدمی آتے ہیں۔ بہرحال انکے نام یہ ہیں: (۱) مالک الاشتر النخعی، (۲) ثابت بن قیس الہمدانی، (۳) کمیل ابن زیاد، (۴) زید بن صوحان، (۵) صعصعہ بن صوحان، (۶) جندب بن زہیر الغامدی، (۷) جندب بن کعب الازدی، (۸) عروہ بن الجعد، (۹) عمرو بن الحمق الخزاعی، (۱۰) ابن الکواء۔ البدایہ میں ابن کثیرؒ نے کچھ ناموں کا اختلاف بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۵، الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۲

جلا رہے ہیں اُمید ہے کہ یہ اس میں خود ہی جل جائیں اور انجام کار ان کو ذلت و رسوائی کا مُنہ دیکھنا پڑے گا۔" (الکامل ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷)

آپ نے یہ بھی لکھا :۔

"امیر المؤمنین! ان کی اصلاح میرے بس کا روگ نہیں اور میں شام میں ان کا رہنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ خطرہ ہے کہ ان کے زہر سے یہاں کی فضا بھی مسموم نہ ہو جائے لہٰذا آپ خود ہی ان کا کوئی بندوبست فرما دیں"۔

امیر المؤمنین رضؓ نے جواب میں حضرت معاویہ رضؓ کو لکھا کہ" ان لوگوں کو واپس کوفہ ہی میں بھیج دیا جائے"۔ چنانچہ اُن کو پھر کوفہ میں بھیج دیا گیا لیکن کوفہ کے گورنر سعید بن العاص رضؓ پھر دربارِ خلافت میں ملتجی ہوئے کہ "خدارا ان کو کہیں اور بھیج دیا جائے اور کوفہ کی سرزمین کو ان کے ناپاک وجود سے محفوظ رکھا جائے"۔ اس پر امیر المؤمنین نے سعید بن العاص رضؓ کو لکھا کہ ان کو حمص بھیج دیا جائے جہاں سیدنا خالد بن ولید رضؓ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن سیدنا امیر معاویہ رضؓ کی طرف سے منتظم تھے۔ آپ نے ان لوگوں کی اصلاح کرنے میں سختی سے کام لیا اور ایک سال کے بعد آپ صرف اتنی بات میں کامیاب ہوئے کہ وہ دربارِ خلافت میں تلافی مافات کریں۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن ابن خالد نے مالک الاشتر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ حاضر ہو کر دربارِ خلافت میں ان سب کی طرف سے بالمشافہ ایک عذرنامہ پیش کرے، چنانچہ مالک الاشتر عذرخواہی کے لیے سیدنا عثمان رضؓ کے حضور مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔ (طبری جلد ص ۸۸، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۶)

بصرہ میں فتنہ کی ابتداء

بصرہ میں سیدنا عمر الفاروق رضؓ کے زمانہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضؓ گورنر تھے لیکن سیدنا عمر رضؓ کے آخری ایام میں وہاں ایک جماعت ان کی مخالف ہو گئی تھی اور آئے دن ان کی شکائتیں دربارِ خلافت میں پہنچا تی رہتی تھی لیکن صولتِ فاروقی ان کو اپنے مقصد

میں کامیاب نہیں ہونے دیتی تھی۔ خلافتِ عثمانی میں ان لوگوں نے امیر المؤمنین سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، مطالبہ کی شدت کے باعث امیر المؤمنین نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو: الکامل جلد ۳ صفحہ ۴۹)

عبداللہ ابن عامرؓ کو گورنر مقرر ہوئے ابھی تین ہی سال گذرے تھے کہ ایک روز انہیں پتہ چلا کہ حکیم بن جبلہ العبدی کے ہاں ایک خطرناک آدمی آیا ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن سبا، نومسلم یہودی ہے اور اس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ ایسی باتیں کی ہیں جن میں سیدنا عثمانؓ اور خلافتِ اسلامیہ کے خلاف طعن و تشنیع اور بغاوت کے کئی پہلو نکلتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عامرؓ نے اس شخص کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ عبداللہ ابن سباء نے جواب دیا کہ میں اہلِ کتاب ہوں، اسلام کے ساتھ مجھے محبت ہے اور میں یہاں آپ کی ولایت میں رہنا پسند کرتا ہوں لیکن گورنر بصرہ نے جواب میں فرمایا کہ تمہاری کارکردگی کی جو رپورٹیں مجھے پہنچی ہیں اُن کی رُو سے میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا، چنانچہ وہ یہاں سے بھاگ کر کوفہ چلا گیا، کوفہ میں بھی سعید بن العاص اس کی خباثت پر مطلع ہو گئے اور انہوں نے اس کو وہاں سے بھی نکال دیا، پھر آخر میں اُس نے اپنا مستقر مصر کو بنایا۔ (الکامل لابن الاثیر صفحہ ۷۱)

مصر کو مستقر بنانے کے بعد ایک طرف تو اس نے نبوت کے بارہ میں اسلامی عقیدہ میں تاویلات کے انجکشن لگانے شروع کر دیئے، اور خلافت کے بارہ میں یہ کہنا شروع کیا کہ

۱؎ یہ شخص ایک ڈاکو تھا اور اس کا کام فتنہ و فساد برپا کرنا اور اہل ذمہ کے مال و اسباب کو لوٹنا تھا۔ ذمیوں اور مسلمانوں نے دربارِ خلافت میں اس کی شکایت کی جس کے نتیجہ میں سیدنا عثمانؓ نے عبداللہ ابن عامرؓ کو لکھا کہ اس شخص کو اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہو جائے بصرہ سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ عبداللہ ابن عامرؓ نے امیر المؤمنین کے اس حکم کی تعمیل کی، اس وجہ سے یہ عبداللہ ابن عامرؓ کو دل سے اچھا نہیں جانتا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۴۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو اپنا وصی بنایا تھا اور جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح علی ابن ابی طالب خاتم الاوصیاء ہیں لہٰذا سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ سے خلافت کے بارہ میں زیادہ مستحق ہیں، اس طریقے سے اُس نے مصر کے کافی لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا مصر کی سرزمین کو اپنے مشن کے لیے ہموار دیکھ کر مصر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور وہاں سے بصرہ، کوفہ اور دوسرے علاقوں کی جماعتوں کو مختلف قسم کی ہدایات دی جانے لگیں اور خفیہ خط و کتابت اور دعاۃ کی مدد سے سیدنا عثمانؓ اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو تیزی کے ساتھ بھڑکانا شروع کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۷۱)

عبداللہ ابن سبا کی حکمتِ عملی اور مُختلف لوگوں کی مُخالفت کی وجُوہات

عبداللہ ابن سبا اور اس کے داعیوں کی کوششوں سے مفسدین کی جماعت ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی لیکن ہر علاقہ کے مفسدین کا نقطہ نظر الگ الگ تھا اور آئندہ خلیفہ کے بارہ میں ہر ایک کی نظر بھی الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہلِ کوفہ سیدنا زبیرؓ پر نگاہ جمائے ہوئے تھے، اہل بصرہ سیدنا طلحہؓ کو پسند کرتے تھے، اہلِ مصر سیدنا علیؓ کے ساتھ اپنے دامنِ عقیدت کو باندھے ہوئے تھے، عراق کے لوگوں کی ایک جماعت قریش کے تمام افراد سے بغض و عداوت رکھتی تھی، اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کی دشمن تھی لیکن عبداللہ ابن سبا نے اپنی حکمتِ عملی سے کام لے کر سب کو مخالفتِ عثمانؓ پر متحد و متفق کر دیا جس کی وجہ سے سب ایک ہی نعرہ لگانے لگے کہ ہم عثمانؓ کی معزولی چاہتے ہیں

پھر ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد میں بھی ہم آہنگی نہ تھی۔

(۱) بنو ہاشم خلافت کے مناصب اور سرکاری عہدوں کا اپنے کو سب سے زیادہ مستحق

سمجھتے تھے لہٰذا وہ بنو اُمیہ کو عروج و ترقی کی بجائے تنزل و ادبار کی گہرائیوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

(۲) یہودی یہ چاہتے تھے کہ اہلِ اسلام میں ایسا تشتت و افتراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے اور ہمیں جزیرۂ عرب میں سکونت اختیار کرنے کا موقع مل جائے۔

(۳) مجوسی یہ چاہتے تھے کہ خلافتِ اسلامیہ کلی طور پر تاخت و تاراج ہو جائے جس طرح مملکتِ کسریٰ تباہ ہوئی ہے یا کم از کم اس میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے جس میں حکومت ایسے خاندان کے ہاتھوں میں آ جائے جس سے وہ بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور وہ عربوں پر اپنا سیاسی تفوق قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

(۴) عام قبائلِ عرب اعلیٰ مناصب، سرکاری عہدوں اور دوسری باتوں کے استحقاق میں اپنے کو قریش سے کم نہیں سمجھتے تھے لہٰذا وہ قریشی افسروں کی تمکنت اور تفوق کو توڑ کر اپنا تفوق قائم کرنا چاہتے تھے۔

اِن وجوہات کی بناء پر مختلف علاقوں کی مختلف جماعتوں نے عبداللہ ابنِ سباء کا ساتھ دیا اور ہر جماعت اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے سیدنا عثمانؓ کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگی۔

اِبتدائی کاروائیاں

مُفسدین کو خطرہ تھا کہ اگر ہم نے پہلے ہی امیر المومنین کی معزولی کا مطالبہ شروع کر دیا تو لوگ اپنی کثرت سے ہمارا ساتھ نہیں دیں گے جس سے ہماری یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے انھوں نے منصوبہ بنایا کہ پہلے امیر المومنین کے گورنروں پر جھوٹے الزامات لگا کر ان کو معزول کروایا جائے، اگر وہ معزول ہو گئے تو نئے متعین شدہ گورنروں سے امیر المومنین کو معزول کروایا جائے، اور اگر امیر المومنین گورنروں کو معزول

نہ کیا تو ان پر نا اہلی کا الزام لگا کر معزولی کی مہم کو تیز تر کر دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے سب سے پہلے ولید بن عقبہؓ گورنر کوفہ پر شراب خوری کا الزام قائم کیا اور دربارِ خلافت سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ولید بن عقبہؓ پر شراب خوری کا یہ الزام ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا حالانکہ ولید بن عقبہؓ تقویٰ و طہارت اور قلبی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھے، رعیت کے ساتھ بہت شفیق تھے اور اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے اس قدر وقف کر دیا کہ گھر کا دروازہ تک نہیں لگوایا تھا تاکہ اہلِ حاجت کو آنے میں تکلیف نہ ہو۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۵۲) اسی کوفہ کے لوگوں نے اُن کے خلاف دربارِ خلافت میں یہ الزام تراش دیا کہ انہوں نے شراب پی ہے، امیر المومنین نے ان کو مدینہ منورہ طلب فرما لیا، دو آدمیوں نے شہادت دی کہ ہم نے ان کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے اور شراب ان کی داڑھی سے ٹپک رہی تھی۔ اس پر سیدنا علیؓ نے حد جاری کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے چالیس[۱] دُرّے مارے۔ جب ولید بن عقبہؓ پر حد جاری ہونے لگی تو وہ ایک سیاہ رنگ کا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، سیدنا علیؓ نے اس کو اتارنے کے لیے کہا ولید بن عقبہؓ نے اس کپڑے کو اتار دیا[۱] (تفصیل کے لیے دیکھو الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص۵۲، ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۵۵)

انہی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا، ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے سواحل شام پر ۵۰۰ جہازوں کی مدد سے حملہ کیا تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے سمندر کے اندر جا کر اس کا مقابلہ کیا، دشمن کی فوج اور اس کے جہازوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے مسلمان نہایت پریشانی میں مبتلا تھے، خوف و ہراس کے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے جو سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس تحریک کے پُرجوش رکن بن چکے تھے لشکرِ اسلام میں فتنہ انگیزی اور شر و فساد

---

[۱] اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمان۔ شخصیت اور کردار" میں بیان کر دی ہے۔

کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، حالانکہ یہ موقع لشکرِ اسلام کے ساتھ تعاون کرنے کا تھا، یہ دونوں حضرات عبداللہ بن ابی سرحؓ کی بہت مخالفت کرتے، بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے، غرض ہر طریقے سے ان کو دق کرتے، مجاہدینِ اسلام سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلے میں جہاد کرنے جا رہے ہو حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے، لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں مجاہدین کی کیا ضرورت ہے؟ تو وہ دونوں سیدنا عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ ان کو معزول کرنا اسلام کی بڑی خدمت ہے کیونکہ اس نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کو چھوڑ دیا ہے اور اکابر صحابہؓ کو معزول کر کے سعید بن العاصؓ اور عبداللہ بن عامرؓ جیسے لوگوں کو گورنری کی کرسی پر بٹھا دیا ہے اور کہتے :۔

دَمُهٗ حَلَالٌ لانه استعمل عبدالله بن سعد وکان قد ارتد وکفر بالقرآن العظیم واباح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دمه واخرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقواماً واستعملهم عثمان - (البدایه والنهایة ج ۷ ص ۱۵۱)

عثمانؓ کا خون (بہانا) حلال ہے کیونکہ اس نے عبداللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا ہے حالانکہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور قرآنِ پاک کا اس نے انکار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان چیزوں کے پیشِ نظر) اس کا خون حلال کر دیا تھا، نیز عثمانؓ نے ایسے لوگوں کو حکومت کے مناصب پر متعین کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کیا تھا۔"

غرض ہر طرح سے انہوں نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو خلافتِ اسلامیہ سے برگشتہ کر کے اسلامی بیڑے میں شامل نہ ہونے دیا جائے لیکن اہلِ اسلام نے اُن کی ایک نہ سُنی، چنانچہ جب اسلامی بیڑہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو انہوں نے بھی اسلامی بیڑے کے جہازوں میں سوار ہونے کی کوشش کی لیکن امیر البحر سیدنا عبداللہ بن ابی سرحؓ نے محمد بن ابی حذیفہ کی یہ چال دیکھ کر فرمایا :۔

"لَا تَرْكَبُ مَعَنَا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۹) تم لوگ ہمارے ساتھ سوار مت ہونا"

امیر البحر کا یہ حکم سنکر وہ ایک الگ کشتی پر سوار ہو کر اسلامی بیڑے کے تعاقب میں گئے اور راستہ میں جہاں جہاں لنگر انداز ہوتے وہ دونوں اپنی کشتی کو قریب لے جا کر سیدنا عثمانؓ اور امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعدؓ کے خلاف اکساتے پھر جب اس اسلامی بیڑے کی رومی بیڑے سے مڈبھیڑ ہوئی اور سطح سمندر پر میدان کارزار گرم ہوا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے اور اتنا خون بہا کہ:

"غَلَبَ الدَّمُ عَلٰى لَوْنِ الْمَاءِ۔ (البدایہ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۷)

خون پانی کے رنگ پر غالب آگیا"

اس آڑے وقت میں بھی ان دونوں نے مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہ بٹایا بلکہ دور اسی کشتی پر سوار مسلمانوں اور رومیوں کے مقدر کے اس کھیل کو دیکھتے رہے، اسلامی لشکر کی فتح کے بعد جب مسلمانوں نے جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ان کو ملامت کی تو ان دونوں نے کہا:

كيف نقاتل مع عبد الله بن سعد؟ استعمله عثمان وعثمان فعل كذا وكذا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۵۹)

ہم عبداللہ بن سعدؓ کی قیادت میں کیسے لڑ سکتے ہیں؟ اس کو عثمان نے عامل بنایا ہے اور عثمان نے فلاں فلاں (غلط) کام کیا ہے۔

اور پھر انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی برائیوں اور مثالب کی خود ساختہ ایک طویل داستان بیان کرنا شروع کر دی۔ امیر البحر کو جب ان کی اس فتنہ پردازی کا علم ہوا اور انہیں پتہ چلا کہ یہ دونوں حضرات کسی طرح بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ دوسروں پر بھی اپنا اثر کر رہے ہیں تو انہوں نے ان کو نہایت سختی سے منع کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۷، ۱۵۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸، ۵۹)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کا نظریہ معیشت

انہی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جس کو مفسدین نے مشتہر کر کے فائدہ اٹھانے

کی کوشش کی اور کئی مقام پر انہوں نے کافی حد تک فائدہ بھی اٹھایا، وہ واقعہ مسیح الاسلام سیدنا ابوذر غفاریؓ کا اپنے نظریہ معیشت کی تبلیغ تھا اور اسی نظریہ نے ان کو مقام ربذہ میں خلوت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔

سیدنا ابوذر غفاریؓ فطری طور پر درویش منش، تارک الدنیا، زہد پیشہ اور عزلت پسند بزرگ تھے، زمانہ رسالت ہی سے وہ زہد پیشہ تھے لیکن صدیق اکبرؓ کی وفات نے ان کو اور زیادہ شکستہ خاطر کر دیا تھا، چنانچہ اسی زمانہ میں انہوں نے مدینہ منورہ کو خیرباد کہہ کر شام کی غربت کی زندگی اختیار کی۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر جلد ا صـ۸۳)

عہدِ رسالت اور شیخین کا زمانہ اصل سادگی اور بے تکلفی کا بہترین نمونہ تھا لیکن خلافتِ فاروقی کی فتوحات نے مال و دولت کی فراوانی پیدا کر دی، ہر روز کی فتوحات نے مدینہ منورہ اور دیگر صوبوں میں دولت کے انبار لگا دیئے جس سے قدرتی طور پر بے تکلفی کی جگہ پر تکلف اور سادگی کی جگہ پر تمدن کی نقش آرائیوں نے لے لی۔ ان چیزوں کے اثرات خلافتِ فاروقیؓ کے شروع میں تو کچھ ظاہر نہ ہوئے لیکن خلافتِ فاروقی کے اواخر میں عام مسلمانوں کی زندگی پر اس کے بہت سے اثرات رونما ہو گئے۔ سرزمینِ شام چونکہ سرحدی علاقہ تھا اور رومیوں کی تہذیب سرحد پار اپنے پورے عروج پر تھی، لہٰذا مقابلتہً دوسرے حصوں کے یہاں کے مسلمانوں کی زندگی زیادہ شان و شوکت کی حامل تھی جس میں زیادہ دخل حکومت کی سیاسی حکمتِ عملی کو بھی تھا جس کا اجمالی تذکرہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔

سیدنا ابوذرؓ کو مسلمانوں کی ایسی زندگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، وہ عہدِ رسالت اور شیخین کے زمانہ کی سادگی اور بے تکلفی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دل مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا کسی حالت میں بھی جائز نہ تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے اس نظریہ معیشت کی بڑی بیباکی کے ساتھ تبلیغ شروع کر دی اور امراء اور حکومت وقت پر اعتراضات اور ان کی دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں۔ سیدنا ابوذر

اپنے اس نظریۂ معیشت کی تائید میں قرآنِ پاک کی اس آیت سے استدلال کرتے :۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورۃ التوبہ)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

سیدنا امیر معاویہؓ سیدنا ابوذرؓ کے اس آیت سے اپنے نظریہ کے استدلال کو غلط ٹھہراتے اور فرماتے کہ اس آیت سے قبل یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے اس آیت کا تعلق بھی انہی سے ہے مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن سیدنا ابوذر غفاریؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے متعلق ہے، غیر مسلموں سے اس کے اختصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ سے ابوذرؓ اپنا سارے کا سارا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا مراد لیتے، اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ فرماتے کہ یہ صرف زکوٰۃ سے متعلق ہے، زکوٰۃ کے فریضہ کی ادائیگی کے بعد ہر قسم کی دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے لیکن سیدنا ابوذر غفاریؓ جس شئے کو صحیح سمجھے ہوئے تھے اور جس نظریہ کو انہوں نے ساری زندگی اپنا کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالا تھا وہ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے کسی حالت میں بھی تیار نہ تھے اور نہ ہی اس نظریئے کی تبلیغ سے باز رہ سکتے تھے لہٰذا انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ اُن لوگوں کو طعن و تشنیع شروع کر دی جو اُن کے نظریہ کے حامی نہیں تھے۔

سیدنا معاویہؓ نے ابوذرؓ کے اس فکر کی جب یہ سختی دیکھی تو انہیں یہ خیال ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ انہوں نے امیر المؤمنین کو ان حالات سے مطلع کیا، امیر المؤمنینؓ نے لکھا کہ ان کو میرے پاس مدینۃ النبی میں بھیج دیا جائے، چنانچہ سیدنا ابوذرؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا، لیکن مدینہ کی حالت بھی اب وہ نہیں تھی جو ابوذرؓ نے عہدِ رسالت اور شیخین کے زمانہ

میں دیکھی تھی، وہ مدینہ جس کے لوگ سادگی اور زہد میں تمام دنیا کے لیے ایک آئیڈیل تھے، وہی لوگ اور ان کی موجودہ نسل اب حضرت ابوذرؓ کی سادگی کو تعجب کی نظروں سے دیکھتے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ان کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا ہجوم لگ جاتا، آپ نے یہاں بھی اپنے لیے ماحول کو سازگار نہ پایا لہٰذا امیر المؤمنین سے عرض کیا کہ میں ربذہ میں جو کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں مکہ کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں، امیر المؤمنین نے اجازت دیدی، آپ مع اپنے اہل وعیال وہاں تشریف لے گئے۔ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت امیر المؤمنین نے بڑی شان اور بہت خاطر ومدارات کے ساتھ رخصت کیا اور دو لونڈیاں، کچھ اونٹنیاں اور کچھ روپیہ بھی دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۵۵، ۱۵۶، طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۱۹، ۲۲۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۶، ۵۷)

سیدنا ابوذرؓ کے ربذہ تشریف لے جانے کو مفسدین نے خوب اچھالا اور امیر المؤمنین کے خلاف اس چیز کو باقاعدہ ایک الزام کی صورت میں تمام ملک میں مشہور کر دیا کہ امیر المؤمنین کے خلاف سیدنا ابوذرؓ حق بیان کرتے تھے لیکن وہ حق نہیں سننا چاہتے تھے اس وجہ سے امیر المؤمنین نے ان کو مدینہ بدر کر دیا ہے۔

امیر المؤمنین کے خلاف یہ الزام کہاں تک صحیح ہے؟ اس کا جواب ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمانؓ — شخصیت اور کردار" میں دیا ہے، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا ابوذرؓ کے ربذہ میں سکونت پذیر ہونے نے بھی مفسدین کے امیر المؤمنینؓ کے خلاف الزامات کی فہرست میں ایک اور الزام کا اضافہ کر دیا۔ سیدنا ابوذرؓ کا یہ فعل ان کی طہارتِ نفس اور نیک نیتی کی وجہ سے تھا لیکن مفسدین نے اس کو لوگوں کے سامنے غلط رنگ میں پیش کیا، خود سیدنا ابوذرؓ کو بھی ورغلانے کی کوشش کی، چنانچہ عراقیوں کا ایک وفد ان کے پاس ربذہ پہنچا اور کہا کہ عثمانؓ نے آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا، عثمان کے ناروا سلوک ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کو شام اور مدینہ جیسے آباد شہر چھوڑ کر یہاں ویرانہ میں قیام کرنا پڑا، ہم لوگ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے

ہمیں امیر المؤمنین سے زیادہ آپ سے ہمدردی ہے، لہٰذا اگر آپ امیر المومنین کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کریں تو ہم لوگ اِس معاملہ میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے آپ نے عراقی مفسدوں کی یہ بات سنکر فرمایا:۔

"مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو اور اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا وہ توبہ کی قبولیت سے محروم رہا اگر عثمانؓ مجھ کو سُولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا اور میں اسی بات میں اپنے لیے بہتری سمجھتا، اگر وہ مجھے بجائے ربذہ کے ایک اُفق سے دوسرے اُفق یا مشرق سے مغرب میں بھیجدیتے تب بھی میں اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا اور اگر وہ مجھے کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی پر لوٹا دیتے تو بھی مجھے کوئی عذر نہ ہوتا اور میں اس میں بھی اپنی سعادت سمجھتا" (طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۲۲۸، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۱۱۴)

سیدنا ابو ذرؓ کے منہ سے یہ جواب سنکر وہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے لیکن لوگوں کو امیر المومنین کے خلاف اکسانے کے لیے وہ اس الزام سے برابر مدد لیتے رہے۔

گورنروں کی مجلسِ شوریٰ کا انعقاد

خلافتِ اسلامیہ میں سبائیوں نے جو طوفانِ بدتمیزی اٹھا رکھا تھا اور امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کے خلاف فتنہ و فساد کی جو آگ وہ بھڑکا رہے تھے امیر المؤمنین ان سب باتوں سے بے خبر نہ تھے پھر جن الزامات کی بنیاد پر انہوں نے سازش اور انقلاب کی یہ عمارت کھڑی کی تھی امیر المؤمنین کی نگاہ ان کی طرف بھی تھی۔ ان الزامات کے بادلیل جوابات بھی آپ کے پاس موجود تھے لیکن آپ بار بار صفائی پیش کر کے اپنی پوزیشن مشکوک نہیں بنانا چاہتے تھے، آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ فتنہ و فساد کی جو آگ دشمنانِ اسلام نے بھڑکائی ہے اس کا بجھانا کوئی آسان کام نہیں لیکن پھر بھی آپ نے

شورش کے رفع کرنے اور شکایتوں کے ازالہ کے لیے ایک آخری کوشش کی اور دارالخلافت مدینہ طیبہ میں اپنے تمام گورنروں کی ایک مجلسِ شوریٰ منعقد فرمائی تاکہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے کچھ سوچ بچار کیا جا سکے، اس مجلسِ شوریٰ میں جن لوگوں نے شرکت کی ان میں سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا سعید بن العاصؓ اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مجلس دو تین روز تک جاری رہی شروع میں سیدنا عثمانؓ نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں مجلس کے انعقاد کی وجوہات بیان فرمائیں اور فرمایا:-

"ان لکل امرئ وزراء ونصحاء وانکم وزرائی ونصحائی و اھل ثقتی وقد صنع الناس ما قد رأیتم وطلبوا الی ان اعزل عمالی وان ارجع عن جمیع ما یکرھون الی ما یحبون فاجتھدوا رأیکم۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص۷۵)

ہر ایک آدمی کے کچھ وزیر اور صاحبِ مشورہ لوگ ہوتے ہیں اور تم میرے وزیر، صاحبِ مشورہ اور قابلِ اعتماد لوگ ہو، اور لوگوں نے جو کچھ (ملک میں) کیا ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو، اُن کا مطالبہ ہے کہ میں اپنے گورنروں کو معزول کر دوں اور جن چیزوں کو وہ پسند نہیں کرتے ان سے رجوع کر کے ان کی مرضی کے موافق ہر کام کروں، لہٰذا تم مجھے اس بارہ میں اپنی رائے سے آگاہ کرو تاکہ کسی اجتماعی فکر پر پہنچا جا سکے اور اس فتنہ کو دبانے کے لیے کچھ کیا جا سکے۔"

ہر گورنر نے الگ الگ اپنی رائے امیر المؤمنین کے گوش گزار کی، سیدنا عبداللہ بن عامرؓ گورنر بصرہ نے کہا:-

"امیر المؤمنین میری رائے یہ ہے کہ آپ اس وقت کسی علاقے پر فوج کشی کر کے ان کو جہاد میں مشغول کر دیں تو پھر ان میں سے کسی کو ہمت نہیں ہو گی کہ وہ اس سازش میں حصہ لے سکے نتیجہ یہ ہوگا کہ فتنہ وفساد کی آگ

خود بخود بجھ جائے گی"۔

سعید بن العاص رضؓ گورنر کوفہ نے کہا کہ:۔

"امیر المومنین! موجودہ شورش صرف ایک گروہ کی کاروائیوں کا نتیجہ ہے اگر ان کے قائدین کو قتل کر دیا جائے تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ملک میں امن وامان کی فضا پھر سے پیدا ہو جائے گی کیونکہ ہر جماعت اور گروہ کے کچھ قائدین ہوتے ہیں اگر ان کو قتل کر دیا جائے تو وہ جماعت منتشر ہو جاتی ہے اور پھر کسی مرکز پر جمع نہیں ہو سکتی"۔

سیدنا امیر معاویہؓ گورنر شام نے کہا:۔

"امیر المومنین! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے گورنروں کو واپس ان کے صوبوں میں بھیج دیں اور ہر ایک گورنر سے کہیں کہ وہ اپنے صوبہ میں امن کے قیام کی پوری ذمہ داری لے اور وہ لے بھی سکتا ہے کیونکہ ہر صوبہ میں شورش پسند قلیل تعداد میں ہیں اور میں اپنے صوبہ شام کی ذمہ داری لیتا ہوں"۔

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ گورنر مصر نے عرض کیا:۔

"امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ آپ ان لوگوں کو بخشش اور انعامات سے نوازیں جس سے ان کی تالیفِ قلب ہو گی اور یہ ملک میں شورش برپا نہ کر سکیں گے کیونکہ یہ لوگ مجھے روپیہ کے لالچی اور بھوکے معلوم ہوتے ہیں، جب آپ روپیہ سے ان کی تالیفِ قلب کریں گے تو ان کے دل آپ کی طرف کھنچ جائیں گے"۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا:[1]

---

[1] بعض مؤرخین نے یہاں ایک دوسرے کی اتباع میں سیدنا عمرو بن العاصؓ پر دو رُخی پالیسی کا اتہام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی موجودگی میں امیر المؤمنین کو کچھ کہا اور جب لوگ چلے گئے اور سیدنا عثمانؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"امیرالمومنین! شورش پسند لوگ اپنی پسند کی چیزیں آپ سے کروانا چاہتے ہیں اور جن امور کو وہ ناپسند کرتے ہیں ان کو مٹانے کے در پے ہیں، اس صورت میں آپ کے لیے دو ہی صورتیں ہیں،

فاعتدل او اعتزل - (الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص۷۵)

یا تو آپ اعتدال اور میانہ روی سے کام لیجئے یا پھر خلافت سے کنارہ کشی کیجئے، اگر یہ دونوں صورتیں آپ کو ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے لیکن عزم صمیم کے ساتھ۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۷، طبری جلد ۵ ص۹۴)

مجلسِ مشاورت کے ہر رکن نے اگرچہ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تجاویز

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) تنہا رہ گئے تو کہا کہ "امیرالمومنین! آپ مجھے زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف دکھلاوے کی تھی تاکہ مفسدین مجھے اپنا ہمخیال سمجھ کر اپنا راز دار بنائیں اور میں اُن کے اندرونی رازسے آپ کو آگاہ کرتا رہوں گا اور آپ ان کے خیر و شر سے واقف ہو سکیں۔" (ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۵)
یہ روایت درایت کے لحاظ سے صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ایک صحابی رسول سے اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ جلوت میں امیرالمومنین کو کچھ مشورہ دے اور خلوت میں کچھ۔ جلوت وخلوت کی یہ غیر آہنگی صحابی رسول اور پھر سیدنا عمرو بن العاصؓ جیسے صحابی سے کبھی متوقع نہیں ہو سکتی۔ اول تو جہاں تک ہمارا خیال ہے سیدنا عمرو بن العاصؓ اس مجلسِ مشاورت میں بلائے ہی نہیں گئے تھے مؤرخین نے ایسے ہی اس مجلس میں ان کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ یہ گورنرز کانفرنس تھی اس میں صرف گورنر یا دوسرے سرکاری حکام موجود تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ تو ۲۶ھ سے گورنری کے عہدہ سے معزول کیے جا چکے تھے، اور اب کسی اور سرکاری عہدہ پر بھی نہیں تھے، اس لیے اُن کا اس مجلس میں بلایا جانا درایت کی رُو سے صحیح معلوم نہیں ہوتا، اور اگر بلائے بھی گئے تھے تو انہوں نے وہی جواب دیا ہوگا جو سب گورنروں اور دوسرے سرکاری حکام کی موجودگی میں دیا تھا اور جس کو متن میں نقل کیا جا چکا ہے، لیکن اس جواب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا عثمانؓ خلافت کے بارہ میں ناانصافی سے کام لیتے تھے، یہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی ایک رائے تھی اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

پیش کیں، لیکن اب حالات ایسی کروٹ بدل چکے تھے کہ ان تجاویز میں سے کسی تجویز سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کوئی جامع منصوبہ اور دستور العمل تیار نہ ہو سکا، مجلس کے اختتام پر سیدنا عثمانؓ نے ہر گورنر کو اپنے اپنے صوبے میں مناسب ہدایات کے ساتھ واپس روانہ فرما دیا۔

کوفہ میں انقلاب کی لہریں

کوفہ میں اس تحریک کی آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی اور اصل تیر تو جناب امیر المؤمنینؓ سے تھا لیکن سبائی آئے دن اُن کے گورنروں کو بھی دق کرتے رہتے تھے اور اُن کو اپنے اس مقصد کے راستہ میں روڑا سمجھتے ہوئے اپنا مخالف سمجھتے تھے۔ سیدنا سعید بن العاص گورنر کوفہ سے ان لوگوں کو کچھ خاص عناد تھا کیونکہ اس سے قبل سعیدؓ ان کے کئی آدمیوں کو جلا وطن کر چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۵، ۱۶۶ الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۶۹، ۷۲، طبری جلد ۵ ص ۸۴) جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، چنانچہ اب جب مجلسِ مشاورت میں شمولیت کے لیے سیدنا سعید بن العاصؓ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کوفہ کی سبائی پارٹی نے یہ عہد کیا کہ وہ اب سعیدؓ کو کوفہ میں واپس نہیں آنے دیں گے اور اس مقصد کے لیے انہیں تلوار کا استعمال بھی کرنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ سیدنا سعیدؓ کی کوفہ سے غیر حاضری کے دوران یعنی ۳۴ھ میں یہاں کے ایک انقلابی یزید ابن قیس کو یہاں تک جرأت ہو گئی کہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر سیدنا عثمانؓ سے اُن کی دستبرداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو پڑا، لیکن قعقاع بن عمروؓ نے اس کو پکڑ لیا، گرفتاری کے بعد یزید نے کہا کہ ہم تو صرف گورنرِ کوفہ سعید بن العاصؓ کا تبادلہ چاہتے ہیں، اس پر قعقاع ابنِ عمروؓ نے اس کو چھوڑ دیا، یزید ابن قیس کے ساتھ بانی تحریک اور مشہور فتان عبداللہ ابن سبا بھی تھا۔ (الکامل جلد ۳ ص ۷۴) اسی اثنا میں کوفہ کے سبائیوں نے مالک الاشتر نخعی کو خط لکھ کر کوفہ بلا لیا، مالک الاشتر

نے کوفہ پہنچتے ہی اپنی شرانگیز حرکتیں شروع کر دیں، چنانچہ جمعہ کے روز جبکہ حضرت سعیدؓ کے قائم مقام عمرو بن حریث مسجد میں خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک انقلابی نے دروازہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو آواز دی۔

"مَنْ شَاءَ اَنْ یُّلْحِقَ بِیَزِیْدِ لِرَدِّ سَعِیْدٍ فلیفعل۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۳)

جو آدمی سعید بن العاصؓ کو واپس مدینہ بھیجنے کے لیے یزید بن قیس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ مل جائے۔"

اب ابن الاثیرؒ ہی کی زبانی سنیئے کہ کن لوگوں نے یزید کا ساتھ دیا اور کون مسجد میں ٹکے رہے، لکھا ہے۔

فبقی اشراف الناس وحلماؤھم فی المسجد۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۴)

صرف شریف اور سنجیدہ قسم کے لوگ ہی مسجد میں ٹکے رہے۔ (باقی سب دوران خطبہ ہی مسجد سے باہر نکل آئے اور یزید کے لشکر سے جا ملے)۔

یزید بن قیس اپنی جماعت کو لے کر کوفہ سے مدینہ کے راستہ کی طرف نکل پڑا اور قادسیہ کے قریب "جرعہ" نامی مقام پر ڈیرہ جما لیا، یہاں مالک الاشتر بھی یزید کے ساتھ تھا۔

جب یزید بن قیس، مالک الاشتر، عبداللہ بن سبا اور ان کی جماعت سعید بن العاصؓ کے کوفہ میں داخلہ کی مزاحمت کے لیے مقام جرعہ پر ڈیرا ڈالے تھی تو سعید بن العاصؓ بھی مجلس مشاورت سے فارغ ہو کر واپس کوفہ تشریف لائے لیکن راستہ میں "جرعہ" کے مقام پر سبائیوں نے ان کی مزاحمت کی اور کہا:

"لَا حَاجَةَ لَنَا بِكَ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۴)

ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔"

اسی دوران میں مالک الاشتر نے سیدنا سعید بن العاصؓ کے ایک غلام کو قتل کر دیا، حضرت سعیدؓ نے جب دیکھا کہ حالات زیادہ خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جا کر امیر المومنینؓ سے کہہ دیا کہ کوفہ کے لوگ میری جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر چاہتے ہیں،

ہیں لہٰذا ان کو گورنر بنا کر کوفہ بھیجدیا جائے، آپ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجدیا۔ (طبری جلد ۵ ص۹۳، ۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۴)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے تقرر کے ساتھ ہی آپ نے باغیوں کو لکھ بھیجا کہ:۔

"میں نے تمہارے مطالبے کو مانتے ہوئے سعید کو معزول کر کے ابوموسیٰؓ کو اُن کی جگہ گورنر مقرر کر دیا ہے، بخدا میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا، تمہارے مقابلہ میں صبر واستقلال سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔" (ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۴)

مدینہ طیبہ کے حالات

اب مدینہ طیبہ میں بھی حالات کچھ اچھے نہیں تھے، مفسدین یہاں کی فضا کو بھی مسموم کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے، لیکن تمام صحابہؓ امیرالمؤمنینؓ کے ساتھ تھے اس وجہ سے ۳۴ھ تک یہاں مفسدین کی جماعت کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، لیکن ۳۴ھ میں جب مفسدین کا پروپیگنڈہ کچھ مؤثر ہونے لگا تو سیدنا علیؓ نے چند لوگوں کے ساتھ امیرالمؤمنینؓ سے ملاقات کی اور انہیں مفسدین کے اعتراضات اور ان کے حالات سے بخوبی آگاہ کیا، امیرالمؤمنینؓ نے مفسدین کے اعتراضات کو دلیل کے ساتھ رَدّ کیا، جس کی تفصیل ابن الاثیرؒ نے الکامل جلد ۳ ص۷۶ اور ابن جریر الطبری نے "تاریخ الامم والملوک جلد ۵ ص۹۶" پر ذکر کی ہے۔

تحقیقاتی کمیشن

مدینہ کی حالت دگرگوں ہوتے دیکھ کر امیرالمؤمنین کو زیادہ تشویش لاحق ہوئی

مدینہ کے علاوہ کوفہ، بصرہ، مصر وغیرہ کی حالت بھی تشویشناک تھی، آپ شب و روز اسی سوچ میں رہتے کہ کوئی مناسب تدبیر کی جاوے جس سے حالات کے اس تلاطم میں سکون پیدا ہو جائے لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسی اثنا میں سیدنا طلحہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف صوبوں میں حقیقتِ حال جاننے کے لیے وفد بھیجے جائیں اور وہ وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے اپنی کانوں سنی ہوئی باتیں دربارِ خلافت میں آکر بیان کریں اور ان وفود کی رپورٹ پر پھر آپ مناسب کاروائی کریں، اس سے مجھے اُمید ہے کہ حالات میں جو تیزی پیدا ہو گئی ہے وہ سکون کی صورت اختیار کرے گی۔ امیر المؤمنین کو سیدنا طلحہؓ کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے ۳۵ھ میں سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ، سیدنا اُسامہ بن زیدؓ کو بصرہ، سیدنا عمار بن یاسرؓ کو مصر اور سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ کو دوسرے صوبوں میں تحقیقِ حال کے لیے روانہ کیا۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص۷۸، طبری جلد ۵ ص۹۹) ان وفود نے پورے ملک کا دورہ کیا، مختلف گورنروں پر جو الزامات عائد کیے جاتے تھے اُن کی چھان بین کی، مختلف لوگوں سے ملے، سبائیوں کی کاروائیوں کا مطالعہ کیا اور اس میں ان کے خلوص کا اندازہ لگایا، موجودہ حالات کی پوری تحقیقات کے بعد انہوں نے اپنی مفصل رپورٹ دربارِ خلافت میں پیش کی سوائے حضرت عمار بن یاسرؓ[1] کے دوسرے

---

[1] حضرت عمار ابن یاسرؓ ایک نہایت سادہ دل اور درویش منش بزرگ تھے۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ سبائیوں نے اپنے پروپیگنڈے سے کچھ سادہ لوح لوگوں کو بھی اپنے دام تزویر میں پھانس لیا تھا اُن میں سے ایک سیدنا عمار ابن یاسرؓ بھی تھے، یہ مصر میں تحقیقاتی وفد کے ساتھ گئے لیکن مصر کے سبائیوں نے ان کو معاملہ کی اصل تہہ تک نہ پہنچنے دیا، طبری نے نقل کیا ہے کہ:۔

استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبد اللہ بن سوداء وخالد ابن ملجم وسودان بن حمران وکنانۃ بن بشر۔ (طبری جلد ۵ ص۹۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۸) یعنی سبائیوں نے مصر میں ان کو بہلا پھسلا لیا اور عبداللہ بن السوداء،

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سب صحابہؓ نے بالاتفاق اس رپورٹ کو پیش کیا جس کا ایک فقرہ میں خلاصہ یہ تھا کہ :۔

"مَا أَنْكَرْنَا شَيْئًا وَلَا أَنْكَرَهُ أَعْلَامُ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا عَوَامُهُمْ۔

ہم نے اور ان مقامات کے سربر آوردہ لوگوں اور عوام نے کوئی قابلِ اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔" (طبری جلد ۵ صفحہ ۹۹ ، الکامل جلد ۳ صفحہ ۷۸)

ایک گشتی مُراسلہ

تحقیقاتی کمیشن کی اس رپورٹ نے اگرچہ یہ ثابت کر دیا کہ امیر المومنین کے مقرر کردہ گورنر سب اہل ہیں اور شورش پسندوں کی طرف سے ان پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں ان کی حقیقت سوائے بہتان کے اور کچھ نہیں لیکن پھر بھی امیر المومنین سیدنا عثمانؓ نے تمام صوبوں میں ایک گشتی مُراسلہ بھیجا جس میں لکھا کہ :۔

"میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا اور جس عامل کے خلاف شکایت پیش کی جائے گی اس کی فوراً تحقیقات کر کے پورا تدارک کیا جائے گا کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ بلا وجہ تنگ کرتے ہیں، ویسے جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر پڑی ہے تب سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار اور فریضہ بنا رکھا ہے اور میں ان معاملات کے تدارک کی پوری پوری کوشش کرتا ہوں جو مجھے یا میرے گورنروں کو پہنچائے جاتے ہیں، رعایا کے مصارف میں سے جو مال بچ جائے اسی میں میرا اور میرے اہل و عیال کا حق ہے .... جس کے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) خالد بن ملجم، اسود ان بن حمران اور کنانہ بن بشران کے ساتھ ہو گئے۔

بعض کتابوں میں ہے کہ سیدنا عمارؓ پہلے ہی سے امیر المومنین سے برہم تھے کیونکہ سیدنا عثمانؓ نے قذف کے الزام میں انہیں سزا دی تھی۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ صفحہ ۳۵۲)

ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں"۔

(طبری جلد ۵ ص۹۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۵)

جب خلافتِ اسلامیہ کے مختلف شہروں میں اس گشتی مراسلے کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس کو سنکر تمام لوگ اشکبار ہو گئے اور امیر المؤمنین کے حق میں دعائے خیر کی۔

موسمِ حج میں گورنروں کا اجتماع

اگلے سال موسمِ حج میں سب گورنر مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور ان میں سعید بن العاص رضی سابق گورنر کوفہ اور عمرو بن العاص رضی سابق گورنر مصر کو بھی مشورے کے لیے بلایا گیا تو آپ نے ان سب گورنروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :۔

"یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آ رہی ہیں"، تمام گورنروں نے جواب دیا: "کیا آپ تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ ان افواہوں کی تحقیقات نہیں کروا چکے ؟ کیا عوام الناس کے خیالات کی رپورٹ آپ کو نہیں مل چکی؟ اور کیا آپ کے تحقیق کرنے والے آپ کو اصل حقیقتِ حال سے آگاہ نہیں کر چکے کہ ان افواہوں میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں ؟ لہٰذا صرف افواہوں پر مواخذہ جائز نہیں"۔

آپ نے فرمایا تو پھر مجھے بتاؤ کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے ؟ اس پر سیدنا سعید بن العاص رضی نے عرض کیا کہ :۔

"امیر المؤمنین! یہ معاملہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے"۔

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی نے عرض کیا :۔

"امیرالمومنین! میرے صوبہ میں بالکل امن وامان ہے وہاں سے آپ کو فتنہ وفساد کی خبر نہ ملے گی"۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ سابق گورنر مصر نے کہا :۔

"میری رائے یہ ہے کہ آپ زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، آپ اپنے دونوں ساتھیوں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجیے اور درشتی کے موقع پہ درشتی اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے"۔

آپ نے ان سب گورنروں کی رائے سنکر فرمایا :۔

"ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے اس امت کے لیے جس فتنہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا، اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھل جائے گا لیکن میں اس کو نرمی ہی سے بند کروں گا البتہ حق تعالیٰ کی حدود میں ہرگز ہرگز نرمی نہیں برتوں گا ....

خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بہتری اور ان کی بھلائی میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور بے شک فتنہ کی چکی چلنے والی ہے اگر عثمان اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اِس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے خوشخبری ہے"۔

پھر فرمایا :۔

"تم لوگوں میں امن وسکون پیدا کرو، ان کے حقوق پورے کرو اور حقوق اللہ میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ کرو"۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ)

اِس پیکرِ حِلم وعفو سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ کے اس دھارے کو اپنی نرمی کے بند سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سب کچھ بے سود رہا جو ہونا تھا وہ ہوگیا اور اُمت میں ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھل گیا جس کے متعلق چالیس ۴۰ سال قبل ذاتِ قُدسی صفات نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۲ ص ــــ)

سیدنا معاویہؓ کا امیر المؤمنینؓ کو مشورہ

یہ فتنہ روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا ادھر آپ اصلاحِ حالات کی تدابیر میں ہمہ تن مصروف تھے اور ادھر سبائی لوگ مدینہ منورہ پر یورش کرنے کا منصوبہ طے کر رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ کی دُور بین نگاہوں اور ایمانی بصیرت نے شروع ہی سے اس فتنہ کا تجزیہ کر لیا تھا اور آپ اس کے عواقب و نتائج سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے، اور گورنر توج کانفرنس کے بعد مکہ مکرمہ ہی سے واپس اپنے اپنے صوبوں میں چلے گئے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ امیر المؤمنینؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ بھی تشریف لائے، مدینہ سے شام واپس جاتے ہوئے آپ نے امیر المؤمنین سے انتہائی اصرار سے عرض کیا :۔

"امیر المؤمنین! یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخش ہے اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلئے، وہاں کے لوگ امراء کے بہت تابعدار ہیں وہاں آپ کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا"

آپ نے فرمایا :۔

"معاویہ ساری عمر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزری ہے اب خواہ میرا سر تن سے جُدا ہو جائے لیکن پھر بھی میں اس بڑھاپے میں جوارِ رسول کو نہیں چھوڑوں گا" (جذب القلوب ص۱۸۹، طبری جلد ۵ ص۱۰۱)

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب پہلی تجویز مسترد ہو گئی تو آپ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ :۔

"میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیج دیتا ہوں"

آپ نے فرمایا :۔

"لا اضیق علیٰ جیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینۂ رسول کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔"

سیدنا معاویہؓ نے چلتے ہوئے پھر کہا کہ :-

"مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے۔"

امیر المومنینؓ نے جواب دیا کہ :-

"حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۔ کافی ہے میرے لیے اللہ اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۹، الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص۷۹، طبری جلد ۵ ص۱۰۱)

مدینہ طیبہ پر باغیوں کی پہلی یورش

فتنہ و فساد کی آگ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور امیر المومنین تمام عواقب سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ مصر میں محمد ابن ابی حذیفہ اور محمد ابن ابی بکر شورش پسندوں کے ہتھے چڑھ چکے تھے اور عبدالرحمٰن بن ادیس البلوی، کنانہ بن بشر اور عبداللہ ابن سبا ان کو اپنی مقصد برآری کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صحابی زادہ ہونے کے باوجود سیدنا عثمانؓ سے خاص بیر تھا یہاں تک کہ بقول ابن الاثیر الجزری "یُحَرِّضَانِ عَلٰی عُثْمَانَ ۔ یہ دونوں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف اُکساتے رہتے تھے۔" (ابن الاثیر جلد ۳ ص۷۹)

ان کی اُکساہٹ اور سبائی منصوبہ کے تحت رجب کے مہینہ میں ... ۶ شورش پسندوں نے عمرہ کے بہانے مدینہ طیبہ کا رُخ کیا، گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے امیر المومنین کو ان کی روانگی اور ان کے منصوبے سے مطلع کر دیا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو امیر المومنین نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا جائے، ان ... ۶ شورش پسند

ہیں عبدالرحمٰن بن عدیس، کنانہ بن بشر، سودان بن حمران قائدینِ تحریک بھی تھے، اور محمد بن ابی بکر جو کہ حضرت علیؓ کے ربیب[1] تھے وہ بھی اس لشکر میں شامل تھے، سیدنا علیؓ نے تیس صحابہؓ کی معیت میں مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجدیا اور جو کچھ ان لوگوں نے امیرالمؤمنین پر اعتراضات کئے اُن کے شافی جوابات دیئے، بعد میں آپ نے امیرالمؤمنین کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ آپ لوگوں کو جمع کرکے خطبہ دیں اس سے ان حالات میں بہت فائدہ ہوگا، چنانچہ آپ کے کہنے پر امیرالمؤمنین نے مسجد نبوی میں بڑی مؤثر تقریر کی جس کے متعلق ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ :-

"وَاَرْسَلَ عَيْنَيْهِ فَبَكَى الْمُسْلِمُوْنَ اَجْمَعُوْنَ -

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سب مسلمان بھی زاروقطار رو رہے تھے" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۱۷۲)

مدینہ طیبہ پر دوسری یورش

جب یہ مفسدین واپس چلے گئے تو انہوں نے بصرہ اور کوفہ کی جماعتوں کے ساتھ خط وکتابت کے ذریعہ یہ منصوبہ بنایا کہ شوال میں سب نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور امیرالمؤمنین کو خلافت سے معزول کریں۔ چنانچہ شوال ۳۵ھ میں مصری مفسدین چار امراء کی سرکردگی میں چار گروہوں میں نکلے، اور ایک ایک گروہ کی تعداد کم سے کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی، ان چار گروہوں کے سردار عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر اللیثی، سودان بن حمران اور قتیرہ بن فلان الکوفی تھے اور

---

[1] محمد بن ابی بکر تھے تو ابوبکرؓ کے بیٹے لیکن صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد آپ کی بیوہ اسماءؓ بنت عمیس نے سیدنا علیؓ سے شادی کرلی، محمد بن ابی بکر کی عمر اس وقت ۲½ سال کی تھی ادھر انہوں نے سیدنا علیؓ کے ہاں پرورش پائی۔ (مروج الذہب جلد ۲ صـ۳۰۷)

ان چاروں گروہوں کی قیادت الغافقی بن حرب کر رہا تھا، ان گروہوں میں اخلاقی جرأت کا اس قدر فقدان تھا کہ مصر سے نکلتے وقت عوام کو یہ نہ بتایا کہ ہم امیر المؤمنین کی معزولی کے لیے جا رہے ہیں بلکہ :۔

"وخرجوا فيما يظهرون للناس حجاجاً ۔ (البدایہ جلد ۷ ص۱۷۳)
لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ حج کو جا رہے ہیں"۔

ویسے تو یہ پانچوں قائدین ہی فتنہ و فساد کے لیے کچھ کم نہ تھے، لیکن :۔

"ومعهم ابن السوداء ۔ (البداية والنهاية ج ۷ ص۱۷۱)
ان کے ساتھ ابن السوداء (عبد اللہ ابن سبا) بھی مل گیا"۔

اسی طرح کوفہ اور بصرہ سے بھی چار چار گروہوں میں اتنی ہی تعداد میں یہ لوگ نکل پڑے اور مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ کر رک گئے۔ اہلِ بصرہ نے ذاخشت اہلِ کوفہ نے اعوص اور اہلِ مصر نے ذی المروہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے اور کچھ لوگوں کو مدینہ طیبہ میں حالات کے مطالعہ کیلئے بھیجا۔ انہوں نے مدینہ میں سیدنا علیؓ سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور دوسرے لوگوں سے مل کر اصل مقصد سے مطلع کیا اور کہا ہم امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کی معزولی کے لیے آئے ہیں لہٰذا آپ لوگ ہمیں مدینہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، لیکن :۔

"فكل الناس أبى دخولهم ونهى عنه ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۷۴)
سب لوگوں نے ان کے داخلہ سے انکار کر دیا اور اس سے منع کیا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ کو امیر المؤمنین سے کوئی شکایت نہیں تھی اور اگر انہیں کوئی شکایت ہوتی تو وہ ضرور ان مفسدین کا استقبال کرتے اور مدینہ طیبہ میں ان کے داخل ہونے کو بخوشی قبول کرتے، لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام اہلِ مدینہ نے ان کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا اور ان کو داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے پاس جب یہ لوگ گئے اور انہیں

اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو مؤرخین متفق ہیں کہ:۔

"ان تینوں نے بآوازِ بلند اپنے پاس سے دھتکار دیا اور فرمایا نیک اور صالح لوگوں کا یقین ہے کہ ذی المروہ اور ذی خشب کا لشکر جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہے لہٰذا تم واپس چلے جاؤ خدا تمہارا ساتھی اور حامی نہ ہو"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۷۴، الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص۸۰، طبری جلد ۵ ص)

غرض یہ لوگ اہلِ مدینہ سے مایوس ہوکر واپس اپنے لشکروں میں چلے آئے اور ان کو آکر تمام حالات سے آگاہ کیا۔

مدینہ طیبہ پر مفسدین کی تیسری یورش

مدینہ طیبہ میں جو حضرات حالات کے مطالعہ کے لیے آئے تھے، واپسی پر انہوں نے:۔

"اظہروا للناس انہم راجعون الیٰ بلد انہم۔ (البدایہ جلد ۷ ص۱۷۴)

لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں"۔

لیکن ایک روز یکایک اہلِ مدینہ نے مدینہ کی گلیوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا تو باغیوں کی ایک کثیر تعداد مدینہ کی گلیوں میں دوڑ رہی تھی، ان میں اکثر تو حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا:۔

"من کف یدہ فھو امن۔ (البدایہ جلد ۷ ص۱۷۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص۸۰)

جو اپنے ہاتھ کو روک لے گا اُس کو امان دی جائے گی"۔

اہلِ مدینہ باغیوں کی اس اچانک یورش اور مدینہ میں اُن کے اس ناگہانی داخلہ سے خوفزدہ ہو گئے، پھر مفسدین کے اس اعلان نے کہ جو اپنا ہاتھ روک لے گا وہ

امن میں ہوگا انہیں اور زیادہ پریشان کر دیا کیونکہ انہیں اس قدر توقع ہی نہیں تھی۔
چنانچہ اہلِ مدینہ نے اپنے ہاتھ روک لیے اور اپنے گھروں میں چلے گئے، کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے اور یہ لوگ جو اچانک مدینہ میں داخل ہو کر قابض ہو گئے ہیں کیا گل کھلانے والے ہیں، لیکن ان دنوں میں بھی امیرالمؤمنین سیدنا عثمانؓ باقاعدہ مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت کراتے یہاں تک کہ اہلِ مدینہ اور باغی دونوں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۷۴، الکامل لابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۸۰)

اسی اثناء میں چند صحابہؓ نے جن میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے مفسدین سے ان کے واپس آنے کا سبب پوچھا، طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے پوچھا:-

"مَا رَدّکم بعد ذھابکم ورجوعکم عن رأیکم۔
تمہارے جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟" (طبری جلد ۵ ص ۔ ، البدایہ جلد ۷ ص ۱۷۴)

انہوں نے جواب دیا:-

"اخذنا مع برید کتابا بقتلنا۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۰)
ہم نے قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے۔"

سیدنا علیؓ نے ان سے سوال کیا:-

"اے اہلِ کوفہ اور اے اہلِ بصرہ! اہلِ مصر کو جو واقعہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا ہے، اس واقعہ کا تمہیں کیسے علم ہو گیا؟ جبکہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے، بخدا یہ تو مدینہ ہی میں تیار کی گئی سازش ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ اس کو جس پہ چاہیں محمول کر لیں ہمیں تو اس شخص (امیرالمؤمنین سیدنا عثمانؓ) کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو معزول کر کے ہی دم لیں گے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۰)

ایک روایت

ابنِ جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ جب مصریوں کا لشکر راضی ہو کر (سیدنا علیؓ اور دیگر صحابہؓ کے سمجھانے پر) واپس لوٹا تو وہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ انہیں ایک قاصد ملا، مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے اس کی تفتیشِ حال کی تو اس نے کہا کہ میں امیر المؤمنین عثمانؓ کا قاصد ہوں اور گورنرِ مصر کے پاس جا رہا ہوں، یہ سُنکر اُنہیں کچھ اور شک پڑا، تلاشی پر اُس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر باقاعدہ امیر المؤمنین کی مُہر بھی ثبت تھی، اس میں لکھا ہوا تھا کہ اِن لوگوں کو یا تو سولی پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ وہ اس قاصد کو پکڑ کر مدینہ طیبہ لے آئے اور سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا کہ (معاذ اللہ) اس دشمنِ خدا (سیدنا عثمانؓ) کا حال ملاحظہ فرمایئے، اس نے اِس خط میں ہمارے متعلق یہ لکھا ہے، اللہ نے ہمارے لیے اس کا خون حلال کر دیا ہے لہٰذا آپ ہمارے ساتھ اُس کے پاس چلئے، آپ نے کہا واللہ! میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، اس پر باغیوں نے سیدنا علیؓ سے کہا:۔

"فَلِمَ كَتَبْتَ إِلَيْنَا، آپ نے پھر ہماری طرف خط کیوں لکھا؟"

آپ نے فرمایا:۔

"مَا كَتَبْتُ إِلَيْكُمْ كِتَابًا، میں نے کبھی بھی تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا!"

سیدنا علیؓ کے منہ سے یہ سُنکر وہ ایک دُوسرے کا مُنہ تکنے لگے اور ایک دُوسرے سے کہنے لگے:۔

"أَلِهٰذَا تُقَاتِلُونَ أَوْ لِهٰذَا تَغْضَبُونَ، کیا تم اسی کے لیے لڑتے ہو اور اسی کے لیے غضبناک ہوتے ہو؟"

سیدنا علیؓ نے جب اُن کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیا اور

ایک بستی کی طرف تشریف لے گئے۔

سیدنا علیؓ کے بعد مفسدین سیدنا عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے متعلق یہ خط لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یا تو تم اس پر دو گواہ پیش کرو یا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ تو یہ خط میں نے لکھا ہے نہ میں نے لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، اور تمہیں علم ہے کہ کسی کے نام سے جھوٹا خط لکھا جا سکتا ہے اور ایک مُہر کی طرح دوسری مُہر بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ یہ سن کر باغیوں نے کہا کہ اللہ نے اب آپ کا خون ہمارے لیے حلال کر دیا...... پس باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ (طبری جلد ۵ ص۔۔۔)

معزولی پر اصرار اور قتل کا منصوبہ

باغی پہلے ہی چاہتے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں لیکن اس واقعہ سے انہیں ایک اور دلیل ہاتھ آگئی اور اب وہ پہلے سے زیادہ زور شور سے یہ کہنے لگے کہ: "جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں اُن پر اس کی مُہر بھی لگائی جائے اور سرکاری قاصد اسے لے کر جائے اور اس شخص کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے، لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ فی الفور خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر آپ خلافت سے دستبردار نہیں ہوتے تو ہم آپ کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔"

امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنیؓ نے فرمایا:۔

"جو قمیص اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے میں اس کو کبھی نہیں اتاروں گا۔"[1]

---

[1] آپؓ کا خلافت کو نہ چھوڑنا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا کیونکہ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ: "اے عثمانؓ! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) قمیص پہنائیں گے پس اگر منافقین تم سے اس کے اتار دینے کا مطالبہ کریں تو تم ہرگز نہ اُتارنا یہاں تک کہ تم شہید ہو کر مجھ سے آملو۔" (ترمذی جلد ۲ ص)
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس پر ایک شور برپا ہُوا اور باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔

اگرچہ مفسدین ان ایام میں برابر امیر المؤمنین کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے لیکن اُن کی نگاہ میں امیر المؤمنین کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، چنانچہ ایک جمعہ کو جبکہ آپ اُس عصا کو ہاتھ میں لے کر، جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر الصدیق رضؓ اور سیدنا عمر الفاروق رضؓ اپنے ہاتھ میں لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لے گئے کہ دفعتاً ایک آدمی اُٹھا اور بولا "اِس منبر سے اُتر آئیے" اور آپ کے ہاتھ سے وہ عصا لے کر اس کو اپنے داہنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا۔ اس کے بعد شاید آپ ایک یا دو بار سے زیادہ نہیں نکلے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۵)

سیف ابن عمر ذکر کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز نمازِ جمعہ کے بعد امیر المؤمنین منبر پر تشریف لائے اور باغیوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"اے باہر سے آنے والو! اللہ سے ڈرو! بخدا مدینہ کے لوگ بخوبی واقف ہیں کہ تم لوگ جناب رسالت مآب علیہ افضل التحیات کے ارشاد کے مطابق ملعون ہو، لہٰذا تم اپنے قصور کو نیکی سے مٹاؤ کیونکہ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ برائیوں کو نیکیوں سے مٹاتے ہیں"۔

یہ سنکر محمد ابن مسلمہ رضؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"اَنَا اَشْهَدُ بِذٰلِكَ ۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں"۔

یہ سُنکر حکیم ابن جبلہ باغی نے محمد ابنِ مسلمہ رضؓ کو پکڑ کر بٹھا دیا، اس پر زید بن ثابت رضؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"اِنَّهٗ فِی الْكِتَابِ ۔ یہ چیز کتاب میں ہے"۔

یہ سُنتے ہی ایک دوسرے کونے سے محمد ابن ابی مریرہ باغی نے اُٹھ کر ان کو بٹھا دیا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی تعمیل میں آپ نے شہید ہونا تو قبول کرلیا لیکن خلافت کو نہ چھوڑا۔ اس فقرہ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

پھر دفعۃً تمام باغی اہل مسجد پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے باہر نکال دیا اور امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ بیہوش ہوکر منبر سے نیچے گر پڑے۔ (البدایہ والنہایہ جلد۷ ص۱۷۶، ابن الاثیر جلد۳ ص۸۱، طبری جلد۵ ص۔)

اس پر صحابۂ کرام کی ایک جماعت جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابوہریرہؓ سیدنا زید بن ثابت، سیدنا حسین ابن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے باغیوں سے لڑنے کو نکلے، امیر المؤمنین کو جب پتہ چلا تو کہلا بھیجا کہ اپنا ہاتھ روکے رکھیں اور کسی سے کوئی تعرض نہ کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو، یہ سنکر یہ لوگ واپس آگئے۔

(ابن الاثیر جلد۳ ص۸۱، البدایہ والنہایہ جلد۷ ص۱۷۶)

جمعہ کے اس واقعہ نے صورتحال کو اور زیادہ نازک کر دیا جس سے صحابۂ کرامؓ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی، امیر المؤمنین کے گھر کا محاصرہ زیادہ سخت کر دیا گیا تھا، اکثر صحابہ خانہ نشین ہوگئے تھے کیونکہ امیر المؤمنین ان کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اب صحابہ نے اپنے بیٹوں کو امیر المؤمنین کی حفاظت کے لیے بھیجا۔ چنانچہ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا عبداللہ بن عمرو غیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کاشانۂ خلافت پر پہرہ دے رہے تھے تاکہ کوئی باغی آپ تک نہ پہنچ سکے۔

(البدایہ والنہایہ جلد۷ ص۱۷۶، ابن الاثیر جلد۳ ص۸۱)

حالات لمحہ بہ لمحہ زیادہ نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے اور باغیوں کے قبضہ کی وجہ سے مدینہ میں ایک خوف وہراس طاری تھا، محصور ہونے کے بعد جب آپ کا داخلہ مسجد میں بند کر دیا گیا تو آپ نے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کو مسجد نبوی میں امام مقرر فرمایا لیکن باغیوں نے ان کو فرائض امامت سے معزول کرکے غافقی ابنا حرب کو امام مقرر کر دیا۔

امیر المؤمنین کے لیے پانی تک بند کر دیا گیا، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور سیدنا حضرت علیؓ باغیوں کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے لیکن باغیوں نے ان دونوں کی ایک نہ سُنی بلکہ الٹا ام المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہا کی شان اقدس

میں سخت سُست الفاظ استعمال کیے اور آپ کے خچر کو جس پر آپ سوار تھیں زخمی کر کے گرا دیا، چند حضرات نے بڑی مشکل سے ام المؤمنین کو وہاں سے الگ کیا۔

(طبری جلد ۵ صـ۱۲۷)

مدینہ پر غافقی ابن حرب اور اس کی جماعت کا پورا تسلط تھا گویا سبائیوں نے مدینہ پر مارشل لاء کی سی کیفیت طاری کر دی تھی اور مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے ہزاروں سبائی مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے تھے اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں تھا، اکابر صحابہ نے کئی تجاویز پیش کیں، حضرت زید بن ثابتؓ نے عرض کیا کہ انصار کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے کو تیار ہے لیکن امیر المومنین نے فرمایا کہ میں جنگ کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ق اول صـ۴۵، العواصم من القواصم صـ۱۳۲ التعلیقہ)

سیدنا مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہا کہ: "امیر المؤمنین! یا تو آپ مقابلہ کیجئے یا پھر عقبی دروازہ سے نکل کر مکہ یا شام کو چلے جائیے، شام کے لوگ بہت وفا شعار ہیں اور وہاں سیدنا معاویہؓ بھی موجود ہیں۔" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"مقابلہ میں کسی صورت نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس کے ہاتھوں آپؐ کی اُمت کی خونریزی کا آغاز ہو اور جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میں کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہتا۔"[1] (مسند احمد ابن حنبلؒ جلد ۱ صـ۶۷)

---

[1] اس روایت سے اُس روایت کی تردید ہو جاتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مصر، کوفہ، بصرہ اور شام میں اپنے گورنروں کو فوج بھیجنے کے لیے خط لکھے تھے اور ان کی فوج مدینہ کے قریب پہنچ چکی تھی جب باغیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صـ۸۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۱۸۰) یہ روایت عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ اگر بڑا کر آپ کو اپنی حفاظت کرانا ہوتی تو تمام اہل مدینہ اس مقصد کے لیے آپ کے ساتھ تھا اور وہ چند گھنٹوں میں باغیوں کا صفایا کر سکتے تھے، خود

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باغیوں نے اپنی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ امیر المؤمنین کی شمع حیات کو جلد از جلد خاموش کر دیا جائے کیونکہ انہیں اس کام کی تاخیر میں کچھ خطرات پیش آنے کا ڈر تھا، اِدھر آپ کو بھی اپنی شہادت کا یقین ہو چکا تھا اُدھر محاصرہ کو بھی اُنچاس دن ہونے کو آئے تھے۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۵۵) اب آپ نہایت صبر کے ساتھ اس لمحہ کے منتظر تھے، جمعہ کے روز سے روزہ تھا، ایک پاجامہ جسے آپ نے کبھی زیب تن نہیں فرمایا تھا اُس روز پہنا، بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ (انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ صفحہ ۸۲، مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ صفحہ، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۸۴، طبری جلد ۵ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۸)

صدر دروازہ پر سیدنا حسینؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا ابن زبیرؓ اور دیگر کئی صحابہ زادوں کا پہرہ تھا لہٰذا باغی صدر دروازہ سے قصرِ خلافت میں داخل نہ ہو سکے، کچھ لوگ مکان کے عقب سے چڑھ کر اندر داخل ہو گئے لیکن امیر المؤمنینؓ کو تلاوت میں مشغول پا کر واپس لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے (جو کہ سیدنا عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں سے تھا) بڑھ کر امیر المؤمنین کی ریش مبارک پکڑ لی، آپ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ محمد بن ابی بکر تھا، آپ نے فرمایا: "بھتیجے! اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو تو کبھی ایسا نہ کر سکتا" یہ کلمات سُن کر محمد بن ابی بکر نادم ہو کر واپس چلا گیا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۳۱، البدایہ جلد ۷ صفحہ ۱۸۴، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۵۴، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۹۰)

اس کے بعد غافقی ابن حرب نے آگے بڑھ کر قرآن پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۳۰) اسی اثنا میں کنانہ بن بشر نے پیشانی پر لوہے کی لاٹ اس زور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) حیدر کرارؓ موجود تھے اس کے لیے باہر سے فوج منگوانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ لیکن آپ نے اہلِ مدینہ کو روک رکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک کا بیان ہے کہ: "امیر المؤمنین نے ہمیں باغیوں کے ساتھ لڑنے سے روک دیا تھا، اگر آپ اجازت دیتے تو ہم انہیں مار مار کر مدینہ سے باہر نکال دیتے"۔ (العواصم من القواصم صفحہ ۱۴۰، الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۷۲، الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

سے ماری کہ سیدنا عثمانؓ پہلو کے بل گر پڑے اور خون کا فوارہ قرآنِ پاک کے اوراق پر جاری ہوگیا، گرتے ہی آپ کی زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ نکلے۔ (طبری جلد ۵ صـ ۱۳۱)

اس کے بعد عمرو ابن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر کئی وار کیے، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں لیکن سودان ابن حمران کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں، پھر سودان ابن حمران نے بڑھ کر دامادِ رسول، پیکرِ حلم و حیا اور جامع قرآن کو شہید کر دیا، شہادت کے خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا، فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ اور اس وقت آپ جس آیت کو تلاوت فرما رہے تھے وہ یہ تھی [1]

---

[1] بعض حضرات جن میں ابن جریر طبری بھی شامل ہیں لکھتے ہیں کہ قتلِ عثمانؓ میں تمام صحابہ شریک تھے اور وہ لوگوں کو خط لکھ کر ترغیب دیتے تھے کہ سیدنا عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وذكر ابن جرير من هٰذه الطريق ان الصحابة كتبوا الى الآفاق من المدينة يأمرون الناس بالقدوم على عثمان ليقاتلوه۔ اور ابن جریر نے اس طریق سے ذکر کیا ہے کہ صحابہؓ مدینہ سے باہر کے لوگوں کو خط لکھتے جن میں انہیں سیدنا عثمانؓ پر چڑھائی کر کے انہیں قتل کرنے کا حکم دیتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ ۱۷۵)

ابن جریر طبری کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"هٰذا كذب على الصحابة۔ (ایضاً) یہ صحابہ پر بہتان اور افتراء ہے"۔

صحابہ پر اسی اعتراض کو ابن کثیرؒ نے البدایہ جلد ۷ صـ ۱۹۵ پر بھی نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ پھر بھی ابن کثیرؒ صاف لفظوں میں صحابہؓ کی بریت فرماتے ہوئے حافظ ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا۔

"ليس فيهم احد من الصحابة ولا ابناؤهم الا محمد بن ابى بكر"

ان میں نہ تو کوئی صحابی شامل تھا اور نہ ان کی اولاد میں سے کوئی شریک تھا سوائے

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ (پ۴، ع۴)

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۱، ۵۲، طبری جلد ۵ ص ۱۲۶، البدایہ جلد ۷ ص ۱۸۹، انساب الاشراف جلد ۵ ص ۸۳، ۸۴)

ان خیار المسلمین

شہادت کے بعد

امیر المؤمنین کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی جس کو سنکر صحابہؓ مضطرب اور بیقرار ہو گئے، سیدنا علیؓ نے جس وقت یہ خبر سنی تو دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "اے اللہ! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں" سیدنا حذیفہؓ نے فرمایا: "عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتے" سیدنا عباسؓ نے فرمایا کہ "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے" (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۸، ۵۹)

امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد باغیوں نے ان کے گھر اور بیت المال کو لوٹ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) محمد بن ابی بکر کے" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس بارہ میں لکھتے ہیں:-

ان خیار المسلمین لم یدخل واحد منهم فی دم عثمان لا قتل ولا امر بقتله وانما قتله طائفة من المفسدین فی الارض من اوباش القبائل واهل الفتن۔ (منهاج السنة ج ۲ ص ۱۸۶)

اچھے اور نیک مسلمانوں میں کوئی شخص بھی قتل عثمانؓ میں شامل نہیں تھا نہ ان کے قتل اور نہ ہی ان کے قتل میں کسی قسم کا حکم دینے میں، بلکہ انہیں اہل فتنہ قبائل کے اوباش لوگوں اور زمین میں فتنہ و فساد کرنے والے ایک گروہ نے قتل کیا تھا۔

لیا۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ا ص۳۵۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۸۹) آپ کی نعش مبارک کی بے حرمتی کی۔ (الاستیعاب تذکرہ عثمان، طبری جلد ۵ ص۱۴۷) بلکہ عمیر بن ضابی نے نعش مبارک کی پسلی توڑ دی (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۹۱) منہ پر چپت مارے[1] ۔ (ایضاً) اور مسلمانوں کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ (طبری جلد ۵ ص) اور آپ کے حرم کو سب وشتم کیا۔

ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ آپ کی شہادت کا جانکاہ واقعہ پیش آیا، دو روز تک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک پوری مملکت اسلامیہ جس کا ایک سرا کابل تک تھا تو دوسرا سرا مراکش تک تھا، کے فرمانروا کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی۔ آخر دوسرے یا تیسرے روز چند آدمیوں نے رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر انہی خون آلود کپڑوں میں حش کوکب میں حلم وبردباری کے اس پہاڑ کو دفن کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۹۱، طبری جلد ۵ ص۱۴۳) حش کوکب کو بعد میں دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا۔

---

[1] امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا دیکھا کہ ایک شخص بیت اللہ میں یہ کہتا پھر رہا ہے اللّٰھم اغفرلی وما اظن ان تغفرلی (اے اللہ! مجھے بخش دے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ تو مجھے بخشے گا نہیں) میں نے کہا کہ جو تو کہتا ہے ایسا میں نے کسی کو بھی کہتے نہیں سنا، اس نے کہا میں نے حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں عثمان کے منہ پر طمانچہ مار سکا تو ضرور ماروں گا، پس جب وہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ ان کے گھر میں چارپائی پر رکھا ہوا تھا میں بھی وہاں پہنچ گیا اور موقع پا کر آپ کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور زور سے ایک تھپڑ مارا جس پر میرا دایاں ہاتھ سوکھ گیا۔

امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا اور وہ اس طرح سوکھا ہوا تھا گویا کہ وہ ایک لکڑی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۹۱، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۳ ص۱۲۷)

امیر المؤمنینؓ کے قاتلین اور آپ کو تکلیف دینے والوں کا بھی برا حال ہوا اور وہ بڑی ذلت سے مارے گئے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اس کی تفصیل کے لیے میری کتاب "سیدنا عثمانؓ شخصیت اور کردار" کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ (م۔ ا۔ ظ)

فتنہ کے مختلف زاویئے

سیدنا علیؓ کی بیعت

خلیفۃ المسلمین کا دارالخلافت میں دن دیہاڑے قتل کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا لیکن سبائی پورے مدینہ پر چھائے ہوئے تھے اور ہر آدمی اس اچانک حادثہ پر انگشت بدنداں تھا۔ امیر المؤمنینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد پانچ روز تک غافقی ابن حرب مدینہ کا امیر رہا، سبائیوں کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بوجھ کو ہرگز نہیں اٹھا سکتے لہٰذا پانچ روز کے بعد انہوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی، اہلِ مصر سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، (کیونکہ محمد بن ابی بکر ان کے ساتھ تھا) کوفی سیدنا زبیرؓ کو اور اہلِ بصرہ سیدنا طلحہؓ کو، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا، ان تینوں حضرات کے انکار پر سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن ان دونوں نے بھی انکار کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۶، طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۵)

طبری نے شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کے تیسرے روز باغی سیدنا علیؓ کے پاس آئے، آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے، آتے ہی کہنے لگے کہ ہاتھ بڑھایئے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو، سیدنا عمر الفاروقؓ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے شوریٰ کی وصیت فرمائی تھی لہٰذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔

یہ بات سنکر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علیؓ کے پاس واپس آئے اس دفعہ

مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔[1] اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) بعد میں سبائی فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ سیدنا علیؓ کی بیعت سب سے پہلے اشتر نے کی تھی۔ (البدایہ جلد ۷ ص ۲۲۶)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشتر (جو کہ سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے جب آپ کی بیعت کرنا چاہی تو ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو بشدت منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ:

"فانک واللہ لئن نہضت مع ھؤلاء الیوم لیحملنک الناس دم عثمان غدًا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۱، طبری ج ۵ ص ۱۶۱)

بخدا اگر آج آپ ان (باغیوں) کے ساتھ (خلافت کے لیے) اُٹھ کھڑے ہوئے تو کل کو لوگ آپ پر قتل عثمان کا الزام لگا دیں گے، لیکن سیدنا علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔"

بہرحال سیدنا علیؓ خلیفہ مقرر ہو گئے اور ان لوگوں ہی نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمانؓ میں پیش پیش تھے، لہٰذا آپ کا انتخاب آزادانہ نہ ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ میں دہشت و بربریت کا دور دورہ تھا اس وجہ سے سیدنا علیؓ کے آزادانہ انتخاب کا امکان ہی نہ تھا۔

یہ درست ہے کہ آپ خلیفہ بننا ہرگز پسند نہ کرتے تھے اور بار بار یہی فرماتے تھے:
"دعونی والتمسوا غیری (ابن الاثیر جلد ۳، طبری جلد ۵ ص ۱۵۲) مجھ کو چھوڑ دو اور کسی اور کی تلاش کرو۔"

---

[1] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا طلحہؓ نے آپ کی بیعت کی، یہ روایت غلط ہے، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے معتبر روایات کی رُو سے اوّل تو سیدنا علیؓ کی بیعت کی ہی نہیں تھی اور اگر کی بھی تھی جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے تو وہ جبراً کی تھی جیسا کہ الخضری نے سیدنا اُسامہ بن زیدؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (الخضری جلد ۳ ص ۴۰۹)

لیکن جس طرح سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اپنے عزم پر قائم رہے آپ اس طرح قائم نہ رہ سکے اور باوجود عبداللہ بن عباس رضؓ کے مشورہ کے آپ نے باغیوں کی بیعت قبول فرمالی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۱، الخضری جلد ۲ صفحہ ۲۳۴، ۲۳۵)

چونکہ باغی آپ کی بیعت میں پیش پیش تھے لہٰذا جمہور صحابہ نے آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ (خطط الشام جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ از کرد علی) جن میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابو سعید الخدریؓ، سیدنا قدامہ بن مظعونؓ، سیدنا صہیبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن عبیدؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہم مشہور ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۶، المحاضرات للخضری جلد ۲ صفحہ ۳۳۷، خطط الشام جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

"فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبایعوہ ولم یبایعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۶)

مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے (سیدنا علیؓ کی) بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی دوسرے صحابہؓ نے آپ کی بیعت کی۔"

اُس زمانہ میں جن لوگوں کو اہل حل وعقد کہا جاتا تھا انہوں نے بھی آپ کی بیعت سے گریز کیا، چنانچہ حکیم الامت دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نشد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد ونصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۲۷۹)

سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوئی اس لیے کہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد

اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے آپ کی بیعت نہ کی تھی"!
بہر حال آپ کی بیعت ہوئی اور ان ہنگامی حالات میں سیدنا حسنؓ کے منع کرنے کے باوجود آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہو گئے [۱]

جنگِ جمل

مدینہ طیبہ کی اس شورش اور امیر المؤمنین کے اس سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب

---

[۱] قیس بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے جمل کے روز سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سُنا: اللّٰھم انی ابرا الیک من دم عثمان، ولقد طاش عقلی یوم قتل عثمان انکرت نفسی وجاءونی للبیعۃ فقلت واللہ انی لاستحی من اللہ ان ابایع قوماً قتلوا رجلاً قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاستحی ممن تستحی منہ الملٰئکۃ وانی لاستحی من اللہ ان ابایع وعثمان قتیل فی الارض ولم یدفن بعد فانصرفوا فلما دفن رجع الناس یسئلونی البیعۃ فقلت اللّٰھم انی اشفق مما اقدم علیہ ثم جاءت عزمۃ فبایعت فلما قالوا امیر المؤمنین کان صدع قلبی واسکت۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

اے اللہ! میں تیرے ہاں خونِ عثمانؓ سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں، قتلِ عثمانؓ کے روز میری عقل جاتی رہی تھی اور (حزن وملال کی وجہ سے) مجھے اپنی زندگی بری معلوم ہونے لگی، لوگ میرے پاس بیعت کرنے کے لیے آئے میں نے اُن سے کہا کہ بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی قوم سے بیعت لوں جنہوں نے ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں اس سے حیا کرتا ہوں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں"۔ اور بلاشک وشبہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں بیعت لوں اس حالت میں کہ عثمانؓ فرشِ خاک پر خون سے لت پت ہیں اور ابھی تک دفن نہیں ہوئے۔ چنانچہ لوگ واپس چلے گئے، جب عثمانؓ دفن ہو گئے تو لوگ پھر میرے پاس آئے اور مجھے بیعت لینے کی درخواست کی، میں نے کہا اے اللہ! میں اس اقدام سے ڈرتا ہوں، لوگ پھر آئے اور اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی لیکن جب انہوں نے مجھے امیر المؤمنین کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں دم بخود رہ گیا"۔

تھا، سیدنا علیؓ کے خلیفۃ المسلمین ہونے پر جب اہلِ مدینہ نے دیکھا کہ وہی مالک الاشتر، وہی عبداللہ بن سبا، وہی محمد بن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر، وہی غافقی بن حرب وغیرہم جو کل تک قاتلانِ عثمانؓ میں سے تھے آج سیدنا علیؓ کے گرد و پیش پھر رہے ہیں اور امیر المومنین کے کاروبارِ خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں تو صحابہؓ کے ایک وفد نے سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی لیکن آپ عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رہے ہیں نیز ان سے مدد حاصل کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ عنداللہ قابلِ مواخذہ ہیں، لہٰذا شریعت کا تقاضا ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔ (الخضری جلد ۲ ص۴۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۰۱) لیکن سیدنا علیؓ نے فرمایا:۔

"انی لست اجہل ما تعلمون ولکن کیف اصنع بقوم یملکوننا ولا نملکہم۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص۱۰۱، ایام العرب ص۳۲۲)

جس چیز کو تم جانتے ہو میں بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں لیکن میں اس قوم سے کیسے نپٹ سکتا ہوں جن کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں ان پر قابو نہیں"۔

لیکن صحابہ کرامؓ سے باغیوں کی یہ بے راہروی دیکھی نہیں جاتی تھی، مدینہ میں وہ دندناتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کی سیاست پر ان کا پورا کنٹرول تھا اور ہر ایک کو یہ فکر لاحق تھی کہ حالات اب کیا کروٹ بدلتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے تو اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کی راہ لی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۰۵، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۲۳)

سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے مدینہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر قومی محاذ قائم کیا جائے اور اس طریقہ سے باغیوں کی سرکوبی کی جائے اور خلیفۃ المسلمین کے قتل کا قصاص لیا جائے، چنانچہ وہ چند صحابہؓ کی معیت میں مکہ کی طرف چل دیئے۔

سیدہ عائشہ ام المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہا ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں، سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ ہی میں تھیں لیکن واپسی پر ان کو ایک قریبی عزیز عبید بن ابی سلمہ نے اطلاع دی کہ امیر المؤمنین کو شہید کر دیا گیا ہے اور مدینہ میں باغیوں کا دور دورہ ہے اور انہوں نے سیدنا علیؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا ہے، یہ اطلاع پا کر وہ پھر مکہ لوٹ آئیں اور فرمایا:۔

"وَاللہِ قتل عثمان مظلوماً واللہ لاطلبن بدمہ (البدایہ جلد ۷ ص ۱۰۵)

بخدا عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے اور اللہ کی قسم میں ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ ضرور کروں گی"

اتنے میں سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ بھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے انہوں نے ام المؤمنین کو مدینہ منورہ کے مکمل حالات سے مطلع کیا اور بتایا کہ:۔

"ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگ چلے آرہے ہیں مدینہ میں لوگ نہایت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں ہیں اور ان کی حالت یہاں تک پراگندہ ہو چکی ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اپنی حفاظت کی سکت ہے" (طبری جلد ۵ ص ۱۶۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۶)

جنگِ جمل اور اس کے اَسباب و نتائج

خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان غنیؓ (جن کو انتہائی مظلومی کی حالت میں گھر کی چار دیواری میں دن دہاڑے شہید کیا گیا تھا) کے قصاص کی دعوت پر رائے عامہ نے لبیک کہا ہزاروں مسلمان جان تک دینے کے لیے تیار ہو گئے مکہ کے ایک رئیس یعلی بن اُمیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بطور چندہ پیش کیے، عبداللہ بن عامر الحضرمی گورنر مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص اس لشکر میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادِ راہ

نہ ہو تو اس کی سب ذمہ داری برداشت کی جائے گی۔ اس طریقہ سے تین ہزار آدمی اس دعوت میں شریک ہو گئے۔ اس سال چونکہ تمام امہات المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہن فتنہ کے ڈر سے حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائی ہوئی تھیں اسلئے وہ بھی ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گئیں۔
سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی رائے سیدھا مدینہ طیبہ چلنے کی تھی، کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے اور وہاں سے سیدنا معاویہؓ کو ساتھ لے کر پھر مدینہ طیبہ آیا جائے، لیکن بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے بصرہ چلا جائے، مدینہ جانے میں تو امہات المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہن بھی شریک ہونے کو تیار تھیں لیکن جب فیصلہ بصرہ جانے کا ہوا تو امہات المؤمنینؓ کٹ گئیں، صرف سیدہ حفصہؓ نے یہاں بھی ساتھ دینے کو کہا مگر آپ کے بھائی سیدنا ابن عمرؓ نے آپ کو روک لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)
بہرحال اِدھر مدینہ میں آپ خلیفہ ہوئے اُدھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ سیدہ اُم الفضل نے سیدنا علیؓ کو ایک قاصد کے ذریعہ مطلع کیا کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے بصرہ کی طرف جا رہے ہیں[1] مفسدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہیں ایک

---

[1] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے پھر اس بیعت کو توڑ دیا تھا لیکن صحیح روایات اس کی تردید کرتی ہیں اور صاف صاف بتاتی ہیں کہ انہوں نے بیعت پہلے ہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے صاف لکھا ہے کہ جب سیدنا علیؓ کی بیعت کی گئی تو یہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۶) اور اگر مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے بیعت کر لی تھی تو روایتوں میں آتا ہے کہ اُن کو مجبور کر کے بیعت لی گئی تھی اور انہوں نے بھی فتنہ کے خوف سے بیعت کر لی تھی۔ (الخضری جلد ۳ صفحہ ۲۰۹، ابن الاثیر جلد ۳) پھر بغیر جبر کے بھی اگر بیعت کی ہوتی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ مطالبہ اُن صحابہؓ نے بھی کیا جو سیدنا علیؓ سے بیعت کر چکے تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱، الخضری جلد ۳ صفحہ ۴۰۲) بلکہ علامہ محمد ابو الفضل ابراہیمؒ نے تو صاف لکھا ہے کہ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہؓ نے جو بیعت کی تھی وہ مشروط تھی، اور وہ شرط یہ تھی کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سنہری موقع ہاتھ آگیا، چنانچہ کچھ مفسد ہوا خواہی کے پردے میں سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے لشکر میں مل گئے اور ایک اچھی خاصی تعداد سیدنا علیؓ کے ساتھ مل گئی

ادھر سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، ادھر سیدنا علیؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیا جائیگا اور ان پر قتل کی شرعی حد نافذ کی جائے گی، چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

"لما تمت البیعة ورجع الی بیته دخل علیه طلحة والزبیر فی عدد من الصحابة فقالوا یا علی انا قد اشترطنا اقامة الحدود وان هؤلاء القوم قد اشترکوا فی قتل هذا الرجل۔

جب بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور حضرت علیؓ گھر تشریف لائے تو سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہؓ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود اور قصاص کی شرط پر آپ کی بیعت کی تھی اور یہ لوگ جو آپ کے ارد گرد جمع ہیں یہ سیدنا عثمانؓ کے قتل میں برابر کے شریک ہیں اور آپ ان سے قصاص نہیں لے رہے۔"

سیدنا علیؓ نے فرمایا:۔

"میں اس بات سے ناآشنا نہیں ہوں جس کو تم جانتے ہو لیکن میں اس قوم پر اقامتِ حدود کیسے نافذ کر سکتا ہوں جن پر ہم کو قابو نہیں بلکہ وہ ہم پر قابو پائے ہوئے ہیں"

(ایام العرب فی الاسلام ص ۳۲۲)

سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہؓ کا مطالبہ صرف طلبِ قصاص تک کا تھا اور ان کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس مطالبہ کی نوبت خونریزی تک پہنچ جائے گی اور نہ ہی سیدنا علیؓ کو اس کی توقع تھی، یہ تو صرف سبائیوں کی اندرونی سازش کا نتیجہ تھا جس سے یہ مطالبہ ایک خونریز جنگ کی شکل اختیار کر گیا اور سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ جیسے اکابر صحابہ سے امت محروم ہو گئی۔

سیدہ عائشہؓ جنگ کے لیے نکلی تھیں یا صرف قصاص کے لیے؟ اس کے لیے میری کتاب: "کیا عورت سربراہِ مملکت ہو سکتی ہے؟" کا مطالعہ ضروری ہے۔ (م۔ا۔ ظ)۔

نے آپ کے مدینہ سے نکلنے کی مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی لگام تھام کر کہا:۔

"یا امیر المؤمنین لا تخرج منھا فواللہ لئن خرجت منھا لایعود سلطان المسلمین الیھا ابداً۔

امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلئے، بخدا اگر آپ نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی حکومت مدینہ میں کبھی نہیں آئے گی"۔

اس پر سبائیوں نے آپ کو سب وشتم کیا لیکن سیدنا علیؓ نے فرمایا "ان کو چھوڑ دو یہ اصحاب رسول میں بہت اچھے آدمی ہیں"۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۷۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ـــــ)

آپؓ جب مدینہ طیبہ سے جا رہے تھے تو سیدنا حسنؓ نے راستہ میں جا کر آپ سے عرض کی "ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کئی مشورے دیئے لیکن آپ نے ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا"۔ آپ نے پوچھا وہ کون کون سے مشورے تھے؟ سیدنا حسنؓ نے عرض کیا:۔

"ابا جان! کیا میں نے آپ سے سیدنا عثمانؓ کے قتل سے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قتل ہو جائیں اور آپ کے مدینہ میں ہونے کی وجہ سے آپ پر کوئی الزام آئے لیکن آپ نے نہ مانا! پھر کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کہ کل شہروں کے ارباب حل وعقد آپ سے استدعا نہ کریں، لیکن آپ نے اس کو بھی نہ مانا! پھر میں نے اس وقت بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ جب سیدہ عائشہؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ قصاص کے مطالبہ کے لیے نکلے ہیں تو آپ گھر میں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ آپس میں مصالحت ہو جائے لیکن آپ نے میرا کوئی مشورہ نہیں مانا! (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۴)

غرض کہ دونوں جماعتیں بصرہ میں آمنے سامنے ہوئیں[1]، کوفہ کے ایک بزرگ صحابی

---

[1] یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس خانہ جنگی میں اہل مدینہ اور اکابر صحابہ کی اکثریت نے سیدنا علیؓ کا ساتھ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کی آپس کی اس خانہ جنگی کو بالکل پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے،

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا حضرت قعقاع بن عمروؓ نے دونوں گروہوں میں مصالحت کی کوشش کی اور اُن کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی اور سیدنا علیؓ سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدہ عائشہؓ سب صلح پر متفق ہو چکے تھے کہ اسی اثنا میں سبائی پارٹی کے سرغنوں اشتر النخعی، خالد ابن ملجم، عبداللہ بن سبا، شریح بن اوفیٰ اور علیا بن ہیثم وغیرہم نے مل کر مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہماری خیر نہیں، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ سب مل کر علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۵) لیکن اس تجویز پر اتفاق نہ ہو سکا، آخر میں عبداللہ بن سبا نے کہا کہ قبل اس کے کہ علیؓ، طلحہؓ و زبیرؓ سر جوڑ کر مزید غور و فکر کریں تم جنگ چھیڑ دو اور جنگ کا شعلہ جب بھڑک اُٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی، اور سب نے اس پر اتفاق کیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۴، ۱۹۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۰، ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:-

"فاشتد علی اھل المدینۃ الامر فتثاقلوا۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۴)

اہلِ مدینہ کیلئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اپنا پہلو بچایا۔"

سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو جنگ پر جانے کے لیے کمیل النخعی کو ان کے پاس بھیجا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اہلِ مدینہ کے ساتھ ہوں کیونکہ میں انہی میں سے ہوں، اگر وہ اس میں شریک ہو گئے تو میں بھی ہوں گا اور اگر وہ الگ رہے تو میں بھی پہلو تہی کروں گا۔

بعد میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اہل مدینہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:-

"واللہ لا ندری کیف نصنع فان ھذا الامر لمشتبہ علینا ونحن مقیمون حتی یضیٔ لنا و یسفر۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۴، ابن الاثیر جلد ۱ ص ۱۰۵) بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس وقت تک اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

یہی حال دوسرے صحابہ کا تھا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ (م۔ ا۔ ظ)

طرفین میں صلح کی گفتگو جاری تھی اور سیدنا قعقاع بن عمروؓ کی وجہ سے دونوں گروہ اس بات پر متفق ہو گئے تھے، اور بقول ابن کثیرؒ :-

"وعوّلوا جميعاً على الصلح وباتوا بخير ليلة لم يبيتوا بمثلها للعافية وبات الذين اثاروا امر عثمان بشر ليلة ما باتوها قط-

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۳۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۲۳، طبری جلد ۵ ص۲۰۲، ۲۰۳)

سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسے اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے لیکن وہ لوگ جنہوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی (اور ان کو شہید کیا تھا) انہوں نے اس سے زیادہ بدترین رات کبھی نہیں گزاری تھی"

(تفصیل کے لیے دیکھئے، طبری جلد ۵ ص۲۰۲، ۲۰۳، منہاج السنۃ جلد ۲ ص۱۸۵، جلد ۳ ص۲۲۵، ۲۴۱، المنتقیٰ للذہبی ص۲۲۳، ۲۰۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۲۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۳۹، تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲ ص۱۴۸، ۱۴۹)۔

صبح کو صلح کا اعلان عام ہونا تھا کہ سبائیوں نے صبح ہونے سے قبل اندھیرے میں ہی دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا، سیدنا علیؓ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قرآنِ پاک دکھا دکھا کر لوگوں کو جنگ بند کرنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ لوگو! اس قرآن کو ثالث مانو اور بجائے ایک دوسرے کی گردن مارنے کے اس (قرآن) کے مطابق اپنا فیصلہ کرو۔ (طبری جلد ۵ ص۲۰۴) لیکن جنگ کی یہ آگ چونکہ ایک سازش کے تحت لگائی گئی تھی لہٰذا سیدنا علیؓ کے قرآن دکھانے سے بھی نہ بجھی اور اس کا انجام ایک خونریز جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اختتام جنگ پر سیدنا علیؓ کے بعض ساتھیوں نے سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے ساتھیوں کے اموال کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرنے کو کہا مگر سیدنا علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سبائیوں نے اس پر طعن و تشنیع کی اور کہا کہ جب ان کے خون ہمارے لیے حلال تھے تو ان کے اموال ہمارے لیے کیوں حلال نہیں؟ آپ نے

یہ سُنکر فرمایا کہ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا مالِ غنیمت میں اُس کے حصہ میں آئیں، یہ سُنکر سب نے چُپ سادھ لی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۴)

اس جنگ میں سیدنا معاویہؓ کی طرف سے جو حضرات قتل ہوئے سیدنا علیؓ نے ان کے بارہ میں کلمہ خیر ہی کہا اور اپنے ساتھیوں کو منع فرمایا کہ وہ انہیں مومن کے سوا کسی اور نام سے یاد نہ کریں، آپ نے زیادہ سے زیادہ انہیں باغی کے لفظ سے یاد فرمایا۔

(السنن الکبرٰی للبیہقی جلد ۸ ص ۱۸۲، تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۲۴، ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲۹، المنتقیٰ ذہبی ص ۳۳۵)

آپ کو توقع نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور مطالبۂ قصاص میں اس قدر جانیں تلف ہوں گی۔ چنانچہ جنگِ جمل کے اس قتلِ عام سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحبزادے سیدنا حسنؓ سے فرمایا:۔

"بیٹا! کاش کہ تمہارا باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رحلت کر گیا ہوتا۔"

یہ سُنکر سیدنا حسنؓ نے عرض کیا:۔

"ابا جان! کیا میں نے آپ کو اس سے روکا نہیں تھا؟"

آپ نے فرمایا:۔

"بیٹا مجھے توقع ہی نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۰، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۱۵۱، کنز العمال جلد ۶ ص ۸۵ طبع حیدر آباد، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ ص ۲۷۵، ص ۲۸۵)

معرکۂ صفّین

پس منظر

سیدنا علیؓ کی بیعت کے بعد اکابر صحابہؓ کی نگاہیں اس بات پر تھیں کہ آپ کب

قاتلانِ عثمانؓ کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہیں اور جن لوگوں نے دن دہاڑے مدینہ طیبہ میں امیر المومنینؓ کو انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا ہے اُن کو کب اپنے کیے کا بدلہ دیتے ہیں، لیکن تمام لوگ متعجب ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ قاتلانِ عثمان نہ صرف آپ کے حاشیہ نشین ہیں بلکہ آپ اُن کو کاروبارِ حکومت کی ہر کلیدی آسامی پر متعین فرما رہے ہیں، کچھ صحابہؓ نے ذاتی طور پر سیدنا علیؓ سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ (الخضری جلد ۲ صـ۲۰۴، ابن الاثیر جلد ۳ صـ۱۰۰) اور ایک خونریز جنگ تک نوبت پہنچی۔

جنگِ جمل کی خونریز جنگ کے معاملے نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا علیؓ اور دیگر صحابہؓ کو اس بات کی ذرہ برابر توقع نہ تھی کہ دشمنانِ اسلام معاملہ کو اس حد تک پہنچا دیں گے[1] عثمان بن حنیفؓ اور قعقاع بن عمروؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اس جنگ میں شہید ہو گئے، کچھ صحابہؓ نے حالات کے اس طرح کروٹ بدلنے سے سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اموی سادات بصرہ اور مدینہ میں اپنا مستقبل اچھا اور خوشگوار نہ سمجھتے ہوئے سیدنا معاویہؓ کے پاس شام بھاگ گئے۔ (کما فی الطبری والبدایہ والکامل وغیرھا) ادھر سیدنا علیؓ کی انتظامیہ پر سبائیوں کا پورا پورا قبضہ تھا اور اب وہ کسی قیمت پر سیدنا علیؓ کو کسی سے صلح کی کوشش جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ اس میں ان کے لیے سراسر نقصان تھا۔

اسی اثنا میں سیدنا علیؓ نے اپنی قوتِ فکر سے اور سبائیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکزِ خلافت بنایا جائے کیونکہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا سازگار معلوم ہوئی، چنانچہ ۱۲ رجب ۳۶ھ کو آپ کوفہ تشریف لائے اور سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ:-

---

[1] بعض صحابہؓ اور خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ ابن علیؓ کو حالات کے اس نقطہ پر پہنچ جانے کا علم تھا اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا علیؓ کو ان اقدامات سے روکا جو انہوں نے کیے۔ (ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۲۴۰)

"لا تخرج منها فواللہ لئن خرجت منها لایعود الیها سلطان المسلمین ابدًا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۷۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۳)

اے علیؓ! تم مدینہ سے باہر مت نکلو، بخدا اگر (ایک دفعہ) آپ مدینہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی"!

عراق میں آپ (سیدنا علیؓ) کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ عبداللہ بن سبا کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر دو ہی تو صوبے تھے اور انہی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ تاریخ کا طالب علم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دارالخلافت کی اس تبدیلی سے آپ کو مستقبل میں بہت نقصان اٹھانا پڑا، ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے بابرکت اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے دوسرے آپ بالکل سبائیوں کے نرغے میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست اور انتظامیہ مالک الاشتر کنانہ ابن بشر اور دیگر سبائی سرغنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے ساری زندگی آپ کو مشکلات سے دوچار رکھا اور خلافت اسلامیہ کو پانچ چھ سال تک ابتلائے عظیم میں مبتلا رکھا۔

ملکی انتظامیہ میں تبدیلی

دوسری بات جس نے اسلامی تاریخ کا دھارا تشتت وافتراق کی طرف موڑ دیا وہ ملکی انتظامیہ میں فی الفور تبدیلی تھی۔ سیدنا عثمانؓ کی طرف سے مختلف صوبوں میں مندرجہ ذیل گورنر تھے :۔

کوفہ	(نماز کے لیے)	ابوموسیٰ الاشعریؓ
	(امور جنگ کیلئے)	قعقاع بن عمروؓ
	(امور مالیات کیلئے)	جابر بن عمرو المزنیؓ
بصرہ		عبداللہ بن عامرؓ
مصر		عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ

شام	معاویہ بن ابی سفیان رض
حمص	عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رض
قنسرین	حبیب بن مسلمہ فہری رض
اُردن	ابوالاعور بن سفیان رض
فلسطین	حکیم بن علقمہ رض
آذربائیجان	اشعث بن قیس رض
قرقیسیا	جریر بن عبداللہ رض
حلوان	عُتیبہ بن النہاس رض
قیساریہ	مالک بن حبیب رض
مکہ مکرمہ	عبداللہ بن الحضرمی رض
طائف	قاسم بن ربیعہ الثقفی رض
صنعاء	یعلیٰ بن اُمیہ رض
اصبہان	سائب بن الاقرع
ہمذان	النسیر
ری	سعید بن قیس رض
سبذان	جنیش

مدینہ طیبہ کے بیت المال پر عقبہ بن عمرو رض اور قضاء پر سیدنا زید ابن ثابت رض کو مقرر کیا گیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ٢٢٧، طبری جلد ۵ ص ــــ)

لیکن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے ہی جہاں اپنے دارالخلافت میں تبدیلی کی وہاں گورنروں میں بھی اہم تبدیلیاں کیں اور خلافتِ عثمانی کے قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے اُن کی جگہ کچھ تو اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر متعین فرمائے، چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو مختلف صوبوں میں گورنر بنایا۔

عبداللہ بن عباسؓ[1]	یمن
سمرہ بن جندبؓ[2]	بصرہ
عمارہ بن شہابؓ	کوفہ
قیس بن سعد بن عبادہؓ، محمد بن ابی بکر	مصر
سہل ابن حنیفؓ	شام
قثم بن عباسؓ، معبد بن عباسؓ	مکہ اور طائف
عبیداللہ بن عباسؓ (ایک روایت کے مطابق: ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۳)	یمن
تمام بن عباسؓ	مدینہ طیبہ
زیاد بن ابی سفیانؓ	فارس
اشعث بن قیسؓ (یہ خلافت عثمانی ہی سے یہاں تھے)	آذربائیجان
یزید بن قیسؓ	مدائن
مالک الاشتر (سبائی سرغنہ)	موصل، نصیبین، دارالبجرد، سنجار، آمد، میافارقین اور شام کے بعض مقبوضات پر

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۷، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴، الاخبار الطوال صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴، منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۷۳، المنتقی صفحہ ۳۸۲، ۳۸۴، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ صفحہ ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۳، جلد ۳ صفحہ ۵۷، جلد ۱ صفحہ ۲۳۸، صفحہ ۲۵۸، طبری جلد ۴ صفحہ ــــ، تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹، جلد ۲ صفحہ ۲۰۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی سیدنا علیؓ کے بارہ میں اپنے اقارب کو والی اور گورنر بنانا لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"ومعلوم ان علیاً ولی اقاربہ من قبل ابیہ وامہ کعبید اللہ

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے عبداللہ بن عباسؓ کا بصرہ کا گورنر ہونا لکھا۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۷۳)

[2] طبری کی ایک روایت میں عثمان بن حنیفؓ کا گورنر بصرہ ہونا لکھا ہے۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ــــ)

وعبید اللہ ابنی عباس فولّی عبید اللہ بن عباس علی یمن وولّی
علی مکۃ والطائف قثم بن عباس واما المدینۃ فقیل انہ ولّی
علیھا سھل بن حنیف وقیل ثمامۃ بن العباس واما البصرۃ
فولّی علیھا عبد اللہ بن عباس وولی علی مصر ربیبہ محمد بن ابی بکر
الذی رباہ فی حجرہ۔

اور یہ مسلّم ہے کہ سیدنا علیؓ نے باپ اور ماں کی طرف سے اپنے عزیز وا قارب کو گورنر مقرر فرمایا جیسے عبداللہ بن عباسؓ اور عبیداللہ بن عباسؓ کو، پس آپ نے عبیداللہ بن عباسؓ کو یمن کا گورنر بنایا اور مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ کو والی مقرر کیا، لیکن مدینہ پر ایک روایت کے مطابق سہل بن حنیف کو اور ایک روایت کے مطابق ثمامہ بن العباسؓ کو گورنر مقرر فرمایا اور بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ کو والی بنایا اور مصر کی گورنری اپنے ربیب محمد بن ابی بکر، جس کو آپ نے گود وں پالا تھا، کے سپرد کی۔"

(منہاج السنۃ جلد ۳ صـ۱۷۲)

ہو سکتا ہے کہ آپ کی قوت فکر نے یہ محسوس کیا ہو کہ حسب دستور آپ اپنی کابینہ کا انتخاب فرما کر جلد حالات پر قابو پالیں گے کیونکہ جب تک ملک کے انتظامی عہدوں پر آپ کے اپنے آدمی نہیں ہوں گے اس وقت تک آپ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، لیکن حالات کے دھارے نے یہ بتا دیا کہ جس شے کو آپ اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتے تھے وہی شے آپ کی ناکامی کا سبب بنی، لوگوں کو خیال تھا کہ خلافتِ عثمانی کے گورنروں کو آپ بیشک معزول فرماتے لیکن کسی وجہ سے، اور اگر بغیر وجہ ہی کے معزول فرمانا تھا تو کم از کم حالات کے نشیب و فراز کو دیکھ کر معزول فرماتے، چند روز قبل تو امیر المؤمنینؓ کو دن دیہاڑے شہید کیا گیا، مفسدین میں آپ کا ربیب محمد بن ابی بکر بھی تھا اور مالک الاشتر بھی اور دوسرے باغی بھی تھے جو اب آپ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے اور ہر کام میں آپ کے شریک کار اور مشیر تھے جس سے خواہ مخواہ ذہن اس طرف جاتا تھا کہ شاید آپ کا بھی شہادتِ عثمانؓ میں ہاتھ ہے، اس کے ساتھ آپ کا مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے چند روز بعد خلافتِ عثمانی کے

گورنروں کو یکدم معزول کر دینا اور مالک الاشتر جیسے سبائی سرغنہ کو بھی گورنر مقرر کرنا لوگوں کے لیے زیادہ غلط فہمی کا باعث بن گیا، اور پھر باوجود صحابہ کے مطالبہ و اصرار کے آپ کا قصاصِ عثمان کی طرف پوری توجہ نہ دینا، ان سب چیزوں نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے اور خلافتِ اسلامیہ میں آپ کے متعلق لوگوں کی ہمدردیاں زیادہ پختہ نہ ہو سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ جمل میں کئی ہزار لوگوں نے سیدہ عائشہؓ کا ساتھ دیا اور بہت سے اکابر صحابہ نے آپ (سیدنا علیؓ) کا ساتھ نہ دیا۔

مملکتِ اسلامیہ کے بارہ صوبوں میں عثمانی گورنروں میں بغیر کچھ وجہ بتائے اور بغیر اُن کی جواب طلبی کئے اتنی جلدی تبدیلی اور مقرر کردہ گورنروں میں چار جگہ اپنے ہی خاندان کے لوگوں کا تقرر، پھر آپ کی اپنی فوج میں مفسدین کی اور قاتلانِ عثمان کی موجودگی آپ کے اپنے لشکر میں انتشار کا سبب بن گئی اور سپاہیوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، چنانچہ مالکُ الاشتر نے جو خود بھی بعض علاقوں کا گورنر رہ چکا تھا جب دیکھا کہ سیدنا علیؓ نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گورنر مقرر فرمایا ہے اور ان کے گورنروں میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو مملکتِ اسلامیہ کے استحکام کا باعث ہو سکتے ہیں تو وہ غضبناک ہو گیا اور بولا:۔

"علی ما قتلنا الشیخ إذن۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۹۴)

پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا"

سبائی کسی صورت بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافتِ اسلامیہ مستحکم ہو، وہ تو مملکتِ اسلامیہ اور اسلام میں ایک ایسا فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے جس سے ایک تو (معاذاللہ) مسلمانوں کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے اور دوسرے اُن کی آتشِ انتقام کو تسکین ہو۔

آپ نے جن گورنروں کو چارج لینے کے لیے باہر بھیجا اُن کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی اور وہاں کے لوگوں اور خلافتِ عثمانی کے گورنروں نے ان کو شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ چنانچہ سہل بن حنیفؓ جن کو سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کی جگہ شام کا گورنر بنا کر بھیجا تھا شام جاتے ہوئے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو آپ کو سیدنا معاویہؓ کے چند گھوڑ سوار ملے انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ سہل بن حنیفؓ نے جواب دیا: "میں امیر ہوں" انہوں نے

پوچھا کس شے پر امیر ہو؟ کہا "صوبہ شام کا امیر ہوں"۔
ان گھوڑ سواروں نے کہا کہ اگر تو سیدنا عثمانؓ نے آپ کو بھیجا ہے تو پھر اَھلًا وَّسَھْلًا وَمَرْحَبًا۔ اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر واپس تشریف لے جائیے۔ چنانچہ وہ سیدنا علیؓ کے پاس واپس تشریف لے آئے اور ان کو تمام حالات سے مطلع کر دیا۔
اسی طرح آپ کے گورنر قیس بن سعد جو کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کی جگہ پر تشریف لے گئے اُن کے جانے پر بھی وہاں اختلاف واقع ہو گیا حالانکہ وہاں پہلے ہی محمد بن ابی حذیفہؓ جو کہ سیدنا علیؓ کے خاص آدمی تھے حالات کو قابو میں کئے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی اور ایک گروہ کہنے لگا:۔
"لا نبایع حتی نقتل قتلۃ عثمان۔
ہم اُس وقت تک بیعت نہ کریں گے جب تک کہ قاتلانِ عثمانؓ کو (قصاص میں) قتل نہ کر لیں"
لیکن اکثریت نے بیعت کر لی (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) یہی حال بصرہ اور کوفہ کے گورنروں کا ہوا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صـ۱۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۲۲۸، ۲۲۹)

سیدنا معاویہؓ اور مطالبۂ قصاص

سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا نعمان بن بشیرؓ صحابی رسول امیر المومنین کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیض اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں لیکر شام میں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں جا کر مدینہ میں باغیوں کی بربریت اور دہشت گردی اور امیر المومنینؓ کی مظلومانہ شہادت کا حال بیان کیا اور آپ کا خون آلود کرتہ اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی دکھائیں، سیدنا معاویہؓ نے وہ کرتہ اور انگلیاں لوگوں کو دکھلانے کے لیے منبر پر رکھ دیں، اس منظر نے لوگوں کو رُلا دیا، وہ امیر المومنینؓ کی اس مظلومانہ شہادت کا تصور کر کے اور ان کی قمیض جو کہ خون سے لت پت تھی دیکھ کر زار و قطار

روتے بلکہ بعض روایات کے مطابق ایک سال تک روتے رہے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ اور خود مدینہ طیبہ سے قاتلانِ عثمان سے قصاص کے مطالبہ کی تحریک شروع ہوئی اور اکابر صحابہ کے وفد نے سیدنا علیؓ سے مل کر کہا کہ "ہم نے اسلامی حدود کے نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی لیکن آپ قاتلانِ عثمانؓ کو پناہ دے رہے ہیں اور ان کو اپنا معاون و مددگار اور شریکِ محفل بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اسلامی حکومت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہیں لہٰذا شریعتِ اسلامی کے اقتضاء کے مطابق آپ انہیں سزا دیجئے"۔ (ایام العرب ص ۳۲۲، الخضری جلد ۲ ص ۲۰۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۰)۔

شام میں بھی سیدنا معاویہؓ، سیدنا عبادہ بن الصامتؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا ابو امامہؓ، سیدنا عمرو بن عبسہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور تابعین میں سے شریک بن حباشہؒ، ابومسلم الخولانیؒ اور عبدالرحمٰن بن غنمؒ وغیرہ نے لوگوں کو اس مطالبہ کی حمایت کے لیے کہا، لوگ تو پہلے ہی امیرالمؤمنین کی مظلومانہ شہادت پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے اور باہر سے بھی اس مطالبہ کی خبریں ان کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں لہٰذا انہوں نے فوراً ان صحابہؓ اور اکابرینِ اُمت کی آواز پر لبیک کہا اور قاتلانِ عثمان سے قصاص کے مطالبہ کے لیے پورا شام اُٹھ بیٹھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، ۲۲۸)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو جب سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت اور سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی جنگِ جمل میں شہادت کے بارہ میں علم ہوا تو انہوں نے اہلِ شام سے صورتِ حال کے بارہ اور سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے بارہ میں مشورہ طلب کیا، تمام اہلِ شام نے یک زبان ہو کر سیدنا عثمانؓ کے خونِ ناحق کا قصاص طلب کرنے کی تائید کی اور:

"فَبَايَعُوْهُ عَلٰى ذٰلِكَ اَمِيْرًا غَيْرَ خَلِيْفَةٍ۔ انہوں نے خلیفہ ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ امیر ہونے کی حیثیت سے طلبِ قصاص کے لیے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی"۔

شام میں قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کیا

تھا بلکہ بعض صحابہ اور رؤسائے شام نے انہیں اس مطالبہ کے لیے مجبور کیا چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا جریرؓ بن عبداللہ سیدنا علیؓ کا خط لے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی گئی تھی تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور دوسرے رؤسائے شام کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔

"فابوا ان یبایعوہ حتٰی یقتل قتلۃ اویسلم الیھم قتلۃ عثمان۔ تو انہوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے اُس وقت تک انکار کیا جب تک کہ قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے (اور اگر سیدنا علیؓ ان سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے) تو قاتلانِ عثمان کو ان کے حوالہ نہ کر دیا جائے"۔ اور اگر سیدنا علیؓ ان دو باتوں میں سے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتے تو "قاتلوہ ولم یبایعوہ حتٰی یقتل قتلۃ عثمان۔ اُن کے ساتھ قتال کیا جائے اور ان کی اُس وقت بیعت نہ کی جائے جب تک کہ وہ قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کریں"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۳)

سیّدنا معاویہؓ کی معزولی اور اُس کا ردِ عمل

اِدھر شام میں یہ کاروائیاں ہو رہی تھیں اُدھر مدینہ طیبہ میں سیدنا معاویہؓ کی معزولی کی تدبیر کی جا رہی تھی، وہ معاویہؓ جو سیدنا عمرؓ کے زمانہ سے شام کے گورنر چلے آرہے تھے اور اپنی فکری، علمی، عملی قابلیتوں کی وجہ سے وہاں سلطنتِ اسلامیہ کی دھاک بٹھائے ہوئے تھے اُن کو اب صرف اس وجہ سے اپنے عہدے سے ہٹایا جا رہا تھا کہ اُن کا سیدنا عثمانؓ اور اُن کے خاندان بنو اُمیہ سے تعلق تھا کئی صحابہ نے اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی مخالفت کی اور گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست و تدبّر میں اپنی مثال آپ تھے سیدنا علیؓ سے عرض کیا کہ آپ معاویہؓ اور دوسرے عثمانی گورنروں

کو اپنے مناصب سے ہٹانے میں اتنی جلدی نہ کریں، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں، اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں، اس سے ایک تو آپ کی بیعت سب علاقوں میں آسانی سے ہو سکے گی دوسرے ان شہروں میں امن و امان بھی بحال رہے گا اور لوگ بھی پُرسکون زندگی گزارتے رہیں گے۔ لیکن سیدنا علیؓ نے ان کی ایک نہ سنی، پھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بھی آپ کو سمجھایا کہ آپ ابھی معاویہؓ کو برطرف نہ کریں اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو حالات کے انتا خراب ہونے کا امکان نہیں لیکن اگر ان کو شام کی گورنری سے ہٹا دیا گیا جہاں وہ بیس سال سے رہ رہے ہیں اور پورا شام ان کے زیرِ تصرف اور زیرِ اثر ہے تو سارے شام، عراق اور دوسرے صوبوں کی فضاء آپ کے خلاف مکدر ہو جائے گی، لیکن سیدنا علیؓ نے ان کے مشورہ پر بھی توجہ مبذول نہ فرمائی۔

(اخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ص۱۴۲، البدایہ جلد ۷ ص۲۲۸، تاریخ الاسلام ص۱۶۶)

سیدنا علیؓ نے اپنی فکر کے ماتحت سہل ابن حنیفؓ کو سیدنا معاویہؓ کے بجائے وہاں کا گورنر مقرر فرما کر بھیجا لیکن سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں نے ان کو شام کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور مقام تبوک ہی سے ان کو واپس کر دیا۔

(طبری جلد ۵ ص۱۶۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۰۳)

اس کے بعد سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کو کئی خطوط لکھے جن میں یہ لکھا کہ مہاجرین و انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، لیکن سیدنا معاویہؓ پریشان تھے کہ کیا جواب دیا جائے کیونکہ شام میں قاتلانِ عثمان سے قصاص کی تحریک زوروں پر تھی۔ چنانچہ صفر المظفر ۳۶ھ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے تین ماہ بعد سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایک خاص قاصد کی معرفت آپ کو جواب بھیجا، سیدنا علیؓ نے جب لفافہ کھولا تو اس میں سوائے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور مِنْ مُعَاوِيَةَ إِلَى عَلِيٍّ کے اور کچھ نہ تھا، اس سے سیدنا علیؓ نے حالات کی ناخوشگواری کا اندازہ لگا لیا۔

قاصد نے زبانی بھی وہاں کا سارا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا کہ سارا شام قاتلانِ عثمان

سے قصاص لینے پر تُلا ہُوا ہے، اور کہا کہ میں نے شام میں ۶۰ ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ جب تک وہ اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اُس وقت تک اُن کی تلواریں بے نیام رہیں گی ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۲، طبری جلد ۵ ص ، اخبار الطوال ص ۱۴۱)

یہ جواب سنکر سیدنا علیؓ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، آپ کے ساتھیوں نے پھر آپ کو روکا لیکن آپ نے ان کی بالکل نہ مانی، خود آپ کے بڑے صاحبزادے سیدنا حسنؓ بن علیؓ نے کہا :۔

"یا ابتی دع ھذا فان فیہ سفك دماء المسلمین ووقوع الاختلاف بینھم۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۲۹)

ابا جان! آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی ہوگی اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہونے کا اندیشہ ہے"

لیکن انہی حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ :۔

"فلم یقبل منہ ذٰلك بل صمم علی القتال ورتب الجیش۔

اس مشورے کو انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس کے لیے لشکر بھی مرتب کر لیا" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

آپ نے محمد بن حنفیہؓ کو عَلَم بردار، عبداللہ بن عباسؓ کو میمنہ پر، عمرو بن ابی سلمہؓ کو میسرہ پر، اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے بھتیجے ابولیلیٰؓ کو مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر فرمایا، قثم بن عباسؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ غرض کہ سیدنا معاویہؓ سے جنگ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کر لیں اور شام کا قصد کرنے ہی والے تھے کہ درمیان میں جنگِ جمل کا حادثہ پیش آ گیا جس کا اجمالی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے ۔



حضرت معاویہؓ سے مصالحت

جنگِ جمل کی خونریزی نے سیدنا علیؓ کو بہت زیادہ متاثر کیا لہٰذا انہوں نے اب پہلے مصالحت کے لیے سیدنا معاویہؓ کو ایک خط لکھا اور سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، آپ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشتر سبائی نے بڑے شک و شبہ کا اظہار کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:۔

"لا تفعل فان هواه مع معاوية۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۳)
اس کو نہ بھیجیں کیونکہ اس کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں"

لیکن سیدنا علیؓ نے اشتر کی بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو خط دے کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ مہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی ہے لہٰذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق رؤسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان کو وہ خط سنا کر مشورہ طلب کیا لیکن ان سب نے یک زبان ہو کر سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں کہ:۔

"فابوا ان يبايعوه حتى يقتل قتلة عثمان او ان يسلم اليهم قتلة عثمان وان لم يفعل قاتلوه ولم يبايعوه حتى يقتل قتلة عثمان رضي الله عنه۔ (البداية والنهاية ج ۷ ص ۲۵۳)

ان روساء نے اس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد نہ کیا جائے (تاکہ اگر سیدنا علیؓ قاتلانِ عثمان کو قتل نہیں کر سکتے تو وہ کریں) اور اگر آپ (سیدنا علیؓ) ایسا نہیں کرتے تو وہ ان سے قتال کریں اور اس وقت تک ان کی بیعت نہ کریں جب تک کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قصاص

میں قتل نہ کر دیا جائے۔"

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبداللہؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریرؓ بن عبداللہ نے دیکھا کہ لوگ امیر المومنین عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلانِ عثمان سے قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک وہ نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے اور جو آدمی قصاصِ عثمانؓ کے آڑے بھی آئے گا اس سے بھی جنگ لڑیں گے۔

چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے شام میں جو کچھ دیکھا اس کی پوری رپورٹ سیدنا علیؓ کو دے دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلانِ عثمان سے قصاص کے بارہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی شہادت میں ہاتھ ہے اور انہوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ جریر بن عبداللہ کے منہ سے یہ واقعات سنکر مالک الاشتر لال پیلا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے کہا کہ میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں، اگر آپ مجھے قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی، لیکن سیدنا جریرؓ نے کہا "بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ آنے دیتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلانِ عثمان میں سے ہو۔"

مالک الاشتر نے آگے سے کچھ الٹا ہی جواب دیا، جس پر سیدنا جریر بن عبداللہ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قرقیسا میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کو اپنی اس بات چیت سے مطلع کر دیا۔

سیدنا علیؓ نے مصالحت کی کوششیں رائیگاں سمجھتے ہوئے جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے کرنا شروع کر دیں اور اپنے تمام گورنروں اور حکام کو ملک کے دور دراز حصوں سے جنگ میں شرکت کے لیے خطوط لکھے، جس سے قریباً اسی ہزار آدمیوں کا

لشکر تیار ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۳، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۲، ۱۴۱)

سیدنا معاویہؓ کی جوابی کاروائی

سیدنا معاویہؓ کو جب پتہ چلا کہ سیدنا علیؓ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی جوابی کاروائی کے طور پر جنگ کے انتظامات کرنے شروع کر دیئے، آپ کا ارادہ بالکل جنگ کرنے کا نہیں تھا آپ تو صرف قاتلانِ عثمان سے قصاص لینا چاہتے تھے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ :۔

"لم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال۔ (منہاج السنۃ ج۲ صفحہ ۲۱۹، ۲۲۰)

معاویہؓ نے (صفین کی) جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ تو اس بات کے سب سے زیادہ خواہشمند اور حریص تھے کہ یہ قتال اور خونریزی نہ ہو"۔

آپ کی یہ ساری تیاری صرف مدافعانہ تھی نہ کہ جارحانہ، آپ سیدنا علیؓ کے مقام اور مرتبہ سے بخوبی واقف تھے جیسا کہ آپ نے کئی موقعوں پر اس کا اقرار بھی کیا لیکن ادھر سیدنا علیؓ کی فوج میں مالک الاشتر، محمد بن ابی بکر، کنانہ بن بشر وغیرہم سبائی سرغنہ قائدانہ حیثیت سے شامل تھے، اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے دو گروہوں کو ضرور آگ کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے تھے کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا جس کی وجہ سے قتلِ عثمانؓ کے بعد ان کی جان بچ سکتی تھی۔

بعض دشمنانِ اسلام نے واہی تباہی بکواس کر کے اور غلط قسم کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہؓ کی بڑی گھناؤنی تصویر پیش کی ہے اور ان کی بلند اور ارفع شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان ناقدین نے خود اپنی شخصیتوں کو داغدار کر دیا ہے۔

○

اکابر صحابہؓ کا سیدنا علیؓ سے اختلاف

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر مخلص اور بہی خواہان کو پھر صدمہ اور پریشانی لاحق ہونے لگی کیونکہ ابھی تک جنگِ جمل کے شہداء کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا خونریز مرحلہ اُمت کے سامنے پیش آگیا، یہ جنگ بھی کفر و اسلام کے درمیان میں نہیں تھی بلکہ جنگِ جمل کی طرح اکابرینِ اُمت کے درمیان تھی جو "اساطینِ اُمت" کہلاتے تھے، اس لیے اکثر صحابہ نے اس آگ سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی اور اکثر اس میں کامیاب بھی ہو گئے، اہلِ مدینہ نے بھی سیدنا علیؓ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ابنِ جریر طبری نے لکھا ہے کہ :۔

"فاشتد علی اھل المدینۃ الامر فتثاقلوا۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۴)

اہلِ مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریق سے اپنا پہلو بچایا۔"

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ :۔

"فندب اھل المدینۃ لمسیرھم فتثاقلوا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۰۵)

اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کیلئے آپ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہلِ مدینہ کے طرزِ عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

"وکان علیؓ لما عزم علی قتال اھل الشام قد ندب اھل المدینۃ الی الخروج معہ فابوا علیہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۳۰)

سیدنا علیؓ نے جب اہلِ شام کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کیا تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کیا۔"

اس کے بعد آپ نے انفرادی طور پر مختلف صحابہ سے ساتھ چلنے کی اپیل کی، سیدنا

عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ان کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی تو آپ نے کہا:۔

"انما انا من اھل المدینۃ وقد دخلوا فی ھذا الامر فقد خلت معھم فان یخرجوا اخرج معھم وان یقعدوا اقعد۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۰۵)

میں اہلِ مدینہ میں سے ہوں اگر وہ اس معاملہ میں شامل ہوئے تو میں بھی شرکت کروں گا لیکن اگر انہوں نے شرکت نہ کی تو میں بھی شرکت نہیں کروں گا اور اگر وہ بیٹھ گئے تو میں بھی بیٹھ جاؤں گا"

چنانچہ جب عبداللہ بن عمر الفاروقؓ نے اہلِ مدینہ کی طرف رجوع کیا تو اُن کو یہ کہتے ہوئے پایا:۔

"واللہ لا ندری کیف نصنع فان ھذا الامر لمشتبہ علینا و نحن مقیمون حتی یضیئ لنا ویسفر۔ (طبری جلد ۵ ص۱۶۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۰۵)

بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے، جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے اُس وقت تک ہم اس بارہ میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے"

اہلِ مدینہ کا یہ جواب سُنکر آپ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، خود سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حسن ابن علیؓ اہلِ شام کے ساتھ جنگ کرنے کے سخت مخالف تھے اور انہوں نے سیدنا علیؓ سے کہہ دیا:۔

"ابا جان! آپ اس ارادہ کو چھوڑ دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی اور باہمی اختلاف کے سوا اور کچھ نہیں۔

لیکن آپ نے ان کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۲۹)

جنگِ جمل کی خونریزی کے موقع پر بھی جب سیدنا علیؓ نے بصد حسرت و یاس اپنے بیٹے سیدنا حسنؓ سے فرمایا:۔

"یا حسن لیت اباک مات منذ عشرین سنۃ۔

اے حسن! کاش کہ تیرا باپ آج سے بیس سال قبل اس دنیا سے انتقال کر گیا ہوتا (اور آج یہ خونریزی نہ دیکھتا)۔"

جواب میں سیدنا حسنؓ نے کہا:۔

"یا ابہ قد کنت انھاک عن ھذا۔

ابا جان! کیا میں نے آپ کو پہلے ہی منع نہیں کیا تھا؟"

آپ نے فرمایا:۔

"یا بُنَیَّ انی لم ار ان الامر یبلغ ھذا۔ (البدایہ ج۷، ص۲۴۰)

بیٹا! مجھے تصور بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔"

سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور کوفہ کے لوگوں سے ساتھ چلنے کے لیے کہیں آپ نے بھی ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک فتنہ برپا ہوگا۔

"النائم فیھا خیر من الیقظان والیقظان خیر من القاعد والقاعد خیر من القائم والقائم خیر من الراکب والراکب خیر من الساعی۔ (البدایۃ والنھایۃ جلد ۷ ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اس فتنہ کے زمانے میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہے اور جاگنے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہے اور بیٹھا ہوا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا سوار سے بہتر ہے اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہے ——

لہٰذا تم لوگ اپنی تلواروں کو نیاموں میں کر لو اور اپنے نیزوں کو کُند کر لو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے۔"

غرضیکہ انہوں نے بھی اس کشمکش سے پہلو تہی کی۔

سیدنا علیؓ کے حقیقی بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ بھی آپ کی اس روش کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ آپ کے لشکر میں اکثریت قاتلانِ عثمان اور اُن لوگوں کی ہے جو مملکتِ اسلامیہ میں فتنہ و فساد کا باعث ہوئے ہیں، سیدنا علیؓ کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ

کے پاس شام چلے گئے۔ چنانچہ شیعی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیرالمؤمنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ"

(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص۱۵)

اور عقیل اپنے بھائی علیؓ امیرالمؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ ہوگئے اور معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علیؓ سے) صفین کی جنگ لڑی۔"

ان اکابرین کے سوا اور کئی ایک دوسرے حضرات بھی اس بات کے قطعاً حامی نہیں تھے کہ حضرت علیؓ اہلِ شام سے جنگ کریں۔

مصالحت کی ایک اور کوشش

ادھر سیدنا معاویہؓ کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر شام کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو خط و کتابت یا زبانی بات چیت کے ذریعہ طے کیا جائے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہو، چنانچہ وہاں کے ایک عابد شب زندہ دار اور درد مند بزرگ ابو مسلم الخولانیؒ[1] چند مسلمانوں کی معیت میں

---

[1] ابو مسلم الخولانیؒ ایک نہایت باعظمت اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اصل نام عبداللہ بن ثوب اور بعض کے نزدیک عبد بن ثوب ہے، کنیت ابو مسلم ہے۔ آپ یمن کے شہر خولان کے رہنے والے تھے، اس وجہ سے خولانی کہلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں مشرف باسلام ہوئے لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی سعادت سے محروم رہے، اس وجہ سے تابعین میں سے شمار ہوتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن کے ایک شخص اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اس نے اپنی نبوت کی تصدیق کے لیے انہیں بلوایا، جب آپ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ :۔

"انت تنازع علیاً ھل انت مثلہٗ ؟

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علیؓ سے برسرپیکار رہونا چاہتے ہیں، کیا آپ اپنے کو ان کے ہم پایہ اور برابر سمجھتے ہیں ؟

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) پوچھا "کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت و نبوت کی تصدیق کرتے ہو؟ آپ نے برملا فرمایا "ہاں" اس کے بعد اس نے پوچھا کیا تم میری نبوت کی تصدیق کرتے ہو ؟ آپ نے جواب دیا "میں یہ بات سُننا بھی گوارا نہیں کرتا" اسود عنسی نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ ان کو آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں پھینک دیا جائے ۔ چنانچہ آپ کو ایک بہت بڑے آگ کے الاؤ میں پھینک دیا گیا لیکن آپ پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ بالکل صحیح اور سلامت رہے ۔ پھر اسود عنسی نے انہیں جلاوطن کر دیا تاکہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگ میری نبوت کا انکار نہ کر دیں ۔

آپ وہاں سے مدینہ طیبہ تشریف لائے، اس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے، آپ جب سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے تو سیدنا فاروق اعظمؓ بھی وہاں تشریف فرما تھے ۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں اپنے اور سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے درمیان بٹھایا، یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا، اس کے بعد سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے سیدنا ابو مسلم الخولانیؒ کی پیشانی کو شفقت و محبت کی وجہ سے بوسہ دیا اور فرمایا :۔

"اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امتِ محمدیہ کے ایسے شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا خلیل اللہ والا معاملہ کیا"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۶ ، حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۹)

سیدنا ابو مسلم الخولانیؒ نہایت صاحب کرامت بزرگ تھے، ان کی بہت سی کرامتیں کتابوں میں مرقوم ہیں (ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت حق گو اور بیباک تھے، اسی حق گوئی ہی کی وجہ سے اسود عنسی نے انہیں آگ میں پھینکوایا تھا، ان کی حق گوئی کے بھی کئی واقعات کتابوں میں درج ہیں ۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا:۔

لا واللہ انی لاعلم ان علیاً افضل منی واحق بالامر ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوماً وانا ابن عمہ وانا اطلب بدمہ فاتوا علیاً فقولوا لہ فلیدفع الی قتلۃ عثمان واسلم لہ۔

خدا کی قسم میں اپنے کو علیؓ کے برابر ہرگز نہیں سمجھتا بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور امرِ خلافت میں مجھ سے زیادہ حق دار ہیں لیکن کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور سیدنا علیؓ سے سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کا طلبگار ہوں۔ لہٰذا تم علیؓ سے جاکر کہو کہ اگر وہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہیں ہمارے حوالے کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے پھر دیکھیں کہ میں کیسے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہوں اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتا ہوں۔"

(تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸)

ابومسلم الخولانیؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور امت کے لیے ایک درد تھا وہ اس معاملہ کو خونریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ سب مطالبات مجھے لکھ دیں میں خود سیدنا علیؓ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابومسلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامع پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابومسلم الخولانیؒ کے ہاتھ سیدنا علیؓ کو روانہ کیا:۔

"امابعد! سیدنا عثمان امیرالمومنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کیے گئے، آپ ان کے گھر کا شوروغل اور آہ و بکا سنتے رہے لیکن اپنے قول و عمل سے اس کا کوئی مداوا نہ کیا، میں بقسم کہتا ہوں کہ آپ اگر اخلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو ان کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں، ہمارے کانوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتلِ عثمان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ (اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے) اور اے علیؓ! آپ یقین رکھیے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے، خدائے بزرگ و برتر کی قسم! ہم بحر و بر سے قاتلانِ عثمان کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیں گے۔"

ابو مسلم الخولانیؒ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؓ کی خدمت میں پہنچے، خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیئے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے، آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لیں کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں، لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں، اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیں گے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے۔

سیدنا علیؓ نے ابو مسلم الخولانیؒ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سُنیں، آپ نے اُس روز تو ابو مسلمؒ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا، دُوسرے دن ابو مسلمؒ جامع مسجد کوفہ میں جب آپ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح آدمی یہ نعرے لگا رہے تھے:۔

"کلنا قتلۃ عثمان۔ ہم سب قاتلانِ عثمان ہیں"۔

یہ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے، بعد ازیں سیدنا علیؓ نے زبانی

ابومسلم الخولانیؒ سے کہا کہ قاتلوں کو ان لوگوں کے حوالہ کرنا میرے امکان سے باہر ہے لہٰذا میں مجبور ہوں اور سیدنا معاویہؓ کے خط کا حسب ذیل تحریری جواب دیا۔

"معاویہؓ! قتلِ عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں میں اس سے بالکل بری ہوں نہ میں نے کسی کو ان کے خلاف بھڑکایا ہے اور نہ ہی کسی کی معاونت کی ہے، ہاں جب ہنگامہ نے زیادہ خطرناک صورتحال اختیار کرلی تو میں خانہ نشین ہوگیا، میرے خیال میں قاتلانِ عثمان سے قصاص کے مطالبہ کو آپ اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اگر آپ اس فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہی آپ سے کیا جائے گا۔"

(اخبار الطوال ص۱۷۳، ۱۷۴ ملخصاً)

گشتی مراسلہ

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے تمام عالمِ اسلامی کو وہ اسباب اور وجوہات لکھ بھیجیں جنہوں نے انہیں اس بات پر مجبور کیا اور انہیں سیدنا علیؓ کے گورنروں اور حکام کے نام بھی روانہ کیا، آپ نے لکھا کہ:۔

"تم لوگ اطاعت و جماعت کی طرف دعوت دیتے ہو، وہ جماعت جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے، رہی تمہارے دوست کی اطاعت سو وہ ہم پر فرض نہیں کیونکہ تمہارے دوست (سیدنا علیؓ) نے ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا، ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا، ہمارے خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی اور ان کو اپنے ہاں بڑے بڑے عہدوں سے نوازا، تمہارا رفیق کہتا ہے کہ میں قتلِ عثمان سے بری ہوں، ہم اس کی تردید نہیں کرتے لیکن کیا تم لوگوں نے عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا ہے؟ کیا وہ علیؓ کے دوست نہیں ہیں؟ کیا وہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہے

ہیں؟ تمہارے امام کا فرض ہے کہ وہ ان قاتلوں سے قصاص لے اور اگر خود قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو ان قاتلوں کو ہمارے حوالہ کریں تاکہ ہم خلیفۃ المسلمین کے قتل کا قصاص لیں اور پھر اطاعت و جماعت کی طرف لبیک کہیں۔" (طبری جلد ۶ صـــ)

سیدنا معاویہؓ کے اس گشتی مراسلہ نے سیدنا علیؓ کے لیے ایک بہت بڑی مشکل پیدا کر دی جس کا حل بہت دشوار تھا کیونکہ سیدنا علیؓ کے لیے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینا یا ان کو طالبانِ قصاص کے حوالے کرنا آسان کام نہیں تھا، جبکہ وہی لوگ آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار تھے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمام لوگوں میں شک کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے جس سے آپ کی پوزیشن مخدوش ہونے کا قوی احتمال تھا خواہ اس حادثہ میں آپ کا دخل ہو یا نہ ہو۔

سیدنا علیؓ نے اس گشتی مراسلے کا ایسا مبہم سا جواب دیا جس سے لوگوں کے دل مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ اس الزام کو واضح طور پر رفع نہ کر سکے جو کہ سیدنا معاویہؓ نے آپ پر لگایا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اعوان و انصار کی ایک کافی تعداد آپ سے کٹ گئی۔

سیدنا علیؓ کی شام کو روانگی

دونوں حضرات اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور مصالحت کی سب تدبیریں الٹ گئی تھیں جس کے نتیجہ میں وہ ہنگامہ پیش آ گیا جس سے بچنے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔ سیدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا کہ معاویہؓ اپنے مطالبہ سے باز نہیں آ رہے ہیں تو آپ نے سیدنا ابو مسعود انصاریؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر ذوالحجہ ۳۶ھ میں اسّی ہزار[1] فوج کے ساتھ کوفہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔

---

[1] یعقوبی وغیرہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں ستر بدری صحابہ، سات سو[2] بیعتِ رضوان کے شرکاء اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا علیؓ کے لشکر کی روانگی کے متعلق سُنکر سیدنا معاویہؓ بھی شام سے نکل پڑے، ان کا مقدمۃ الجیش ابوالاعور سلمی کی قیادت میں جارہا تھا کہ راستہ میں سیدنا علیؓ کے ہراول دستہ سے مٹھ بھیڑ ہوگئی، ابوالاعور سلمی نے سیدنا علیؓ کے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا جس سے معاملہ بڑھ گیا، علوی فوج کے افسر زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی نے سارا دن نہایت بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، اسی اثنا میں حضرت علیؓ کی فوج سے اشتر النخعی کمک لے کر آگیا، ابوالاعور نے حالات کی نزاکت کے تحت رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹالیا اور سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؓ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی، انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور وہاں اپنے ڈیرے جما دیئے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) چار سو عام مہاجر و انصار تھے (جلد ۲ صفحہ ۲۱۸) لیکن ان کی روایت درست نہیں ہے، امام ابن کثیرؒ نے امام محمد بن سیرینؒ کا اس بارہ میں ایک قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "فتنہ اٹھا اور اصحابِ رسولؐ اس وقت دس ہزار تھے لیکن ان میں سے سو بھی اس میں شامل نہ تھے بلکہ تیس بھی نہیں تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۳) اور امام شعبہؒ سے جب یہ کہا گیا کہ ابوشیبہ یہ کہتے ہیں کہ جنگِ صفین میں ستر بدری صحابہ نے شرکت کی تو امام شعبہؒ نے فرمایا: "کذب ابوشیبہ۔ ابوشیبہ سے غلطی ہوگئی ہے۔"

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

"اما ان رجالاً من اهل بدر لزموا بيوتهم بعد قتل عثمان فلم يخرجوا الا الى قبورهم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۳)

اصحابِ بدر شہادتِ عثمانؓ کے بعد خانہ نشین ہوگئے اور وہ اپنی قبروں کے سوا اور کہیں نہ نکلے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی تاریخی شہادتیں اس بات پر موجود ہیں کہ جنگِ صفین میں سیدنا علیؓ کے ساتھ اصحابِ بدر، اصحابِ بیعتِ رضوان اور مہاجرین و انصار کی اتنی بڑی تعداد نہیں تھی جتنی کہ بیان کی جاتی ہے۔

ایک من گھڑت روایت

غرض دریائے فرات کے کنارے صفین کے میدان میں دونوں فوجیں اُتر پڑیں۔ الدینوری نے اخبار الطوال صفحہ ۱۶۸، مسعودی نے مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۸۶، طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک جلد ۵ صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱، ابن الاثیر نے الکامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۵ اور ابن الطقطقی نے کتاب الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ کے صفحہ ۸۲ پر شیعی روایات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے پہلے سے جاکر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور انہوں نے سیدنا علیؓ کے لشکریوں کا پانی بند کر دیا اور جب سیدنا علیؓ کے لشکریوں کو زیادہ پیاس لگی تو انہوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا تاکہ وہ پانی لائے لیکن سیدنا معاویہؓ کے آدمیوں نے کہا:۔

"موتوا عطشا کما منعتم عثمان الماء۔ پیاسے مرو جس طرح تم نے عثمانؓ پر پانی بند کیا۔"

اس پر دونوں طرف سے پہلے نیزہ بازی ہوتی رہی اور بعد میں تلواروں کی جھنکار پڑی اور کئی سو آدمی شہید ہو گئے یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں سے گھاٹ کو واگذار کرا لیا گیا۔

یہ روایت ایسی ہے کہ نہ تو اس کی کوئی سند ہے اور نہ ہی درایت کے لحاظ سے یہ درست ہے، یار لوگوں نے فراغت سے ایسی روایات گھڑی ہیں اور صحابہ کرامؓ جو کہ قرآن و حدیث کے اوّلین راوی تھے، کے مقام اور احترام کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے یہ ایک سازش کی گئی ہے، کیونکہ قرآن و حدیث کو مخدوش اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ پہلے صحابہؓ کے مقام کو مخدوش کیا جائے۔ کتنے ظالم اور دین کے دشمن ہیں وہ لوگ جو ایسی غیر معتبر روایات پر یقین کر کے صحابہؓ کی تنقیص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حلم سیدنا معاویہؓ کی خاص صفت تھی، آپ تو قصوروار کو بھی اپنے حلم کی بناء پر معاف

کر دیتے تھے، چہ جائیکہ سیدنا علیؓ جن کے متعلق وہ خود کہتے ہیں کہ مجھ سے افضل ہیں[1] بھلا ان کے ساتھ آپ ایسا کر سکتے تھے؟ آپ کا تو ارادہ ہی جنگ کا نہ تھا آپ تو صرف دفاع کے لیے آئے تھے نہ آپ کا مقصد سیدنا علیؓ کو شکست دینا تھا اور نہ ہی ان کا پانی بند کر کے ان کو رسوا یا ذلیل کرنا تھا، پھر نہ تو سیدنا معاویہؓ اس قدر نا عاقبت اندیش تھے اور نہ ہی دریا اتنا چھوٹا تھا کہ گھاٹ پر قبضہ کرنے سے پورا دریا ان کے قبضہ میں آجاتا۔ ایسی روایات گھڑنے والوں میں معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کم عقل رکھی ہوتی ہے یا کسی کی دشمنی اور کسی کی محبت میں ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی بردباری اور حلم پر اپنے تو اپنے پرایوں نے بھی گواہی دی ہے۔ چنانچہ ابن طقطقی شیعہ ہونے کے باوجود سیدنا معاویہؓ کے تدبر، حلم و بردباری اور فراستِ ذہنی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

"امیر معاویہؓ ایک دنیا شناس دانشمند، صاحب علم و فراست، بردبار، اعلیٰ درجہ کا سیاستدان، بہترین منتظم اور فصیح و بلیغ انسان تھا، نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتا تھا لیکن بردباری کا پہلو اس میں غالب تھا۔ اشرافِ قریش میں سے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن جعفرؓ، ابن ابی بکرؓ اور ابان بن عثمانؓ جیسے بزرگ اس کے پاس حاضر ہوتے[2] تھے، بعض دفعہ اگر کوئی سخت لفظ بھی کہہ دیتا تو معاویہؓ کبھی تو ہنسی خوشی میں ٹال دیتے اور کبھی اغماض و چشم پوشی سے کام لیتے[3] مزید برآں آپ ان کو بڑے بڑے انعامات سے نوازتے۔"

(الفخری ص ۷۳)

---

[1] تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸ [2] نہ صرف یہ بزرگ بلکہ سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ تو مستقل وہیں کے ہو رہے، اور سیدنا حسن بن علیؓ اور سیدنا حسین بن علیؓ بھی کثرت سے آپ کے پاس جاتے اور آپ کی داد و دہش سے بہرہ ور ہوتے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ [3] یہ بات سراسر غلط ہے، صحابۂ کرام "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا مصداق تھے اور آپس میں نرم دل اور نرم خو تھے۔

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:۔

"اسی اعلیٰ کردار کی بدولت امیر معاویہؓ عالمِ اسلام کے خلیفۃ المسلمین بننے میں کامیاب[1] ہوگئے اور تمام مہاجرین وانصار نے آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، امیر معاویہؓ اپنی دانشمندی اور زیرکی کی بدولت ہی عرب کے شہرۂ آفاق، دانشمند اور زیرک شخصیت عمرو بن العاصؓ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ ان دونوں میں کسی قسم کی دلی اُلفت اور محبت موجود نہ تھی[2]۔" (الفخری ص۷۵)

آپ کی بُردباری، حلم اور زیرکی کے متعلق پروفیسر ہٹی (HITTI) نے بھی اپنی کتاب HISTOTY OF THE ARABS میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

جب آپ اس قدر بُردبار اور شہرۂ آفاق زیرک تھے تو عقلی طور پر یہ بعید ہے کہ آپ سیدنا علیؓ کے لیے دریائے فرات کا پانی بند کر دیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہی لوگوں کی بنائی ہوئی روایت ہے جنہوں نے یزید کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس نے سیدنا حسینؓ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَات۔

یہ روایت جن لوگوں نے گھڑی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ اور سیدنا ولید بن عقبہؓ نے دیا تھا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ یہ دونوں حضرات جنگِ صفین میں شریک ہی نہیں تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن الاثیر جلد ۳ ص۲۸۴، الاستیعاب جلد ۱ ص۳۸۲، جلد ۲ ص۶۰۵)

---

[1] یہ غلط ہے کہ خلیفۃ المسلمین بننے کی اپنی کوئی خواہش تھی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

[2] سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا معاویہؓ میں باہم ذاتی کوئی عداوت یا رنجش نہیں تھی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ ویسے ہی عزلت کی زندگی بسر کر رہے تھے سیدنا معاویہؓ نے جب خط لکھ کر بلایا تو ان کے پاس چلے آئے۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص۳۷۵)

بلکہ ابنِ کثیرؒ نے تو عبد اللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کے بارہ میں صاف طور پر لکھا ہے :۔

"ھو معتزل علیاً ومعاویۃ ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۳۱۱)

وہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی مشاجرت کے زمانہ میں دونوں سے الگ رہے"

میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش

اگرچہ دونوں فوجیں میدانِ صفین میں آمنے سامنے ڈیرے جمائے ہوئے تھیں لیکن حال یہ تھا کہ دونوں میں کوئی قلبی کدورت دیکھنے میں نہیں آتی تھی، دونوں فریق آپس میں ہنسی خوشی، ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے سے کوئی ایسی پرخاش والی بات نہیں کرتے تھے، اور یہ تو کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس دریا میں پانی کی بجائے کسی روز خون بہے گا۔ سبائی اپنی سازشوں میں مصروف تھے اور وہ ان دونوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو یہاں تک وسیع کرنا چاہتے تھے کہ دونوں پارٹیاں برسرِ پیکار ہو جائیں لیکن اس کے برعکس دونوں پارٹیوں کے مخلص اور خیر خواہانِ اُمت اس بات کی کوشش اور تگ و دو میں مصروف تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں فریقین میں مصالحت ہو جائے۔

سیدنا معاویہؓ تو جنگ کے بالکل ہی خلاف تھے اور آخر تک آپ کی یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح جنگ کی چکی رُکی رہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

"ولم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال وکان غیرہ احرص علی القتال منہ۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

معاویہؓ نے جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ اس معاملہ میں سب سے زیادہ حریص اور خواہشمند تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسری پارٹی اس بات کی حریص تھی کہ جنگ ہو"

اس وجہ سے مصالحتی مشن دونوں طرف سے کام کرنے لگے، سیدنا علیؓ نے جنگ شروع ہونے سے قبل بشیر بن عمرو بن محصن الانصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شبیث بن ربعی التیمی کو بلایا اور ان سے کہا کہ معاویہؓ کے پاس جا کر بیعت کرنے کے کہو، یہ تینوں سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور بشیر بن عمرو الانصاری نے ابتداء کلام کرتے ہوئے کہا:۔

"اے معاویہؓ! یہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور بالآخر آپ کو آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ رب العزت آپ کے اعمال کا محاسبہ کریں گے اور اس کی جزاء دیں گے میں آپ کو اس امت میں تفریق اور ان کے درمیان خونریزی سے روکتا ہوں"......

سیدنا معاویہؓ نے سلسلۂ کلام کو منقطع فرماتے ہوئے فرمایا:۔

"هل لا اوصيت بذٰلك صاحبك ۔ کیا تم نے کبھی اپنے رفیق (سیدنا علیؓ) کو یہ نصیحت نہیں کی؟ (جو مجھے کر رہا ہے)"

بشیر بن عمرو الانصاری نے کہا:۔

"میرا ساتھی آپ کی طرح نہیں، میرا رفیق اس امر میں سب سے زیادہ مستحق ہے علم وفضل میں، دین میں، مسابقت فی الاسلام میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں"

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا: "اچھا کہئے آپ کیا کہہ رہے تھے؟" بشیر بن عمرو نے کہا:۔

"میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق کہتا ہوں اور میں آپ کو کہتا ہوں کہ آپ اپنے چچا زاد بھائی علیؓ کی دعوتِ حق کو قبول کریں اسی میں آپ کیلئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور عاقبت میں بھی خیر و عافیت ہے"۔

سیدنا معاویہؓ نے بہت اطمینان سے بشیر بن عمرو الانصاری کی گفتگو سنی، بشیر کی بات کے اختتام پر آپ نے فرمایا:۔

"ونترك دم ابن عفان لا والله لا افعل ذٰلك ابدًا ۔

"ہم عثمان بن عفانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیں؟ ہرگز نہیں! بخدا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا"۔

بشیر بن عمرو الانصاری کے دوسرے ساتھیوں سعید بن قیس الہمدانی اور شبیث بن ربعی التمیمی نے بھی باری باری آپ سے باتیں کیں لیکن یہ بات چیت کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۶)

دونوں طرف علماء، فضلاء اور قرآن کے حفاظ کی ایک جماعت موجود تھی جو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس خونریزی کو ناپسند و مکروہ جانتی تھی، اس نے لگاتار تین ماہ تک اس جنگ کو روکے رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے عدی بن حاتمؓ، یزید بن قیس الارحبی، شبیث ابن ربعی اور زیاد بن حفصہ کو ایک وفد کی شکل میں سیدنا معاویہؓ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجا، یہ چاروں اس وقت آپ کے پاس پہنچے جبکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، عدی بن حاتمؓ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:-

"معاویہؓ! ہم آپ کو اس بات کی طرف دعوت دینے آئے ہیں جس پر اللہ رب العزت نے ہمیں اکٹھا کیا ہے اور جس کی وجہ سے خون محفوظ ہیں اور راستے پُرامن ہیں اور آپس میں صلح و آشتی ہے (یعنی خلافت کا معاملہ) آپ کے چچازاد بھائی (علیؓ) سید المسلمین ہیں اور سبقتِ اسلام میں افضل ترین اور اسلام پر چلنے میں بہترین لوگ اس پر اکٹھے ہو گئے ہیں سوائے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے"۔

پھر ذرا سختی اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا:-

"فانتہ یا معاویۃ لا یصیبك اللہ و اصحابك مثل یوم الجمل۔
اے معاویہؓ! باز آجا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو جنگ جمل والوں کی طرح مصائب سے دوچار ہونا پڑے"۔

سیدنا معاویہؓ بھی قریش کے سپہ سالار کے بیٹے تھے اور خود بھی ساری زندگی اسی راہ کی بادہ پیمائی کرتے رہے تھے وہ بھلا ان دھمکیوں سے کب مرعوب ہونے والے تھے، عدی بن حاتمؓ کی بات چیت کا یہ آخری جملہ سنکر فرمانے لگے :-

"کانك انما جئت مهددا ولم تات مصلحا۔
(البداية والنهاية ج ۷ ص ۲۵۷، ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۴۷)
معلوم ہوتا ہے کہ تم تہدید اور دھمکی کے لیے آئے ہو اصلاح کی خاطر نہیں آئے، افسوس ہے تم پر اے ابن حاتم! بخدا میں بھی ابن حرب ہوں تم مجھے ان دھمکیوں سے نہیں ڈرا سکتے"۔

پھر شبث بن ربعی اور زیاد بن حفصہ نے بات کی اور حضرت علیؓ کی فضیلت آپ کو یاد دلائی، ان سب کی باتوں کو آپ نے بغور سُنا اور پھر فرمایا :-

"آپ لوگ مجھے جماعت اور بیعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، جماعت تو ہمارے ساتھ بھی ہے، باقی رہ گئی بیعت اور اطاعت اسو میں کیسے ایسے آدمی کی اطاعت کروں جس نے قتلِ عثمانؓ پر اعانت کی ہو، ان کا خیال ہے کہ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کو قتل نہیں کیا ہے ہم اُن کے اس دعوٰی کی نہ تو تردید کرتے ہیں اور نہ ہی اُن کو اس بارہ میں متہم کرتے ہیں، لیکن یہ تو ہے کہ انہوں نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، پس وہ ان کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم ان سے قصاص لیں، پھر ہم آپ کی اطاعت اور جماعت کے دعوٰی پر لبیک کہیں گے"۔

سیدنا معاویہؓ کا یہ جواب سُن کر یہ لوگ واپس آگئے اور سیدنا علیؓ کو اس معاملہ سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے حبیب بن مسلمۃ الفہری، شرحبیل بن السمط اور معن بن یزید الاخنس کو سیدنا علیؓ کے پاس بھیجا، حبیب بن مسلمۃ الفہری نے سیدنا علیؓ سے آغازِ کلام کرتے ہوئے کہا :-

"بے شک عثمان بن عفانؓ ایک ہدایت یافتہ خلیفہ تھے انہوں نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کیا اور اس کو نافذ کیا لیکن آپ لوگوں نے ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ان کی وفات کا موجب ہوئے، ان کے خلاف سرکشی کر کے تم لوگوں نے ان کو قتل کر دیا، اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ ان کے قتل میں شریک نہیں ہیں تو ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے، پھر آپ الگ ہو کر خلافت کے معاملہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیجئے اور وہ باہمی مشورے سے جس کو چاہیں گے یہ امر خلافت سپرد کر دیں گے!"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۸، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۸)

اس پر سیدنا علیؓ نے ان کو ڈانٹ دیا اور وہ واپس سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔

تین ماہ تک صلح کی یہ کوششیں جاری رہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا، اسی اثناء میں دونوں طرف سے قریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ہمدردانِ ملت نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ برابر تین ماہ صرف صلح کے انتظار میں گذر گئے لیکن اس دوران کی تمام خط و کتابت اور بات چیت بالکل بے اثر ثابت اور معاملہ جنگ تک پہنچ گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹)

جنگ کی ابتداء

جمادی الاولیٰ ۳۶ھ سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ شروع شروع میں لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام ایک جماعت، اِدھر سے نکلتی اور ایک جماعت اُدھر سے نکلتی اور اور وہ دونوں آپس میں لڑتیں، پورا لشکر دوسرے لشکر سے نہیں بھڑا، کیونکہ دونوں طرف دردمندانِ ملت اور مصلحینِ اُمت کی خواہش تھی کہ کہیں معاملہ خونریز جنگ تک نہ پہنچ

جائے اور بہت سے آدمی کھیت نہ ہو جائیں یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ تک جاری رہا لیکن جونہی رجب کا چاند طلوع ہوا اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں طرف جنگ کا سلسلہ یک قلم منقطع ہو گیا اور خیر خواہانِ ملت نے ایک دفعہ پھر مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں۔ (اخبار الطوال ص ۱۷۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ــــ)

امت کے درد مند حضرات سخت پریشان تھے وہ کسی صورت میں بھی جنگ کے قائل نہ تھے وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کی وہ طاقت جسے کفر کا استیصال کرنا ہے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے، اب ماہِ رجب میں جو جنگ رکی تو ان حضرات نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پھر نئے سر سے اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جلیل القدر صحابی سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا ابوامامۃ الباہلیؓ دونوں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ سے کہا:۔

"اے معاویہؓ! آپ علیؓ سے کیوں لڑتے ہیں؟ بخدا وہ آپ سے اور آپ کے والد محترم سے اسلام لانے کے لحاظ سے مقدم ہیں اور قرابت کے لحاظ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اور خلافت کے لیے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں"

سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا:۔

"میں تو صرف عثمانؓ کے خون کے لیے لڑتا ہوں، اور انہوں نے قاتلانِ عثمان کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، آپ دونوں علیؓ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ قاتلانِ عثمان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دیں تو میں تمام اہلِ شام میں سے پہلے بیعت کرنے والا ہوں گا"

یہ بات ان دونوں صحابہ کی سمجھ میں آگئی لہٰذا وہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سیدنا معاویہؓ کی پوری گفتگو سے انہیں مطلع کیا، آپ نے جواب میں فرمایا:۔

"وہ یہی لوگ ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں"

اتنے میں کافی لوگ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی بیک آواز بول اٹھے:۔

"نحن جمیعًا قتلنا عثمان - ہم سب نے عثمان کو قتل کیا ہے"۔
علوی فوج کا یہ حال دیکھ کر دونوں بزرگوں نے یہ سمجھا کہ یہ معاملہ سلجھنے والا نہیں اور ہماری کوششیں جیسے پہلے رائیگاں گئی ہیں ویسے ہی اب بھی بے اثر ثابت ہوں گی، چنانچہ وہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور اس جنگ سے اپنا دامن بچا گئے۔ (اخبار الطوال ص۱۷۰، البدایہ جلد ۷ ص۲۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص۔۔۔)

جنگ کا دوبارہ آغاز

رجب ۳۶ھ سے اخیر محرم ۳۷ھ تک دونوں طرف بالکل سکوت رہا، مصالحت کی بات چیت جاری رہی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ دونوں فوجیں اپنے اپنے شہروں کو واپس چلی جائیں اور جنگ کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے لیکن جب سب بے اثر رہا تو شہر حرم (حرمت والے مہینوں) کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ھ میں دوبارہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔
اب بھی شروع شروع میں اگرچہ معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن اب کی جھڑپیں پہلے سے سخت تھیں۔ جب معاملہ نے طول کھینچا اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو ایک روز سیدنا علیؓ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی، ان کو دشمن کے خلاف جوش دلایا اس تقریر نے یہ اثر کیا کہ آپ کی ساری فوج نے حضرت معاویہؓ کی ساری فوج پر حملہ کر دیا، نہایت شدت کا رن پڑا جس میں کافی آدمی شہید ہوئے۔ اس میں بھی ابتدا سیدنا علیؓ کی طرف سے ہوئی اور سیدنا معاویہ صرف دفاع ہی کرتے رہے ——
(منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۱۹، ۲۲۰) یہاں تک کہ جمعہ کی رات کو بہت شدت سے جنگ ہوئی، چوبیس گھنٹے تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، تلواروں کی جھنکار گھوڑوں کی ٹاپوں اور نیزوں کے شور سے کرۂ ارضی تھرّا رہا تھا، دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تلواریں

کُند ہوگئیں اور سیدنا علیؓ قلبِ لشکر میں کھڑے

"یحرض القبائل ویتقدم الیھم یأمر بالصبر والثبات۔
(البدایة والنھایة ج ۷ ص۲۷۱)

اپنے لشکر میں شامل شدہ قبائل کو ابھارتے اور ان کو پیشقدمی اور صبر و ثبات کا حکم دے رہے تھے"

میمنہ پہ مالک الاشتر اور میسرہ پر سیدنا ابن عباسؓ اور قلب پر سیدنا علیؓ تینوں مصروفِ پیکار تھے، جنگ کی اس شدت اور گھن گرج کے لحاظ سے یہ رات تاریخ میں "لیلة الھریر" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ "ھریر" عربی میں شور و غوغا اور گھن گرج کو کہتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

"واستمر القتال فی ھذہ اللیلة کلھا وھی من اعظم اللیالی شرًا بین المسلمین وتسمّٰی ھٰذہ اللّیلة لیلة الھریر"
(البدایة والنھایة ج ۷ ص۲۷۱،۲۷۲)

اور اس رات لڑائی ساری رات جاری رہی، چنانچہ اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان نہایت پرفتن اور بُری راتوں میں سے ہے اور اس رات کو "لیلة الھریر" کہا گیا ہے۔" (اخبار الطوال ص۱۹۵، طبری جلد ۶ ص۲۶، مروج الذہب جلد ۲ ص۲۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۶۰، البدایہ والنھایہ جلد ۷ ص۲۷۱،۲۷۲)

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جنگ کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے یہ جو کچھ ہو رہا تھا سب آپ کی مرضی کے برعکس ہو رہا تھا، اب یہ لیلة الھریر کی خونریز جنگ آپ کو اور زیادہ پریشان کیے ہوئے تھی، آپ بہر صورت جنگ بند کرانا چاہتے تھے، آپ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اس طرح ختم ہو، لہٰذا آپ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کے مشورے سے سیدنا علیؓ والی تدبیر اختیار کی یعنی قرآن حکیم کو نیزوں پر بلند کر دیا، یہی تدبیر سیدنا علیؓ نے جنگِ جمل میں بند کروانے کے لیے کی تھی۔ (ملاحظہ ہو: طبری جلد ۵ ص۲۰۴) اسی تدبیر کر سیدنا معاویہؓ نے جنگِ صفین بند کروانے

کے لیے استعمال کیا، لیکن اُس وقت یہ تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی اور اب کارگر ہو گئی، آپ نے دونوں لشکروں کو قرآن دکھا کر کشت وخون سے روکا اور کہا کہ جب کتاب اللہ موجود ہے تو پھر قتل وغارت کا کیا فائدہ؟ اللہ کی یہ کتاب ہمارے اختلافات بطریقِ احسن مٹا سکتی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کی اس تدبیر سے جنگ رُک گئی اور اکثریت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآنِ پاک کو حَکَم بنا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر قرآن پاک کو حَکَم نہ مانا گیا تو ہم آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے، چنانچہ ابن کثیرؒ اور ابن الاثیر کے الفاظ ہیں:-

"نَفْعَلُ بِكَ كَمَا فَعَلْنَا بِابْنِ عفان[۱] (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۶۱، البدایۃ والنہایہ جلد ۷ ص۲۷۳)

ہم تمہارے ساتھ وہی کریں گے جو ہم نے عثمانؓ بن عفان سے کیا تھا"

تاریخِ اسلام میں غلط روایات

طبری، مسعودی اور کئی دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب تقریباً پانچسو قرآن نیزوں پر اوپر اٹھائے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس چیز کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو، یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ، یہ عمرو بن العاصؓ، یہ ابن ابی معیطؓ، یہ حبیب بن مسلمہؓ یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاک بن قیسؒ

لیسوا باصحاب دین ولا قرانٍ انا اعرف بہم منکم وصحبتہم رجالاً فکانوا شر اطفال وشر رجال وَیحکُم وَاللہ مَارفعوھا انہم یقرأونہا ولا یعملون بما فیہا وَمَارفعوھا الاخدیعۃ ودھاء ومکیدۃ۔

(طبری جلد ۶ ص۲۷، مروج الذہب جلد ۲ ص۲۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۶۱، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص۲۱۶)

---

[۱] سیدنا علیؓ کے لشکریوں کے اس جملہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ وہی تھے۔ (ظفر)

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۷۲، ۲۷۳) ۔ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں، میں انہیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گذاری اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں' وائے ہے تم پر، بخدا انہوں نے (صدقِ دل سے) ان کو نہیں اٹھایا، یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں اور اب جو انہوں نے قرآن کو نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے یہ محض دھوکہ دہی' مکاری اور عیاری کے لیے ہے''۔

ابو مخنف کا حدود اربعہ

اس روایت اور اس جیسی ہزاروں روایات کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے بلکہ طبری، ابن الاثیر، انساب الاشراف بلاذری وغیرہم میں اس نام کی تکرار آتی ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کون تھا اور اس کا حدود اربعہ کیا تھا؟ اس کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کا فیصلہ پڑھیے :۔

(۱) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں :۔

لَا یُوْثَقُ بِہٖ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶) اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) علامہ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں :۔

لوط بن یحییٰ کذاب۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶ دمشق) لوط بن یحییٰ کذاب ہے۔

(۳) اسی طرح "کشف الاحوال فی نقد الرجال ص ۹۲" پر منقول ہے :۔

ھو کوفی ولیس حدیثہ بشیٔ۔ (معجم الادباء جلد ۲ ص ۴۱)

وہ کوفی ہے اور اس کی روایات کسی کام کی نہیں۔

(۴) علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :۔

وقد کان شیعۃ وھو ضعیف الحدیث عند الائمۃ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۲)

وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔

(۵) علامہ ابن حجر العسقلانیؒ جو کہ حدیث اور نقدِ حدیث میں اپنی مثال آپ ہیں فرماتے ہیں:۔

لا یوثق بہ۔ اعتبار کے قابل نہیں۔

پھر فرماتے ہیں:۔

(۶) ترکہ ابو حاتم وغیرہ۔ ابو حاتم اور دیگر ائمہ (جرح و تعدیل) نے متروک کہا ہے۔

(۷) وقال الدارقطنی ضعیف، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

(۸) وقال یحیٰی بن معین لَیْسَ بِثِقَۃٍ۔ امام یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

(۹) وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارھم۔ (لسان المیزان جلد ۴ ص۴۹۲، میزان الاعتدال جلد ۲ ص۳۶۱) ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جلا بھنا کٹر شیعہ تھا اور انہی کی خبریں جانتا اور روایت کرتا تھا۔

ایسا ناقابلِ اعتبار شخص جس کو تمام بڑے بڑے محدثین نے کذاب، متروک، ضعیف، لیس بثقۃ اور کٹر شیعہ کہا ہو اس کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کے خلاف لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا دراصل قرآن و حدیث کی ثقاہت کو مخدوش کرنا ہے، ایسے شخص کی روایات پر تو آجکل کا کوئی خود ساختہ مفکرِ اسلام ہی اعتماد کرے گا، کوئی صاحب عقل و ہوش اور علم و فراست کا حامل ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

سیدنا علیؓ کے لشکر میں انتشار

بہر حال جنگ رک گئی، لیکن جنگ رکنے کے ساتھ ہی سیدنا علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ طبری اور الفخری وغیرہ مؤرخین نے یہاں بھی تاریخ کے اوراق میں اپنے اندازِ فکر

پر حالات کو لانے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ تدبیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے کی تھی اور اس سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں تشتت اور تفرقہ پیدا کر دیا جائے کیونکہ اس بات کو اگر وہ متفقہ طور پر مان لیں گے تب بھی ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور اگر متفقہ طور پر نہیں مانیں گے تب بھی ان کی فکری اور ذہنی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (طبری جلد ۶ صـ۲۶، اخبار الطوال صـ۲۲۱، الفخری صـ۸۲، طبقات جلد ۴ صـ۲۵۵، ابن الاثیر جلد ۳ صـ۱۶۰)

جنگ بند کرنے کی اس تجویز سے سیدنا علیؓ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا، مالک الاشتر اور اس کے سبائی گروہ نے اس کو مکاری ظاہر کر کے دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہا لیکن ایک بہت بڑی جماعت اس تجویز سے متاثر ہو گئی اور انہوں نے سبائیوں کے علی الرغم لڑائی کو بند کر دیا۔

کچھ لوگوں نے کہا اور بڑی سختی سے کہا کہ ہمیں قرآن کی اس دعوت کو رد نہیں کرنا چاہیئے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے الگ ہو جائیں گے بلکہ سیدنا علیؓ کا مقابلہ کریں گے۔

سیدنا علیؓ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس نے کہا:۔

"امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ ہمیں اس وقت کتاب اللہ کو حَکَم مان لینا چاہیئے"۔

لیکن اُشتر نخعی اس بات کو نہیں مان رہا تھا اور برابر جنگ لڑتا رہا، سیدنا علیؓ نے جب اپنے لشکر کا یہ رنگ دیکھا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کی یہ رائے سُنی تو آپ نے مالک الاشتر نخعی کو لڑائی بند کرنے کا پیغام بھجوایا تو اس نے بادلِ نخواستہ جنگ بند کی اور اپنی فرودگاہ پر واپس آنے کے بعد ابن الکوا اور معر بن فدکی وغیرہ کے ساتھ بہت تلخ گفتگو کی اور قریب تھا کہ کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی لیکن سیدنا علیؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کروا دیا۔ (طبری جلد ۶ صـ۲۷، مروج الذہب جلد ۲ صـ۲۸، ابن الاثیر جلد ۳ صـ۱۶۱)

نہایت تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا علی جنگ بند کروانے کے لیے قرآن پاک کو نیزوں پر چڑھائیں اور کتاب اللہ کو حَکَم بنانے کا واسطہ دیں تو وہ مخلص اور ان کی تدبیر سراپا اخلاص پر مبنی اور اگر یہی تدبیر سیدنا معاویہؓ جنگِ صفین میں سیدنا علیؓ کی تقلید اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کو خونریزی سے بچانے کے لیے کریں تو وہ (معاذ اللہ) مکار، عیار اور فریب کار کہلائیں! کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

کما ان عین السخط تبدی المساویا

خوشی کی آنکھ ہر عیب پر (سے) بند رہتی ہے جس طرح کہ غصہ کی آنکھ صرف عیوب ہی کو دیکھتی ہے۔"

آپ کے خلوص اور ملتِ مسلمہ کے لیے ہمدردی کا اندازہ اسی آواز ہی سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے میدانِ جنگ میں جنگ بند کروانے کے لیے لگائی، آپ نے اور آپ کے لشکر نے قرآنِ پاک کو نیزوں کی اَنیوں پر اُٹھاتے ہوئے کہا:۔

"ھٰذا حکم کتاب اللہ عزوجل بیننا و بینکم من لثغور الشام بعد اھلہ من لثغور العراق بعد اھلہ۔

(ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، اتمام الوفاء ص ۲۳۲)

یہ اللہ کی کتاب تمہارے اور ہمارے درمیان حَکَم ہے، اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا اور اہلِ عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون نگرانی کرے گا۔"

مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کئے ہیں:۔

"ومن لجھاد الروم ومن للترک ومن للکفار[1]۔ (مروج الذہب جلد ۲)

رومیوں سے کون جہاد کرے گا اور ترکوں اور اہلِ کفر سے کون جنگ کرے گا۔"

---

[1] علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وکان اھل الشام ستین الفاً فقتل منھم عشرون الفاً وکان اھل العراق

ان الفاظ ہی سے آپ کے قلب کی گہرائیوں کا جذبہ ظاہر ہو رہا ہے اور پتہ چل رہا ہے کہ کس مقدس جذبہ کے تحت آپ نے اس خونریز جنگ کو بند کروایا، آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کی آپس کی خونریزی کچھ روز اس طرح اور رہی تو اسلام کی ترقی کا سلسلہ جو کہ جہاد کے ذریعے ہو رہا ہے بالکل منقطع ہو جائے گا، دوسرے آپس کی اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے گی جس سے دشمنانِ اسلام کو ہو سکتا ہے کہ مقبوضاتِ اسلامی پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے۔ آپ نے صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی خاطر اس جنگ کو بند کروایا۔

کتابُ اللہ کو حکَم مانتے ہی دونوں طرف پھر اُلفت و محبت پیدا ہو گئی اور بغض و عناد جو کہ جنگ کی تلخیوں کی وجہ سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا یک قلم کافور ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲) لیکن سیدنا علیؓ کے لشکر کی ایک جماعت نے جس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی اس تحکیم کو کفر اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) مائة وعشرين الفاً فقتل منهم اربعون الفاً۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، صفحہ ۲۷۴) اہل شام کی تعداد ۶۰ ہزار تھی جن میں سے ۲۰ ہزار قتل ہو گئے اور اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جن میں ۴۰ ہزار مقتول ہوئے۔

مسلمانوں کا اتنی تعداد میں قتل ہو جانا سیدنا معاویہؓ کو بہت شاق گذرا لہٰذا آپ نے شفقت علی المسلمین کے جذبہ کے تحت اس لڑائی کو بند کرنے کی یہ تجویز کی۔

قد فنی الناس فمن للثغور ومن لجهاد المشركين والكفار — لوگ جب یوں فنا ہو گئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا۔

اس رأفت اور ہمدردیٔ اسلام کے جذبہ کو سیدنا معاویہؓ کی جنگی چال پر محمول کرنا سبائی فکر کی غمازی کرتا ہے۔

گناہِ عظیم قرار دیا اور سیدنا علیؓ کو اس سے توبہ کرنے کے لیے کہا[1]، آپ ان کی دلیل کے جواب میں فرماتے :۔

"کلمۃ حق ارید بہا باطل۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۶۹)

بات تو حق ہے لیکن مراد اس سے باطل ہے۔"

لیکن اس جماعت کے دو سرداروں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن سعید السعدی نے

---

[1] یہی وہ جماعت تھی جو بعد میں خوارج کہلائی کیونکہ انہوں نے سیدنا علیؓ کے خلاف خروج یعنی بغاوت کی اور کافی عرصہ تک سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے لیے دردِ سر بنی رہی اور آخر سیدنا علیؓ کی شہادت کا باعث بھی یہی جماعت بنی۔ اس جماعت کے آپ کے لشکر سے علیحدہ ہونے کے بعد آپ نے سیدنا ابن عباسؓ کی معرفت ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی بلکہ سیدنا ابن عباسؓ نے تو ان کے ساتھ ان الحکم الا اللّٰہ کے موضوع پر مناظرہ بھی کیا جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن یہ جماعت راہ راست پر نہ آئی۔ بعد میں اسی جماعت نے ایک فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور عقائد کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔

ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں سرے سے حَکَم مقرر کرنا کفر ہے۔ اُن کے اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہوتا وہ ان کے نزدیک مُبَاحَ الْمَالُ وَالدَّم ہوتا یعنی اس کا مال اور اس کا خون ان کے لیے حلال ہو جاتا تھا، چنانچہ عبد اللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ ام سنان اور حارث بن مرہ اسی تیغِ ستم کے قتیل تھے۔ اس جماعت کا تعلق بھی دراصل قاتلانِ عثمانؓ ہی سے تھا اور یہی لوگ پہلے تحکیم پر راضی ہوئے اور بعد میں سیدنا علیؓ کی پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ تحکیم کو کیوں اختیار کیا گیا، اس معاہدہ کو جلد از جلد توڑ دینا چاہیئے کیونکہ یہ اسلام کے مزاج کے موافق نہیں، سیدنا علیؓ نے جواب دیا کہ میں عہد شکنی کر کے قبل از وقت جنگ شروع کر دوں۔ بخدا یہ نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کو حضرت علیؓ کے ساتھ اس قدر دشمنی اور کد ہو گئی کہ انہوں نے کوفہ میں رہنا بھی پسند نہ کیا اور "حروراء" نامی بستی میں اقامت اختیار کی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۵، ۱۶۶، ص ۱۶۹، ۱۷۰، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۷۷، ۱۷۸) اس بنا پر انہیں "حروریہ" بھی کہا جاتا ہے۔

اپنی بات پر اصرار کیا اور آپ کو توبہ کرنے کے لیے کہا لیکن آپ ان کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوئے، آخر میں خوارج نے آپ کو الٹی میٹم دیا کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لیے آپ کے ساتھ لڑیں گے، آپ نے فرمایا: "میں بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں، اور یاد رکھو تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی"۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۵، ۱۶۴، اخبار الطوال ص ۲۰۲، ۲۱۱، طبری جلد ۶ ص ۴۰، ص ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۷، ۱۷۸، مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۹)

تحکیم

غرض جنگ بند ہو جانے کے بعد باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حَکَم (ثالث) مقرر کیا جائے اور متنازعہ فیہ مسئلہ ان دونوں کے سپرد کیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ کریں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو، جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے کی امداد کی جائے۔

اس قرارداد کے پاس ہو جانے کے بعد اہلِ شام نے متفقہ طور پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کرنا چاہا لیکن آپ کے اپنے لشکر نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا:[1]

"لا نرضی الا بابی موسیٰ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۷۶)

ہم سوائے ابوموسیٰ کے اور کسی پر راضی نہیں ہوں گے"۔

---

[1] شاید اس معاملہ میں بھی مالک الاشتر مخالفت کرنے والوں کے پیش پیش تھا کیونکہ اس نے اس وقت بھی سخت مخالفت کی تھی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا بلکہ غضبناک ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دھمکی بھی دی تھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۴) اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نام کے بعد آپ کا مالک الاشتر کے نام کو تجویز فرمانا بھی اسی بات کی غمازی کرتا ہے۔

ہیثم ابن عدی نے "کتاب الخوارج میں لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام سب سے پہلے اشعث بن قیس نے تجویز کیا تھا پھر اس کی متابعت میں اہلِ یمن بھی انہی کا نام لینے لگے اور دلیل یہ دی کہ وہ اس سارے حادثے سے الگ تھلگ رہے ہیں اور وہ اس معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہیں لیکن سیدنا علیؓ نے اشعث بن قیس کے تجویز کردہ نام کی مخالفت کی اور اصرار کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ ہی کو حَکَم مقرر کیا جائے، آپ کے لشکر نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ آپ کے خاص عزیز ہیں حَکَم غیر جانبدار اور غیر متعلق ہونا چاہیئے، سیدنا علیؓ نے پھر دوسرا نام مالک الاشتر کا تجویز کیا اس پر اشعث بن قیس اور اس کے ساتھیوں نے برافروختہ ہو کر کہا کہ یہ ساری آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے اور اس کی رائے یہ ہے کہ جب تک آخری نتیجہ برآمد نہ ہو ہر فریق دوسرے سے برسرِ پیکار رہے اور لڑائی کسی صورت بند نہ ہو اب تک ہم اسی شخص کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا، سیدنا علیؓ نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر بامرِ مجبوری سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کو حَکَم مان لیا[1]۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۲، طبری جلد ۶ صفحہ ۲۸، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۸، اخبار الطوال صفحہ ۱۹۲، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۲۸)

---

[1] اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی فوج آپ کی کس قدر فرمانبردار تھی وہ شاذ و نادر ہی آپ کی کسی بات سے اتفاق کرتی بلکہ اکثر یہی کوشش کرتی کہ اپنی بات سیدنا علیؓ سے منوائیں اس کے مقابلہ میں سیدنا امیر معاویہؓ کے لشکر میں فرمانبرداری کا خاص شعور تھا جو بات آپ کے لبوں سے نکلتی آپ کے لشکر کے آدمی اس کی فوراً تعمیل کرتے، اسی وجہ سے سیدنا علیؓ اپنے لشکریوں سے تنگ آکر کبھی کبھی ایسا بھی فرماتے ہے۔

____ "بخدا سوگند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھالیں، پھر فرمایا: خداوندا تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے، میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں خداوندا مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھوں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔ (جلاء العیون باب ۳ فصل ۲ صفحہ ۲۲۹) اسی وجہ سے تاریخ میں لکھا ہے کہ فیصلہ تحکیم کے بعد امیر معاویہؓ کی طاقت میں اضافہ ہو کر وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے لیکن سیدنا علیؓ کی جماعت پھوٹ اور انتشار کی وجہ سے کمزور تر ہوگئی۔"

(ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۷۸)

قبل اس کے کہ ہم تحجیم کے بارہ میں کچھ عرض کریں جنگِ صفین کے مقتولین کے بارہ میں بتادینا چاہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں ان کا کیا مقام تھا؟ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ دونوں حضرات ہی جنگ نہ کرنے کے درپے تھے، آپس میں اُن کی جو کشمکش پیدا ہو چکی تھی اس کو سبائیوں نے ہوا دے کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا یہاں تک کہ جنگ برپا ہو گئی جس کا دونوں حضرات یعنی سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کو ازحد افسوس اور صدمہ تھا، لیکن یہ حضرات اس قتال میں حدودِ شرعیہ سے متجاوز نہ ہوئے، یعنی نہ کسی عورت کا پردہ اٹھایا نہ کسی کا مال لوٹا نہ کسی مسلمان مرد کو غلام بنایا اور نہ ہی کسی عورت کو لونڈی، نہ قیدیوں کو قتل کیا اور نہ ہی فریقین کے مال کو مالِ غنیمت سمجھا، بلکہ جب سیدنا علیؓ سے ان مقتولین کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"قتلانا وقتلاهم في الجنة۔ (کنز العمال جلد ۶ ص۸۷، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۳ ص۹۵، مجمع الزوائد جلد ۹ ص۳۵۷) ہمارے اور معاویہؓ کی فوج کے مقتولین دونوں جنت میں ہیں۔"

ایسے ہی ایک روز سیدنا علیؓ جنگ کے دوران باہر نکلے آپ کے ساتھ صحابی رسول سیدنا عدی بن حاتمؓ تھے انہوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو پڑا ہوا پایا، سیدنا عدیؓ کے منہ سے نکلا "افسوس مسلمان تھا اور آج کافر ہو کر مرا پڑا ہے"۔ سیدنا علیؓ نے جب ان کے منہ سے یہ بات سُنی تو فرمایا:۔

"كان امس مؤمنا وهو اليوم مؤمن۔ (ابن عساکر جلد ۱ ص۳۲) یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔"

سیدنا علیؓ کے ساتھیوں نے سیدنا علیؓ سے پوچھا کہ معاویہؓ کے جو ساتھی جنگِ صفین میں مارے گئے ہیں اُن کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ مومن تھے یا کافر؟ آپ نے بلا جھجک فرمایا:۔

"هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ وہ سب مومن ہیں"۔ (ابن عساکر جلد ۱ ص۳۳، منہاج السنۃ جلد ۳ ص۶۱)

زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں سیدنا علیؓ نے جو فرمایا وہ یہ تھا:۔

"اخوانتا بغوا علینا۔ وہ ہمارے بھائی تھے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی"۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۳۲۴، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۸۳، شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

باغی کافر نہیں ہوتا پھر وہ بغاوت اجتہادی تھی جس میں ایک طرف سے بغاوت نہ تھی بلکہ دونوں طرف سے بغاوت تھی۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؓ نے ان کے حق میں خود بھی کلمۂ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کلمۂ خیر کہنے کی تلقین فرمائی اور ان کے بارہ میں نازیبا یا خلاف شرع الفاظ کہنے سے سختی سے روکا بلکہ فرمایا:-

"فانھم زعموا انا بغینا علیھم وزعمنا انھم بغوا علینا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے"

(ابن عساکر جلد ا صفحہ ۳۲۹، منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۶۱)

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا معاویہؓ کے مقتول ساتھیوں کی سیدنا علیؓ نے تجہیز وتکفین کی اور خود ان پر نماز جنازہ پڑھی جو اُن کے مومن ہونے پر شاہد ناطق ہے۔

ثالثوں کا اجمالی تعارف

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابوموسیٰ تھی، آپ یمن کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے اسی نسبت سے اشعری کہلاتے تھے۔

سیدنا ابوموسیٰ یمن سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گئے۔ آپ یمن سے پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت کی معیت میں بحری جہاز پر سوار ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے لیکن

بادِ مخالف نے جہاز کو حجاز کی بجائے حبشہ پہنچا دیا، یہاں آپ مہاجرین حبشہ سے مل گئے اور مدینہ منورہ میں عین اُس وقت ہجرت فرمائی جبکہ مجاہدین اسلام فتح خیبر سے واپس آ رہے تھے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوموسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ مرحمت فرمایا۔ (بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۰۹، طبقات جلد ۴ ص ۱۰۶)

آپ نے فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان کو بہت دعائیں دیں۔

آپ علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں کے مالک تھے، چنانچہ ابوالاسود بن یزید فرماتے ہیں:۔

"لم ارٰی بالکوفۃ اعلم من علی وابی موسیٰ۔

میں نے کوفہ میں سیدنا علیؓ اور سیدنا ابوموسیٰ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا" (تاریخ اسلام ذہبیؒ جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۶)

امام مسروقؒ فرماتے ہیں:۔

"کان القضاء فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ستۃ عمر وعلی وابن مسعود واُبَیّ وزید بن ثابت وابوموسیٰ۔

قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہ میں منحصر تھی۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری ہیں۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)" (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۷)

اسی وجہ سے کتابوں میں آتا ہے کہ:۔

"کان ابوموسیٰ احد الفقہاء الستۃ۔

ابوموسیٰ چھ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے" (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۶۵)

ابوالبختری کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا علیؓ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ خصوصی طور پر سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:۔

"صبغ فی العلم صبغۃ ثم خرج منہ۔ وہ علم میں رنگ کر نکالے گئے تھے" (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۰۷)

امام ذہبیؒ نے ان کے متعلق جو ریمارکس دیئے ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں :۔

"وکان من اجلاء الصحابة وفضلائهم۔

ابو موسیٰ اشعریؓ جلیل القدر اور فاضل صحابہ میں سے تھے"

(تاریخ اسلام جلد ۲ ص۲۵۵)

آپ کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص۱۰۲۳، العواصم من القواصم ص۱۷۴، زرقانی جلد ۳ ص۹۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص۳۵۴، مسند احمد جلد ۵ ص۲۳۵)

حجۃ الوداع میں آپ یمن ہی سے شرکت کے لیے تشریف لائے۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی، پھر سیدنا عمرؓ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ (طبری جلد ۵ ص۹۴)

۲۹ھ میں بصرہ کے مفسدہ پردازوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمانؓ نے انہیں معزول فرما کر ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر فرما دیا لیکن ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر سیدنا سعید بن العاصؓ کی جگہ ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد جنگِ جمل کے موقع پر جب سیدنا علیؓ کے داعی لوگوں کو آپ کے لشکر میں شرکت کے لیے ابھار رہے تھے تو آپ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی، کیونکہ آپ خونِ مسلم کی ارزانی پسند نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے مسجد میں فتنہ کی احادیث بیان کرنا شروع کر دیں اور فرمایا کہ جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے فرمایا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں القاعد فیھا خیر من القائم، بیٹھا ہوا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہے لہذا تم لوگ خبردار رہو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۳۵)

اشتر نخعی بھی یہ باتیں سن رہا تھا یہ اسی وقت موقع پا کر جلدی سے دارالامارت چلا آیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جب مسجد سے فارغ ہو کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دارالامارت کی طرف تشریف لائے تو اشتر نے ان کو دارالامارت میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آپ ہماری گورنری سے معزول ہو جائیے۔ آپ نے معاملہ کی نزاکت کے پیشِ نظر نہایت تدبر

سے کام لیا، آپ نے سمجھا کہ اگر اس وقت میں نے مداخلت کی تو دارالامارت میں تو داخل ہو جاؤں گا لیکن ہزاروں سرتنوں سے جدا ہو جائیں گے، لہٰذا آپ واپس تشریف لائے اور "عرض" نامی گاؤں میں گوشۂ خمولت کی زندگی بسر کرنے لگے، جب لوگ خونریزی سے سیر ہو گئے تو اس وقت ان کو سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ کی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے کہی تھیں، اسی وجہ سے لوگوں نے اب صفین کے موقع پر آن کو حَکَم مقرر کرنے پر اصرار کیا۔ (العواصم من القواصم ص۱۷۳، ۱۷۴ تعلیقہ)

آپ عوام کے صلح پسندانہ جذبات کے نمایاں مظہر تھے، اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی فوج کے دوراندیش اور حقیقت پسند لوگوں نے انہیں تحکیم میں اپنا ثالث مقرر کیا کیونکہ وہ گوشۂ گمنامی میں غیر جانبداری اور صلح پسندی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کسی اور کو ثالث مقرر کیا گیا تو شاید وہ جانبدار ہونے کی وجہ سے اُمت کو پھر جنگ کی بھٹی میں نہ جھونک دے، چنانچہ انہوں نے اپنی بصیرت اور تدبر سے عوام کی توقعات کے مطابق ایسا فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی بے نیام تلواریں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیام میں چلی گئیں۔

دوسرے ثالث جن کو اہل شام نے متفقہ طور پر ثالث مقرر کیا سیدنا عمرو بن العاصؓ تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ مکہ کے بنو سہم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، قریش میں مقدمات کے فیصلوں کا عہدہ اسی قبیلہ میں تھا، یہ قبیلہ اہل اسلام کی ایذا رسانی اور دشمنی میں پیش پیش تھا چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کسی سے پیچھے نہ تھے، چنانچہ یہ حبشہ کے اس وفد میں شامل تھے جو مہاجرین کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا۔

غزوہ خندق تک آپ قریش کے ساتھ رہے لیکن اس غزوہ کے بعد آپ اسلام سے متاثر ہونا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی کرنے لگے، چنانچہ فتح مکہ سے پہلے خالد بن ولیدؓ کے ساتھ جو انہیں مدینہ کے راستہ میں ملے، بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۲۳۸، ۲۴۰ خصائص الکبریٰ للسیوطی جلد ۱ ص۲۴۸)

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ کے بیعت کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیں، آپؐ نے یہ سنکر فرمایا عمرو! بیعت کر لو اور جان لو کہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو معدوم کر دیتا ہے اور ہجرت بھی تمام گناہوں کو معاف کر دیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کر لی اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۱۹۸)

طبیعت میں انتہا پسندی تھی چنانچہ کفر میں بھی شدید اور جب اسلام لائے تو پھر اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

اکثر کہا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا اگر اسی حالت میں مر جاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا اور جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوا تو آپؐ سے زیادہ کوئی ذات میری نگاہ میں وقیع اور باعزت نہ تھی اور میں پوری زندگی آنکھ بھر کر آپؐ کے روئے انور کو دیکھ بھی نہ سکا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۴۴۹)

عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں بہت سی جنگوں میں شرکت فرمائی، مصر، اسکندریہ اور طرابلس الغرب کی فتح آپ ہی کی جرأتِ ایمانی کی مرہونِ منت ہے۔ سیدنا ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں بھی انہوں نے اپنے نمایاں جوہر دکھلائے۔ فتوحاتِ شام، اجنادین، دمشق، فحل، یرموک وغیرہ میں بھی اپنی بہادری کی داد پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حاکم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور آپ کے خط سے متاثر ہو کر وہاں کے دونوں حاکم عبید اور جیفر مشرف باسلام ہو گئے، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہاں کا حاکم بھی مقرر فرمایا۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷)

اپنی خلافت کے آخری سالوں میں سیدنا عمرؓ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے انہیں وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا، آپ نے اس بات کا برا نہ منایا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ نہایت ذہین اور رسا ذہن کے مالک تھے اسی وجہ سے سیدنا عمر بن الخطابؓ

اور سیدنا عثمان بن عفانؓ اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے خصوصی طور پر سیدنا عثمانؓ تو ہر مشکل موقع پر ان ہی کے مشورہ کو ترجیح دیتے تھے۔ شورش کے زمانے میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے تخریبی ذرائع استعمال کرنے شروع کیے تو سیدنا عثمانؓ نے ایک مشاورتی کونسل منعقد کی جس کے ایک رکن آپ بھی تھے۔ تمام اراکینِ کونسل کے مشورہ کے بعد آپ نے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی۔ (طبری جلد ۵ ص۹۹)

کئی اور موقعوں پر بھی آپ نے باغیوں کے سامنے سیدنا عثمانؓ کی صفائی پیش کی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص۲۰۲، ۲۰۳، ابن اثیر جلد ۳ ص۷۵)

شہادتِ عثمانؓ کے بعد یہ بھی سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرح عزلت کی زندگی بسر کرنے لگے اور جنگِ جمل کا قیامت خیز واقعہ بھی انہیں گوشۂ عزلت سے باہر نہ نکال سکا لیکن جب سیدنا علیؓ نے شام پر چڑھائی کی تو سیدنا معاویہؓ نے اس بہترین دماغ کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ان کو خط لکھ کر شام بلا لیا۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص۳۷۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آپ کی بہت تعریف کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضورِ انورؐ نے فرمایا "عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔ (اصابہ جلد ۵ ص۴۳)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصال نہیں ہے جس کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو؟ آپ نے فرمایا اس کی سعادت اور نیک خصلت میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟ وہ بولا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۵۷، اسد الغابہ جلد ۴ ص۱۱۷)

قوتِ ایمانی میں ایک مینار کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ رسالت نے ان کے بارہ میں جو ریمارکس دیئے ہیں وہ شنیدنی ہیں، ایک مرتبہ حضورِ انور نے فرمایا:-

"اسلم الناس وآمن عمرو بن العاص۔ (مسند احمد ج ۴ ص۱۵۵)

لوگ تو اسلام لائے ہیں لیکن عمرو بن العاصؓ ایمان لائے ہیں۔"

ایک اور موقع پر لسانِ رسالت ﷺ نے فرمایا :۔

"ابنا العاص مومنان یعنی ھشام و عمرو۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۳۵۳)

عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو پکے مؤمن ہیں"۔

تدبیر و سیاست میں اپنی مثال آپ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خود ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ :۔

"تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو" (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶)

چنانچہ ان کی اس زیرکی اور تدبر کی وجہ سے اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ پر ان کو امیر بناتے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۵۶)

سیدنا عمرؓ جیسا ذہین اور صاحبِ تدبر انسان بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتا تھا۔ (اصابہ جلد ۵ ص ۳ کے)

معاہدۂ تحکیم

فیصلہ کے مطابق سیدنا علیؓ نے اپنے آدمی بھیج کر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو "عرض" سے بلوایا جہاں وہ عزلت نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب ابو موسیٰ اشعریؓ سے جا کر کہا گیا کہ دونوں گروہوں نے آپس میں صلح کر لی ہے تو آپ نے فرمایا "الحمد للہ"۔ اور جب یہ کہا گیا کہ آپ کو تنازعات کو نپٹانے کے لیے ثالث بنایا گیا ہے تو فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ (البدایہ جلد ۷ ص ۲۷۶، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۹۱)

بہرحال آپ کو بلایا گیا، ادھر سے سیدنا عمرو بن العاصؓ پہلے ہی سے موجود تھے، دونوں ثالثوں کی باہمی گفت و شنید کے بعد ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کو الدینوری نے "اخبار الطوال" طبری نے اپنی "تاریخ الامم والملوک" اور الخضری نے "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" اور دوسرے مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا

ہے، وہ معاہدہ حسب ذیل تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذا ما تقاضیٰ علیہ علی بن ابی طالب ومعاویۃ بن ابی سفیان قاضی علی الکوفۃ ومن معھم من شیعتھم من المؤمنین والمسلمین وقاضی معاویۃ علی اھل الشام ومن کان معھم من المؤمنین والمسلمین۔

انا ننزل عند حکم اللہ عزوجل وکتابہ ولایجمع بیننا غیرہٗ وان کان اللہ عزّوجلّ بیننا من فاتحتہٖ الی خاتمتہٖ نحیی ما احیٰی ونمیت ما امات، فما وجد الحکمان فی کتاب اللہ عزوجل وھما ابوموسیٰ الاشعری عبداللہ بن قیس وعمرو بن العاص القرشی عملاً بہٖ ومالم یجد افی کتاب اللہ عزوجل فالسنۃ العادلۃ الجامعۃ غیر المتفرقۃ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ ہے وہ معاہدہ جو علی بن ابی طالبؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کے مابین ہُوا، سیدنا علیؓ نے یہ معاہدہ تمام اہلِ کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مؤمنین کی طرف سے اور سیدنا معاویہؓ نے یہ معاہدہ تمام اہلِ شام اور سب اہلِ ایمان ساتھیوں کی طرف سے کیا۔

ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآنِ حکیم کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے ماسوا اور کسی پر متحد نہیں ہوں گے، اللہ ربّ العزت انجام سے اختتام تک ہم میں حاضر و ناظر ہیں، پس یہ دونوں ثالث عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن عاصؓ جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے اور (اگر اس تنازعہ کے فیصلہ کے بارہ میں) کتاب اللہ میں کچھ نہ پائیں گے تو پھر نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادلہ، جامعہ غیر متفرقہ پر عمل کریں گے"۔

پھر فریقین کے سربراہوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ عہد کیا:۔

"میں اس ثالثی نامہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں اور مؤمنین پر اس فیصلے کی پابندی ضروری قرار دیتا ہوں نیز عہد کرتا ہوں کہ جہاں کہیں

بھی پہ جائیں یہ خود، ان کے اہل وعیال، ان کے اموال، ان کے شاہد و غائب سب امن و عافیت میں رہیں گے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا جائے گا۔ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ پر اللہ رب العزت کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس امت میں ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور اس کو جنگ کی آگ میں نہ دھکیلیں اور نہ ہی اس میں تفریق کی صورت پیدا کر کے گنہگار بنیں، فیصلے کا اعلان رمضان المبارک تک کریں اور اگر اس مدت میں اور تاخیر مقصود ہو تو باہمی رضامندی سے اس میں توسیع بھی کی جا سکتی ہے۔

اگر ثالثوں میں سے کوئی (قضائے الٰہی سے فوت ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ اس کے بجائے کسی دوسرے کا تقرر کر سکتا ہے، لیکن وہ نیا ثالث عدل و انصاف کی صفات سے مزین ہو، ان ثالثوں کے فیصلہ کی جگہ جہاں وہ بیٹھ کر فیصلہ مرتب کریں اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان ہو اور ان دونوں کی مرضی کے خلاف کوئی ان کے پاس نہ جائے، ہاں جسے وہ بلائیں وہ ان کے پاس جا سکتا ہے، پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلمبند کریں گے اور جو آدمی اس ثالثی نامہ کو نہ مانے اور اس میں کسی قسم کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔" ــــــ (طبری جلد ۶ ص ۲۹، ۳۰، اخبار الطوال ص ۱۹۵، اتمام الوفاء ص ۲۳۲، ۲۳۳، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۶)

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنی گواہیاں بھی ثبت کر دیں، اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقہ میں چلے گئے، سیدنا علیؓ کوفہ میں اپنی فوجوں کے ساتھ واپس چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ شام چلے گئے اور جا کر اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا اور سب فوجی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔[1] (مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۰)

---

[1] معاہدہ ۱۳ ماہ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۷ھ میں یعنی ۶ ماہ بعد ثالثوں کا اذرح میں اجتماع ہوا، گویا چھ ماہ تک ثالثوں نے تحقیقات کیں، مختلف لوگوں کی شہادتیں قلمبند کیں پھر ان کی چھان پھٹک کر کے اس فیصلہ کو سنایا جس پر دونوں پارٹیاں مطمئن ہو گئیں اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ہمیشہ کے لیے رک گئی، اس معاہدہ کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (ظفر)

الخضری کے بیان کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ ثالثی نامہ سنانے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر یعنی سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ وہاں نہ آئیں گے بلکہ ان کی طرف سے ان کے اعیان وانصار اور معتمدین میں سے چار چار سو نمائندے وہاں حاضر ہوں گے۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص۷۱، طبری جلد ۶ ص۲۹)

اب یہ دونوں ثالث اکٹھے ہو کر ملتِ اسلامیہ کی بہتری کے لیے غور وفکر کرنے لگے، دونوں حضرات ایک بلند مقام کے مالک تھے اور تقویٰ، تدبر، خشیتِ الٰہی میں اپنی مثال آپ لیکن بعض دشمنانِ اسلام نے ایک ثالث (سیدنا عمرو بن العاصؓ) کو انتہائی مکار، عیار اور فریب کار ثابت کیا ہے اور دوسرے ثالث (سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ) کو انتہائی سادہ، بیوقوف ابلہ صفت ثابت کرنے کی انتہائی قبیح حرکت کی ہے اور دونوں کے متعلق ایسی ایسی روایات وضع کی گئی ہیں جن کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ نقلی طور پر ان میں صداقت کا شائبہ معلوم ہوتا ہے[1]

فیصلہ سنانے کا مقام

الغرض متعدد مجلسوں میں ثالثوں نے اپنا فیصلہ مرتب کر لیا اور اس کو تحریری طور پر مرتب کیا کیونکہ معاہدۂ تحکیم ہی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں حَکَم مل کر جو فیصلہ کریں

---

[1] ابن ابی الحدید اور طبری نے لکھ بھی دیا ہے "کان ابو موسیٰ مغفلاً"، (طبری جلد ۶ ص۳۹، ابن ابی الحدید جلد ۳ ص۲۵۶) پھر یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو گالیاں بھی دیں۔ (جلد ۶ ص۴۰) یہ طبری کا صریح بہتان ہے، سیدنا ابو موسیٰؓ کوئی مغفل اور ابلہ صفت بزرگ نہیں تھے بلکہ نہایت جہاندیدہ اور فقیہ فی الدین اور صاحبِ فتویٰ بزرگ تھے۔ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں امام شعبیؒ اور ابن المدینی کے اقوال سے انہیں سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ کے مقام کا حامل لکھا ہے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص۱۶، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۳۶۳)۔ خ

وہ زبانی نہ ہو بلکہ تحریری طور پر مرتب ہو۔ طبری جلد ۶ ص۲۹، ۳۰، محاضرات جلد ۲ ص۲۹
اور فیصلہ سنانے کی جگہ پر وہ صرف سنا دیا جائے۔

فیصلہ مرتب کرنے میں کئی لوگوں سے پوچھ گچھ ہوئی، کئی مرتبہ سیدنا معاویہؓ کے پاس ان دونوں ثالثوں کا ایلچی مختلف استفسارات کے جوابات معلوم کرنے کیلئے گیا اور کئی مرتبہ سیدنا علیؓ سے مختلف باتوں کے متعلق پوچھا گیا۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص۵۴)
طے یہ ہوا کہ جب دونوں ثالث اپنا فیصلہ مرتب کرلیں تو دومۃ الجندل کے مقام اذرح پر اس کو سنائیں۔ دومۃ الجندل وہ مقام ہے جس کے متعلق دونوں ثالثوں نے عزم کرلیا تھا کہ اسے اس کانفرنس کا مرکز بنائیں گے کیونکہ یہ مقام شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور اذرح کو بھی انہوں نے ہی منتخب کیا تھا کیونکہ یہ خوارج کا مرکز تھا اور بلقاء عمان کے اطراف سے یہ حجاز کے قریب تھا جو کہ جربا سے ایک میل دور ہے۔ (معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد ۲ ص۴۸۸، طبری جلد ص۴۲) یعنی آجکل یہ مقام معان اور بطرا (وادیٔ موسیٰ) کے درمیان واقع ہے۔ عہدِ رسالت میں اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی کیونکہ قریش کے جو قافلے شام کی طرف جایا کرتے تھے، یہ مقام اُنکی اقامت گاہ تھا، رُومی دَور میں بحرِ احمر کے لیے یہ رومیوں کی جائے اقامت اور مرکزِ مواصلات تھا چونکہ یہاں پانی کی افراط تھی لہٰذا شرق اُردن جانے والے قافلے یہاں آکر ٹھہرا کرتے تھے، سیدنا حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان بھی اسی جگہ کیا تھا، سو برس پر صلیبی حملوں کے زمانہ میں یہ برباد ہو گیا تھا اسی وجہ سے عیسائی مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا نام نہیں لیتے حالانکہ وادیٔ موسیٰ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

قریبًا سب مؤرخین نے اس کانفرنس کا مقام دومۃ الجندل میں ہونا نقل کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقام اَذرُح تھا اور دومۃ الجندل بتلانے والے مؤرخین چُوک گئے ہیں۔ ابوبکر ابن العربیؒ نے بھی اَذرُح ہی نقل کیا ہے۔ (العواصم من القواصم ص۱۷۴) مختلف شعراء نے بھی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اَذرُح کے مقام کا نام لیا ہے، چنانچہ ذوالرمہ شاعر سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کے پوتے بلال کو

مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

ابوك تلافى الدين والناس بعد ما
تشاء وابيت الدين منقطع الكسر
فشد إصار الدين ايام أذرح
ورد حروبًا قد لقحن الى عقر

یعنی تیرے دادا آبا نے دین کو بچا لیا جبکہ لوگ آپس میں بددل ہو گئے تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا چاہتی تھی۔ انہوں نے اَذرُح کے ایام میں دین کے خیمہ کی طنابیں کس دیں اور ان لڑائیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا جو اسلام کو بانجھ کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔ (معجم البلدان جلد ا ص۱۳۰)

بعض مورخین کی روایت کے مطابق یہ کانفرنس ہوئی تو دومۃ الجندل ہی میں تھی لیکن وہاں یہ اس لیے نہ ہو سکی کہ سیدنا علیؓ یہ چاہتے تھے کہ اس کانفرنس کی تاریخیں پیچھے ہٹ جائیں تاکہ وہ خوارج کو جو اُن کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے اپنے ساتھ ملا لیں، اس لیے سیدنا علیؓ نے اپنے مندوب کو کانفرنس میں جانے سے روکے رکھا، اور وہ وقتِ معینہ پر وہاں نہ پہنچ سکے۔ (طبری جلد ۶ ص ـــــ) لیکن آپ ہی کے دوستوں نے انہیں کانفرنس میں شرکت پر مجبور کر دیا، البتہ اس کے بعد اہلِ کوفہ اور اہلِ شام نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ کانفرنس اَذرُح میں ہونی چاہیئے کیونکہ وہاں پانی کی افراط ہے اور دومۃ الجندل میں اس قدر فراوانی نہیں، پھر سیدنا معاویہؓ کو یہ توقع تھی کہ غیر جانبدار حضرات بھی کثیر تعداد میں اس میں شرکت فرمائیں گے۔ (اخبار الطوال ص۲۱۱، طبری جلد ۶ ص ـــــ)

فیصلے کے متعلق مشہور روایات

دونوں فریقوں کے چار چار سو نمائندے رمضان المبارک ۳۷ھ (بعض روایتوں میں شعبان آتا ہے) میں اَذرُح کے مقام پر ثالثوں کا تحریری فیصلہ سننے کے لیے

تشریف لائے[1] سیدنا علیؓ کے چار سو مندوبین کی قیادت آپ کے چچازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے ہاتھ میں تھی، اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی طرف سے بھی چار سو نمائندے اس فیصلہ کو سننے کے لیے آئے، لیکن خود یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہؓ اور سیدنا علیؓ اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ا ص[1]) چونکہ یہ فیصلہ بہت اہم تھا اور ملتِ اسلامیہ کی موت وحیات کا معاملہ تھا، اس لیے سیدنا معاویہؓ کی توقع کے مطابق غیر جانبدار صحابہؓ جیسے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا عمران بن حصینؓ وغیرہم بھی اس اہم فیصلہ کو سننے کے لیے مقامِ اَذرُح پر تشریف لائے۔

طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک میں، الدینوری نے اخبار الطوال میں، الخضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں، مسعودی نے مروج الذہب میں، ابن الاثیر نے الکامل میں، سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں اور دیگر کئی مؤرخین نے اپنی اپنی تواریخ میں اس مقام پر وہ غلط بیانیاں کی ہیں کہ قلم کو تابِ نگارش نہیں اور سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کی تصاویر اس قدر غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں کہ اس کو پڑھ کر کوئی شخص ان بزرگوں کے ساتھ حُسنِ ظن نہیں رکھ سکتا، یہ سب سازشیں ہیں ان لوگوں کی جو اپنی اسلام دشمنی کا اظہار صحابہ کرام کے وقار کو مخدوش کرنے سے کرتے ہیں۔ بہرحال اس پر ہم بعد میں بحث کریں گے کہ ان مؤرخین نے کیا کیا گُل کھلائے ہیں اور اپنی خود ساختہ روایات کے تبر سے نخلِ اسلام کو کس طرح کاٹنے کی کوشش کی ہے، ابھی ہم صرف وہ واقعات قلمبند کرتے ہیں جو ان کذاب راویوں نے بیان کیے ہیں۔

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حضرات نے اَذرُح کے تاریخی مقام پر اپنا فیصلہ سنایا۔ یہ جو مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ پہلے آپ فیصلہ سنائیں، انہوں نے کہا، ولك حقوق كلها واجبة لسنك و صحبتك رسول الله صلى الله عليه وسلم وانت ضيفی۔ اور تمام حقوق آپ ہی کے ہیں، عمر کے اعتبار سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

زیادہ عرصہ رہنے کے لحاظ سے اور پھر آپ ہیں بھی ہمارے مہمان۔
(مروج الذہب جلد۲ ص۳۱ طبری جلد ۶ ص۳۹)

اور اسی طرح سے بقول جلال الدین سیوطیؒ، عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو دھوکہ اور چالبازی سے فیصلہ سنانے میں آگے کر دیا" فقدم عمرو ابا موسیٰ الاشعری مکیدة منه"۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۷۳)

چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا:۔

"حضرات! ہم نے اس مسئلہ پر بہت غور و خوض کیا ہے، ہمیں اس امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح کی، اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے شوریٰ جسے اہل سمجھے اُسے منتخب کیا جائے، لہٰذا میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ جسے تم پسند کرو باہمی مشورے سے اپنا خلیفہ بنا لو۔"

اس کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اپنا فیصلہ سنایا اور کہا:۔

"حضرات! ابوموسیٰ اشعریؓ کا فیصلہ آپ نے سن لیا، انھوں نے اپنے امیر کو جس کی طرف سے وہ حکم ہیں، معزول کر دیا ہے، میں بھی ان کی تائید کرتے ہوئے ان کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں لہٰذا ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ حقدار ہیں[1]۔"

---

[1] اس قسم کی روایات کو نقل کرنے کے بعد قاضی ابوبکر ابن العربی صاحب "احکام القرآن" لکھتے ہیں:۔

هذا كله كذب صراح ما جرى منه حرف قط وانما هو شئ اخبر عنه المبتدعة ووضعته التاريخية للملوك فتوارثه اهل المجانة والجهارة بمعاصي الله والبدع۔ (العواصم من القواصم ص۱۷۷) یہ سب صریح کذب ہے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ فیصلہ سُنکر ابو موسیٰؓ چلّائے کہ یہ بے ایمانی اور مکاری ہے، اور کہا کہ :-

"انما مثلک مثل الکلب ان تحمل علیہ یلهث او تترک یلهث۔
تمہاری مثال کتے کی ہے اگر اس پر بوجھ لادو تب بھی ہانپتا ہے نہ لادو تب بھی ہانپتا ہے"۔

اب عمرو بن العاصؓ کو غصہ آگیا اور جواب میں فرمایا :-

"مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ تمہاری مثال گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں"۔

اس کے بعد دونوں پارٹیوں کی آپس میں گالم گلوچ ہوئی اور ہاتھا پائی شروع ہوئی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال ص۲۰۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۶۸، مروج الذہب جلد ۲ ص۳۳، طبری جلد ۶ ص۴۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۸۳، طبقات ابن سعد جلد ۴ ص۲۵۶)

اس قسم کی سب روایات جن میں صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارا گیا ہے عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط اور صحابہؓ کے خلاف ایک خاص سازش کے نتیجہ کے طور پر ہیں[1]۔ ایسی روایات کو یار لوگوں نے اس سادگی سے بیان کر دیا ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی ان کے اس دام فریب میں آگئے ہیں، اور اُردو اور عربی کے اکثر تاریخ نگار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا یہ واقعات ہیں جن کو اہل بدعت نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے اس کو وضع کیا جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنون اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں، ان روایات کو نسلاً بعد نسلاً روایت کرتے چلے آرہے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) [1] ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فیصلہ تحکیم سے قبل سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بہت جوش دلایا اور کہا :-

واعلم یا ابا موسیٰ ان معاویۃ طلیق الاسلام وان اباہ رأس الاحزاب وانہ یدعی الخلافۃ من غیر مشورۃ ولا بیعۃ۔ (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص۲۴۶) اے ابو موسیٰؓ! آپ کو پتہ ہونا چاہیئے کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایسی باتوں کو بغیر عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھے صرف تقلیداً اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں، جیساکہ علامہ ابن کثیرؒ نے ایک جگہ خود اقرار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

"لولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمة ذکرہ ماسقته واکثرہ من روایة ابی مخنف لوط بن یحییٰ وقد کان شیعة وھو ضعیف الحدیث عند الائمة۔ (البدایة والنہایة جلد ۸ ص۲۰۲)

اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ اور حفاظ نے وہ روایات نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے۔ اور اکثر تو ان (غلط) روایات میں سے ابی مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک وہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) معاویہؓ طلقائے اسلام (یعنی وہ لوگ جن کو فتح مکہ کے روز معافی دی گئی تھی) میں سے ہے اور اس کا باپ (سیدنا ابوسفیانؓ) جنگ احزاب کا کمانڈر اور رئیس تھا اور وہ بغیر مشورہ کے اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کرتا ہے۔

ابن ابی الحدید کی یہ بات صریحاً غلط ہے، نہ معاویہؓ طلقاء میں سے تھے اور نہ ہی انہوں نے بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ صرف قاتلانِ عثمان سے قصاص کے طالب تھے نہ انہوں نے خلافت کی خواہش کی اور نہ ہی وہ اس کے مدعی تھے، چنانچہ جب میدانِ صفین میں سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا ابوامامہؓ صلح کی خاطر سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے تو آپ نے اُن کے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ میں خلافت کا دعویدار نہیں ہوں بلکہ میں تو صرف:۔

"انا قاتله علیٰ دم عثمان وانه اویٰ قتلته فاذھبا الیه فقولا له فلیقدنا من قتلة عثمان ثم انا اول من بایعه من اھل الشام۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۵۹)

میں تو صرف قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کی خاطر لڑ رہا ہوں اور (قاتلانِ عثمانؓ کو انہوں نے پناہ دی ہوئی ہے) آپ دونوں حضرات علیؓ کے پاس جائیے اور ان سے کہیئے کہ وہ قاتلانِ عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیں پھر (دیکھیں) کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اہلِ شام میں سے آپ (علی) کے ہاتھ پر بیعت کروں گا"

ضعیف الحدیث ہے"۔

اگر ذرا بھی عقل و درایت سے کام لیا جائے تو ان روایات کی حقیقت صاف کھل جاتی ہے اور دشمنانِ اسلام کے مکر و فریب کا پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے تاریخ میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

اس روایت کے متعلق سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اتنا اہم فیصلہ جو پوری ملتِ اسلامیہ کی موت و حیات کا فیصلہ تھا کیا اس کا اعلان اس طرح کیا جانا تھا کہ جس طرح کسی مسجد کے منبر پر وعظ کیا جاتا ہے کہ پہلے ایک اُٹھا اور اس نے اعلان کر دیا اور بعد میں دوسرے نے اٹھ کر اعلان کر دیا۔

جیسا کہ معاہدۂ تحکیم میں درج تھا کہ:۔

"ثم یکتبان شهادتهما علی ما فی هذه الصحیفة۔

(طبری جلد ۶ ص ۲۹، ۳۰، ایام العرب ص ۳۶۹، مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۹)

پھر یہ دونوں ثالث ثالثی نامہ کے معاملہ میں اپنا فیصلہ تحریراً مرتب کریں گے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے فیصلہ تحکیم تحریری شکل میں مرتب کیا تھا، صرف زبانی نہیں تھا۔

یہ بات ساری دنیا جانتی ہے اور جب سے تحریر ایجاد ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر اب تک یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ دو منصف یا ثالث باہمی طور پر جب کوئی تحریر مرتب کرتے ہیں تو جن امور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے ان کو لکھ لیا جاتا ہے پھر جتنے گروہوں کے درمیان وہ فیصلہ ہوا ہو اُس تحریر کی اتنی ہی کاپیاں بنائی جاتی ہیں اور ہر کاپی پر ان مندوبین اور فیصلہ کنندگان کے دستخط ہوتے ہیں جو اُس فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں۔

پھر وہ تحریر یا فیصلہ کسی کو سنانا ہو تو اُس فیصلہ کو جس پر کہ دونوں فریق کے مندوبین یا ثالثوں کے دستخط ہوتے ہیں صرف پڑھ کر سنایا جاتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کے مابین ثالثوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلہ پر ثالثوں اور گواہوں کے دستخط موجود ہیں اور کسی کو اب جائے فرار نہیں۔ اگر ثالثوں میں سے کسی ایک کی دیانت مشکوک

ہو تو شہادتوں کے ذریعہ فیصلہ کو مزید پختہ کیا جاتا ہے تا کہ کوئی ثالث یا پارٹی اس سے فرار نہ کر سکے۔

خود سنت میں اس کی مثال موجود ہے کہ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی نمائندہ تھے اور ادھر سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی فرما رہے تھے، معاہدہ مرتب ہوا، بعد میں دونوں نمائندوں کے دستخط ہو گئے، اب نہ قریش اس سے انکار کر سکتے تھے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا۔ اسی طرح اہلِ کفر کے ساتھ آپؐ نے اور معاہدے بھی کیے۔

لیکن یہ بات کس قدر دور از عقل ہے کہ اتنا بڑا فیصلہ ہو اور معاہدہ میں اور شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہو کہ دونوں نمائندے جو بھی فیصلہ کریں وہ تحریری طور پر مرتب ہو اور اس پر باقاعدہ شہادتیں ثبت ہوں اور اس کو چھ ماہ کی تحقیق اور چھان پھٹک کے بعد مرتب کیا گیا ہو، ثالث حضرات اور سب شرائط تو پوری کریں لیکن یہ شرط جو کہ معاہدہ کی جان ہوتی ہے اور اگر معاہدہ میں نہ بھی لکھی ہوئی ہو تب بھی محذوف ہوتی ہے (اور یہاں تو صاف لکھی ہوئی تھی) اس کا کوئی لحاظ نہ کریں، پھر وہ مقام اذرح پر جہاں اس فیصلہ کو سنایا جانا تھا اور وہ بھی ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں تو وہ بجائے تحریری فیصلہ پڑھ کر سنانے کے صرف زبانی فیصلہ سنانا شروع کر دیں اور ہزار ڈیڑھ ہزار حاضرین میں سے کوئی اُن پر اعتراض نہ کرے کہ وہ تحریری فیصلہ پڑھ کر سناؤ جو تم دونوں نے مرتب کیا ہے۔

پھر اس پر زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول ان روایات کے گھڑنے والوں کے کہ سیدنا علیؓ کو سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ پر پہلے ہی اعتماد نہیں تھا اور وہ (معاذ اللہ) ان کو نہایت بیوقوف، ابلہ صفت اور عمرو بن العاصؓ کے مقابلہ میں ایک اُجڈ انسان سمجھتے تھے (طبری جلد ۲ ص ۳۹، ۴۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲۰۰، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۵۵ وغیرہم) جب سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی (معاذ اللہ) یہ حالت تھی تو سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو تو اور زیادہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے تھا کہ فیصلہ تحریری ہو صرف زبانی اور تقریری نہ ہو

تاکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کوئی چالاکی نہ کر سکیں اور نہ ہی مکر سکیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ہمیں تو یہ ملتا ہے کہ جب دونوں ثالث چند باتوں پر متفق ہو گئے اور مقام اذرح پر اپنا فیصلہ سنانے لگے اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کو پہلے فیصلہ سنانے کو کہا اور سیدنا ابوموسیٰؓ اٹھے تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو علوی مندوبین کی قیادت فرما رہے تھے کہا:

"ویحك واللہ انی لاظنہ قد خدعك ان کنتما اتفقتما علیٰ امر فقدمہ فلیتکلم بہ قبلك ثم تکلم بہ بعدہ فانہ رجل غادری ...... الخ

افسوس ہے تم پر! بخدا مجھے یہ گمان تھا کہ یہ تم سے دھوکا کرے گا اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہو گئے ہو تو بات کرنے میں اس کو مقدم کیجئے اور آپ بعد میں بات کریں کیونکہ (معاذ اللہ) یہ ایک عہد کو توڑنے والا آدمی ہے"۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۸)

لیکن تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ سیدنا عباسؓ یا کسی اور علوی مندوب نے یہ کہا ہو کہ آپ وہ فیصلہ سنائیں جو آپ دونوں حضرات نے چھ ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد مرتب کیا ہے تاکہ کسی جھگڑے کا شاخسانہ اٹھ کھڑا نہ ہو۔

لیکن مخالفت کی لگن آدمی کو عقیدت اور محبت کی لگن سے زیادہ اندھا بنا دیتی ہے جن مخالفین نے روایات کے ذریعہ صحابہ کی یہ تصویر پیش کی ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسے پاکیزہ انسان کے منہ سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے متعلق فَاِنَّہٗ رَجُلٌ غَادِرٌ کا ناپاک جملہ وضع کیا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے اللہ اور آخرت کے خوف اور ایمان کی روشنی کی ایک ہلکی سی کرن سے بھی یک قلم خالی تھے۔

روایات پر اجمالی بحث

اس کانفرنس میں کیا فیصلہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق میں اصل حقیقت کو گم کر دیا گیا ہے۔

تاریخ میں روایات کا ایک ایسا گورکھ دھندا بنا دیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے، پھر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں بھی بہت اختلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ ص ۳۵۰، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۲۲،۲۲، مسعودی جلد ۲ ص ۳۶۱،۱۷، الخضری ص ۱۲۷،۱۳۰ وغیرہم) بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلام کی تاریخ میں جس قدر کذب بیانی اور غلو واقعہ تحکیم اور واقعہ کربلا کے بارہ میں کیا گیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور واقعہ میں کیا گیا ہو، مسعودی، خضری اور طبری وغیرہ مؤرخین اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ثالثوں کا فیصلہ تحریری ہوگا اور حسب فیصلہ وہ تحریر لکھی بھی گئی تھی لیکن فیصلہ کی تحریر کو ایک خاص سازش کے تحت حرف غلط کی طرح کتابوں کے اوراق سے مٹا دیا گیا، اور آج باوجود تجسس و تفحص کے وہ تحریر تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتی اور اس کے بجائے صرف یہی لکھ دیا ہے کہ فیصلہ زبانی سنایا گیا[1] اور پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا اور بعد میں عمرو بن العاصؓ نے اصل فیصلہ کو مروڑتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کو سمجھے گا جنہوں نے واقعات کو اس طرح مسخ کر کے امت میں فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ سیدنا معاویہؓ نے اس زمانہ میں ابھی تک خلافت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا وہ تو صرف قاتلان عثمان سے قصاص کے مدعی تھے اور اسی کے لیے وہ اٹھے تھے اور انہوں نے بار بار اپنے خطوط اور علوی نامہ بروں کے ساتھ اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ میں سب سے پہلے سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں گا اگر وہ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۹) سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا ہی نہیں تھا کہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ ان کو خلیفہ بنایا جائے یا انہیں معزول کیا جائے اور نہ ہی ثالثوں کا تقرر اس لیے ہوا تھا کہ

---

[1] حالانکہ مسعودی جیسے شیعہ مؤرخ نے بھی لکھا ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے بھی زبانی تقریر نہیں کی۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۱۱)

وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ دونوں میں خلیفہ کون ہو، اور اگر یہ دونوں اَن فِٹ ہوں تو تیسرا کون ہونا چاہیئے؟ بلکہ ان کا تقرر تو صرف اس لیے ہُوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ سیدنا معاویہؓ قاتلانِ عثمان سے قصاص کے مدعی ہیں اور اس کے برعکس سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ :-

"میں اِس وقت ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتا پہلے تم میری بیعت کرو پھر جب میں مناسب سمجھوں گا یا اپنے کو اس قابل جانوں گا کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لے سکوں اُس وقت ان سے قصاص لوں گا۔"

لیکن سیدنا معاویہ اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ پہلے قصاص لو پھر میں بعد میں بیعت کروں گا کیونکہ ان کے خیال میں خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ کی بیعت ابھی تک ان کی گردن میں تھی اس لیے کہ وہ مظلوم شہید کئے گئے تھے اور طبعی طور پر وفات نہیں پائی تھی، اس بارہ میں اس سے قبل فریقین میں کئی بار گفتگو بھی ہو چکی تھی، یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں کہاں تک صحیح ہیں اور ان دونوں میں مصالحت کی صورت کیا ہے تاکہ اُمت بہت بڑی خونریزی سے بچ جائے ۔

یہ تھا فریقین کا مابہ النزاع مسئلہ، اور اسی کے فیصلے کے لیے حَکَمین کا تقرر ہوا تھا، دونوں ثالث اپنی اپنی جگہ ایک خاص علمی مقام کے مالک تھے، کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہمارا تقرر کس فیصلہ کے لیے ہُوا تھا اور ہم کیا فیصلہ دے رہے ہیں، پھر جب انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو اُس وقت حاضرین میں سے ایک آدمی بھی نہ بولا کہ جناب ہم نے آپ کا تقرر کس بات کے لیے کیا تھا اور آپ فیصلہ کیا کر رہے ہیں؟ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فیصلہ ہُوا کچھ اور تھا لیکن تاریخ میں کچھ ایسا ہیر پھیر کیا گیا ہے کہ حقیقت ان روایات کے نیچے چھپ گئی ہے اور ما بعد کے مؤرخین مکھی پر مکھی مارتے چلے آرہے ہیں اور انہوں نے اس بات کی ٹوہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس راکھ کے ڈھیر سے اس اصل ہیرے کی جوت لگائیں جو اس کے اندر چھپا ہُوا ہے ۔

بعض لوگوں نے کچھ ایسی روایات بھی وضع کی ہیں کہ :-

"جب ثالثوں نے اپنا فیصلہ سُنایا تو مجمع میں گڑ بڑ پیدا ہو گئی اور شریح بن ہانی نے سیدنا عمرو بن العاصؓ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے اور ابو اشعریؓ کہیں چھپ گئے۔" (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲۰۱)

یہ ایسی خرافات ہیں کہ ان کو تاریخ کی کتابوں میں بیان کرنا یا تاریخ کہنا خود تاریخ کی توہین ہے، مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی گڑ بڑ نہیں ہوئی تھی بلکہ سب لوگوں نے ثالثوں کے فیصلہ کو سراہا اور مسلمانوں کے مابین نزاع بہت حد تک کم ہو گیا اور کسی کو گڑ بڑ کرنے کی جرأت تک پیدا نہ ہوئی۔ یہ کہنا کہ عمرو بن العاصؓ نے دھوکا دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی بیوقوفی اور سادہ لوحی کی وجہ سے ان سے دھوکا کھایا، یہ سب روایات ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین پر بہتان تراشیاں ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی کتابوں کے لکھے جانے سے قبل کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکہ دیا اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے دھوکہ کھایا، اور اگر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے دھوکہ کھایا ہوتا تو تاریخ میں ان پر بیوقوفی اور ملامت کی بوچھاڑ ہوتی، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر نے ان کے موقف کو سراہا ہے اور بڑے فخر سے اُن کے اس فیصلے کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک مشہور شاعر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے پوتے بلال سے ان کے دادا کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ؎

ابوك تلافى الدين والناس بعد ما
تشاروا وبيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اَذْرُحٍ
وردّ حروبا لقد لقحن إلى عقم

یعنی آپ کے دادا ابا سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے دین اور لوگوں کی شیرازہ بندی فرمائی جبکہ لوگ آپس میں بددل اور پراگندہ خاطر تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا ہی چاہتی تھی، انہوں نے ایام حج (یعنی اَذْرُح کانفرنس) میں دین کے خیمہ

کی طنابیں کس دین اور جنگوں کے سلسلہ کو بالکل روک دیا جو کہ دین و ملت کو بانجھ اور عقیم کر دینے والی تھیں" (معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۳۰، العواصم من القواصم ص ۱۷۸، تعلیقہ معاویہ از انیس زکریا نصولی مصری ص ۳۱)

پھر تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کے بارے میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے اس کانفرنس کے فیصلہ پر یہ اعتراض کیا کہ ان ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے[1] (اخبار الطوال ص ۲۰۶، ۲۰۷، الفخری ص ۹۴، طبری جلد ۶ ص) لیکن آپ نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاویہؓ کے حکم عمرو بن العاصؓ نے میرے حکم ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی نے اس کانفرنس میں دھوکہ دیا اور نہ کسی نے دھوکا کھایا، صرف مسلمانوں کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع کرنے کے لیے اس قسم کی روایات وضع کی گئی ہیں۔

اگر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکہ اور فریب سے سیدنا معاویہؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ دوسرے ہی روز اس بات کا اعلان فرما دیتے کہ اب سیدنا علیؓ خلیفہ نہیں ہیں بلکہ اہلِ حل وعقد نے مجھے خلیفہ بنایا ہے لہٰذا میں علیؓ کو الٹی میٹم دیتا ہوں کہ یا تو وہ میری خلافت قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، جس طرح کہ سیدنا علیؓ نے امیر معاویہؓ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ "تم میری بیعت کر لو عافیت اور سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ" (اخبار الطوال ص ۱۴۱)

---

[1] یہ روایت بھی غلط ہے کہ سیدنا علیؓ نے یہ فرمایا تھا کہ ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ کے خلاف ہوتا تو آپ بعد میں اسی وقت لڑائی چھیڑ دیتے اور دوسرے ہی روز آپ نے دمشق کو گھیرے میں لے لیا ہوتا، لیکن ہم ایسا نہیں پاتے بلکہ صفین سے جو فوجیں ہٹی تھیں ان کی پھر کسی بھی محاذ پر آپس میں مڈھ بھیڑ نہیں ہوئی بلکہ دونوں طرف سے لڑائی ایسی بند ہوئی کہ پھر خون کا ایک قطرہ بھی فرشِ خاک پر نہیں پڑا۔ ان سب واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ فیصلہ نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ تھا اور اس سے ہر آدمی اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھا۔ (م۔ و۔ ط)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایسا کوئی الٹی میٹم نہیں دیا اور نہ آپ نے اپنی فوج کو عراق کے کسی محاذ پر بھیجا بلکہ آپ آرام کے ساتھ دمشق میں رہے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا۔

"ولحق معاویۃ بدمشق من ارض الشام وفرّق عساکرہ فلحق کل جند منهم ببلدہ۔ (مروج الذہب جلد ۳ صٖ۳۰)

حضرت معاویہ رضؓ سرزمینِ شام میں دمشق تشریف لے گئے اور اپنے لشکروں کو علیحدہ علیحدہ بھیج دیا، ان میں سے ہر ٹکڑی (پلٹن) الگ الگ شہر (چھاؤنی) میں چلی گئی۔"

اور اپنے زیرِ نگیں علاقے میں پہلے کی طرح حکومت کرتے رہے اس عرصہ میں آپ نے کبھی بھی سیدنا علیؓ کو بیعت کی دعوت نہیں دی بلکہ جب کبھی بات چلی آپ نے قاتلانِ عثمان سے قصاص ہی طلب فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ دھوکے سے کسی کی خلافت چھینی گئی اور نہ دھوکہ سے کسی کو خلیفہ بنایا گیا بلکہ جس بارہ میں دونوں کو حَکَم بنایا گیا تھا اس بارہ میں انہوں نے نہایت دوراندیشی، معاملہ فہمی اور غور و فکر سے فیصلہ کیا اور ایسا اعلیٰ فیصلہ کیا کہ دین کی شیرازہ بندی ہوگئی، لوگوں کی منتشر خیالی اور پراگندگی دور ہوگئی اور دین کی عمارت جو کہ منہدم ہونے کے قریب تھی پھر اپنی پہلی حالت پر آگئی اور ان جنگوں کا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا جو کہ ملتِ اسلامیہ کو عقیم (بانجھ) کر ڈالنے والی تھیں، کھچی ہوئی تلواریں نیاموں میں چلی گئیں اور ملک میں امن و سلامتی کا پودا پھر سے سرسبز و شاداب ہوگیا۔

ثالثوں کا اصل فیصلہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اگر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا تو پھر آخر ان کا فیصلہ جو اَذرُح کے مقام پر سنایا گیا وہ تھا کیا؟ اُمت کی بدقسمتی اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں

سے وہ اصل تحریری فیصلہ آج ہمارے پاس موجود نہیں۔ لیکن مسعودی وغیرہ مؤرخین کو اس بات کا اقرار ہے کہ:۔

"انهما لم يخطبا وانما كتبا صحيفة۔ (مسعودی جلد ۲ صفحہ ۲۷ عمرو بن العاص از حسن ابراہیم حسن صفحہ ۴۲)
ان حضرات نے زبانی خطاب نہیں فرمایا تھا بلکہ فیصلہ تحریر کیا تھا۔"

اور فیصلہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات جن سے بنو امیہ کی ذرہ برابر بھی حمایت ہوتی ہے مسلم نما سبائیوں نے تاریخ کے اوراق ہی سے گم کر دی ہیں اور اصل حقیقت کے بجائے ایسے ایسے افسانے تاریخ میں بھر دیئے ہیں جو عقل اور نقل، روایت و درایت دونوں کے لحاظ سے غلط ہیں، خصوصی طور پر تحکیم اور کربلا کا واقعہ۔ ان دونوں واقعات میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ کے مخالف رائے رکھنے والوں کا کریکٹر اس قدر گھناؤنا پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھ کر شاید فرعون و ابوجہل بھی ان سے اچھے نظر آئیں، اور اس معاملے میں یہاں تک زیادتی کی گئی ہے کہ اگر خود اہل بیت کے کسی فرد نے بھی ان کے ذرا خلاف اپنی رائے دی تو اس کو بھی مذل المؤمنین، مسود وجوہ المؤمنین قسم کے توہین آمیز القابات سے یاد کیا گیا[1]

---

[1] سیدنا حسنؓ نے جب سیدنا معاویہؓ کی بیعت کی تو آپ کے لشکر کے بعض لیڈروں نے سیدنا حسنؓ سے مل کر اس معاملہ میں گفتگو کی اور آپ کو السلام علیك یا مذل المؤمنين کہہ کر سلام کیا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۔، العواصم من القواصم صفحہ ۱۹۷ میں مسود وجوه المؤمنين (مومنوں کے چہروں کو سیاہ کرنے والا) آیا ہے۔ اسی طرح جلاء العیون از ملا باقر مجلسی میں بھی ہے صفحہ ۳۲۲، صفحہ ۳۲۴، صفحہ ۳۳۶۔ یہ معاملہ صرف طعن و تشنیع تک ہی نہ رہا بلکہ ان لوگوں نے کہا کہ "معاذ اللہ" یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا، یہ کہہ کر بلوہ کیا اور امام حسنؓ کا اسباب لوٹ لیا۔ یہاں تک جائے نماز آپ کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور ردا دوش مبارک سے اتار لی۔ پس امام حسنؓ نے اپنا گھوڑا طلب کیا، جراح بن سنان اسدی شقی نے لجام اسپ آنحضرت پکڑ لی اور ایک خنجر ران مبارک پر مارا کہ استخوان تک شگاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا کہ (معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو۔ (جلاء العیون صفحہ ۳۱۳) یہ ساری سزا صرف اس وجہ سے تھی کہ آپ نے بنی امیہ (اور وہ بھی مومنوں کے ماموں سیدنا معاویہؓ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاں اگر موجودہ روایات ہی کی ذرا چھان پھٹک کی جائے اور ان میں ذرا تنقیدی نگاہ سے ٹوہ لگائی جائے تو اصل حقیقت کی کچھ پرچھائیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے اس کانفرنس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔

(۱) دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے مؤقف میں مخلص ہیں، معاویہؓ طلب قصاص میں اور علیؓ طلب بیعت میں، اور ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی اختلاف ہے[۱] اور یہ اختلاف نگاہِ شریعت میں ایسا اختلاف ہے کہ جس میں صواب و خطا دونوں میں ثواب ملتا ہے، ہاں جو راہِ صواب اختیار کرکے اصل مقصد کو پہنچ گیا اس کو راہِ خطا پر گامزن ہونے والے سے دوگنا ثواب ہے، حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی معصوم نہیں، غلطی کا ہر بشر سے امکان ہے، ہاں اس میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گنہگار اور واجب القتل ہیں اور انہیں کے قتل کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ کر رہے تھے لہٰذا سیدنا علیؓ کی خلافت بالفعل صحیح ہے اور سیدنا معاویہؓ کا قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ صحیح ہے، اس وجہ سے دونوں کو اپنے اپنے مؤقف سے معزول کیا جائے یعنی معاویہ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیدنا علیؓ تلوار روکیں[۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی طرف میلان فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دور وہ بھی تھا کہ جس میں بڑے بڑے آدمی جیسے سیدنا حسنؓ کے منہ سے بھی بنو امیہ کی معمولی تعریف یا ان کی طرف معمولی میلان بھی برداشت نہ کیا جا سکتا تھا تاریخوں میں بھی اسی تعصب کے اثرات ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) [۱] کیونکہ دونوں نے خطائے اجتہادی کی تھی، ایک نے قصاصِ عثمانؓ کو ہاتھ میں لے کر اور دوسرے نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر۔

[۲] مؤقف کی معزولی ہی کو مؤرخین نے خلافت سے معزولی پر محمول کیا ہے حالانکہ خلافت کے دعویدار صرف سیدنا علیؓ تھے نہ کہ دونوں حضرات، لہٰذا دونوں کی معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر خلافت کے دعویدار ہوتے تو پھر فیصلہ میں دونوں کو معزول کیا جا سکتا تھا، اس لیے اگر ثالث خلافت سے معزول

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(ب) اس امرِ خلافت کا فیصلہ ایسے صحابہؓ کے اجتماع میں ہو جن سے اللہ کا رسول اس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا۔ (العواصم من القواصم ص۱۷۸)

کیونکہ اتنے بڑے قضیے کا فیصلہ ہمارے بس کا روگ نہیں، اس کے فیصلے کے لیے سب سے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنا ضروری ہے اور اگر ہم ابھی فیصلہ کر بھی دیں تو ایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کو منوانے کے پسِ پشت پر طاقت نہ ہو، اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ بہت جلد نافذ ہو گا۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ سبائیوں نے اُمت کے متفق علیہ امام کو دن دیہاڑے مدینہ منورہ کی پاک و مقدس سرزمین میں بغیر کسی قصور کے ظلماً شہید کر دیا اور پھر وہی قاتلانِ عثمان سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں اُن سے قصاص کس طرح لیا جائے۔ اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات اور اپنی کوششوں سے قائم کی۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے صراحت سے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص۱۵۶) اور کتبِ تواریخ میں یہ جملہ بھی آتا ہے "اول من بایعہ الاشتر" (سب سے پہلے اشتر نے سیدنا علیؓ کی بیعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتے تو ایک کو کرتے یعنی سیدنا علیؓ کو نہ کہ دونوں کو۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان ثالثوں نے دونوں کو اپنے اپنے موقف سے معزول کیا تھا، سیدنا علیؓ نے تلوار چلائی تھی اُن کو تلوار چلانے سے روکا گیا اور سیدنا معاویہؓ نے قصاص کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا لہٰذا اُن سے کہا گیا کہ آپ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں، یہ تھی اپنے موقف سے دونوں کی معزولی جس کو   کر کے یہ لکھ دیا گیا کہ:۔

ثم اصطلحا علیٰ ان یخلعا معاویۃ وعلیاً ویترکا الامر شوریٰ بین الناس لیتفقوا علیٰ من یختاروہ لانفسھم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۸۳)

پھر دونوں ثالث اس بات پر متفق ہو گئے کہ علیؓ اور معاویہؓ کو خلافت سے معزول کیا جائے اور اس امر خلافت کو لوگوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ متفق ہو کر جس کو چاہیں اپنے لیے بطورِ خلیفہ اختیار کریں۔ (عمرو بن العاص ص۱۷۱ از حسن ابراہیم حسن، مروج الذہب جلد ۲ ص۳۰ وغیرہم)

پھر ایک نے دوسرے کو دھوکہ دے کر اپنے کو امیر المؤمنین بنا دیا اور دوسرے کو اسی طرح معزول کر دیا، یہ سب سازش یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے اصحابہ کا دامن اس قسم کے خرافات سے پاک ہے۔

کی اسبائیوں کے سیدنا علیؓ کو اس طرح ہنگامی طور پر خلیفہ بنا کر پھر ان کی فوج میں داخل ہو جانے سے اُمت بہت بڑے تفرقہ کا شکار ہو گئی اور سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہؓ نے آپ کی بیعت نہ فرمائی۔ اسی تفرقہ کے سبب نوبت شمشیر کشی اور قتال تک پہنچ گئی، ثالثوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیق اور چھان پھٹک کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلان عثمان کے اثرات اور ان کے شمول سے سیدنا علیؓ کا انتخاب غیر آئینی ہے لہٰذا یہ انتخاب منسوخ ہو کر کل اُمت کے نمائندہ حضرات اور ارباب حل وعقد کے مشورے سے از سر نو انتخاب ہو، اس اجتماع میں جس میں اس امر خلافت کا فیصلہ ہو صرف وہی حضرات صحابہ شامل ہوں جن سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے، یہ ارباب حل وعقد جب کوئی فیصلہ کریں گے تو اُن کی پشت پر اس فیصلہ کو منوانے کے لیے رائے عامہ کی بے پناہ طاقت ہوگی۔ (العواصم من القواصم ص۱۷۲،۱۷۳) تفصیل کے لیے کتب تواریخ ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) جب تک ارباب حل وعقد کے باہمی مشورے سے از سر نو انتخاب عمل میں نہیں آتا اُس وقت تک دونوں فریق اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم ونسق چلاتے رہیں اور آپس میں امن وسلامتی سے رہیں۔ اما التصرف العملی فی ادارة البلاد التی کانت تحت ید کل من الرجلین المتحاربین فبقی کما کان، علی متصرف فی البلاد التی تحت حکمہ ومعاویة متصرف فی البلاد التی تحت حکمہ۔ (العواصم من القواصم ص۱۷۵ تعلیقہ)

یہ تھا ان دونوں ثالثوں کا فیصلہ جس کو سبائی راویوں نے کیا کیا رنگ دے دیا ہے اور ان واقعات کو مسخ کر کے اُمت کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ صحابہ کے بارہ میں ان کے معتقدات صحیح نہ رہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ سے مکر وفریب سے کام لیا، اس کے متعلق علامہ محب الدین الخطیبؒ فرماتے ہیں:۔

فالتحكيم لم يقع فيه خداع ولا مكر ولم تتخلله بلاهة ولا غفلة وكان يكون محل للمكر والغفلة لو ان عمرًا اعلن في نتيجة التحكيم انه ولى معاوية امارة المؤمنين وخلافة المسلمين وهذا ما لم يعلنه عمرو، ولا ادعاه معاوية ولم يقل به احد في الثلاثة عشر قرنًا الماضية وخلافة معاوية لم تبدا الا بعد الصلح مع الحسن بن علي وقد تمت لمبايعة الحسن لمعاوية ومن ذلك اليوم فقط سمى معاوية امير المؤمنين فعمرو لم يغالط ابا موسى ولم يخدعه لانه لم يعط معاوية شيئًا جديدًا ولم يقرر في التحكيم غير الذى قرره ابو موسى ولم يخرج عما اتفقا عليه معًا۔ (العواصم من القواصم صفحہ تعلیقہ)

یعنی مسئلہ تحکیم میں کسی مکر و فریب کی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی سے غفلت و بیوقوفی کا صدور ہوا ہے، ہاں فریب اور غفلت کا محل جب ہوتا اگر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ تحکیم کے فیصلہ میں یہ اعلان فرماتے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی خلافت اور مؤمنین کی امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے، اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اعلان کیا ہی نہیں اور نہ ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی گذشتہ تیرہ صدیوں میں کسی نے یہ چیز کہی ہے، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تو سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد شروع ہوئی اور اس کا اتمام سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے سے ہوا اور اس روز سے انہیں امیر المؤمنین کہا جانے لگا، لہٰذا نہ ہی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ کو دھوکہ دیا اور نہ ہی ان سے کوئی دھوکہ کھایا کیونکہ انہوں نے (اپنے اعلان میں) معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوئی نئی شے دی ہی نہیں اور نہ ہی فیصلہ تحکیم میں اس چیز کا اظہار فرمایا جس کا اظہار سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی اس بات کے سوا کوئی اور بات کہی جس پر دونوں ثالثوں کا اتفاق ہوا تھا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک

اسی فیصلے کی رُو سے اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حق پر تھے اور دونوں سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ سیدنا معاویہؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے قاتلانِ عثمان سے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور سیدنا علیؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لیا اور اس طرح قضیہ نپٹنے کے بجائے اور طویل ہوگیا، سیاسی الجھنیں پیدا ہوگئیں، اچھے اچھے لوگ مخالف ہوگئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"دوم آنکہ قصاص حق است وحضرت مرتضیٰؓ قادر است بر اخذِ قصاص ذی النورین و اخذ آں نمی کند بلکہ مانع آنست وحضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد ۲ ص ۲۷۹، اعلاء السنن جلد ۲ ص ۲۴۸)

یعنی دوسرا یہ کہ قصاص حق ہے اور جناب علی المرتضیٰؓ جناب عثمان ذی النورینؓ کا قصاص لینے پر قادر تھے لیکن لیتے نہیں تھے بلکہ لینے سے منع کرتے تھے اور جناب مرتضیٰؓ نے خطائے اجتہادی کے ساتھ حکم فرمایا۔"

عدالتِ صحابہؓ کی بحث

باوجود خطائے اجتہادی کے دونوں حضرات مخلص تھے ان کی کوئی بات بھی دین میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ امن وسلامتی کے لیے تھی صرف اندازِ فکر میں اختلاف تھا۔ کوئی معاملہ کو کسی پہلو سے سوچتا اور کوئی کسی زاویہ سے مگر مقصد سب کا دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی تھی، اسی لیے ہر صحابیِ رسولؐ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ:۔

"الصحابة کلھم عدول"۔ (فتح المغیث ص۳۷۵)
صحابہ سب عادل ہیں"۔
چنانچہ خطیب بغدادیؒ عدالتِ صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
"عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعدیل اللہ لھم فمن ذٰلك قولہٗ، کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ وقولہ: وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ وقولہٗ: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ وقولہٗ: وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ وقولہٗ، یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الصَّادِقُوْنَ ۝ فی اٰیات یکثرا یرادھا ویطول تعدادھا وجمیع ذٰلك تقتضی طھارة الصحابہ والقطع علٰی تعدیلھم ونزاھتھم فلا یحتاج احد منھم مع تعدیل اللہ لھم الی تعدیل احد من الخلق۔
(الکفایة ص۴۶،۴۹، فتح المغیث للسخاوی ص۳۷۵)
صحابہؓ کا عدول ہونا خود نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے اور اللہ تعالےٰ نے ان کی تعدیل خود فرمائی ہے، جیسے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ..... الخ اور وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً..... الخ اور لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ..... الخ اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ..... الخ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں ان سب سے عدالتِ صحابہؓ کا ثبوت ملتا ہے، پس جب صحابہ کی تعدیل خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی تو تعدیلِ ایزدی کے بعد صحابہ کو عدول ثابت کرنے کے لیے کسی مخلوق کی تعدیل کی ضرورت ہی کیا ہے"۔
علامہ ابن عبد البرؒ بھی ان آیاتِ قرآنیہ کا تعلق براہِ راست صحابۂ کرامؓ ہی سے ثابت کرتے ہیں اور اس تعلق کی نسبت ابنِ سیرینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سعید بن مسیبؓ

امام شعبیؒ وغیرہ ائمہ کی تصریحات نقل فرمائی ہیں اور آخر میں لکھا ہے :۔

"ثبتت عدالة جمیعهم بثناء الله عزوجل علیهم وثناء رسوله علیه السلام ولا تزکیة افضل من ذٰلك ولا تعدیل اکمل منه۔
(الاستیعاب ج ۱ ص ۳۔۶)

اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی طرف سے ان سب حضرات کی تعدیل اور ان کی مدح وثناء فرمادی گئی، لہٰذا اِس تزکیہ سے افضل کوئی تزکیہ نہیں اور اس تعدیل سے کامل تر اور کوئی تعدیل نہیں"۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ کے عدول ہونے کا مسئلہ متفقہ ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رجال اسناد میں نہ شمار ہوتے ہیں نہ وہ زیر بحث آتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں :۔

"واما الصحابی فانه وان کان عن رجال الاسناد الا ان المحدثین لم یعدوهُ منه لانهم کلهم عدول علی الاطلاق من خالطه الفتن وغیرهم لقوله تعالیٰ: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔ ای عدولاً۔ (ظفر الامانی ص ۱۲۱)

صحابی اگرچہ حدیث کی اسناد میں ہوتا ہے لیکن محدثین اسے اسناد میں کبھی زیر بحث نہیں لاتے کیونکہ سارے صحابہ علی الاطلاق عدول ہیں جو فتنی اور باہمی جنگوں میں شریک ہوئے ہیں وہ بھی عدول ہیں، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؛ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنی عدولاً"۔

اِسی شے کو علامہ سخاویؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔

"الصحابة کلهم عدول مطلقاً کبیرهم وصغیرهم لابس الفتن ام لا وجوباً لحسن الظن ونظراً الیٰ ما تمهد لهم من الماثر۔ (فتح المغیث ص ۳۷۵)

صحابۂ کرام مطلقاً سب کے سب عادل (نہایت بااعتماد) ہیں چاہے چھوٹے

ہوں یا بڑے، اختلافات میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، کیونکہ ان سے حُسنِ ظن واجب ہے اُن کی وہ فضیلتیں دیکھتے ہوئے جو معین ہو چکی ہیں۔"

علامہ طاہر پٹنیؒ فرماتے ہیں:۔

"ثم انھم کلھم عدول وکبیرھم وصغیرھم من لابس الفتن وغیرھم بالاجماع۔ (مجمع البحار ج ۳ ص ۵۴۲)

"تمام چھوٹے بڑے فتن میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے سارے کے سارے عدول ہیں اور ان کی عدالت وصداقت پر پوری امت کا اجماع ہے۔"

حافظ ابن الصلاحؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ صحابہ عدول وصدوق ہیں کہ باہمی مشاجرات وفتن کے موقع میں بھی انہوں نے عدالت وصداقت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اس پر پوری اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے، فرماتے ہیں:۔

"ثم ان الامۃ مجتمعۃ علیٰ تعدیل جمیع الصحابۃ ومن لابس الفتن منھم۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۷)

تمام امت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور وہ صحابہ بھی عدول ہیں جنہوں نے جنگی فتن اور مشاجرات میں شرکت کر لی تھی۔"

صحابۂ کرامؓ کی عدالت کے بارہ میں خطیب بغدادیؒ نے حافظ ابوزرعہؒ کا ایک واضح قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذٰلک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندنا حق والقراٰن حق وانما ادّی الینا ھٰذا القراٰن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔ (الکفایۃ ص ۴۹ از خطیب بغدادی)

"جب تو کسی کو دیکھے کہ وہ اصحابِ رسول میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھے کہ وہ زندیق ہے کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قرآن و سنّت کو ہمارے تک پہنچانے کا باعث یہی اصحابِ رسول ہیں اور یہ زندیق لوگ ہمارے ان گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ پھر قرآن و سنّت کو باطل کر سکیں"۔

عدالت صحابہ کی اس بحث کو مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۵، التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح للعراقی ص ۲۲۹، ۲۳۲، فتح المغیث للسخاوی ص ۳۴۷، ص ۱۲۳، ص ۳۷۵، ظفر الامانی ص ۳۱۳، اصابہ لابن حجر جلد ا ص ۷، ارشاد الفحول للشوکانی ص ۶۷ پر بالتفصیل بیان کیا گیا ہے جس کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

عدالتِ صحابہؓ کا مطلب

بعض حضرات عدالتِ صحابہؓ کو صرف روایت حدیث تک محدود دیکھتے ہیں اور دوسرے معاملات کے بارہ میں صحابہ کے کردار اور ایک عام آدمی کے کردار میں کوئی فرق نہیں سمجھتے حالانکہ یہ چیز درست نہیں، یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دنیا میں کوئی معصوم نہیں، بڑے سے بڑا صحابی بھی بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں۔ لیکن الصحابۃ کلھم عدول کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صحابہ اپنی دنیوی وجاہت، سربلندی، اور تفوق کی خاطر ہر قسم کی خلافِ اسلام تدابیر کرنے سے نہیں چوکتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن وہ غلطیاں جن سے اسلام کی اہانت ہو یا جن سے ملّتِ اسلامیہ کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے صحابۂ کرام کا کیرکٹر اس سے یکسر مُبرّا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض دفعہ غلط فہمی میں ایسا بڑے سے بڑا کام جسے قرآنِ کریم میں گناہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو معصوم اور غیر معصوم دونوں سے ہو جاتا ہے لیکن وہ صرف صورۃً گناہ کہلاتا ہے حقیقتاً گناہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً اس کو گناہ کہنا بھی

نہیں جائے گا جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا کہ داڑھی بھی ایک پیغمبر کی تھی اور تھے بھی بڑے بھائی، بظاہر یہ کتنی سخت اہانت ہے ایک پیغمبر کی، جو کہ اگر کوئی دوسرا کرے تو کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا۔ چنانچہ محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقامِ شفاعتِ عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی لیکن ہارون علیہ السلام کا معاملہ اس وقت بھی باعثِ خوف نہ ہوگا۔ دیکھا جائے تو وہ قبطی کافر تھا، ملک دارالحرب تھا اور وہ خدا کے رسول کے دشمن کا ہم قوم تھا اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریق پر بنی اسرائیل پر غلبہ کرتے ہوئے ستا رہا تھا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، پھر اس کے بعد آپ نے معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

کہا اے اللہ بے شک میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر لہٰذا مجھ کو بخش دے
پس اللہ نے اس کو بخش دیا، بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

مگر حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں۔

پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی الواح کو (تختیوں کو) پٹک دیا (سورۃ الاعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس کے کتاب اللہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں، بظاہر کتنا بڑا گناہ ہے، مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کوئی مواخذہ نہیں ہوا کیونکہ یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی تھے جو ان کو سیدنا ہارون علیہ السلام سے ہوئی اور اس جوش نے بلا ارادہ یہ سب کچھ کرایا تھا جو محبتِ خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر کر دی گئی تھی :۔

فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ۔ (سورۃ طٰہٰ)

ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو بچلا دیا اور سامری نے اس کو بہکا دیا۔

اس لیے اگر معصوم سے غلط فہمی میں ایسی باتیں ہوسکتی ہیں تو غیر معصوم سے خواہ وہ کتنی ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو اس قسم کی باتیں کیوں نہیں ہوسکتیں اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی سے کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو کیا سیدنا علیؓ سے جنگ وجدال پر مواخذہ متروک نہیں ہوسکتا؟ اور اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بڑے بھائی پر غصہ قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہوسکتا ہے تو سیدنا علیؓ پر سیدنا معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہوسکتا؟ کیونکہ یہ دونوں آپس میں چچازاد بھائی ہی تو ہیں۔ (از افادات شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کما صرح فی مکتوبات شیخ الاسلام جلد ا ص ۲۴۳، ۲۴۴)

موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے وہ قرآن سے ثابت ہے جو کہ قطعی اور متواتر ہے اور صحابہ کرام کے متعلق جو کچھ دشمنان صحابہ پیش کرتے ہیں وہ حدیث سے بھی نہیں بلکہ تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات سے ثابت ہے جن میں اکثر ابومخنف لوط بن یحیٰی اور اس جیسے دوسرے راویوں کی روایات ہیں اور صحابہ کی شان میں جو قرآنی آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے بالکل ہیچ ہیں لہٰذا اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا پڑے گا۔

چنانچہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

"یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث وثمین سے اور ارسال وانقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن الاثیر ہو یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد، ان اخبار کو مستفاض ومتواتر قرار دینا بالکل غلط ہے

اور بے موقع ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر
نصوص اور دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایاتِ صحیحہ احادیث کی موجود
ہوتیں تو وہ بھی مؤول یا مردود قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایاتِ تاریخ،
اب آپ اصولِ تنقید کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے۔"

(مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد ۱ ص۲۶۶)

عدالتِ صحابہؓ کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر عدالتِ صحابہؓ
کو صرف روایتِ حدیث تک محدود رکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے
کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کوئی غلط روایت نہیں لگا سکتا ہے؟
اس کا جواب "مقدمہ ابن الصلاح" میں دیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ پر حدیث
مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ کا خوف طاری تھا،
اور یہ حدیث صحابۂ کرامؓ میں سے باسٹھ صحابہ سے مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل
ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن الصلاح ص۱۳۵) اور یہی جواب حافظ عز الدین بن
عبد السلام نے دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح المغیث للسخاوی ص۱۲۳)

معلوم ہوا کہ صرف خوفِ جہنم صحابہ کو مانع تھا جس کی وجہ سے وہ کذب علی النبی ﷺ کے
مرتکب نہیں ہوتے تھے، کیا یہ خوف دوسرے گناہوں سے مانع نہیں تھا؟ یقیناً تھا، اور
صحابہ ہر وقت اس خوف کو اپنے سامنے رکھتے تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے کو
محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اور یہ خوف تمام امت میں سب سے زیادہ تھا بھی صحابہؓ
میں، اسی وجہ سے ان کو بارگاہِ خداوندی سے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا
سرٹیفیکیٹ عطا ہوا جو کہ ساری امت میں سے کسی کو نہیں ملا، اور جس نے صحابہؓ
کے تقدس اور تزکیۂ باطن پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ اب اگر اس تصدیقِ خداوندی کے
بعد بھی ہم ان سب روایات کی تصدیق کریں جو کہ صحابہ کی تنقیص کے بارے میں تواریخ
میں نقل کی گئی ہیں تو پھر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا کوئی مطلب نہیں نکلتا
بلکہ اس کی تکذیب لازم آتی ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور عام آدمیوں

کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔

كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَّهٗ اَدْنٰى مِنَ الْعَقْلِ وَالْفَهْمِ

فتنے کے اصل بانی

درمیان میں بات عدالتِ صحابہؓ کی چل نکلی تھی جو زیادہ طویل ہوگئی، بات یہ ہو رہی تھی کہ صحابہ کرام کی کوئی بات دین میں فتنہ پیدا کرنے والی نہ تھی بلکہ امن و سلامتی کے لیے تھی، لیکن اس کے برعکس قاتلانِ عثمان ایسے گروہ سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگی کا مقصد ہی دین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر ملتِ اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے مخصوص لوگوں نے سیدنا عمر الفاروقؓ کے زمانہ ہی سے اندرونِ ملک کام کرنا شروع کر دیا تھا اور عبداللہ بن سبا، حکیم بن جبلہ، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر، الغافقی بن حرب، خالد بن ملجم اور سودان بن حمران وغیرہم اس میں لیڈنگ پارٹ لے رہے تھے اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس میں شریک ہوگئے تھے۔ چنانچہ یہ تحریک سیدنا عثمانؓ کے آخری ایام میں کچھ کامیاب ہوئی اور شہادتِ عثمان کا جانکاہ واقعہ پیش آیا، بعد میں ان لوگوں نے ایک طرف سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے لشکر میں داخل ہو کر کچھ لوگوں کو سیدنا علیؓ کے خلاف بھڑکایا اور سیدنا علیؓ کے لشکر میں داخل ہو کر ان کو اصحابِ جمل کے خلاف مشتعل کیا اور جنگِ جمل کا حادثۂ فاجعہ پیش آیا، جنگ سے ایک روز قبل مخلصین اور خیر خواہانِ امت کے دخل سے دونوں پارٹیوں میں صلح ہونے ہی والی تھی اور سیدنا علیؓ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو مان چکے تھے کہ ان دشمنانِ اسلام نے صبح اندھیرے منہ ہی جنگ شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ اور کئی دوسری قیمتی جانیں تلف ہوگئیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۹، طبری جلد ۵ ص ۲۰۲، ۲۰۳) ــــ انہی لوگوں نے بعد میں جنگِ صفین کرادی اور اس میں بھی بہت سی قیمتی جانیں تلف ہوگئیں۔

اگر غور سے سوچا جائے تو شہادتِ عثمانؓ کے بعد سب شہداء (جمل وصفین) کا خون اُنہیں قاتلانِ عثمان کے سر ہے جنہوں نے فتنہ کا دروازہ کھول کر اتنی قیمتی جانوں کو ضائع کروایا، ایسے لوگوں کو فوراً کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہیئے تھا، ایک تو قاتلانِ عثمان ہونے کی وجہ سے اور دوسرے امتِ مسلمہ میں فتنہ کا دروازہ کھولنے کے باعث ! کیونکہ اسلام فتنہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا۔

خود قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ:-

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ فتنہ قتل سے بھی بدترین شے ہے۔

سیدنا علیؓ سے ان سے قصاص نہ لینے میں اجتہادی غلطی ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۷۹، اعلاء السنن جلد ۲ ص۲۴۸) لیکن قدرت نے ان لوگوں سے خود انتقام لیا اور ان میں کے ہر آدمی کو قتل کرایا، کچھ لوگ تو سیدنا علیؓ کے عہد کی جنگوں میں مارے گئے اور جو باقی بچ گئے اُن کو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک زندہ رکھا اور بطور انتقام اس کے ہاتھوں قتل کروایا[1] جَزَاءً بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ أَعْدَلُ الْحَاكِمِينَ۔ اہلِ سنت میں سے کوئی شخص بھی سیدنا علیؓ کو متہم نہیں کرتا کہ آپ کا قتلِ عثمان میں

---

[1] جن ظالموں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیا میں شہادتِ عثمانؓ کا مزہ چکھایا اور قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مجنون اور پاگل ہو کر نہ مرا ہو یا جس کو قتل نہ کیا گیا ہو۔ (البدایہ جلد ۷ ص۱۸۶) علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ "عَامَّتُهُمْ جُنُّوا" ان میں سے اکثر پاگل ہو گئے اور قدرت کے منتقم ہاتھوں نے اسی دنیا میں ان سے انتقام لے کر چھوڑا۔

(۱) محمد بن ابی بکر: جس نے آپ کے گھر میں گھس کر آپ کی داڑھی پکڑی، اور آپ کے خلاف فضا کو مکدر کیا کرتا تھا، جنگِ صفین کے بعد سیدنا معاویہؓ کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور حضرت معاویہ بن خدیجؓ کے ہاتھوں قتل ہوا پھر اسکی لاش کو گدھے کی گلی سڑی ہوئی لاش میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۳۱۴)

(۲) دوسرا سب سے بڑا مخالف اور دشمنِ جان محمد بن ابی حذیفہ تھا، سیدنا عثمانؓ نے اگرچہ اس کے باپ کی شہادت کے بعد اس کو پالا تھا اور اس پر بڑے احسانات کئے تھے، آخر وہ بھی سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاتھ تھا، نہ اس زمانہ میں یہ کسی کا مذہب ہے اور نہ ہی زمانہ ماقبل میں اس پر کسی کا اعتقاد تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ عبداللہ بن سبا، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر نخعی، حکیم بن جبلہ، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ سارے کے سارے قاتلانِ عثمان آپ (سیدنا علیؓ) کے لشکر میں موجود تھے بلکہ اشتر کو کمانڈرانچیف اور محمد بن ابی بکر کو آپ نے گورنری تک کا عہدہ دے دیا اور دوسرے قاتلانِ عثمان بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، یہ بھی درست ہے کہ شروع شروع میں آپ کو قصاص لینے پر قدرت نہ تھی لیکن بعد میں آپ کو قدرت بھی حاصل ہوگئی اور آپ ان سے قصاص لے بھی سکتے تھے۔ (کما صرح الشاہ ولی اللہ فی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد ۲ ص ۲۷۹)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ہاتھوں گرفتار ہو کر جیل میں ڈالا گیا اور بعد میں وہاں سے بھاگ نکلا، ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا تعاقب کیا اور پکڑ کر اس کی گردن ماردی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۱۵)

(۳) فتنہ کی اس ساری تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا بھی نہایت ذلت کی موت مرا، اس نے سیدنا علیؓ کے زمانہ میں سیدنا علیؓ کے رب ہونے کا دعویٰ کیا، آپ نے اس کو توبہ کے لیے کہا لیکن اس نے توبہ سے انکار کیا اس پر آپ نے اس کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ (رجال کشی ص ۷)

(۴) مالک الاشتر جو عبداللہ بن سبا کا دست راست تھا اور قتل عثمانؓ کے بعد جمل اور صفین میں بھی مسلمانوں میں مخالفت کی خلیج وسیع کرنے میں لیڈری کے فرائض سرانجام دے چکا تھا، پھر سیدنا ولید بن عقبہؓ پر اس نے شراب نوشی کا الزام لگایا، سیدنا سعید بن العاصؓ کے خلاف اس نے پروپیگنڈہ کیا، آخر ۳۸ھ میں کسی نامعلوم شخص کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (اصابہ ج ۳ ص ۴۸۲)

(۵) حکیم بن جبلہ جس نے سیدنا عثمان پر پتھراؤ کیا تھا، خط کی سازش بھی اس نے مالک الاشتر کے ساتھ مل کر بنائی تھی قاتلانِ عثمانؓ میں ایک یہ بھی تھا، پھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو بھی گالیاں دی تھیں، لیکن آخر کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا، بلکہ ایک روایت کے مطابق اس کا سر مروڑ ڈالا گیا اور وہ چمڑے سے اٹکا رہ گیا اور اس کا منہ گدی کی طرف ہوگیا۔ (طبری جلد ۶ ص ــــ)

اسی طرح دوسرے قاتلوں کا حال ہوا، جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمان شخصیت اور کردار" میں بیان کی ہے۔ (م، ا، ظ)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نہ تو سیدنا معاویہؓ کو برا کہنے کا ہے اور نہ سیدنا علیؓ کو جس طرح کہ ہم سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ کہہ سکتے ہیں اور نہ سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حضرات حق پر تھے اور اہل حق میں سے تھے، اور واجب الاحترام ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے واجب الاحترام تھے اور ہیں۔

اہلِ عراق اور سبّ و شتم

اہل عراق میں سے کچھ لوگوں نے فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکر کے متعلق دشنام آمیز زبان استعمال کرنی شروع کر دی۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ (CIRCULAR) اپنے زیرِ تصرف علاقہ میں لوگوں کو بھیجا اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے بلند و ارفع مقام سے آشنا کروا کر اس فعلِ شنیع سے سختی سے منع فرمایا، اس سرکلر میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"من کتاب لہٗ علیہ السلام الی الامصار یقتص فیہ ما جریٰ بینہٗ و بین اھل الصفین وکان بدأ امرنا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھران ربنا واحد و نبیّنا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہٖ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براءٌ۔ (نہج البلاغۃ جلد ۲ صـ۱۱۸)

جنابِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ہے جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا، اس فرمان میں اُن تمام واقعات کو بیان فرماتے ہیں جو اُن کے اور اہلِ صفین کے درمیان واقع ہوئے اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہلِ شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور

ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک[1]، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے، صرف خون عثمانؓ کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو سب و شتم کرنا شروع کر دیا، آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے انہیں سختی سے منع فرمایا بلکہ ابو حنیفہ دینوری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سب و شتم کرنے والے حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق وغیرہ تھے، آپ نے انہیں فرمایا کہ اپنی زبانیں بند رکھو وہ بولے امیر المومنین!

"السنا علی الحق وھم علی الباطل؟

کیا ہم حق پر نہیں اور وہ غلطی پر نہیں"؟

آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم ہم حق پر ہیں! وہ کہنے لگے کہ آپ ہمیں ان پر سب و شتم اور لعن و طعن کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ آپ نے فرمایا۔

"کرھتُ لکم ان تکونوا شتامین ولعانین۔

میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالی دینے والے اور لعن کرنے والے بنو۔"

بلکہ ایسا کہو کہ اے اللہ! ہم دونوں کو خونریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے درمیان اصلاح فرما اور انہیں ہدایت دے حتیٰ کہ ناواقف حق سے آشنا ہو جائے اور جھگڑنے والا شخص نزاع سے باز آجائے۔ (الاخبار الطوال ص ۱۶۵)

---

[1] بخاری سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاتقوم الساعۃ حتٰی تقتل فئتان دعواھما واحدۃ۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۰۹) قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک میری امت کے دو گروہ آپس میں قتال نہ کریں اور ان کا دعوٰی ایک ہوگا لیکن غلط فہمی سے اختلاف ہو جائے گا اور نوبت قتال تک پہنچ جائے گی۔)

کچھ اس قسم کا مضمون "نہج البلاغہ" میں بھی منقول ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ ص۴۲)
عبداللہ بن صفوان الجمعی کہتے ہیں کہ صفین کے شرکا میں سے ایک شخص نے کہا :۔
"اَللّٰهُمَّ الْعَنْ اَهْلَ الشَّامِ۔ اے اللہ! اہلِ شام (معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں) پر لعنت فرما!"
سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا :۔
"لَا تَسُبَّ اَهْلَ الشَّامِ فَاِنَّ بِهَا الْاَبْدَالُ فَاِنَّ بِهَا الْاَبْدَالُ فَاِنَّ بِهَا الْاَبْدَالُ۔ (البدایة والنهایة ج ۸ ص۲۰)
اہلِ شام کو گالی مت دو کیونکہ وہاں ابدال رہتے ہیں وہاں ابدال رہتے ہیں وہاں ابدال رہتے ہیں"۔
اس مضمون کی ایک روایت امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ کے سامنے ایک بار اہل شام کا ذکر کیا گیا، حاضرین میں سے ایک شخص کہنے لگا امیر المومنین! کیا میں ان پر لعنت بھیجوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپؐ فرماتے تھے :۔
"اَلْاَبْدَالُ یکونون بالشام وهم اربعون رَجُلًا، کلما مات رَجل اَبْدَلَ اللّٰهُ مکانه رَجُلًا یُسْقٰی بهم الغیث وَیُنْتَصَرُ بِهِمْ الاعداء ویصرف عن اهل الشام بهم العذاب۔
ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہیں ان میں جب کبھی کوئی انتقال کر جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے، انہی کے وسیلہ سے ان پر بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح و نصرت بھی انہی کے سبب سے ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے ان سے عذاب ٹالا جاتا ہے"۔
(مسند احمد جلد ۲ ص۱۷۱ حدیث نمبر ۸۹۶، مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص۶۲، مشکوٰۃ ص۵۸۲)
اس بارہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابو امامہؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ جناب

رسالت مآب علیہ افضل الثناء والتحیات نے فرمایا ہے کہ :۔

"بینما انا نائم رایت الکتاب احتمل من تحت راسی فظننت انہ مذھوب بہ فاتبعتہ بصری فعمد بہ الی الشام وان الایمان حین تقع الفتنۃ بالشام ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـــ۲۰ــــ)

میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میرے سر کے نیچے سے کتاب اٹھالی گئی ہے مجھے معلوم ہوگیا کہ اس کو کسی جگہ لے جایا جا رہا ہے چنانچہ میری نگاہ نے اس کا تعاقب کیا، دیکھا کہ وہ شام کی طرف جا رہی ہے اور جب فتنہ بپا ہوگا تو ایمان ملکِ شام میں ہوگا۔"

شام کی فضیلت کے بارہ میں بخاری کتاب الفتن میں بھی ایک حدیث آتی ہے۔

یہ دونوں حضرات حق پر ہوں بھی کیسے نہ ؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ دامادِ رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے اور سیدنا معاویہؓ آپؐ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے حقیقی بھائی اور اس لحاظ سے کل اُمت کے ماموں ہیں اور خود حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ہادی مہدی اور ہدایت کا ذریعہ بننے کی دُعا دی ہے۔
(ترمذی کتاب المناقب صـ۲۴۷ــ ، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ صـ۳۲۷ــ)

لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں اہل خیر میں سے تھے اور ان میں سے کسی کے متعلق بھی زبانِ طعن دراز کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا، اگر ان میں سے کسی نے زیادتی بھی کی تو ہم اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتے ہیں۔

ابن خلدون کا نظریہ

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون الحضرمی الاندلسیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "المقدمہ" میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"دیکھ لیجئے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین عصبیت کی بناء پر جب

فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی تو اس میں بھی فریقین نے حق و اجتہاد کے دامن کو نہیں چھوڑا اور انہوں نے اپنی لڑائیوں میں کبھی دنیوی غرض، باطل پرستی یا کینہ پروری کو پیشِ نظر نہ رکھا جیسا کہ بعض کو وہم ہو جاتا ہے اور ان کے خیالات بہک جاتے ہیں، دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر ایک فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا اسی بناء پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے، مانا کہ سیدنا علیؓ حق بجانب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ بھی کسی باطل ارادہ سے ان کے مقابلے میں نہیں آئے تھے ان کے پیشِ نظر بھی حق جوئی تھی، گو انہوں نے حق کے پانے میں خطا کی، اسی طرح سبھی مسلمان اپنے نقطۂ نظر سے حق پر جمے ہوئے تھے، باطل طلبی ان میں بھی نہ تھی" (مقدمہ ابن خلدون ص۲۳۵)

یہی ابن خلدونؒ ایک اور مقام پر ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تیسرا امر یہ ہے کہ جو جنگیں ابتدائی دورِ اسلامی میں صحابہؓ یا تابعینؒ میں لڑی گئیں وہ کن اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر تھیں؟ تو یوں سمجھئے کہ ان بزرگوں کے تمام تر اختلافات دینی امور میں تھے نہ کہ دنیوی امور میں تھے اور ادلّہ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلافات رُونما ہوئے تھے اور مجتہدوں میں جب اجتہادی اختلاف پیدا ہو اور ہم یہ مانیں کہ اجتہادی مسائل میں حق بہر حال ایک طرف ہوگا، اب جس مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ مخطی، اور چونکہ حق کی جہت متعین نہیں لہٰذا اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا اور کسی خاص مجتہد کو بالیقین مخطی قرار نہیں دیا جا سکے گا اور کوئی مجتہد بھی گنہگار اور قابلِ گرفت نہ ہوگا۔ اجماعِ اُمت اسی پر ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہدین حق پر ہوتے ہیں اور ہر مجتہد باصواب ہوتا ہے تو پھر تو گناہ اور خطاء کی نسبت کسی کی

طرف بھی نہیں کی جا سکتی ۔ اب صحابہؓ اور تابعینؒ کا اختلاف ظاہر ہے کہ اجتہادی اختلاف تھا اور مسائلِ دینیہ ظنیہ میں وہ آپس میں مختلف الرائے تھے لہٰذا مذکورہ حکم کے مطابق گناہ اور خطا کی نسبت کسی مجتہد کی طرف نہیں کی جا سکتی، اس قسم کے اجتہادی اختلافات پر اسلام میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ یہ تھیں: مثلاً سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدہ عائشہؓ اور سیدنا طلحہؓ کی لڑائیاں یا وہ جنگ جو سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان، اور عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان ہوئی۔

ان میں سیدنا علیؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اُن کی حقیقت محض اسقدر ہے کہ جس وقت سیدنا عثمانؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا زیادہ تر صحابہؓ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کیلئے حاضر نہ ہوئے اور جو مدینہ طیبہ میں موجود تھے اُن میں بھی دو گروہ ہو گئے، ایک وہ گروہ جس نے بیعت میں توقف کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ سب لوگ کسی امام پر مجتمع ہو جائیں اس گروہ میں یہ لوگ تھے: سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، قدامہ بن مظعونؓ، ابوسعید الخدریؓ، کعب بن عجرہؓ، کعب بن مالکؓ، نعمان بن بشیرؓ، حسان بن ثابتؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، فضالہ بن عبیدؓ وغیرہم، اور جو صحابہ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے بھی اس لیے بیعت سے ہاتھ کھینچا تھا کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کا قصاص لیا جائے اور پھر بیعت کا مسئلہ سامنے آئے، گویا ان لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کے قصاص تک مسلمانوں کو بغیر امیر و خلیفہ کے چھوڑے رکھنا گوارا کیا تاآنکہ مسلمان باہمی مشورے سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں اُن کو یہ خیال بھی ہو گیا تھا کہ سیدنا علیؓ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے میں سکوت کر رہے ہیں نہ کہ پناہ بخدا آپ قتلِ عثمانؓ کے محرک ہیں، چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کو جب کھلم کھلا الزام دیا تو صرف یہ کہا کہ آپ

قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے میں سکوت برتتے ہیں نہ یہ کہ ان کے قتل میں آپ کا کوئی ہاتھ ہے۔

ادھر سیدنا علیؓ اس نقطۂ خیال پہ جمے ہوئے تھے کہ میری بیعت سب پر لازم ہوگئی ہے کیونکہ جب مدینہ کے باشندگان نے آپ کی بیعت پر اتفاق کر لیا ہے جو حضور علیہ السلام کی دعوت کا مرکز اور صحابہ کا مقام سکونت تھا تو اُن لوگوں پر بھی آپ کی بیعت لازم ہوگئی جو مدینہ سے باہر ہیں، آپ کا خیال یہ تھا کہ جب تک لوگ مجتمع نہ ہوں اور حالات سکون پذیر نہ ہوں اُس وقت تک قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ معرضِ التوا میں رکھا جائے۔

دوسرے صحابہؓ اس نظریہ پر قائم تھے کہ چونکہ صحابہؓ میں اربابِ حل وعقد مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں اور بہت کم مدینہ طیبہ میں موجود ہیں لہٰذا بیعت ابھی تک صحیح معنوں میں منعقد ہی نہیں ہوئی کیونکہ بیعت اُس وقت منعقد ہوتی ہے جب اہلِ حل وعقد متفق و متحد ہو جائیں اور اگر چند لوگ مل کر کسی کو خلیفہ بنالیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، ان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت لوگ بغیر امام و خلیفہ کے ہیں لہٰذا ضروری یہ ہے کہ پہلے سب قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ کریں اور اس سے فراغت کے بعد اتفاق رائے سے کسی کو اپنا امام یا امیر منتخب کر لیں چنانچہ سیدہ عائشہؓ، سیدنا زبیر، سیدنا معاویہ، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا طلحہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا محمد بن طلحہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعید بن زید، سیدنا نعمان بن بشیر، سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم و دیگر حضرات اسی مؤقف کے قائل تھے اور مدینہ طیبہ کے وہ صحابہ جو اُن کے ہمخیال تھے وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بھی بیعت سے دست کش رہے ہے ....
عصرِ ثانی میں اس تمیز کے باوجود اس پر بھی سب کا اتفاق تھا کہ چونکہ فریقین صاحبِ اجتہاد ہیں لہٰذا ہر دو فریق گناہ اور گرفت سے بری ہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ سیدنا علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ جنگِ جمل اور جنگ صفین میں جو لوگ قتل ہوئے اُن کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ناجی ہیں یا قابلِ گرفت؟ آپ نے فرمایا واللہ ان لڑائیوں میں جو بھی مرا وہ جنتی ہے بشرطیکہ اس کا دل پاک ہو۔ (اس سے قاتلانِ عثمان اس بشارت سے خارج ہو گئے کیونکہ وہ دلی کھوٹ کے ساتھ محض فتنہ و فساد کی خاطر ان لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے" ظ ح ق") گویا آپ فریقین کے مقتولین کے بارے میں حکم لگا رہے ہیں۔ طبری و دیگر مؤرخین نے یہی الفاظ نقل کیے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جن کے اقوال و افعال شریعت میں سند ہیں اور اہل السنۃ والجماعت کا ان کی عدالت پر فیصلہ ہے، مگر چند معترضین جو اس بارہ میں اختلاف کرتے ہیں، اہلِ حق نے ان کے قول کو کوئی وقعت نہیں دی، اگر آپ بنظرِ انصاف ان حالات کا مطالعہ کریں تو آپ سیدنا عثمانؓ کے بارے میں اور ان کے بعد دیگر معاملات میں اختلاف کرنے والے سب صحابہ کو معذور جانیں گے اور کسی کو الزام نہیں دے سکیں گے اور یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ سب کچھ جھگڑا فساد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس سے اس امت کو جانچا اور پرکھا تھا۔" (المقدمۃ لابن خلدون الحضرمی ص ۲۴۵)

علامہ[1] ابن خلدون کے "مقدمہ" سے اتنے طویل اقتباسات ہم نے صرف اس وجہ سے نقل کیے ہیں تاکہ یہ معاملہ بالتفصیل قارئین کے سامنے آجائے کہ مشاجراتِ صحابہؓ میں

---

[1] علامہ ابن خلدونؒ (۱۳۳۲ء - ۱۴۰۶ء) بقول پروفیسر فلنٹ جو علمِ تاریخ کا بانی ہے ابن خلدون کے متعلق قریباً تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ:-

"ابن خلدون تاریخ نگاری میں جانبداری کا قائل نہیں اس کے نزدیک مؤرخ کو اپنے ذاتی اعتقادات سے الگ ہو کر تاریخ نگاری کرنی چاہیئے، وہ مؤرخوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ کسی روایت کو قبول نہ کریں جب تک اس کی اچھی طرح تصدیق نہ کر لیں۔ (ابن خلدون از طہٰ حسین ص ۶۲)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل سنت والجماعت کا کیا موقف ہے! اور حقیقت یہ ہے کہ یہی موقف صحیح ترین موقف ہے اور جو لوگ سیدنا علیؓ کے مخالفین کو ضلالت اور گمراہی پر سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع میں زبان درازی کرتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور سیدنا علیؓ کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں کیونکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول کی تصدیق میں معاویہؓ سے زیادہ نہیں اور نہ ہی معاویہؓ ان چیزوں میں ہم سے زیادہ ہیں"۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ ص۱۱۸)

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابی زرعہ رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میں معاویہؓ کو برا جانتا ہوں، آپ نے پوچھا کیوں؟ وہ بولا اس لیے کہ انھوں نے سیدنا علیؓ سے جنگ و قتال کیا تھا۔ امام ابی زرعہؒ نے اس سے فرمایا تیرا برا ہو، معاویہؓ کا رب رحیم اور معاویہؓ کا مدمقابل (سیدنا علیؓ) کریم، اور اے بدبخت! تیرا ان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کا کیا مطلب؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۰)

سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کی ابتداء

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں علامہ ابن خلدون کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ کے متعلق طعن و تشنیع، زبان درازی اور سوءادبی دوسری صدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس ابن خلدون کی تاریخ نگاری کے متعلق یہ نظریہ ہے اسی ابن خلدون نے تمام واقعات کی ذاتی اعتقادات سے بالاتر ہو کر چھان پھٹک کرنے کے بعد یہ کچھ لکھا ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں کیا گیا ہے، اب بھی اگر کوئی سرپھرا سیدنا معاویہؓ کے متعلق زبانِ طعن دراز کرے تو وہ اہلِ سنّت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے صحیح واقعات سے بھی جاہل اور ناآشنا ہے۔ (م، ا، ظ)

تک بالکل نہ تھی۔ (المقدمہ صـ۲۴۵)

ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں ہوئی۔ دوسری صدی میں عباسی دورِ خلافت میں ان کے محاسن و مفاخر کو پس پُشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کئے گئے اور ایسے غلط واقعات تاریخ میں بھر دیئے گئے جن سے سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر کئی مطاعن قائم کیے جا سکیں پھر آپ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور آپ کی کردار کشی کی پوری کوشش کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کاموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بنو امیہ کا آخری فرمانروا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان تھا، اس سے عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح نے خلافت چھینی تھی اور اس کو قتل کروا دیا تھا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ:۔

"ابو العباس السفاح کی افواج کا کمانڈر عبداللہ بن علی شہر دمشق میں شمشیر برہنہ کے ساتھ داخل ہوا، اُس نے شہر میں قتل و غارت کو تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا یعنی جس کو چاہو قتل کرو، شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر ستر دن تک استعمال میں رکھا۔"

دمشق کی جامع مسجد "الجامع الاموی" کو بطور اصطبل استعمال کرنا ذلت اور عداوت کی آخری حد ہے، وہ مسجد خدا کا گھر تھی بنو اُمیہ کا محل نہ تھی کہ وہ اس میں سکونت پذیر تھے، لیکن خدا کے اس گھر کو صرف اس وجہ سے ستر (۷۰) دن تک بطور اصطبل استعمال کیا گیا کہ اس کے بنانے والے بنو اُمیہ تھے۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ لکھا ہے کہ عباسیوں نے بنو اُمیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنو اُمیہ سیدنا معاویہؓ، عبدالملک بن مروانؒ، ہشام بن عبدالملکؒ وغیرہم کی قبروں کو اُکھیڑ ڈالا اور اُن کی سخت بے حرمتی کی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے کہ:۔

"عبداللہ بن علی مذکور نے خلفاء بنو اُمیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

یہ سب کچھ بنو عباس کے پہلے حکمران کے عہد میں اس کے کماندار عبداللہ بن علی کے

ہاتھوں ہوُا، یہ سب کچھ ابو العباس کے حکم سے ہوُا، اسی وجہ سے مؤرخین نے اُسے "السفاح" کے لقب سے اپنی کتابوں کے اوراق میں یاد کیا ہے، جس کا مطلب ہے "بہت خون بہانے والا" گویا کہ اس نے بنو اُمیہ اور اس کے حامیوں اور بے گناہ لوگوں کا نہایت بے دردی سے خون بہایا اور اس طریقہ سے بنو اُمیہ سے اپنی دلی دشمنی کا انتقام لیا۔
جب بنو عباس کے پہلے حکمران نے بنو اُمیہ کے ساتھ یہ کچھ کیا اور ان کے انتقال شدہ اکابر (جن میں سیدنا معاویہؓ بھی شامل تھے) کی نعشوں کو قبروں سے نکال کر بے حرمت کیا تو دوسرے حکمرانوں کے زمانوں میں بھی دشمنی کا یہ جذبہ اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہوُا ہو گا بعض حکمرانوں نے بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنے اپنے زمانے میں خاموشی اختیار کی لیکن ان کے حواریوں اور اس زمانہ کے مؤرخین جنہوں نے تاریخ کو مرتب کیا، ان کی اس دشمنی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور وہ یہ کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسی روایات بھر دیں جن سے بنو اُمیہ اور سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہوُا اور اس کی فصل آج تک کاٹی جارہی ہے بلکہ بعض خلفاء کے زمانہ میں یہ کام حکومتی سطح پر ہوُا۔ چنانچہ مامون الرشید کے بارہ میں حافظ ذہبیؒ اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ :۔

"۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور سرکاری طور پر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر سیدنا علیؓ ہیں۔ اور پورے ملک میں اس بات کا اعلان بھی کروایا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیانؓ کے حق میں کلمۂ خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔" (دول الاسلام صفحہ ۹۴)

مشہور شیعہ مؤرخ مسعودی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ :۔

"۲۱۲ھ میں مامون نے اعلان کروادیا کہ جو شخص بھی معاویہؓ کو کلمۂ خیر کے ساتھ یاد کرے گا یا ان کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا اُس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے یعنی اس کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار نہیں ہے۔"
(مروج الذہب جلد ۴ صفحہ ۴۰)

جب حکومت کا رویّہ یہ ہو کہ کوئی شخص سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کوئی کلمۂ خیر نہیں کہہ سکتا تو عوام تو حکومت سے دو ہاتھ آگے ہوتے ہیں۔ تاریخ بھی چونکہ اسی زمانہ میں مرتب ہو رہی تھی، اس وجہ سے ایسی روایات کو وضع کر کے تاریخ میں گھسیڑ دیا گیا جن سے سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کی اسلام دشمنی، اہلبیت دشمنی اور بنو ہاشم دشمنی کا اظہار ہوتا ہو تاکہ وقت کے حکمران خوش ہو کر انہیں زیادہ انعام و اکرام سے نوازیں۔ ان مؤرخین نے یہ سب کچھ تقیہ کی آڑ میں کیا یعنی یہ اندر سے پکے شیعہ تھے لیکن اوپر سے لوگوں کے سامنے اپنے کو اہلسنت والجماعت ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ایسے راویوں سے اہل سُنّت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخ کا ایک بہت بڑا راوی محمد بن عمر والواقدی ہے' تاریخ طبری اس کی روایات سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے علماء نے اس کی کئی روایات کو قبول کیا ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اسے کذّاب کہا ہے، امام شافعیؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ واقدی کی ساری کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص جھوٹا ہونے کے ساتھ احادیث میں کئی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۶۴، میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۱)

مختلف علماء نے الواقدی کو اپنی جرح سے چھلنی کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

کتاب المجروحین لابن حبان، لسان المیزان لابن حجر، المغنی للذہبی، کتاب الضعفاء للعقیلی، الکامل لابن عدی، کتاب الضعفاء لابی نعیم اصفہانی وغیرہم۔ لیکن "یہ الواقدی" تھا کون؟ ابن ندیم الشیعی نے لکھا ہے کہ:۔

"محمد بن عمر والواقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، یہی وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصاء اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مُردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی اور کئی باتیں اُس نے نقل کی ہیں۔"

(الفہرست لابن الندیم صفحہ ۱۵۰، تحت اخبار الواقدی)

ابن ندیم باوجود خود شیعہ ہونے کے واقدی کے بارہ میں "حسن المذھب" اور "تقیہ کو لازم کرنا" (یلزم التقیۃ) اس نے الواقدی کی عمدہ صفات میں سے ذکر کیا ہے۔ اب اس الواقدی سے کوئی خیر کی توقع بنو امیہ کے لیے اور اہل سنت کے لیے کیسے کی جاسکتی ہے۔ شیعہ ہو، کذاب ہو اور تقیہ باز ہو اور اہل سنت کا خیر خواہ ہو! یہ ناممکن ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کی روایات سے احادیث و تواریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور بعض حضرات نے اس کی تعدیل بھی کی ہے۔

یہ شیعہ بزرگ الواقدی ہارون الرشید اور دوسرے عباسی خلفاء کے دور میں اپنے فن تاریخی روایات میں یگانۂ روزگار تھا اور اُس دور میں اس کو دس دس ہزار درہم انعام ملا ہے، یہ بغداد میں رہائش پذیر تھا اور سیاسی طور پر بنو اُمیہ کے سخت خلاف تھا۔ المامون نے جب اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا تو اس الواقدی کی قدر و منزلت دربار میں اور بھی بڑھ گئی، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ بنو امیہ کی مذمت اور بنو عباس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سیدنا معاویہؓ اور دوسرے خلفائے بنو اُمیہ کی مذمت میں خوب روایات وضع کیں اور خلفاء بنو عباس سے انعام و اکرام کی شکل میں خوب دولت کمائی۔

اسی طرح کے ایک اور بزرگ ابن شہاب الزہری تھے، ان کی روایات سے بھی نہ صرف تاریخ بلکہ حدیث کی کتابیں بھی بھری ہوئی ہیں، یہ بھی تقیہ باز بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے بارہ میں ہم نے مولانا پیر قمر الدین سیالویؒ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اس کے شیعہ ہونے کے بارہ میں لکھا ہے، پھر واقعاتی شہادتیں بھی پیر صاحب کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح کے اور کئی شیعہ مؤرخ تقیہ کی آڑ میں بنو اُمیہ اور خلفائے ثلاثہ کے خلاف روایات وضع کر کے کتابوں میں گھسیڑ دیتے تھے اور حکومت کی پوری پوری تائید انہیں حاصل ہوتی تھی، خلفائے بنو عباس کے علاوہ ان کے وزراء برامکہ وغیرہ کی پوری پوری تائید ان لوگوں کو حاصل ہوتی تھی، چنانچہ الواقدی خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری تھا اور یہ برامکہ ایرانی النسل تھے اور اسلام اور اہلِ اسلام سے ان کے دلوں میں خاص کدورت تھی۔

مختصر یہ کہ عباسی دور میں سیدنا معاویہؓ کی مخالفت کی اینٹ رکھی گئی لیکن کھلم کھلا ان کو طعن و تشنیع کا ہدف نہیں بنایا جاتا تھا جیسا کہ بعد کے ادوار میں ہوا۔

بنو عباس کے بعد آلِ بویہ نے سیدنا معاویہؓ اور بنو اُمیہ کی دشمنی اور ان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر کام شروع کیا، خصوصاً معزالدولہ دیلمی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا، آلِ بویہ سارے کے سارے کٹر رافضی تھے اور سیدنا علیؓ کے خاندان سے وہ اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے تھے اور دوسرے تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دشمنی۔

ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں ہوئی اور اس میں خصوصی طور پر آلِ بُویہ کا ہاتھ تھا جنہوں نے سرکاری طور پر صحابہؓ اور خصوصی طور پر بنو اُمیہ کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے کام کو حکومتی سطح پر شروع کیا، خصوصاً معزالدولہ دیلمی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا[1] آلِ بُویہ سارے کٹر رافضی تھے اور خاندانِ علی علیہ السلام ان کو بے پناہ عقیدت تھی اور دوسرے تمام صحابہ سے بے پناہ بغض، خود معزالدولہ الدیلمی بھی رافضی

---

[1] صفوی خاندان اور خصوصی طور پر اسماعیل صفوی نے بھی اپنے زمانۂ حکومت (۱۵۰۰ء۔ ۱۵۲۴ء) میں شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت میں حکومت کے سارے ذرائع سے کام لیا اور پورے جبر و تشدد کے ساتھ لوگوں کو مذہب شیعہ میں داخل کیا بلکہ اس تشدد کے باعث خود شیعہ مجتہدین کو بھی تشویش لاحق ہوئی، چنانچہ اسماعیل کی تخت نشینی سے ایک روز قبل رات کے وقت یہ لوگ اس کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم قربان جائیں تبریز کی ۳۲ ہزار رعایا کے چاروں طرف سب سُنی ہیں اور شروع سے لے کر اب تک اس خطبہ کو کسی نے نہیں پڑھا، اور ہمیں اندیشہ ہے کہ (آپ کے اس تشدد کے باعث) لوگوں نے اگر یہ کہہ دیا کہ ہم شیعہ بادشاہ کو نہیں چاہتے اور نعوذ باللہ اگر رعایا برگشتہ ہوگئی تو اس کا کیا تدارک ہوگا؟ بادشاہ نے ان کی یہ درخواست سُنکر کہا:۔

"خدائے عالم با حضرات ائمہ معصومین ہمراہ منند و من از ہیچ کس باک ندارم، بتوفیق اللہ تعالےٰ اگر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص۲۲۴) اُس نے فضائلِ صحابہ بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص۲۶۰)
اس حکم امتناعی کے علاوہ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر صحابۂ کرام پر سب و شتم کے الفاظ لکھوا دیئے گئے لیکن مسلمان رات کو ان الفاظ کو مٹا دیتے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) رعیت حرفے بگوید شمشیر می کشم و یک کس را زندہ نمی گذارم"۔
(تاریخ ادبیاتِ ایران از ڈاکٹر براؤن جلد ۴ ص۸۶، ۸۷)
"اللہ تعالیٰ ائمہ معصومین کے ہمراہ میرے ساتھ ہے اور مجھے کسی سے بھی خوف نہیں ہے اگر رعیت ایک حرف بھی زبان سے نکالے گی تو میں تلوار کھینچ لوں گا اور ایک متنفس کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔
اور اسی اسماعیل صفوی نے صرف سیدنا علیؓ اور ان کی اولاد کی منقبت اور فضیلت کو منوانے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ حکم دے دیا کہ پہلے تین خلفاء سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ پر عام مجلسوں میں تبرّا کیا جائے اور حاضرین جلسہ اسے سُن کر بآوازِ بلند "بیش باد، کم مباد" کہیں اور جو نہ کہے اُسے قتل کر دیا جائے۔ (تاریخ ادبیاتِ ایران ص۸۷) جنگ میں نعرہ ایجاد کیا "اللہ اللہ وعلیؓ ولی اللہ" (تاریخ ادبیاتِ ایران ص۸۶) تخت نشین ہوتے ہی اُس نے پورا ارادہ کر لیا کہ شیعت کو نہ صرف سلطنت کا مذہب قرار دیا جائے بلکہ یہی ایک مذہب ایران میں باقی رہے۔ (ایضاً ص۸۶) چنانچہ اپنے تمام خطیبوں کو حکم دیدیا کہ خالص شیعہ کلمہ اشہد ان علیاً ولی اللہ کو اقرار ایمان باللسان کا اور حی علی خیر العمل کو تکبیر کا جزو بنایا جائے۔ (ایضاً ص۸۷) بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفائے راشدین پر تبرّا بازی کا حکم دیا اور عدولِ حکمی کی سزا قتل قرار دی۔ (ص۸۸) کا ذان کے علمائے اہلسنت والجماعت پر بہت مظالم کئے گئے ان میں سے اکثر تہ تیغ کیے گئے اور انکے اسلاف کے مقابر اور دوسری بنائیں مسمار کر دی گئیں۔ کتنی بے انصافی اور ستم ظریفی کی بات ہے کہ ان سب مظالم کیلئے رحمۃ للعالمین (۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء) مادہ تاریخی نکالا گیا۔ (ص۹۰)
سنیوں کے حق میں وہ بہت ظالم تھا اس نے نہ تو فریدالدین احمد جیسے جلیل القدر عالم کو چھوڑا جو مشہور محقق عالم سعدالدین تفتازانی کے پوتے تھے اور تیس سال تک ہرات میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہ چکے تھے اور نہ بنائی جیسے ظریف اور بذلہ سنج شاعر پر رحم کیا۔ (ص۱۰۲)
خاندانِ صفویہ میں سے یہ صرف ایک بادشاہ کے ظلم و تشدد کا اجمالی تذکرہ ہے ورنہ ان لوگوں کے ظلم و تشدد سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور وہ مظالم اس قدر شدید ہیں کہ آدمی سن نہیں سکتا۔ جو شیعہ مذہب کو پھیلانے کے لیے سنیوں پر کئے گئے، اسی کے مظالم کا نتیجہ ہے کہ آج ایران میں سُنی مذہب نظر نہیں آتا۔ ع
ہم نے انقلاب چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

تھے۔ چنانچہ الخضری نے شیعہ ہونے کے باوجود لکھا ہے کہ :۔

"فَقَدْ كَانَ أَهْلُ بَغْدَادَ قَبْلَ الدَّوْلَةِ الْبُوَيْهِيَّةِ عَلَى مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَيُفَضِّلُونَ الشَّيْخَيْنِ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ عَلَى سَائِرِهِمْ وَلَا يَقْدَحُونَ فِي مُعَاوِيَةَ وَلَا غَيْرِهِ مِنْ سَلَفِ الْمُسْلِمِينَ فَلَمَّا جَاءَتْ هٰذِهِ الدَّوْلَةُ وَهِيَ مُشَيِّعَةٌ غَالِيَةٌ نَمَا مَذْهَبُ الشِّيْعَةِ بِبَغْدَادَ وَوَجَدَ لَهُ مِنْ قُوَّةِ الْحُكُومَةِ أَنْصَارًا"

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۳ صـ ۳۸۲)

اہل بغداد بُویہی حکومت سے پہلے اہلسنت والجماعت کے مذہب کے پیرو تھے اور شیخین یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کو سب صحابہؓ پر فضیلت دیتے تھے اور نہ سیدنا معاویہؓ کی شان میں سوء ادبی نہ کرتے تھے اور نہ سلف میں سے کسی مسلمان کے متعلق طعن و تشنیع کرتے تھے لیکن جب اِس حکومت کا دور آیا اور یہ حکومت کٹر شیعہ تھی تو بغداد میں شیعہ مذہب کو فروغ ہُوا اور حکومت کے بل بوتے پر ان کے اعیان وانصار بنائے گئے"۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

"وَفِيهَا كَتَبَتِ الْعَامَّةُ مِنَ الرَّوَافِضِ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ لَعْنَةَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَتَبُوا أَيْضًا وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَصَبَ فَاطِمَةَ حَقَّهَا وَكَانُوا يَعْنُونَ أَبَا بَكْرٍ وَمَنْ أَخْرَجَ الْعَبَّاسَ مِنَ الشُّوْرٰى يَعْنُونَ عُمَرَ وَمَنْ نَفَى أَبَا ذَرٍّ يَعْنُونَ عُثْمَانَ .... وَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ جَمِيعَهُ مُعِزَّ الدَّوْلَةِ لَمْ يُنْكِرْهُ وَلَمْ يُغَيِّرْهُ ثُمَّ بَلَغَ أَهْلَ السُّنَّةِ مَحَوْا ذٰلِكَ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صـ ۲۴،

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۳ صـ ۳۸۲)

اور اسی سنہ یعنی ۳۵۱ھ میں رافضیوں کے عوام نے مسجدوں کے دروازوں پر لکھ دیا کہ لعنت ہو معاویہ بن ابی سفیانؓ پر اور اسی طرح یہ بھی لکھ دیا کہ لعنت

ہوا اس پر جس نے فاطمہؓ کا حق غصب کیا مراد اس سے سیدنا عمرؓ تھے اور جس نے عباسؓ کو شوریٰ سے نکالا اور مراد اس سے سیدنا عمرؓ تھے اور جس نے ابوذرؓ کو شہر بدر کیا اور مراد اس سے سیدنا عثمانؓ تھے ...... ان سب باتوں کی اطلاع جب معزالدولہ کو ہوئی تو اس نے نہ تو ان باتوں سے منع کیا اور نہ ان کو تبدیل کیا، پھر جب اہلِ سنت کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے مٹا دیا۔"

یہ ساری حرکات رافضی عوام نے معزالدولہ کے حکم سے کی تھیں اور جب ان فقرات کو مسجد کے دروازوں سے اہل السنۃ نے مٹا دیا تو معزالدولہ نے اس کو پھر لکھنا چاہا لیکن اس کے وزیر ابو محمد مہلبی نے مشورہ دیا کہ مٹائی ہوئی عبارت کو دوبارہ نہ لکھا جائے بلکہ اس کے بجائے صرف یہ لکھ دیا جائے:۔

"لَعَنَ اللّٰہُ الظَّالِمِیْنَ لِآلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یُذْکَرُ اَحَدٌ فِی اللَّعْنِ اِلَّا مُعَاوِیَۃَ۔ (محاضرات ج ۳ ص ۳۸۲)

اللہ تعالیٰ آلِ رسول پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے اور سوائے معاویہؓ کے کسی اور (یعنی اصحابِ ثلاثہ) پر نام لے کر لعنت نہ کی جائے۔"

تاریخِ اسلام میں بنی بُویہ کا دور ایک تاریک ترین دور ہے جس میں اسلام کے ان محسنوں پر سب و شتم کا گند اچھالا گیا جنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں تک اسلام کی راہ میں نثار کر دیں، نیز اسلام میں فتنوں کا دروازہ کھولنے کے لیے نئی بدعات ایجاد کی گئیں جو آج تک پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے وبالِ جان بنی ہوئی ہیں[1]۔

---

[1] ۱۰ محرم الحرام کو بازار بند رکھ کر ماتمی جلوس نکالنا، اپنے بال پراگندہ کرنا، ان میں راکھ ڈالنا اور سیدنا زین العابدین پر ماتم کرنا اس قسم کی ساری بدعات اسی بد باطن معزالدولہ الدیلمی کے زمانہ عروج کی یادگار ہیں اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مذہب شیعہ میں ان چیزوں کو رواج دیا، چنانچہ موجودہ صدی کا شیعہ مؤرخ سید امیر علی لکھتا ہے:۔

Muiz-ud-dawlaal though apathon of

آلِ بُوَیہ نے اپنے دورِ حکومت میں صحابہ کے بارہ میں جو زہر افشانی کی اس کی اجمالی تصویر آپ کے سامنے بیان کی جا چکی ہے لیکن بایں ہمہ ظلم و تشدد کے علمائے اہلِ سُنّت نے اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود بھی ملّتِ اسلامیہ کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت کے اس چراغ کو مدہم نہ ہونے دیا جس کو جناب رسالتمآب علیہ افضل الثناء والتحیات نے اپنے ۲۳ سالہ تبلیغی دور میں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

Artsand Literature was cruel by nature. He was a shiah and it was he who established the 10th day of Muharram as the day of Mourning commemoration of the massacre of Karbla (History of Saracens page 303)

(ترجمہ) معز الدولہ اگرچہ علم و ادب اور فنون کا مربی اور سرپرست تھا لیکن اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت ظالم تھا وہ شیعہ تھا اور اسی نے سانحہ کربلا کی یاد میں دسویں محرم کو ماتم کا دن منانا شروع کیا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۲۴۳، تاریخ ادبیاتِ ایران از ڈاکٹر براؤن جلد ۴ ص ۵۰-۵۱، ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہٹی (انگریزی) ص ۴۷۱، مجاہدِ اعظم از شاکر حسین نقوی شیعی ص ۳۳۲)

بلکہ شاکر حسین نقوی نے تو باوجود شیعہ ہونے کے ان بدعات پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کیا ہے:۔

"فاطمی حکومت کی مصر میں بنیاد پڑی یا دیلمی خاندان (بنی بُوَیہ) کو بغداد میں عروج ہوا اُس وقت سے شیعوں نے بطور انتقام یہ طریقہ اختیار کیا پھر شیعوں میں اس کا رواج ایسا عام ہوا کہ جو آج تک کم و بیش جاری ہے حالانکہ یہ ان کے پیشوایانِ دین کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ (مجاہدِ اعظم ص ۴۱۴)

پھر لکھا ہے: "اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں بُرا کہنے کی اجازت نہیں دیتی مذہبی احکام سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو عقلاً بھی کوئی ضمیر دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔" (مجاہدِ اعظم ص ۴۲۲)

مسلمانوں کے دلوں میں روشن کیا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں معزالدولہ الدیلمی نے فضائل صحابہؓ کو بیان کرنے کے متعلق حکم امتناعی صادر کیا تھا اس وقت بھی علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الشافعیؒ نے اپنا وطیرہ بنالیا تھا کہ ایک روز بغداد کی جامع مسجد المنصور میں اور دوسرے روز مسجد باب الشام میں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر علی الاعلان فضائل صحابہ بیان فرماتے اور معزالدولہ کی اس قدر سختی بھی ان کو اپنے اس کام سے نہ روک سکی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۶)

اسی طرح ایک اور زاہد شب زندہ دار اور عابد مرتاض بزرگ ابوعبداللہ محمد بن حسین الحسینی نے جو ابن الداعی کہلاتے تھے معزالدولہ کے اس فعلِ شنیع کے خلاف علَمِ جہاد بلند کیا اور بلاد دیلم میں ہر جگہ لوگوں کو اس تحریک میں شرکت کی تحریری دعوت بھی دی اور کافی لوگوں نے اُن کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۰)

آلِ بویہ کی صحابہؓ کے متعلق اس گمراہ کن پالیسی نے اہل سنت کے دلوں کو چھلنی کر دیا تھا لیکن وہ ان کی حکومت کے جبر و استبداد کے پنجہ میں سوائے کراہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے جبر و استبداد کا جُوا ان کی گردنوں سے اُترا تو صحابہ کے متعلق مسلمانوں نے پھر اپنے انہی جذبات کا اظہار کیا جس کا ذکر علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ صفحہ ۲۲۵" میں کیا ہے کہ بغداد کی سب مسجدوں میں اصحابِ ثلاثہؓ اور سیدنا معاویہؓ پر لعنت کے بجائے اب یہ لکھا گیا۔

"خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ ثُمَّ مُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (العواصم من القواصم صفحہ ۲۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے بہتر ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر معاویہؓ جو کہ تمام مومنوں کے ماموں ہیں۔"

لکھوانے والے بنو عباس تھے اور انہوں نے لکھوایا بھی کسی اور جگہ نہ تھا بلکہ اپنی حکومت کے دار الخلافہ بغداد مدینۃ السلام میں، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ بنو عباس اور بنو امیہ کے درمیان کس قدر اختلاف تھا۔



سیدنا معاویہؓ کا مصر پر قبضہ

مصر سیدنا عمر الفاروقؓ کے زمانہ میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو فتح کیا، اسی روز سے سیدنا عمرؓ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے چند روز قبل جب مصر کے سبائی عبداللہ بن سبا، محمد بن ابی بکر اور دوسرے سرغنوں کی قیادت میں حج کے بہانہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے دربارِ خلافت میں اطلاع کر دی، اس سے کچھ دن بعد آپ بعض انتظامی امور کے سلسلے میں امیر المؤمنینؓ سے چند ایک ضروری مشورے کرنے کی خاطر مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں آپ کو امیر المؤمنینؓ کی شہادت کی خبر مل گئی چنانچہ آپ راستہ ہی میں رُک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے (طبری جلد ۵ صفحہ ۲۲۹، البدایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵) آپ کی عدم موجودگی میں محمد بن ابی حذیفہ نے جو کہ سبائیوں کا سرغنہ بن چکا تھا مصر پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۵) چند ہی روز بعد سیدنا علیؓ نے جب یہ سُنا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر میں نہیں ہیں تو انہوں نے ایک مقتدر صحابی سیدنا قیس بن سعدؓ کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا کیونکہ محمد بن ابی حذیفہ پر آپ کو اعتماد نہیں تھا۔ سیدنا قیس نے مصر پہنچ کر بڑی حکمتِ عملی سے محمد بن ابی حذیفہ سے گورنری کا چارج لیا، آپ نہایت مدبر اور مصلحت شناس آدمی تھے لہٰذا بڑے تدبر اور حکمت سے انہوں نے مصر کے لوگوں سے سیدنا علیؓ کی خلافت کی بیعت لی، لیکن مصر کے ایک علاقہ خربت کے لوگوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا[1] کیونکہ یہ لوگ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے اور

---

[1] مصر کے لوگوں کا سیدنا علیؓ کی بیعت نہ کرنا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کنانہ ابن بشر اور دوسرے قاتلانِ عثمان مصر میں دندناتے پھر رہے ہیں اور کوئی ان سے مواخذہ نہیں کرتا بلکہ قاتلوں میں سے اکثر علوی خلافت کی کلیدی آسامیوں پر قائم ہیں اسلیئے اُن کے خیالات علوی خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

سیدنا معاویہؓ کے ہمخیال تھے اور چاہتے تھے کہ پہلے قاتلانِ عثمان سے قصاص لیا جائے اور اس کے بعد خلافت کا انعقاد ہو۔

سیدنا قیس بن سعدؓ نے بھی موقع کی نزاکت کے تحت اہلِ خربتا کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم لوگ ملک میں امن وامان کے تحفظ کی ذمہ داری دو تو ہم تمہیں بیعت کیلئے مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لیے تیار ہیں اور تمہارے حقوق کی پاسداری اور تحفظ کا ذمہ لیتے ہیں، ان لوگوں نے امن قائم رکھنے کا وعدہ کیا اور سیدنا قیس بن سعدؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو پورے پورے حقوق دیئے اور ہر طرح سے ان کا تحفظ اور خبر گیری کی۔ ان لوگوں کی تعداد جو کہ خربتا میں رہتے تھے اور سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی دس ہزار کے قریب تھی۔ (طبری جلد ۵ صـ ۲۲۹)

سیدنا قیس بن سعد کی یہ ساری پالیسی وہاں کے حالات کی نزاکت کے تحت تھی لیکن سبائیوں کو ان کی یہ امن وصلح والی پالیسی کب بھاتی تھی انہوں نے دربارِ خلافت میں سیدنا علیؓ کے پاس ان کی شکایات کرنا شروع کر دیں اور کہا کہ سیدنا قیسؓ اندرونی طور پر اہل خربتا سے ملے ہوئے ہیں ـــــــــــ اسی لیے یہ اہلِ خربتا کو آپ کی بیعت کے لیے مجبور نہیں کرتے، اور بقول ابن جریر طبری سیدنا علیؓ کی خدمت میں سیدنا قیسؓ کی یہ شکایت محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کی معرفت کی گئی۔ (طبری جلد ۵ صـ ۲۲۹)

امیر المؤمنین نے ان لوگوں کی اس شکایت کی جانب زیادہ توجہ نہ دی۔ اسی زمانہ میں قیس بن سعدؓ کا ایک خط امیر المؤمنین کے نام پہنچا جس میں اہل خربتا کے حالات اور ان کے ساتھ اپنی پالیسی کی اطلاع دی۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کے خیالات پہلے ہی سیدنا قیس بن سعدؓ کے خلاف تھے اور وہ ان کی معزولی کیلئے سیدنا علیؓ سے اصرار کر چکے تھے، اس خط سے ان کے ہاتھ ایک دلیل آگئی اور اب انہوں نے زیادہ اصرار کرنا شروع کر دیا اور سیدنا علیؓ سے قیس بن سعدؓ کے نام اس مضمون کا خط لکھوانے میں کامیاب ہو گئے کہ خربتا والوں سے جنگ کی جائے۔ سیدنا قیسؓ کو امیر المؤمنین کے اس خط کو پڑھ کر دلی رنج ہوا اور قیس بن سعد نے اہلِ خربتا سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور

سیدنا علیؓ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا۔

"یہ لوگ مصر کے چہرہ مہرہ ہیں اور یہاں کے اہل عز و شرف سے تعلق رکھتے ہیں میں نے یہ جانتے ہوئے کہ اندر سے ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں لیکن ظاہر میں وہ غیر جانبدار ہیں، خود ہی روزینے اور عطیے جاری کیے ہوئے ہیں، آپ مجھے ان سے جنگ کا حکم دے رہے ہیں جبکہ ان میں بسر بن ارطاۃ، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے لوگ موجود ہیں اگر ان کو ذرا بھی چھیڑا گیا تو یہ آپ کے خلاف اور دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے جس سے بہت نقصان ہوگا، میں نے ان کا مناسب انتظام کر دیا ہے لہٰذا آپ میرا مشورہ قبول فرمائیے اور ان سے فی الحال تعرض نہ کیجئے"۔

(طبری جلد ۵ صفحہ ۲۳۰، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸)

لیکن چونکہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر طیار دونوں کی رائے سیدنا علیؓ کی رائے پر غالب آ چکی تھی لہٰذا آپ نے سیدنا قیسؓ کے مشورے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی اثناء میں محمد بن جعفر طیار نے امیر المؤمنین کو مجبور کر کے قیس بن سعدؓ کو معزول کروا دیا اور محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا پروانہ دلوا کر مصر بھجوا دیا، سیدنا قیسؓ کو اگرچہ طبعی طور پر یہ بہت ناگوار گذرا لیکن وہ بغیر کوئی مزاحمت کیے گورنری کا چارج دے کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۲)

سیدنا قیسؓ اگرچہ محمد بن ابی بکر کی تقرری سے بددل ہو گئے تھے لیکن پھر بھی امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کا احترام اور ان کی خیر خواہی ان کے دل میں موجود تھی لہٰذا انہوں نے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکر کو تمام نشیب و فراز اور داخلہ پالیسیاں سمجھا دیں اور ضروری ہدایات گوش گذار کر دیں۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۳)

محمد بن ابی بکر بالکل نوجوان، ناتجربہ کار اور حکمتِ عملی سے ناآشنا تھا، علاوہ ازیں سبائیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے اس کا ذہن پہلے ہی قیس بن سعدؓ کی پالیسی کے خلاف تھا مزید یہ کہ کنانہ بن بشر جیسا فتنہ باز اور قاتلِ عثمان سبائی اس کو اپنا مشیر مل گیا لہٰذا اس نے گورنر بنتے ہی

اہلِ خربتا کو نوٹس دے دیا کہ یا تو وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کریں یا ملک چھوڑ دیں ورنہ ان کے خلاف جارحانہ کاروائی کی جائے گی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۰)

یہ لوگ بڑے نڈر اور بہادر تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم بالکل امن سے ہیں اور سابق گورنر مصر سیدنا قیس بن سعدؓ سے اپنی امن پسندی کا وعدہ کر چکے ہیں لہٰذا آپ بھی ہمیں چھیڑیں اور ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کو کوئی اطمینان بخش جواب دیا جاتا لیکن کنانہ بن بشر کے اکسانے سے محمد بن ابی بکر نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا جس سے محمد بن ابی بکر کو شکست فاش ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

اس سے سیدنا علیؓ کی خلافتی پالیسی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ محمد بن ابی بکر کے ناعاقبت اندیش طرزِ عمل نے مصر کے اور لوگوں کو بھی سیدنا علیؓ کا مخالف بنا دیا اور مصر کی فضا سیدنا علیؓ کے اس قدر خلاف ہو گئی کہ معاویہ بن خدیج کندیؓ نے اعلانیہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔

محمد بن ابی بکر نے متعدد بار اہلِ خربتا پر حملہ کیا لیکن ہر دفعہ اس کو شکستِ فاش کا منہ دیکھنا پڑا اسی دوران مسعودی وغیرہ مؤرخین کے مطابق سیدنا علیؓ نے اشتر نخعی[1] کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے بھیجا لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اسی اثناء میں سیدنا معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو سرکاری طور پر لکھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آ جائے لیکن وہ باز نہ آیا۔ تنگ آ کر آپ نے معاویہ بن خدیج کندیؓ اور مسلمہ بن مخلد انصاریؓ سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی، انہوں نے فوراً فوج کشی کا مشورہ دیا اور اپنے کُلی تعاون کا یقین دلایا۔ سیدنا معاویہؓ نے فوراً چھ ہزار کا لشکر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں مصر روانہ کر دیا، جب یہ لشکر مصر کی سرحد پر پہنچا تو وہ لوگ جن کی ہمدردیاں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھیں فوراً اس لشکر کے ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں نے بھی محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے ساتھ بالکل تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اگر جنگ کی نوبت پہنچی تو تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اور خود سیدنا

---

[1] صحیح بات تو یہ ہے کہ الاشتر اپنی مرضی سے گیا تھا سیدنا علیؓ نے اُسے نہیں بھیجا تھا۔ (م۔ ا۔ ظ)

عمرو بن العاصؓ نے ذاتی طور پر بھی محمد بن ابی بکر کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ :۔

"میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچے" (طبری جلد ۶ ص ۵۷/۵۸ ، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۹)

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان کے اس خط کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی بلکہ چار ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں آگیا، مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر قاتلِ عثمان کر رہا تھا، کنانہ نے شروع شروع میں بڑے جوش اور بہادری کے جوہر دکھانے کی کوشش کی لیکن تھوڑی ہی دیر میں معاویہ بن خدیجؓ نے عمرو بن العاصؓ کے اشارہ سے کنانہ کو گھیر لیا اور جلد ہی اگلی دنیا میں پہنچا دیا، محمد بن ابی بکر نے بھاگ کر ویرانہ میں پناہ لی، سیدنا عمرو بن العاصؓ فسطاط (مصر کے دارالحکومت) پہنچ گئے اور معاویہ بن خدیجؓ محمد بن ابی بکر کی تلاش میں نکلے اور اس ویرانہ سے اُسے نکالا، وہ مارے پیاس کے جاں بلب تھا، محمد بن ابی بکر نے ان سے پانی کی درخواست کی، معاویہ بن خدیجؓ نے کہا کہ اگر میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی پلاؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے پانی کبھی نہ پلائے تم نے ہی حضرت عثمانؓ کو پانی پینے سے روک دیا تھا یہاں تک کہ ان کو روزہ کی حالت میں شہید کر دیا۔

"فَعِنْدَ ذٰلِكَ غَضِبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ خُدَيْجٍ فَقَدَّمَهُ فَقَتَلَهُ ثُمَّ جَعَلَهُ فِيْ جِيْفَةِ حِمَارٍ فَاَحْرَقَهُ بِالنَّارِ (البداية والنهاية ج ۷ ص ۳۱۴)

اس پر معاویہ بن خدیج غضبناک ہو گئے اور آگے بڑھ کر محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا پھر اس کی نعش کو گدھے کی لاش میں ڈال کر آگ سے جلا دیا"[1]

(ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ ص ۵۹، مروج الذہب ص ۳۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۹، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۲۷)

---

[1] علامہ خیر الدین زرکلیؒ محمد بن ابی بکر کی لاش کے جلائے جانے کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

لم يحرق ودفنت جثته مع رأسه في مسجد يعرف بمسجد "زمام" خارج مدينة الفسطاط، قال ابن سعيد وقد زرت قبره في الفسطاط۔ (الاعلام جلد ۷ ص ۷۹)

محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا بلکہ اس کے جسم کو ایک مسجد میں جس کو مسجد زمام کہتے ہیں اور جو فسطاط شہر سے باہر ہے کے پاس دفن کر دیا گیا، چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس کی قبر کو فسطاط میں دیکھا ہے۔

مصر کا یہ علاقہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا عمر الفاروق الاعظمؓ کے دور خلافت میں فتح کیا تھا اور آپ نے انہیں کو یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا تھا اس عہدہ پر آپ سیدنا عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی کئی سال تک رہے لیکن بعد میں سیدنا عثمانؓ نے ان کو معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اب دوبارہ بھی مصر کے اس قضیہ نامرضیہ کو آپ نے ہی فرو کیا اسلئے سیدنا معاویہؓ نے اب پھر ان کو ہی یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد مصر سبائیوں کا مرکز بن گیا تھا، کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی حذیفہ کی ساری پالیسیاں یہیں مرتب ہوتی تھیں، سیدنا عمرو بن العاصؓ چونکہ پہلے ہی اس تحریک سے بخوبی آشنا تھے لہٰذا آپ نے جلد ہی ان کی ساری تخریبی کاروائیوں کا سدِباب کر دیا اور مصر کا سارا علاقہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔ محمد بن ابی بکر کی غیر دانشمندانہ پالیسی اور جلد بازی سے یہ علاقہ سیدنا علیؓ کے مقبوضات سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں داخل ہو گیا جس سے امیر المومنین کی خلافت کو بہت بڑا دھچکا لگا۔

محمد بن ابی حُذیفہ کا انجام

محمد بن ابی حذیفہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ابو حذیفہؓ کے بیٹے تھے سیدنا ابو حذیفہؓ سرزمینِ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی اہلیہ سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیقِ سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰)

حضرت ابو حذیفہؓ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے محمد کی پرورش سیدنا عثمانؓ نے کی، جب سیدنا عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہ نے آپ سے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی درخواست کی، چونکہ اس سے قبل اس پر شراب نوشی کی حد لگ چکی تھی لہٰذا درخواست مسترد ہو گئی۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص ۳۵۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵)

بلکہ ابن الاثیرؒ کی روایت کے مطابق سیدنا عثمانؓ نے فرمایا:۔

"لَوْ كُنْتَ اَهْلاً لِذٰلِكَ لَوَلَّيْتُكَ - (ابن الاثیر ج ۳ ص۱۳۵)

اگر تم اس کے اہل ہوتے تو ضرور تمہیں گورنر بنا دیتا۔"

محمد سیدنا عثمانؓ کی طرف سے یہ جواب ملنے پر امیر المؤمنینؓ سے ناراض ہو گیا اور سبائیوں کے ساتھ مل کر آپ کی شدت سے مخالفت شروع کر دی، امیر المؤمنین کی شہادت کے وقت سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کی عدم موجودگی میں مصر کی گورنری پر قبضہ کر لیا، سیدنا معاویہؓ کے حکم سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی تاکہ محمد بن ابی حذیفہ کو وہاں سے نکالا جائے، ویسے قدرت بھی اب اس کو سزا دینا چاہتی تھی۔

"لِاَنَّهٗ مِنْ اَكْبَرِ الْاَعْوَانِ عَلٰى قَتْلِ عُثْمَانَ مَعَ اَنَّهٗ قَدْ رَبَّاهُ وَكَفَلَهٗ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِ - (البداية والنهاية ج ۷، ص۲۵۰)

کیونکہ قتل عثمان کا وہ سب سے بڑا معاون تھا حالانکہ سیدنا عثمانؓ نے اس کی کفالت اور پرورش کی اور اس کے ساتھ بہت احسان کئے تھے۔"

سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت محمد بن ابی حذیفہ ایک ہزار فوج کے ساتھ عریش کی طرف نکلا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا، سیدنا عمرو بن العاص نے ایک منجنیق (ایک توپ جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھروں کو قلعہ وغیرہ توڑنے کے لیے چلایا جاتا تھا) نصب کر کے قلعہ پر سنگباری شروع کر دی، محمد نے یہ حال دیکھ کر باہر نکلنا چاہا چنانچہ اپنے تیس آدمیوں کی معیت میں باہر نکلا لیکن عمرو بن العاصؓ نے اُن سب کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص۲۵۰)

ابن کثیرؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ محمد بن ابی بکر کے قتل کے بعد پکڑا گیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیج دیا کیونکہ وہ سیدنا معاویہؓ کا ماموں زاد بھائی تھا، سیدنا معاویہؓ نے اس کو فلسطین میں ایک قید خانہ میں قید کر دیا لیکن کچھ دنوں کے بعد قید خانہ سے بھاگ نکلا، ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا تعاقب کیا، محمد بن ابی حذیفہ ایک غار میں چھپ گیا، کچھ جنگلی گدھے اس غار میں پناہ لینے کے لیے آئے لیکن محمد بن ابی حذیفہ کو غار میں دیکھ کر پیچھے بھاگ

گئے، جب کسانوں کی ایک جماعت نے ان گدھوں کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوئے لہٰذا وہ اس غار کے پاس آئے دیکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ اس میں چھپا ہوا ہے انہوں نے اسے پکڑ لیا اور عبداللہ بن عمرو بن ظلام کے حوالے کر دیا، عبداللہ نے اس خیال سے کہ اگر اسے معاویہؓ کے پاس لوٹا دیا گیا تو شاید وہ کہیں اسے معاف نہ کر دیں خود ہی اس کی گردن مار دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۵)

نقد و نظر

مصر کا یہ ہنگامہ کب پیش آیا؟ اس کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے، کچھ لوگ اس کو فیصلہ تحکیم سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں اور کچھ فیصلہ تحکیم کے بعد کا۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اہل خربتا پر معاہدۂ تحکیم کے وقت محمد بن ابی بکر نے یہ سب سختیاں شروع کر دی تھیں اور فیصلہ تحکیم کے اعلان کے بعد عمرو بن العاصؓ نے باقاعدہ حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا کیونکہ اہل خربتا نے سیدنا معاویہؓ کے پاس محمد بن ابی بکر کے تشدد کی متعدد بار شکائتیں کی تھیں۔

یہ ہنگامہ بھی دراصل سبائیوں کا بپا کردہ تھا، سیدنا قیس بن سعدؓ بڑے اچھے طریقے سے وہاں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کنانہ بن بشر نے خواہ مخواہ محمد بن ابی بکر کی معرفت امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کے کان بھرے اور آپ نے محمد بن ابی بکر جیسے ناتجربہ کار اور جذباتی آدمی کو وہاں کا گورنر بنا دیا جس کی سختی اور ناعاقبت اندیشانہ پالیسی نے مصر کے موافقین کو بھی مخالفین کی فہرست میں داخل کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے امیر المؤمنینؓ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل خربتا پر یہ حملہ محمد بن ابی بکر نے امیر المؤمنین کے مشورہ سے کیا تھا، یہ چیز بالکل غلط ہے، امیر المؤمنین نے ان کو صرف وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے جو پالیسی وہاں وضع کی وہ کنانہ بن بشر کے ذہن کی پیداوار تھی کیونکہ وہاں کے سبائیوں کی زمام کار اس کے ہاتھ میں تھی اور محمد بن ابی بکر کو اس پر بہت اعتماد تھا نہ سیدنا علیؓ

جیسا عالی دماغ، عاقبت اندیش اور موقع کی نزاکت کو سمجھنے والا انسان اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کا کبھی بھی حکم نہیں دے سکتا کیونکہ اگر آپ صرف غیر مبایعین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو سب سے پہلے اہلِ مدینہ کے اُن اصحاب سے برسرِ پیکار ہوتے جنہوں نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں کی تھی ۔

دوسرے اگر آپ محمد بن ابی بکر کو اہلِ خربتا کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے کچھ کمک بھی بھیجتے ۔ لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی آدمی کو بھی فوج دے کر محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے نہیں بھیجا ۔ مالک الاشتر نخعی کے متعلق جو بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنینؓ نے ان کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے ولایت کا پروانہ دے کر بھیجا تھا، چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں ولایت کے پروانے کا مضمون بھی نقل کیا ہے ۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۹) لیکن اگر تاریخ کا تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واقعہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے ۔ اوّل اس لیے کہ جو پروانہ امیر المؤمنین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اشتر نخعی کو لکھ کر دیا تھا وہ بالکل جعلی ہے اور امیر المؤمنین کی طرف اس کی نسبت غلط ہے، چنانچہ الخضری جیسا مؤرخ بھی اس کو جعلی اور زمانہ مابعد کا لکھا ہوا بتاتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"وَالظَّاهِرُ اَنَّ هٰذَا الْعَهْدَ قَدْ كُتِبَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِاَزْمَانٍ ۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۷۷)

یہ شے صاف ظاہر ہے کہ تقرری کی یہ سند بعد کے زمانوں کی لکھی ہوئی ہے ۔"

دوسرے اگر اشتر کو آپ بھیجتے تو کچھ فوج بھی ساتھ بھیج دیتے، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے اس کے ساتھ فوج بھی بھیجی، حالانکہ محمد بن ابی بکر نے سیدنا علیؓ کو لکھا بھی تھا کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں اور شہر کے سب لوگ عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ہو گئے ہیں لہٰذا اگر آپ کو مصر کی ضرورت ہے تو فوج اور دیگر مال و متاع سے جلد میری مدد فرمائیے ۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا یہ قضیہ وہاں کا مقامی قضیہ تھا اور سیدنا علیؓ نے

معاہدۂ تحکیم کا احترام کرتے ہوئے وہاں مطلق کوئی فوج نہ بھیجی اور مالک الاشتر بھی وہاں اپنی مرضی سے گیا تھا سیدنا علیؓ نے اس کو نہیں بھیجا تھا، کیونکہ اتنے بڑے معاہدے کا احترام اگر سیدنا علیؓ جیسا انسان نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ آپ کی ذات ان تمام نقائص سے بالاتر تھی جو آپ کے دوست نما دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ باقی معصوم سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ آپ سے کچھ سیاسی فروگذاشتیں اور اجتہادی خطائیں بھی ہوئیں، لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کی یا دوسرے صحابہ پر ان کی اجتہادی غلطیوں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرے۔

مصر پر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وساطت سے جو قبضہ کیا تھا وہ جنگ صفین کے بعد کا واقعہ ہے[1] (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری کا لالچ دے کر سیدنا معاویہؓ نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا، یہ دشمنانِ صحابہ کی طرف سے آپ کے اخلاقِ فاضلہ پر ایک ناجائز حملہ ہے، صحابہ ایسے رذائل اور طمع و لالچ سے یک قلم بری تھے، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی سند رذائل میں منہمک ہونے والوں کو نہیں ملتی۔



---

[1] ابن جریر نے واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ فتح مصر صفر ۳۸ھ میں ہوئی اور اذرح کانفرنس شعبان ۳۸ھ میں ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۶۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۵) واقدی کا یہ قول صحیح نہیں ہے اس لیے کہ محمد بن ابی بکر اور مالک الاشتر فیصلہ تحکیم کے وقت زندہ تھے لیکن واقدی کے بیان کے مطابق ان کو مرا ہوا ہونا چاہیئے تھا۔

فیصلۂ تحکیم کے بعد

خوارج کی سرکشی

اُدھر مصر کی فتح کے بعد سیدنا معاویہؓ کے زیر تسلط شام کے ساتھ مصر کا علاقہ بھی آگیا جس سے ان کی سلطنت میں وسعت پیدا ہوگئی، اِدھر فیصلۂ تحکیم کے بعد سیدنا علیؓ کی ممدو معاون سبائی پارٹی کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ سیدنا علیؓ نے معاہدۂ تحکیم پر دستخط کر کے اپنے کو شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا، اس وجہ سے ان کی فوج میں خلفشار اور افتراق پیدا ہو گیا اور آپ کی فوج کے دو آدمیوں حرقوص بن زہیر سعدی اور زرعہ بن برج الطائی کی قیادت میں بہت سے لوگ صرف اس بناء پر آپ کے لشکر سے الگ ہو گئے کہ آپ نے خدا کے علاوہ انسان کو اپنا حکم بنایا ہے۔ (اخبار الطوال ص۲۰۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۶۹) اس معاملہ نے یہانتک طول کھینچا کہ دو گروہ جنگ کیلئے میدان میں اُتر آیا، آپ نے ہر طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی اور اللہ کا خوف دلاکر دعوتِ اتحاد و اتفاق دی، نیز اپنے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بھی ان کو سمجھانے کے لیے بھیجا لیکن یہ سب باتیں بے سود ثابت ہوئیں آخر آپ کو بھی چار و ناچار میدان میں اترنا پڑا، دونوں طرف سے لڑائی ہوئی، خارجی اس بہادری سے لڑے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ لڑتے تھے، چنانچہ خارجی فوج کے سپاہی شریح بن ابی اوفیٰ کا پاؤں کٹ گیا اور وہ پاؤں کٹنے کے باوجود بھی لڑتا رہا۔ (اخبار الطوال ص۲۱۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۷۵) آخر ایک خونریز جنگ کے بعد خارجیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

اس لڑائی سے بھی آپ کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اب کسی صورت بھی کسی جنگ میں شمولیت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے کنانہ بن بشر، محمد بن ابی بکر، مالک الاشتر اور دوسرے کئی سردار صفین اور مصر کے معرکوں میں کام آچکے تھے، تیسرے آپ کی فوج کی اکثریت جو کہ سبائیوں پر مشتمل تھی اور فیصلۂ تحکیم کے بعد اگرچہ آپ کی فوج سے خارجیوں کی طرح الگ نہیں ہوئی تھی لیکن قلبی طور پر وہ اب آپ کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار نہیں تھی، چنانچہ اب ہر مقام اور ہر موڑ پر انہوں نے

امیرالمؤمنین سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ آپ کی فوج کے ایک بہت بڑے سردار اشعث بن قیس کندی نے خارجیوں سے جنگ کے فوراً بعد امیرالمؤمنین سے یہ کہنا شروع کر دیا:۔

"ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی انیاں خراب ہو گئی ہیں لہٰذا آپ ہمیں اب گھر جانے کی اجازت دیجئے۔"

(ابن الاثیر جلد ۳ صـ۱۷۶، اخبار الطوال صـ۲۱۱)

یہ سب عذر لنگ تھے، اصل بات یہ تھی کہ وہ آپ سے تعاون کرنے میں اب گریز کر رہے تھے، آپ ان لوگوں کی اندرونی کیفیت سے بخوبی آشنا تھے لیکن آپ ان کے ہاتھوں مجبور تھے کر بھی کیا سکتے تھے، ایک روز جب ان لوگوں نے بہت پریشان کیا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:۔

"بخدا سوگند! مجھے یہ منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھا لے پھر فرمایا خداوندا! تُو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں میں ان سے ملول ہوں، خداوندا مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھ میں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں[۱]۔" (جلاء العیون باب ۳ فصل ۲ صـ۲۲۹)

پھر لکھا ہے کہ:۔

"اور میں ان سے تنگدل ہوا ہوں اور یہ مجھ سے تنگدل ہوئے ہیں، میں ان کا دشمن ہوں اور یہ میرے دشمن ہیں۔" (جلاء العیون از ملا باقر مجلسی باب ۳ فصل ۳ صـ۲۳۶)

ایک اور موقع پر آپ اپنی فوج اور اپنے شیعوں کی بزدلی کی شکایت ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"اگر گرم موسم میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو بڑی گرمی ہے ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے، جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے زیادہ بھاگو گے، اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور تم

---

[۱] تاریخ روضۃ الصفاء کے مؤلف لکھتے ہیں کہ امیرالمؤمنین کی یہ دعا آخر قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف پیدا ہوا "وازو بکوفیاں رسید آنچہ رسید" (روضۃ الصفاء صـ۵۲۴) اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں کوفیوں پر جو ظلم و ستم گزرے ہیں تاریخ سے آشنا حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ (م، ا، ظ)

تم کو پہچانتا، میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو تم نے غصہ سے بھر دیا ہے اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا۔"

(جلاء العیون باب ۱۴ فصل ص ۳۶۲ لکھنؤ)

ابوحنیفہ الدینوری رحؒ اور ابن الاثیر رحؒ نے بھی کچھ اسی طرح کے الفاظ نقل کیے ہیں۔
(ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار الطوال ص ۲۱۲)

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں:۔

"وحاصل کلام آنکہ آنحضرت ما در آں ایام نام خلافت بیش نہ بودہ ہموارہ او فتد تمکن و تقاعد انصار و تخاذل اعوان شکایت می نمودند۔" (مجالس المومنین مجلس اول ص ۲۴ ایران)

ان دنوں سیدنا علیؓ کی خلافت برائے نام ہی تھی ہمیشہ اپنی کمزوری اور اپنے اعیان و انصار کی دوں ہمتی اور دوستوں کی پہلو تہی کی شکایت فرماتے رہتے تھے۔"

پھر لکھا ہے کہ جب قاضیوں نے آپ سے پوچھا کہ فتویٰ اور فیصلے کس طرح کیا کریں؟ تو آپ نے مایوسانہ طور پر فرمایا:۔

"اِقْضُوْا بِمَا تَقْضُوْنَ حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسُ جَمَاعَۃً اَوْ اَمُوْتَ کَمَا مَاتَ اَصْحَابِیْ۔ (مجالس المومنین مجلس اول ص ۲۴)

جس طرح فیصلے دیئے جاتے ہو دیتے جاؤ یہانتک کہ لوگ میری خلافت پر اتفاق کریں یا میں بھی مر جاؤں اُسی طرح جس طرح میرے اصحاب مر گئے۔"

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:۔

"لوگ تو اپنے حاکموں سے ڈرتے ہیں لیکن میں اپنی رعیت (لشکر) کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔" (نہج البلاغہ ص ۳۵۴)

نہج البلاغہ ہی میں جس کو سیدنا علیؓ کے خطبات کی کتاب بتایا جاتا ہے، لکھا ہے:۔

"فَنَظَرْتُ فَاِذَا لَیْسَ لِیْ مُعِیْنٌ اِلَّا اَھْلُ بَیْتِیْ فَضَنَنْتُ بِھِمْ عَنِ الْمَوْتِ۔ (نہج البلاغۃ ص ۴۷)

پس میں نے دیکھا کہ میرا کوئی مددگار اور معین نہیں ہے سوائے میرے گھر والوں کے

سوئیں نے انہیں موت سے بچا لیا۔"

پھر آپ انہیں لشکریوں کو بددعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"قَاتَلَکُمُ اللّٰہُ لَقَدْ مَلَأْتُمْ قَلْبِیْ قَیْحًا وَشَحَنْتُمْ صَدْرِیْ غَیْظًا۔ (نہج البلاغہ ص۴۷)

اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔"

عبدالملک بن عمیر، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا۔

"مَا لَقِیَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ مَا لَقِیْتُ ثُمَّ بَکٰی۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص۱۲۶)

لوگوں میں سے کسی کو بھی وہ مصیبت پیش نہ آئی جو مجھے (تم لوگوں سے) آئی، یہ فرما کر آپ رونے لگے۔"

ایک روز بڑے پژمردہ خاطر تھے اور اپنے ان لشکریوں اور شیعوں کا (جنہوں نے پہلے تو آپ کو جنگِ جمل اور صفین میں اپنوں سے لڑایا لیکن اب معاہدۂ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا) گلہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وَقَدْ زَعَمَتْ قُرَیْشٌ اَنَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ شُجَاعٌ وَلٰکِنْ لَا عِلْمَ لَہٗ بِالْحُرُوْبِ، تَرِبَتْ اَیْدِیْہِمْ وَھَلْ فِیْہِمْ اَشَدُّ مَرَاسًا لَّھَا مِنِّیْ لَقَدْ نَھَضْتُ فِیْھَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِیْنَ وَھَا اَنَا ذَا قَدْ اَرْبَیْتُ عَلٰی نَیِّفٍ وَّسِتِّیْنَ وَلٰکِنْ لَا رَاْیَ لِمَنْ لَّا یُطَاعُ۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص۴۲، حلیۃ المتقین باب ۱۴ فصل ۱۲ ص۲۱۲، اخبار الطوال ص۳۶۲، کتاب الاغانی جلد ۱۵ ص۴۳)

قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی فنون سے ناآشنا ہے، خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ! کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ میں تو جنگوں میں اُس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے اُس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔"

بات دراصل یہ تھی کہ سیدنا معاویہؓ کے لشکری خلوصِ نیت کے ساتھ آپ کا ساتھ دے رہے تھے لیکن سیدنا علیؓ کے ساتھی اور شیعہ ایک خاص سازش کے ماتحت صرف قتال بالمسلمین کے لیے آپ کا ساتھ دے رہے تھے لہٰذا وہ آپ کے ہر مکتوب اور آپ کے ہر خط کو انہی نگاہوں سے دیکھتے، اسی انداز سے وہ آپ کی سیاست پر چھائے ہوئے تھے، حالات بتا کر جو چاہتے آپ سے کروا لیتے، کبھی سیدنا قیس بن سعدؓ جیسے نیک طینت اور تجربہ کار گورنر کو ہٹوا کر اس کی جگہ محمد بن ابی بکر جیسے ناتجربہ کار نوجوان کو گورنر لگوا دیتے، چاہتے تو زبیرؓ و طلحہؓ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ جیسی بزرگ ہستیوں سے سیدنا علیؓ جیسے بزرگ انسان کو لڑوا دیتے۔ اسی لیے تو مشہور شیعی محقق ملا عبدالرزاق لاہیجی کو کہنا پڑا کہ:۔

"خلافتے او بعد از ثلاثہ خلافتے نہ بود کہ دراں خلافت عمل بمقتضائے علم او تواند کرد" (گوہر مراد ص۱۲۵)

اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کے بعد ان کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے"

اگر سیدنا علیؓ کو کہیں سے کوئی خط آتا تو اس بات کی ٹوہ میں رہتے کہ آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں، کیا کوئی ایسا جواب تو نہیں دیتے جو ہماری مرضی کے خلاف ہو، اگر جواب کا پتہ نہ چلتا تو اٹکل سے کوئی اچھا سا جواب سوچ کر حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دیتے چنانچہ الخضری جیسے شیعی مزاج مؤرخ کو اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھنا پڑا کہ:۔

"سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا، شام کا کوئی شخص اس بارہ میں کچھ دریافت نہ کرتا، لیکن جب سیدنا علیؓ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ سیدنا ابن عباسؓ (جو حضرت علیؓ کے معتمد تھے) کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المومنین علیؓ نے آپ کی طرف کیا لکھا ہے، اگر آپ ان سے خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی اٹکل پچو لڑایا کرتے کہ ہماری رائے میں

امیر المؤمنین نے فلاں فلاں بات لکھی ہو گی، اس پر سیدنا ابن عباسؓ ان سے فرمایا کرتے تمہیں کبھی عقل بھی آئے گی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاویہؓ کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا، نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سنائی دیتا ہے، مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اٹکل پچو مارا کرتے ہو۔" (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۶۷، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص۱۷، اخبار الطوال ص۱۹۷، ایام العرب فی الاسلام ص۳۷۵)

ان کی یہ باتیں جب حضرت علیؓ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ ان کو ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر ابن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر بن ارطاۃ اب یمن پہنچ گئے ہیں، واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے امام کے تابعدار اور فرمانبردار ہیں، تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں، تم زمین میں فساد بپا کرتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں۔"

"میں نے فلاں کو گورنر بنا کر بھیجا اُس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا، فلاں کو بھیجا اُس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہؓ کو بھیج دیا، میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پیالے پر امین بناؤں تو وہ اسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔"

پھر بڑے دلگیر انداز میں اپنے حواریوں اور شیعوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:۔

"اَللّٰهُمَّ سَئِمْتُهُمْ وَسَئِمُوْنِيْ وَكَرِهْتُهُمْ وَكَرِهُوْنِيْ اَللّٰهُمَّ فَأَرِحْهُمْ مِنِّيْ وَأَرِحْنِيْ مِنْهُمْ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۳۲۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص۳۹۴ تعلیقہ)

اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے بچا۔"

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں اور شیعوں کی انہی غداریوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی

آنکھوں سے موسلادھار بارش کی طرح آنسو ٹپکتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے :۔

"وَاللہِ اِنَّ مُعَاوِیَۃَ صَارَفَنِیْ بِکُمْ صَرْفَ الدِّیْنَارِ بِالدِّرْھَمِ فَاَخَذَ مِنِّیْ عَشْرًا مِّنْکُمْ وَاَعْطَانِیْ رَجُلًا مِّنْھُمْ۔ (نہج البلاغۃ ج ۲ ص۳۵۴)

بخدا میری آرزو ہے کہ کاش معاویہؓ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کرلیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیے جاتے ہیں مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دے دیں"۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

"وَکَانَ عَلِیًّا عَاجِزًا عَنْ قَھْرِ الظَّلَمَۃِ مِنَ الْعَسْکَرِیْنَ وَلَمْ تَکُنْ اَعْوَانُہٗ یُوَافِقُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَاْمُرُ بِہٖ وَاَعْوَانُ مُعَاوِیَۃَ یُوَافِقُوْنَہٗ۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۰۲)

سیدنا علیؓ اپنے ظالم سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز و مجبور تھے اور ان کے ساتھی ان کے حکموں کو نہیں مانتے تھے (اور اس کے مقابلہ میں) سیدنا معاویہؓ کے ساتھی آپ کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے"۔

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر سیدنا علیؓ نے نہایت حسرت و یاس کے انداز میں فرمایا کہ :۔

"وَاعَجَبًا اُعْصٰی وَیُطَاعُ مُعَاوِیَۃُ۔

(تاریخ الاسلام ذہبیؒ ج ۲ ص۱۶۹)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ساتھی میری نافرمانی کرتے ہیں اور معاویہؓ کے ساتھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں"۔

یہ تھا اُن لوگوں کا کیریکٹر جو اپنے کو مُحبانِ علی کہتے تھے اور سیدنا عثمانؓ کو شہید کرکے آپ کے معاون و مددگار بنے ہوئے تھے ۔



سبائیوں کی مختلف علاقوں میں شورش پسندی

فیصلہ تحکیم کے بعد جہاں انہوں نے سیدنا علیؓ کے ساتھ غداری کی اور ان کے احکام کی نافرمانی اور بے حرمتی کرنا شروع کی وہاں ان کے مقبوضہ علاقوں میں بھی عوام کو تاخت و تاراج کر کے ان کے مالوں کو لوٹنا کرنا شروع کر دیا۔ ان علاقوں کے لوگ جب دیکھتے کہ شام کے لوگ نہایت امن وامان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور مصر کی شورش کے بعد اب وہاں بھی سیدنا معاویہؓ کے گورنر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے لوگوں کی زندگی بڑے اچھے طریقے سے گذر رہی ہے اور ان کو اب کسی فتنہ و فساد کا خوف نہیں تو وہ بھی خفیہ طریقہ سے سیدنا معاویہؓ سے خط وکتابت شروع کر دیتے اور ان سے درخواست کرتے کہ خدارا ہمارے علاقے بھی اپنے زیر تصرف لے کر ہمیں ان سبائیوں کی آئے روز کی فتنہ پردازیوں سے محفوظ و مصئون فرمائیے، ادھر سیدنا علیؓ بھی ان سے تنگ آئے ہوئے تھے اور خلافت کی اس ذمہ داری سے دستبردار ہونا چاہتے تھے۔

سیدنا معاویہؓ کا بعض علاقوں پر قبضہ

شروع شروع میں تو سیدنا معاویہؓ نے ان لوگوں کی عرضداشتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا لیکن جب اصرار زیادہ ہوا تو آپ نے فیصلہ تحکیم سے اگلے برس یعنی ۳۹ھ میں نعمان بن بشیرؓ، سفیان بن عوفؓ، عبداللہ بن مسعدہؓ اور ضحاک بن قیسؓ وغیرہ کو تھوڑی تھوڑی فوج کے ساتھ ان علاقوں کے عوام کی جنہوں نے آپ کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجی تھیں تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ چنانچہ جس جس علاقے میں یہ لوگ گئے وہاں کے عوام کو پہلے ہی سے منتظر پایا، ان بزرگوں کا پہنچنا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے علوی گورنروں کو اپنے اپنے علاقوں سے نکال دیا، سیدنا علیؓ نے بھی اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ ایک سال کی قلیل مدت میں عین التمر، انبار، مدائن وتیما اور عجم کے دوسرے علاقے سیدنا علیؓ کے قبضہ سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے قبضہ میں آگئے۔

سنہ ۴۰ھ میں آپ نے بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ حجاز و یمن کی طرف بھیجا، آپ سیدھے مدینہ طیبہ پہنچے، وہاں سیدنا ابو ایوب انصاریؓ میزبانِ رسول سیدنا علیؓ کی طرف سے گورنر تھے، آپ بسرؓ کے مدینہ پہنچنے پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ سیدنا معاویہؓ کے زیر تصرف آگیا، پھر بسرؓ مکہ گئے وہاں کے لوگوں نے بھی بخوشی سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں آنا قبول کر لیا۔ پھر آپ یمن گئے وہاں کے گورنر سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کو خبر ہوئی تو وہ عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر خود کوفہ چلے گئے وہاں کے لوگ بھی چشم براہ تھے انہوں نے بھی فوراً اطاعت قبول کر لی غرضکہ ایک سال کی قلیل مدت میں علوی مقبوضات کا کافی علاقہ سیدنا معاویہؓ کے زیر تصرف آگیا۔[1]

---

[1] فیصلہ تحکیم کے بعد جو علاقے سیدنا معاویہؓ کے قبضے میں آئے ان کے متعلق المسعودی، الخضری، ابن جریر طبری اور ابن الاثیر وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں بڑی بے سروپا باتیں لکھ دی ہیں لیکن اگر ان روایات کی تنقیح کی جائے تو وہ سب روایات سبائیوں کی وضع کی ہوئی ثابت ہوتی ہیں، نہ نقلی طور پر انہیں صحیح کہا جا سکتا ہے اور نہ عقلی طور پر انہیں صحیح کہا جا سکتا ہے پھر بسر بن ارطاۃؓ کے ظلم و ستم کی بھی فرضی داستانیں وضع کی گئی ہیں، اور یہ کہ انہوں نے یمن میں عبیداللہ بن عباسؓ کے دو معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، محققین کے نزدیک ان داستانوں کا کوئی مقام نہیں۔ چنانچہ مصر کے مشہور مؤرخ اور محقق اور جامعہ ازہر کی پی۔ ایچ ڈی (درجہ تخصص) کے استاذ الشیخ عبدالوہاب النجار فرماتے ہیں:

"قال الحافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ ویقال ان بسرًا قتل خلقًا من شیعۃ علی فی مسیرہ ھذا والخبر مشھور عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحتہ عندی نظر۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۳ تعلیقہ)

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بسرؓ نے شیعانِ علیؓ کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور یہ بات مؤرخین کے نزدیک بہت مشہور بھی ہے لیکن ان واقعات اور روایات کی صحت میرے نزدیک درست نہیں۔"

یہ فرضی داستانیں جن سے ان مؤرخوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کیا ہے اور شاید اپنے نامۂ اعمال کو بھی داغدار بنا دیا ہے، اگر تاریخ کے اوراق سے نکال دی جائیں اور صحیح روایات پر تاریخ کو مدون کیا جائے تو ہمارے بہت سے اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔ (م، ا، ظ)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؓ اپنے اعوان وانصار سے تنگ آ چکے تھے اور آپ پر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ جمل وصفین کا قتل وخون محض انہیں لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جنہوں نے میری بیعت کی تھی، پھران کی غداریاں بھی آپ کے سامنے تھیں کہ جب تک انہوں نے اپنی سازش کو کامیاب ہوتے دیکھا میرا ساتھ دیا اور اب جبکہ میں ان کی حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوں اور ان کو اپنا مطلب حل ہوتا نظر نہیں آتا انہوں نے میرا حکم بھی ماننا چھوڑ دیا ہے اور میری ہر بات کا خلاف بھی کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں اور شیعوں کی وفاداری اور اطاعت کیشی ان کے لیے باعثِ رشک اور باعثِ حسرت تھی۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۰۲)

لہٰذا ان مسلسل خانہ جنگیوں سے گھبرا کر ۴۰ھ میں سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اس صلح کی رُو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ سیدنا علیؓ کے پاس رہا، مصر اور مغرب کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے حصہ میں آیا اور شرط یہ قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ میں دست اندازی نہیں کرے گا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۳۲۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا بصرہ کی گورنری سے استعفاء

۴۰ھ میں ابو الاسود دوئلی نے سیدنا علیؓ کے پاس سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خورد بُرد کیا ہے۔ سیدنا علیؓ نے اس بارہ میں گورنر بصرہ سیدنا ابن عباسؓ کو لکھا، آپ نے جواب دیا:۔

"میرے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غلط ہے اور جو کچھ میرے پاس بیت المال کا روپیہ وغیرہ ہے میں اُس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں، ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریئے۔"

سیدنا علیؓ نے اس خط پر یقین کرنے کی بجائے اپنے جوابی خط میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے تفصیل طلب فرمائی اور لکھا:۔

"فَاعْلِمْنِیْ مَا اَخَذْتَ مِنَ الْجِزْیَةِ وَمِنْ اَیْنَ اَخَذْتَ وَفِیْمَا وَضَعْتَ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۹۴)

مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں سے لیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے؟"

سیدنا علیؓ کے اس خط سے سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے سیدنا علیؓ کو لکھا:۔

"فَابْعَثْ اِلَیَّ عَمَلَكَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنِّیْ ظَاعِنٌ عَنْهُ۔

(ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۹۴)

اپنے جس گورنر کو آپ چاہیں یہاں بھیج دیجئے کیونکہ میں اس کو چھوڑنے والا ہوں۔"

یہ خط لکھ کر سیدنا ابن عباسؓ بصرہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۱۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۳۲۲) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے ترجمان القرآن، فقیہ الامت اور بہترین خیر خواہ سے محروم ہو گئے۔



تاریخ کا نیا دھارا

شہادت امیر المؤمنینؓ

جنگِ نہروان میں خارجیوں نے اگرچہ بڑی شجاعت اور پامردی سے سیدنا علیؓ کی فوج کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے اعضا کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے لیکن پھر بھی وہ لڑتے رہتے اور میدان نہ چھوڑتے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۵، اخبار الطوال ص ۲۱۰)
آپ کی فوج بھی مقابلہ پر ڈٹی رہی اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے، بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو شکستِ فاش ہوئی اور ان کے کافی سے زیادہ آدمی مارے گئے۔
خوارج کو ایک تو اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا تھا دوسرے اپنی دانست میں وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ ان تینوں نے ملتِ اسلامیہ کے امن کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور ملتِ مسلمہ کی خیرخواہی کی خاطر اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے تھے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے، علاوہ ازیں وہ نہ تو سیدنا علیؓ کو حکومت کا اہل سمجھتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ کو۔ چنانچہ خوارج کی مجلس میں اتفاق رائے سے یہ پاس ہوا کہ ان تینوں آدمیوں کو شہید کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ اس "نیک" کام کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے، چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیدنا علیؓ کو[1]، برک بن عبداللہ نے جس کا اصلی نام حجاج بن عبداللہ تھا سیدنا امیر معاویہؓ کو اور

---

[1] طبری اور مسعودی وغیرہم نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم کا ایک عورت سے معاشقہ تھا اس کا بھائی اور باپ جنگِ نہروان میں سیدنا علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اس لیے اس کے دل میں سیدنا علیؓ کے خلاف سخت عناد تھا ابن ملجم نے اس عورت

(باقی حاشیہ ص ۳۸۵ پر)

عمرو بن بکر نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا، ابن ملجم نے اپنے ساتھ ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا۔[1]

فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں کو ایک ہی روز فجر کی نماز کے وقت شہید کیا جائے تاکہ سازش کا انکشاف نہ ہو۔ اس پروگرام کے تحت تینوں اپنی اپنی مہم کو چل دیئے، ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو فجر کی نماز میں تینوں پر زہر آلود خنجروں سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی طبیعت ناساز تھی اسلیئے اس روز انہوں نے اپنی جگہ خارجہ بن حذیفہ کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا، چنانچہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے بجائے عمرو بن بکر خارجی نے اندھیرے میں خارجہ بن حذیفہ پر وار کر دیا اور وہ شہید ہو گئے، سیدنا معاویہؓ پر اوچھا وار پڑا اس وجہ سے زخم خفیف آیا، طبیب خاص کو بلوا کر زخم دکھایا گیا اس نے کہا کہ خنجر زہر آلود ہے اسلئے زخم کو داغنے سے فائدہ ہوگا اور اگر داغا نہ جائے گا تو پھر ایسی دوا استعمال کرنا ہوگی جس سے تناسل کی قوت بالکل ختم ہو جائے گی۔ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ میں داغنے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا دوا ہی استعمال کروں گا، اب مجھے لڑکوں کی ضرورت نہیں، عبداللہ اور یزید ہی کافی ہیں، چنانچہ انہوں نے چند روز دوا پی اور شفایاب ہو گئے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم اور شبیب بن بجرہ اشجعی دونوں سیدنا علیؓ کی راہ گذر پہ چھپ گئے جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لیے مسجد کی طرف تشریف لائے، ابن ملجم نے (اور ایک روایت کے مطابق دونوں نے) آپ پر حملہ کر دیا، زہر آلود خنجر آپ کی پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم ہو گیا۔ (ہسٹری آف دی عربز، طبری جلد ۶ صفحہ ۸۴، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۱) مسجد قریب تھی آپ نے آواز دی، لوگ دوڑتے ہوئے آئے، شبیب تو بھاگ گیا لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ــ سے نکاح کرنا چاہا تو اس نے تین ہزار روپیہ، ایک غلام، ایک گانے والی لونڈی اور سیدنا علیؓ کا سر حق مہر میں مانگا تھا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۸۳، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۱، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)

[1] (حاشیہ صفحہ ھذا) ابن کثیرؒ نے ایک تیسرے شخص "وردان" کا نام بھی لکھا ہے کہ وہ بھی ابن ملجم اور شبیب کے ساتھ قتل علیؓ میں شریک تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۶)

گیا آپ کو مسجد میں لایا گیا، امامت کے فرائض آپ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہؓ نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتداء میں نمازِ فجر ادا کی، نماز کے بعد ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اس سے چند سوال کئے، پھر فرمایا کہ اس کو آرام سے رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۴، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷)

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو وصیت کی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ سے انتقال کر جاؤں تو اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق اسے قصاص میں قتل کر دینا لیکن اگر میں جانبر ہو گیا تو پھر اس کے معاملہ پر خود غور کروں گا، اس کے بعد سیدنا حسنؓ سے فرمایا کہ:۔

"قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ہی ضرب لگانا کیونکہ اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے اور اس کا مُثلہ (ناک، کان اور منہ وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا کیوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے"۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۸۲، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۶، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۳)

نصیحتیں

زخم کاری لگا تھا پھر خنجر بھی زہر آلود تھا لہٰذا معالجہ کے باوجود زہر کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا، جندب بن عبداللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے پوچھا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جائیے، بعض حضرات نے تو سیدنا حسنؓ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ:۔

"وَمَا اٰمُرُکُمْ وَلَا اَنْهَاکُمْ اَنْتُمْ اَبْصَرُ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۶، طبری جلد ۶ صفحہ ۸۵، مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۲)

نہ میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں تم اس بارہ میں زیادہ سمجھتے ہو"۔

لیکن محققین نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :-
"لَا وَلٰكِنْ اَتْرُكُكُمْ كَمَا تَرَكَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِكُمْ خَيْرًا يَّجْمَعُكُمْ عَلٰى خَيْرِكُمْ كَمَا جَمَعَكُمْ عَلٰى خَيْرِكُمْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳-۱۴، جلد ۷ ص ۳۲۴، السنن الکبرٰی جلد ۸ ص ۱۴۹، مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۳)
نہیں! بلکہ میں تمہیں اُس طرح چھوڑے جارہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ گئے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بھلائی منظور ہو گی تو تمہیں ایک بہترین آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہیں ایک بہترین آدمی (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) پر جمع کر دیا تھا"
اپنی بصیرت اور لوگوں کے اطوار سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے بعد سیدنا حسنؓ کو خلیفہ بنایا جائے گا، اس وجہ سے آپ نے خلوت میں ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں کیونکہ آپ سمجھ رہے تھے کہ میری وفات کے بعد تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے والی ہے، سیدنا معاویہؓ کی اِنتظامی، فکری، نظری اور عملی صلاحیتیں بھی آپ کے پیش نظر تھیں، عالم اسلامی میں حضرت معاویہؓ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو بھی آپ بصیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، اپنے شیعوں اور ساتھیوں کی بے وفائی اور غداری اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں کا اخلاص اور ان کی اطاعت کیشی بھی آپ کے سامنے تھی، اِسی وجہ سے آپ نے سیدنا حسنؓ کو چند ضروری وصیتیں فرمائیں، آپ نے فرمایا :-

(۱) بیٹا! میرے بعد امت کو اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے اُمت میں تشتت و انتشار پیدا ہو کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا - یعنی اللہ تعالیٰ کی رَسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو - (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۷، طبری جلد ۶ ص ۸۵)

(۲) پھر فرمایا بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا اور ان کے خلیفۃ المسلمین ہونے سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو پھر اُمت

میں ایسا اختلاف وانتشار واقع ہوگا جس کے تلخ ترین نتائج تمہیں بھی بھگتنے پڑیں گے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۶، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳)

بعض تواریخ میں ہے کہ یہ نصیحت عام مسلمانوں کو فرمائی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صفین سے واپس لوٹ کر حالات کا گہری نظر سے مطالعہ فرماتے ہوئے کہا:۔

"أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَوْ فَقَدْتُمُوهُ رَأَيْتُمُ الرُّءُوسَ تَنْدُرُ عَنْ كَوَاهِلِهَا كَأَنَّهَا الْحَنْظَلُ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴، تاریخ الاسلام للذھبی ج ۲ ص ۲۶۶، ص ۳۲۸)

اے لوگو! معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ شانوں پر سے سر حنظل کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے۔"

اس کے بعد کچھ اور وصیتیں فرمائیں۔

زہر لمحہ بہ لمحہ اپنے زہریلے اثرات دکھا رہا تھا، ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ پر حملہ ہوا تھا اور تین روز کی موت وحیات کی کشمکش کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ پیر کی رات کو آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی اور مدتِ خلافت ۴ سال ۹ ماہ۔ سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا محمد بن الحنفیہؒ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہ حضرات نے غسل دیا، سیدنا حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں، پھر آپ کو دار الامارت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔[1]

اس سانحۂ عظیمہ کی خبر پورے عرب اور دوسرے اسلامی شہروں میں آناً فاناً پھیل گئی اور ہر آدمی کا دل خون کے آنسو رونے لگا، آپ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی کہ جس کو

---

[1] طبری، ابن الاثیر اور ابن کثیر وغیرہ نے ۹ تکبیرات نقل کی ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۹) لیکن ابن کثیرؒ نے ایک اور روایت میں چار تکبیریں نقل کی ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳)

فراموش کر دیا جاتا، ہر موافق و مخالف کو اللہ کے اس ولی کی شہادت کا اس قدر افسوس ہوا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کے سیاسی فکر سے خواہ کتنا ہی کسی کو اختلاف کیوں نہ ہو لیکن آپ کا تقویٰ، آپ کا فضل و کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت ہر ایک کے نزدیک مسلم تھی، عام نگاہوں میں بظاہر آپ کے سب سے زیادہ مخالف سیدنا معاویہؓ ہی تھے لیکن جب اُن کو آپ کی شہادت کی جانکاہ خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ سیدہ فاختہ بنت قرظہ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے، خبر سنتے ہی آپ فوراً اُٹھ بیٹھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اس کے بعد رونا شروع کر دیا۔ آپ کی اہلیہ سیدہ فاختہ نے کہا کل تو آپ ان کے مخالف تھے اور آج آنسو بہا رہے ہیں؟ فرمایا میں تو اسلئے روتا ہوں کہ ہم نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و حلم اور عمل و فضل میں فقید المثال تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵)

بعد میں بھی آپ اکثر ان کا ذکر کر کے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدائی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا، اُس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علیؓ کی یاد آگئی، فرمایا ضرار! سیدنا علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب و محترم کی یاد میں اپنے قلب کو نمناک کریں، لیکن سیدنا معاویہؓ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا لہٰذا آپ نے اصرار فرمایا، آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو کہ شنیدنی ہے، اس نے کہا:۔

"حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے، نپی تُلی بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، سراپا علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا، حکمت کا دریا موجزن تھا، دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ تنفر تھا، رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا، آخرت کے لیے بہت فکر مند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے، لباس کی سادگی دیدنی تھی، کھانا تکلفات سے یکسر خالی سادہ اور موٹا جھوٹا، ہم ہی کی طرح رہتے تھے کچھ امتیاز نہیں تھا

جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم اُن سے وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رُعب و داب اور آپ کی ہیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے، مُتدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا، اکثر مواقع پر مَیں نے خود دیکھا ہے کہ کاروانِ شب رختِ سفر باندھنے کو ہے، چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے اپنی منزلِ مقصود کی جانب رینگتا ہُوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغِ سحری کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر مار گزیدہ اور عاشق خواب نادیدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دُنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اے دُنیا! اے فریب دینے والی دُنیا! یہ فریب کسی اور کو دے، تُو مجھ سے اپنی چاہت اور اُنسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے حالانکہ مَیں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے میں کبھی بھی تیری طرف آنے کا نہیں، تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل لیکن راستہ اور سفر طویل اور زادِ راہ بالکل حقیر و قصیر ہے۔"

سیدنا معاویہؓ کا یہ سننا تھا کہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں ہیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ ابوالحسن (سیدنا علیؓ کی کنیت تھی) پر رحم فرمائے، واللہ وہ

ایسے ہی تھے، وہ ایسے ہی تھے"۔ (روضۃ النظرہ جلد ۲ ص ۲۱۲)

نیا دھارا

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نے تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا کیونکہ آپ کی شخصیت ایک جامع الصفات شخصیت تھی، آپ کے بلند مقام کی وجہ سے اچھے اچھے لوگوں کو آپ سے عقیدت اور وابستگی تھی، آپ کے علم وفضل اور آپ کی جلالت ومنزلت کے پایہ کا اُس زمانہ میں کوئی اور نہ تھا، لیکن آپ کی شہادت کے بعد پسماندگان میں سے اس مرتبت اور عظمت کا کوئی انسان نہیں تھا جو کوئی تھے اُن میں سے کچھ تو مقابل پارٹی میں تھے اور کچھ غیر جانب دار تھے لہٰذا ضروری تھا کہ خلافت کا مرکز اب بجائے کوفہ کے دمشق بنے اور لوگوں کی عقیدت کے رشتے اب سیدنا معاویہؓ سے وابستہ ہوں کیونکہ اب اسلام میں اس پایہ اور اس فکری، نظری اور عملی قوتوں کا شاید ہی کوئی بطلِ جلیل ہو اور اگر کسی میں یہ اوصاف تھے بھی تو اس کی تجرباتی اور انتظامی زندگی صفر کے برابر تھی، لیکن آپ کے بیس سالہ گورنری کے دور نے آپ کی انتظامی اور فکری صلاحیتوں کا سکّہ ہر موافق ومخالف کے دل پر بٹھا دیا تھا اور مستقبل کے ۲۰ سالہ دورِ خلافت نے اس کی پوری پوری تصدیق کردی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔



خلافت

سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ

سیدنا علیؓ نے بستر مرگ پر لوگوں کے کہنے کے باوجود بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمایا تھا بلکہ اس عظیم کام کی ذمہ داری شوریٰ کے سپرد کر دی کہ میرے بعد امت کا اجماع جس کو خلیفہ مقرر کرے وہی خلیفہ ہوگا[1] چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد تمام وابستگانِ دامنِ مرتضوی نے

---

[1] سیدنا علیؓ کے اس عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ شوریٰ والی خلافت بالکل صحیح ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ صحیح نہ ہوتی تو سیدنا علیؓ کبھی بھی سیدنا حسنؓ کی خلافت کا مسئلہ لوگوں کے انتخاب پر نہ چھوڑ کر جاتے، خود آپ کی زندگی بھی اس بات پر شاہد ناطق ہے۔ سیدنا معاویہؓ نے جب آپ کی بیعت نہ کی تھی تو آپ نے ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں اپنی خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل ہی یہ دی تھی کہ میں مہاجرین و انصار کی طرف سے منتخب خلیفہ ہوں، خط کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

من کلام له علیه السلام الی معاویة انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکرٍ وعمر وعثمان علی ما بایعوهم علیه ولم یکن للشاهد أن یختار ولا للغائب ان یرد انما الشوری للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجلٍ و سموه اماماً کان ذلك لله رضیً فان خرج عن امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الی ما خرج منه فان ابیٰ قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین وولاه الله ما تولّی " (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۸، اخبار الطوال ص ۱۵۷)

سیدنا علیؓ کے ان خطوط میں سے جو انہوں نے معاویہؓ کو لکھے یہ بھی تھا کہ میری بیعت اس قوم نے انہیں شرائط پر کی ہے جن شرائط پر انہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی اب کسی حاضر یا غائب کو کوئی اختیار نہیں کہ اس بیعت کو رد کرے۔ اور شوریٰ صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کریں اور اس کو امام بنالیں تو اللہ تعالیٰ کو بھی وہی منظور ہوتا ہے پھر جو شخص اس متفق علیہ خلیفہ کی اطاعت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

متفقہ طور پر سیدنا حسنؓ کو مسندِ خلافت پر متمکن کر دیا لیکن آپ نے عہدۂ خلافت کو قبول فرمانے سے پہلے یہ شرط لگا دی کہ مجھے ہر معاملہ میں کُلی اختیار ہو گا کہ جس سے چاہوں صلح کر لوں جس سے چاہوں جنگ کروں، آپ کی یہ شرط قبول کر لی گئی۔ (طبری جلد ۶ صہ ۹۳، ابن الاثیر جلد ۳ صہ ۲۰۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صہ ۱۷، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صہ ۱۳۶)

سب سے پہلے سیدنا قیس بن سعد انصاریؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر تمام اہلِ کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ آپ رمضان المبارک ۴۰ھ کو باقاعدہ طور پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تاریخ الامم والملوک للطبری جلد ۶ صہ ۹۱، ۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صہ ۱۴، ۱۶)

سیدنا حسنؓ کو پہلے ہی آپ کے والد ماجد سیدنا علیؓ یہ وصیت فرما چکے تھے کہ میرے بعد

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ے کسی طعن یا بدعت کی وجہ سے انحراف کرے تو اہلِ شوریٰ کا حق ہے کہ اُسے اس خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے لڑیں۔"

ایک اور مقام پر اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:۔

"اے لوگو! خلافت کا حقدار سب سے زیادہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اس پر قابو رکھنے والا ہو اور اللہ کے حکم کو اس کے متعلق جانتا ہو پھر اگر جھگڑنے والا جھگڑا کرے تو اس کو سمجھایا جائے نہ سمجھے تو اس سے قتال کیا جائے، اور قسم ہے مجھے اپنی جان کے مالک کی اگر امامت بغیر اس کے منعقد نہ ہو کہ تمام لوگ بیعت کریں تو اس کی کوئی سبیل نہیں بلکہ جو اس کام کے اہل ہیں وہ غائبین پر بھی حکم لگا دیں گے پھر نہ حاضر کو اختیار ہے کہ اس سے رجوع کرے اور نہ غائب کو اختیار ہے کہ کسی اور کو منتخب کرے۔" (نہج البلاغہ جلد ا صہ ۲۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ خلافت کو منصوص من اللہ نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو اربابِ حل وعقد اور اصحابِ شوریٰ کے سپرد کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ میں عنقریب اس دنیا سے انتقال کر جاؤں گا، تو آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ جاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا۔" تو انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟ فرمایا میں اپنے اللہ سے کہوں گا اے اللہ! جب تک تُو نے چاہا مجھے ان میں رکھا جب تو نے مجھے موت دی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا معاویہؓ کی امارت تسلیم کرنے میں ذرا بھی ناگواری محسوس نہ کرنا ورنہ سر مونڈھوں سے حنظل کی طرح گریں گے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ صـ۳۶، ازالۃ الخفاء جلد ۲ صـ۲۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ۱۳۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی صـ۱۹۴)۔ یہ آپ نے ایک تو اس لیے فرمایا تھا کہ میرے شیعوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ تمہارا ساتھ بھی نہیں دیں گے۔ دوسرے آپ بخوبی جانتے تھے کہ اس وقت امت کی کشتی منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور موجودہ لوگوں میں سوائے سیدنا معاویہؓ کے اور کسی میں اتنی فکری صلاحیت اور عملی قابلیت نہیں ہے کہ وہ امت کی اس ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچا سکے، لہٰذا آپ نے بیعت کے بعد ایک مجمع عام میں بیعت کرنے والوں کو مخاطب کر کے صاف الفاظ میں اپنے ابا جان کی اس نصیحت کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میرے ابا جان فرمایا کرتے تھے:۔

"لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرأیتم الرؤس تندر"

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) اب تو ان میں ہے اب جیسے چاہے ان سے معاملہ کر، خواہ ان میں صلح و آشتی پیدا فرما اور خواہ ان میں فتنہ فساد برپا فرما دے۔ (مسند احمد جلد ۱ صـ۱۳۰، صـ۱۵۶)

شقیق بن سلمہ تابعی فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ سے پوچھا گیا کیا آپ ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تو میں کیسے مقرر کروں! اگر اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کا ارادہ فرمائیں گے تو میرے بعد تمہیں کسی بہترین آدمی پر مجتمع فرما دیں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت کو ایک بہترین آدمی (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) پر مجتمع فرما دیا تھا، یہ حدیث جید الاسناد ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صـ۲۵۰، ۲۵۱) تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ۱۳، ۱۴، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ صـ۱۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا علیؓ کے ان اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ معاملہ اُمت کے ارباب حل وعقد پر چھوڑ دیا تھا اور اہل حل وعقد نے متفقہ رائے سے اپنے میں سے بہترین شخص سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ (والتفصیل فی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء وقرۃ العینین فی تفضیل الشیخین کلاھما من تصانیف حکیم الامت الدھلوی رح)

عن کواھلھا کا لحنظل۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص۳۱۰، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۸۳، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص۲۶۶)

معاویہؓ کی بیعت سے ناگواری محسوس نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ (امت میں اس قدر بدنظمی ہو جائے گی) لوگوں کے سر حنظل کی طرح شانوں سے کٹ کٹ کر گریں گے۔"

شیعانِ حسنؓ کی مخالفت

اس بات کا اعلان کرنا ہی تھا کہ تمام شیعانِ علیؓ ماہیٔ بے آب کی طرح تلملائے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کے خلاف جس سازش کا انہوں آغاز کیا تھا سیدنا حسنؓ کی اس تدبیر سے اس کا یک قلم خاتمہ ہو جائے گا انہوں نے سمجھا کہ سیدنا علیؓ نے شاید یہ نصیحت ہمارے عدم تعاون کی وجہ سے فرمائی ہو گی، لہٰذا انہوں نے سیدنا حسنؓ سے تعاون کا وعدہ فرمایا اور چند ہی روز میں کئی ہزار فوج آپ کے گرد جمع ہو گئی اور آپ کو سیدنا معاویہؓ کے ساتھ لڑائی کے لیے بادلِ نخواستہ آمادہ کر لیا۔

جنگِ صفین کے اختتام کے بعد سیدنا معاویہؓ مستقل طور پر دمشق ہی میں سکونت پذیر تھے اور یہاں سے آپ کسی بھی جنگ وغیرہ کے لیے باہر نہ نکلے تھے لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ شیعان علی نے اب پھر سیدنا علیؓ کی طرح سیدنا حسنؓ کے گرد ہالہ بنا لیا ہے اور ان کو جنگ کے لیے اکسا رہے ہیں تو آپ نے بھی مدافعانہ طور پر اپنی منتشر فوج کو جمع کیا اور عراقیوں پر رعب ڈالنے کے لیے دمشق سے باہر نکل کر عین التمر اور مدائن کی جانب بڑھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ لڑنے کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ کا نکلنا صرف مدافعانہ تھا کیونکہ آپ شروع ہی سے جارحانہ پالیسی کے سراسر خلاف تھے اور اب بھی آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔

سیدنا علیؓ کی شہادت سے قبل چالیس ہزار آدمیوں نے موت پر سیدنا علیؓ کی

بیعت کی ہوئی تھی، جب سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کی نیت میں بالکل کسی سے لڑنا نہیں تھا[1]

قیس بن سعدؓ نے جو آذر بائیجان کے گورنر تھے، اصرار کیا کہ اہلِ شام سے لڑائی پھر چھیڑی جائے، آپ نے یہ سنتے ہی قیسؓ کو معزول کر کے عبید اللہ بن عباسؓ کو ان کے بجائے آذر بائیجان کا گورنر بنا دیا لیکن آپ کے لشکری آپ کی رائے پر غالب آ گئے اور آپ کو جنگ کی تیاری کے لیے مجبور کر لیا، بادلِ نخواستہ آپ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا، قیس بن سعد بن عبادہؓ کی زیرِ قیادت ۱۲ ہزار لشکریوں کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا اور خود اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

جب آپ مدائن پہنچے تو آپ کی فوج میں کسی نے مشہور کر دیا کہ سیدنا قیسؓ قتل کر دیئے گئے ہیں، بس اس خبر کا اڑنا تھا کہ آپ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگوں نے سیدنا حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اُسے چھین لیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۳، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۰۸)

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ قیس بن سعد کے جانے کے بعد آپ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور کوئی آدمی بھی جنگ میں شریک ہونے کو تیار نہ تھا، آپ نے ان کو بہتیری وعظ و نصیحت کی اور ہر قسم کی ترغیب دی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، آخر عدی بن حاتم نے اٹھ کر ڈانٹا، اُن کے ڈانٹنے پر کچھ لوگ تیار ہوئے لیکن دوسرے ہی روز جب لشکر کے چلنے کا وقت آیا تو ان میں سے اکثر بھاگ گئے، یہ دیکھ کر سیدنا حسنؓ

---

[1] اگرچہ بعد میں آپ کی فوج کی اکثریت نے آپ سے بیوفائی کی پھر بھی چالیس ہزار نفوس آپ کے لیے مرنے مارنے پر تیار تھے، لیکن آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے کام آئے بغیر کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے لہٰذا آپ چند شرائط پر سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۵۹) جس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ سطور میں آ رہا ہے۔

نے فرمایا :۔

"مجھے فریب دیا جس طرح تم نے اپنے پہلے امام کو فریب دیا اور نہیں معلوم کہ میرے بعد تم کس امام سے مقاتلہ کرو گے۔" (جلاء العیون باب ۴ فصل ۵ ص ۳۱۲)

آپ نے اپنی فوج کا جب یہ رنگ دیکھا تو فوراً باپ کی نصیحت یاد آگئی اور آپ سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے پر تیار ہو گئے۔

سیدنا حسنؓ کے ساتھیوں کی منافقت

اگرچہ آپ کو پہلے ہی سے اپنے شیعوں کی بے وفائی کا یقین تھا لیکن آپ پھر بھی ان کے یقین دلانے پر بلکہ اتمام حجت کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقابلے میں آگئے مگر ابھی مقابلہ کی نوبت بھی نہیں پہنچی تھی اور آپس میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کے شیعوں اور ساتھیوں نے آپ کے ساتھ بے وفائی کرنی شروع کر دی بلکہ یہاں تک کرنا شروع کر دیا کہ دن میں آپ کے لشکر میں ہوتے اور رات سیدنا معاویہؓ کے لشکر میں گذارتے۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا ارادہ ہرگز جنگ کرنے کا نہیں تھا، اور اگرچہ جنگِ صفین ہو بھی چکی تھی پھر بھی آپ کے قلب میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ اور خاندانِ رسالتمآبؐ کے دوسرے افراد کا بھی اسی طرح احترام تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا، آپ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اسلام میں فتنہ پھیلانے والے اور باہر سے حبِّ علیؓ اور اندر سے بُغضِ علیؓ کا مظاہرہ کرنیوالے لوگ خاندانِ رسالت کو اس طرح ذلیل وخوار کریں کہ ان کا کوئی پُرسانِ حال تک نہ ہو۔

چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے آپ کی خیرخواہی اور اطلاع کے لیے سیدنا حسنؓ کو خط لکھا کہ حضرت! یہ لوگ جو آپ کے سامنے تو آپ کی محبت اور خیرخواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی جان تک آپ پر نچھاور کرنے کو تیار ہوتے ہیں یہ رات میرے لشکر میں گذارتے ہیں اور

میرے سپاہیوں کو آپ کے خلاف اُکساتے ہیں گویا کہ یہ لوگ آپ کے لیے مارِ آستین ہیں آپ ان سے بچ کر رہیئے اور ان کے دام فریب میں نہ آئیے، یہ بات آپ نے اٹکل پچو ہی سے نہیں کی تھی بلکہ ایسے منافقین کے ناموں کی مکمل فہرست بھی آپ کے پاس بھیجدی، چنانچہ شیعہ مؤرخ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:۔

"معاویہؓ نے دوسرا خط امام حسنؓ کے پاس بھیجا اور فہرست اسماء منافقین اصحاب آنحضرت (سیدنا حسنؓ) جنہوں نے اسے (سیدنا معاویہؓ کو) لکھا تھا اور اظہارِ اطاعت و انقیاد کیا تھا اور اپنے نامہ میں ملفوف کر کے حضرت حسنؓ کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ تمہارے اصحاب نے تمہارے باپ سے موافقت اور تعاون نہ کیا اور تم سے بھی موافقت و تعاون نہ کریں گے۔" (جلاء العیون باب ۴ فصل ۵ ص ۳۱۴)

سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ سے صلح پر آمادگی

اپنے شیعوں اور لشکریوں کی نامساعدت اور عدم تعاون کو دیکھ کر آپ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے کا تہیہ کر لیا، لہٰذا آپ نے اپنے لشکریوں اور اصحاب کو جمع کیا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"لوگو! مخلوقِ خدا پر اللہ کے فضل سے میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں اور کسی مسلمان کی طرف سے میرے قلب میں کوئی کینہ نہیں اور نہ ہی کسی طرف سے میرے دل میں کوئی ارادۂ بد ہے میں تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ مَیں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں اُمید ہے کہ تم اسے مسترد نہیں کرو گے جس اتحاد و یکجہتی کو تم لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ اُس اختلاف اور تفرقہ سے بدرجہا بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو، مَیں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ

جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہو لہٰذا میں تمہاری مرضی کے برعکس تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتا[۱] (جلاء العیون باب۴ فصل۵ ص۳۱۳، اخبار الطوال ص۲۱۷)

چنانچہ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مجلس میں ایک ہلچل مچ گئی، سبائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور سیدنا حسنؓ کے خلاف بلوہ کر دیا۔ شیعی مجتہد مُلا باقر مجلسی کی زبانی ہی اس واقعہ کو سُنیئے :۔

"جب منافقین نے یہ کلام حضرت سے سنا تو ایک دوسرے پر نظر کی اور کہا اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہ سے صلح منظور ہے اور چاہتے ہیں کہ منصب خلافت معاویہ کو دیدیں پس سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاذ اللہ یہ شخص اپنے باپ (سیدنا علیؓ) کی طرح کافر ہو گیا ہے[۲] یہ کہہ کر بلوہ کیا اور آپ کا سب اسباب لُوٹ لیا، یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور چادر دوش مبارک سے آتار لی، پس امام حسنؓ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے اور اہل بیت آنحضرت نے تھوڑے سے شیعوں کے

۱؎ سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح کو آپ نے اپنے لشکر کے سامنے پہلے بطور تجویز پیش فرمایا کیونکہ آپ اس کا ردِ عمل دیکھنا چاہتے تھے، اس سے قبل کے حالات آپ کے سامنے تھے کہ یہ لوگ معمولی بات پر آتش بہ پا ہو جاتے تھے، سیدنا علیؓ کے زمانہ میں ان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے تھے بلکہ کچھ عرصہ چلاتے بھی رہے۔ اب اگرچہ مالک الاشتر، حکیم بن جبلہ، کنانہ بن بشر اور سبائی تحریک کے دوسرے بڑے قائدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سبائیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ نے پھر بھی حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے پہلے بطورِ تجویز اس صلح کو پیش کیا، اس پر بھی لشکر میں ایک شدید ردِ عمل ہُوا لیکن بہرحال اس پر قابو پا لیا گیا اور سیدنا حسنؓ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے۔ (م، ا، ظ)

۲؎ خطبہ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت میں تشتت و افتراق کی پالیسی ساری کی ساری انہیں لوگوں کی وضع کردہ تھی جو سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے، ان لوگوں نے سیدنا علیؓ کی موافقت صرف اس لیے کی تھی تاکہ اُمت دو گروہوں میں بٹی رہے، سیدنا حسنؓ کو اس بات کا احساس تھا چنانچہ آپ اپنے ابا کی زندگی میں بھی کئی بار ان کو اس بارہ میں بڑے مفید مشورے دے چکے تھے۔ (م، ا، ظ)

ہمراہ حضرت کو درمیان میں لے لیا اور جب ساباط سے مدائن پہنچے تو جراح بن سنان اسدی شقی نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور خنجر ران مبارک پر مارا کہ ہڈی تک شگاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا (معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو۔[1]

(جلاء العیون باب ۴ فصل ۵ ص ۳۱۳ ، اخبار الطوال ص ۲۱۷)

اگرچہ آپ پر خنجر سے وار کیے گئے اور آپ کا مال و متاع سب لوٹ لیا گیا لیکن آپ بھی اپنے عزم کے پکے تھے کیونکہ ایک تو آپ کے ابا جان آپ کو وصیت کر گئے تھے کہ میرے بعد معاویہؓ سے صلح کر لینا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱ ، الاصابہ جلد ۲ ص ۱۱۴ ، شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۶) دوسرے اپنی صلح جویانہ اور امن پسندانہ طبیعت کے پیش نظر آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی جمعیت پراگندگی سے بہتر ہے۔[2]

(جلاء العیون باب ۴ فصل ۵ ص ۳۱۳)

---

[1] سیدنا معاویہؓ کو کافر کہنے والے ذرا اپنے سابقین کے اس جملہ کو ملاحظہ فرمائیں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی ان کی مرضی کے خلاف کوئی بات کی وہی ان کے نزدیک کافر اور گردن زدنی ہو جاتا ہے خواہ وہ معاویہؓ ہوں یا حسنؓ۔

[2] جلاء العیون کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے اختلاف کے باوجود سیدنا حسنؓ پھر بھی سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان ہی سمجھتے تھے اور ان کو آجکل کے محبان علی کی طرح دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھتے تھے۔ یہی حال سیدنا علیؓ کا تھا وہ بھی سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ "نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسالت میں معاویہؓ سے زیادہ ہیں اور نہ معاویہؓ ہم سے"۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۱۸) اور یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہؓ کو مسلمان کیوں نہ سمجھتے جبکہ ان کے اور ہمارے آقا و مولا سیدنا و سید الکل صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے متعلق مومن کا لفظ استعمال فرما چکے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے :۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین ۔ میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۷۳ ، جلد ۲ ص ۵۳۰ ، ۱۰۵۳ ، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۱ ، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۷ ، ۳۶ ، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۷۵)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کی گذشتہ پانچ سالہ تاریخ آپ کے سامنے تھی کہ جمل و صفین میں کس طرح مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہوئی، ملتِ اسلامیہ کی قوت آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں مستقبل میں بھی مسلمانوں کے خون سے دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی حنا بندی نہ ہو۔ آپ یہ بھی سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہؓ کا کیا مقام ہے اور اس وقت ملتِ اسلامیہ کو ان کی خدمات کی کس قدر ضرورت ہے لہٰذا آپ نے امت کی خیر خواہی کے لیے منصبِ خلافت سے دستبرداری کا مصمم ارادہ فرمالیا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

اس حدیثِ نبوی سے معلوم ہوا کہ جن دو گروہوں کے مابین سیدنا حسنؓ مصالحت کرائیں گے وہ دونوں مسلمان ہوں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی سیدنا حسنؓ ہی کی خلافت میں پوری ہوئی جبکہ آپ نے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح فرما کر مسلمانوں کو آپس میں کئی سال کی خانہ جنگیوں سے نجات دلائی اور ان لوگوں کو خائب و خاسر کر دیا جو سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (سورۃ الحجرات آیت ۹)	اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو ان کے درمیان اصلاح کرو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے تو ان کے درمیان اصلاح کرا دو عدل کے ساتھ اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی آپس کی ناچاقی خواہ قتل و خونریزی تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

اوپر والی بیان کردہ حدیث کی شرح میں علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

دل الحدیث علی ان کلا الفریقین کانا علی	یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دونوں فریق باوجودیکہ ایک

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احباب سے مشورہ

چند روز بعد آپ نے اپنے تایا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے اس ارادہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا :-

"بھیا! میں نے ایک رائے قائم کی ہے اس بارہ میں میں تم سے مشورہ لیتا ہوں امید ہے کہ تم ضرور میری تائید کرو گے۔ دیکھئے ملک میں فتنہ وفساد کی آگ برابر بڑھ رہی ہے، کشتیٔ ملت منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے، جمل وصفین کے میدان مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن چکے ہیں، آپس کے تعلقات کا کوئی پاس نہیں رہا، راستوں میں سے امن وامان اٹھتا جا رہا ہے، سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں لہٰذا میں مسندِ خلافت کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلا جانا چاہتا ہوں"۔

(ابن عساکر جلد ۲ صـ ۲۱۲، تہذیب التہذیب جلد ۲ صـ ۲۹۹)

ان کے علاوہ اور حضرات سے بھی آپ نے مشورہ کیا ہر ایک نے یہی کہا کہ: امیر المومنین! آپ ہم سے اس معاملہ میں بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کی طبیعت سے ہر ایک واقف ہے اور آپ کی اس روش سے بھی آشنا ہے جو سیدنا معاویہؓ کے متعلق سیدنا علیؓ کے زمانہ میں آپ کی تھی، آپ اُس وقت بھی جنگ وقتال کے سخت خلاف تھے، آپ کی اُس وقت بھی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

ملة الاسلام مع کون احدھما مصیبة والاخریٰ مخطیئة وصلح الحسن مع معاویة واستقرار دوامه علیٰ ذلك دلیل علیٰ صحة امارته۔ (اشعة)

اجتہادی طور پر راہِ صواب پر تھا اور دوسرا راہِ خطاء پر ملتِ اسلام پر ہی تھے اور سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح اور اس پر آپ کا استقرار ودوام اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح تھی۔

ایسا ہی آپ نے مشکوٰۃ کی شرح فارسی "اشعة اللمعات جلد ۴ صـ ۶۸۵" پر لکھا ہے۔ اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی "منہاج السنة جلد ۲ صـ ۲۴۲" پر اس کی تائید فرمائی ہے۔

یہی پالیسی تھی کہ اختلافات کا فیصلہ جنگ و قتال کے بجائے مشورہ و مصالحت سے کیا جائے،
اپنے ابا کے زمانے میں آپ نے ان کو بھی بہلشہ جنگ و قتال سے روکا لیکن اس زمانے
میں سبائی لیڈروں مالک الاشتر، کنانہ بن بشر اور حکیم بن جبلہ وغیرہ کی وجہ سے آپ کے مشورے
در خورِ اعتنا نہیں سمجھے جاتے تھے، آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ
اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے جنگ کرنے کے لیے باہر نکلیں یا مدینہ
کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنائیں، اب جبکہ اقتدار کی کلید آپ کے اپنے ہاتھ میں
آئی ہے اور صلح و جنگ کے کُلی اختیارات آپ کو تفویض ہوئے ہیں تو آپ اپنے ان ارادوں کو
جامۂ عمل پہنانا چاہتے ہیں، جو مالک الاشتر، کنانہ بن بشر، عبداللہ بن سبا، حکیم بن جبلہ وغیرہ الحرضین
علی القتال کی وجہ سے سیدنا علیؓ کے زمانے میں صرف تجاویز اور مشوروں کی حد تک رہے۔"
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

"وکذلك الحسن دائماً یشیر علی ابیه واخیه بترك القتال ولما
صار الامر الیه ترك القتال واصلح الله بین الطائفتین المقتتلین
وعلیؓ فی اخر الامر تبین له ان المصلحة فی ترك القتال اعظم
منها فی فعله" (منهاج السنة ج ۲ ص ۲۲۳)

اور اسی طرح سیدنا حسنؓ اپنے ابا اور بھائی کو ہمیشہ یہی مشورہ دیتے تھے کہ
جنگ و قتال چھوڑ دیا جائے (لیکن ان کی بات نہیں مانی جاتی تھی) جب زمام
حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے جنگ بند کر دی اور اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں
کے آپس میں جنگ و جدل کرنے والے دو گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے
صلح کرادی اور خود سیدنا علیؓ کو بھی آخر الامر اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جنگ بند
کرنے میں (امت کیلئے) زیادہ بہتری ہے بجائے جنگ کرنے کے۔"

سیدنا حسینؓ سے مشورہ

آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؓ سے بھی اس بارے میں مشورہ فرمایا کہ میں معاویہؓ

سے صلح کرنا چاہتا ہوں، آپ کو یہ بات بہت شاق گذری اور اپنے بھائی کا یہ ارادہ آپ کو درست نظر نہ آیا، آپ نے سیدنا حسنؓ پر زور دیا کہ وہ سیدنا معاویہؓ اور اہل شام سے جنگ و قتال کریں، لیکن سیدنا حسنؓ اپنے بھائی کی جذباتی طبیعت سے بخوبی آشنا تھے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رائے ان کی اپنی نہیں بلکہ اور لوگوں کی ہے مگر نکل ان کے منہ سے رہی ہے، لہٰذا آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؓ سے فرمایا :-

"واللہ لقد ھممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من ھذا الشان ثم اخرجك فلما رأی الحسین ذلك سكت وسلم۔ (البدایہ والنہایۃ ج ۸ ص۱۵، ابن الاثیر ج ۳ ص۲۰۳)

بخدا (اگر تم نے میرے اس ارادے کی مخالفت کی تو) میں تم کو گھر میں قید کر دوں گا اور گھر کا دروازہ اس وقت تک تم پر بند رکھوں گا جبتک کہ میں اس کام (معاویہؓ سے صلح) سے فارغ نہ ہو جاؤں پھر تمہیں باہر نکالوں گا، حسینؓ نے جب بھائی کا یہ عزم دیکھا تو خاموش ہو گئے اور بھائی کی رائے کو تسلیم کر لیا۔"

ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۲۹۸ پر بھی سیدنا حسینؓ کی مخالفت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے معاویہؓ سے صلح کرنے پر کی۔ ایسے ہی طبری جلد ۶ ص۹۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص۲۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۶ پر بھی مرقوم ہے۔

غرض کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حالات کا پورا جائزہ لیا اور اپنے گرد مخالفتوں کے پہاڑ دیکھے، خود اپنے بھائی کو بھی اپنا مخالف پایا لیکن آپ اپنے عزم کو بہر صورت پورا کرنا چاہتے تھے اور سازشوں اور برے منصوبوں کی اس باڑ کو توڑنا چاہتے تھے جو دشمنان اسلام نے دو مسلمان گروہوں کے ارد گرد لگا رکھی تھی، چنانچہ آپ نے نہایت سوچ و فکر کے بعد چند شرائط کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مسند خلافت سے دستبرداری کا اعلان فرما دیا۔

○

سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش

بخاری اور تواریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی صلح کے متعلق پہلے سیدنا معاویہؓ ہی نے پیشکش فرمائی تھی۔ اس سے قبل بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ صفین کے موقع پر آپ کی بالکل خواہش نہیں تھی کہ جنگ کی جائے، آپ میدانِ صفین میں صرف دفاع کے لیے آئے تھے۔ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

"ولم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتالٌ وکان غیرہٗ احرصُ علی القتال منہ۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

سیدنا معاویہؓ جنگ کی ابتدا کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسری پارٹی جنگ کی خواہاں تھی"

اس چیز کا ثبوت سیدنا معاویہؓ نے ایک تو جنگِ صفین کے موقع پر دیا جب آپ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر قرآنِ پاک کو نیزوں پر اٹھاتے ہوئے فرمایا تھا :۔

"ھٰذا حکم کتاب اللہ عزوجل بیننا و بینکم من لثغور الشام بعد اھلہ ومن لثغور العراق بعد اھلہ؟ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۶۱)

یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے مابین ثالث ہے اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا اور اہلِ عراق کے ختم ہو جانے کے بعد عراق کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا؟"

مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کیے ہیں :۔

"ومن لجھاد الروم ومن للترک ومن للکفار۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ـــ)

رومیوں سے جہاد کون کرے گا اور ترکوں اور اہلِ کفر سے کون برسرِ پیکار ہوگا"

اُس وقت آپ کی اپیل پر جنگ بند ہو گئی اور اس معاملہ کو صلح و امن سے نپٹانے

کی کوششیں شروع ہوگئیں جو بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔

اس سے قبل بھی آپ نے بہت کوشش کی تھی کہ بغیر خون بہے معاملہ کا تصفیہ ہو جائے لیکن آپ مصالحت کی جو بات بھی کرتے سبائی لیڈر مالک الاشتر، کنانہ بن بشر جیسے لوگ سیدنا علیؓ کو اپنے سیاسی زور کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کی کوئی بات سننے نہیں دیتے تھے اور اگر آپ سن لیتے تو اس کی اس طرح تاویل کر کے آپ کو بتاتے کہ آپ اس کو معاویہؓ کے اخلاص پر مبنی نہ سمجھتے تھے لیکن اب ماحول بالکل تبدیل ہو چکا تھا، سیدنا حسنؓ کے مسند آرائے خلافت ہونے سے پہلے ہی تمام سبائی گھاگ اگلی دنیا میں پہنچ چکے تھے، اب معاویہؓ کے مشوروں کی قبولیت کے راستہ میں روڑے اٹکانے والا کوئی موجود نہیں تھا لہٰذا اب ہر مشورہ بغیر کسی تاویل کے امیر المؤمنین سیدنا حسنؓ کے کانوں تک پہنچتا۔

جنگِ صفین میں جبکہ لڑائی کی آگ بھڑک چکی تھی، سیدنا معاویہؓ نے اپنے تدبر اور حکمتِ عملی سے اس کو ٹھنڈا کیا لیکن اب جب پھر جنگ کے انگاروں کو سلگتے دیکھا تو آپ نے ان کو اپنی حکمتِ عملی سے اس طرح ٹھنڈا کیا کہ پھر یہ آگ بھڑکنی تو درکنار سلگ بھی نہ سکی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ نے فرمایا:۔

"استقبل واللہ الحسن بن علیؓ علیٰ معاویۃ بکتائب امثال الجبال فقال عمرو بن العاص انی لاری کتائب لا تولی حتی تقتل اقرانہا فقال لہٗ معاویۃ...... ان اقتل ہؤلاء ہؤلاء وہؤلاء ہؤلاء من لی بامور الناس من لی بنسائہم من لی بضیعتہم فبعث الیہ رجلین من قریش من بنی عبد شمس عبد الرحمٰن بن سمرۃ وعبد اللہ بن عامر فقال اذہبا الیٰ ہٰذا الرجل فاعرضا علیہ وقولا لہٗ واطلبا الیہ فاتیاہ فدخلا علیہ فتکلما وقالا لہٗ وطلبا الیہ فقال لہما الحسن بن علی انا بنو عبد المطلب قد اصبنا من ہٰذا المال وان ہٰذہ الامۃ قد عاثت فی دمائہا قالا فانہٗ یعرض علیک کذا وکذا

ويطلب اليك ويسئلك قال فمن لی بهذا قالا نحن لك به فما سئالهما شیئا الا قال نحن لك به فصالحه قال الحسن ولقد سمعت ابابکرةؓ یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی الٰی جنبه وهو یقبل علی الناس مرّةً وعلیه اُخرٰی ویقول ان ابنی هٰذا سیّدٌ ولعل اللہ ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۲، ۳۷۳، ج ۲ ص ۱۰۵۳)

خدا کی قسم سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میں یہ فوجیں ایسی دیکھ رہا ہوں جو اپنے برابر والوں کو جب تک نہ ماریں گی پیٹھ نہ پھیریں گی، سیدنا معاویہؓ نے ان سے کہا اگر انہوں نے ان کو مارا یا انہوں نے ان کو تو ان کے امور کا کون ذمہ دار ہوگا اور ان کی عورتوں کی کون خبر گیری کرے گا اور ساز و سامان کا کون ذمہ دار ہوگا؟ پس انہوں نے قریش کے دو آدمی جو بنی عبد شمس میں سے تھے عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کے پاس جا کر صلح کی پیشکش کرو اور ان سے گفتگو کرو اور جو کہیں وہ مان لو، پس یہ دونوں ان کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کر کے صلح کر طلبگار ہوئے، سیدنا حسنؓ نے فرمایا ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں مال خرچنے کی عادت ہو گئی ہے اور ہمارے ساتھ جو یہ لوگ ہیں یہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہیں (یعنی بغیر روپیہ دیئے ماننے والے نہیں) انہوں نے کہا کہ معاویہؓ آپ کو اتنا روپیہ ضرور دیں گے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں جو آپ چاہیں وہ منظور کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اس کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں، آپ نے جو کہا انہوں نے یہی کہا کہ ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں، پس آپ نے معاویہؓ سے صلح کر لی۔

حسن بصریؒ نے کہا کہ میں نے ابوبکرہؓ (صحابی) سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ حسن بن علیؓ آپؐ کے پہلو میں تھے، آپؐ کبھی لوگوں کی طرف منہ کرتے اور کبھی سیدنا حسنؓ کی طرف اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگِ صفین کی طرح اب بھی صلح کی پیشکش میں پہل سیدنا معاویہؓ کی طرف سے ہوئی اور آپ ہی نے فوجوں کے ٹھٹ دیکھ کر صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کے تحفظ کے لیے صلح پر آمادگی کا اظہار کیا اور اپنے دو سفیروں کو سیدنا حسنؓ کی خدمت میں بھیجا، چنانچہ خاتمۃ الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدث ابن بطال کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:۔

"ھٰذا یدل علیٰ ان معاویۃ کان ھوالراغب فی الصلح وانہٗ عرض علی الحسن المال ورغبہ فیہ وحثہ علیٰ رفع السیف وذکرہٗ ما وعدہٗ بہٖ جدہ صلی اللہ علیہ وسلم من سیادتہ فی الاصلاح۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص۵۴)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معاویہؓ ہی (پہلے) صلح پر راغب تھے اور انہوں نے حسنؓ پر مال کی پیش کش کی اور اس کے قبول کرنے کی آپ کو ترغیب دی اور تلوار کے روکنے کو کہا اور آپ کو آپ کے نانا کی وہ پیشگوئی یاد دلائی جس میں ان کی سیادت میں اصلاح کے متعلق فرمایا گیا تھا"۔

بہر حال آپ نے مسلمانوں کے خون کے تحفظ کے لیے صُلح کی پیش کش فرمائی اور سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی اس کے خواہاں تھے لہٰذا پیش کش فوراً قبول ہوئی اور ربیع الاول سنہ ۴۱ھ کو مندرجہ ذیل شرائط پر ایک تحریری معاہدہ مرتب ہوا۔

صُلح کی شرائط

جیسا کہ بخاری کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عامر بن کریزؓ کو کُلی اختیارات دے کر سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجا تھا، ان دونوں حضرات نے آپ سے گفتگو کی اور سیدنا حسنؓ صلح پر راضی ہوگئے لیکن شرائط کی منظوری کا ضامن مانگا، ان دونوں نے ضمانت دی، چنانچہ سیدنا حسنؓ نے یہ شرائط ایک کاغذ پر لکھ کر ان دونوں کے ہاتھ سیدنا معاویہؓ کے بھیجدیں جو سیدنا معاویہؓ نے فوراً قبول کرلیں، وہ شرائط حسبِ ذیل تھیں۔

(۱) سیدنا معاویہؓ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے صالحین[۱]

---

[۱] "سیرت خلفائے صالحین" کے الفاظ صرف شیعی مؤرخ مُلا باقر مجلسی نے نقل کیے ہیں اور اسی مؤرخ نے اپنی فارسی تصنیف "جلاء العیون" میں اس کا ترجمہ "سیرت خلفاء شائستہ" کے الفاظ میں کیا ہے۔ فتح الباری میں صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے الفاظ ابن بطال کے حوالہ سے نقل کیے گئے ہیں۔ شیعی مؤرخ کے "سیرت خلفائے صالحین" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافتوں کو بالکل صحیح سمجھتے تھے اور ان کو خلفائے صالحین میں شمار کرتے تھے اور ان کی سیرت کے مطابق امورِ خلافت کے چلانے کو عین سعادت تصور کرتے تھے، تبھی تو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے ساتھ ان کی سیرت پر چلنے کی شرط بھی آپ نے سیدنا معاویہؓ سے لکھوائی۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خلفائے صالحین سے مراد اصحاب ثلاثہ نہیں ہیں، اگر اس سے مراد یہ حضرات نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ وہ کون ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "خلفائے صالحین" کہلائے؟ اور اگر کہا جائے کہ اس سے مراد سیدنا علیؓ ہیں، تو وہ تو ایک تھے اور یہاں "خلفاء" جمع کا لفظ ہے جو کم سے کم تین پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد خلفائے راشدین سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ ہیں۔ اور جو اصحاب ثلاثہ کو "خلفائے صالحین" کے زمرہ سے نکالتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ سیدنا حسنؓ نے یہ شرط اپنے جدِ امجد جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے مطابق خلافت کے امور کو سرانجام دیں گے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۲۴ طبع ایران، جلاء العیون ص۳۱۵ کلاھما من تصانیف ملا باقر مجلسی الشیعی، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۳ ص۵۳)

بحار الانوار کے الفاظ یہ ہیں :-

"صالحہ علی ان یسلم علیہ ولایۃ امر المسلمین علی ان یعمل فیھم بکتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ وسیرۃ الخلفاء الصالحین۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۲۴، ایران)

سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کرتے ہوئے اس شرط پہ خلافت ان کے سپرد کی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق امورِ خلافت کو چلائیں گے۔"

(۲) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیا جائے۔ (طبری جلد ۶ ص۹۲، فتح الباری جلد ۱۳ ص۴۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۴، ص۴۱)

(۳) دارابجرد کا کل خراج آپ کو دیا جائے[لہ] (ایضاً)

ابن الاثیر، طبری وغیرہ نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ "سیدنا علیؓ پر برسرِعام سب و شتم نہ کیا جائے"۔

یہ شرط سراسر غلط ہے نہ تو سیدنا معاویہؓ کے ہاں سیدنا علیؓ پر سب و شتم ہوتا تھا اور نہ سیدنا حسنؓ نے اس فعل کو برسرِعام کرنے کی ممانعت کی شرط لکھوائی تھی، سیدنا حسنؓ اگر یہ شرط

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کرتے ہوئے لکھوائی تھی کیونکہ آپ نے پوری امت کو ان کی سیرت اور سنت کی تابعداری کا حکم فرمایا تھا۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ (ترمذی جلد ۲ ص۹۲، ابوداؤد جلد ۲ ص۲۷۹، ابن ماجہ شریف ص۵، مسند احمد جلد ۴ ص۱۲۷، مستدرک حاکم جلد ۱ ص۹۵)

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) لہ تواریخ میں آتا ہے کہ دارابجرد کے لوگوں نے سیدنا حسنؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد خراج دینا بند کر دیا، لیکن سیدنا معاویہؓ چونکہ شرائط میں یہ لکھ کر دے چکے تھے اس لیے آپ اپنی شرط کے ایفاء میں اس کے عوض میں اپنے پاس سے ساٹھ لاکھ درہم اور اس کے علاوہ دوسرے تحائف اور ہدیے ادا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۴۱)

لکھواتے تو ایسے نہ لکھواتے کہ برسرِ عام سبّ وشتم نہ کیا جائے، بلکہ یہ لکھواتے کہ مطلقاً سبّ وشتم نہ کیا جائے۔ شرط میں "برسرِ عام" کی قید صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ شرط بعد کے ذہنوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اُس وقت سیدنا معاویہؓ آپ کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھے اور سیدنا معاویہؓ کے دونوں سفیروں نے اس بارہ میں آپ کو یقین بھی دلایا تھا۔ ان حالات میں اگر واقعی سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ پر سبّ وشتم کرتے تھے تو سیدنا حسنؓ کو یہ شرط رکھنی چاہیئے تھی کہ سیدنا علیؓ پر مُطلق سبّ وشتم نہ کیا جائے۔ لیکن تواریخ میں ایسا نہیں ہے، اور طبری نے جو اسے نقل کیا ہے وہ صرف اپنے میلانِ تشیع کی وجہ سے نہ کہ حقیقت کی بناء پر، اور دوسرے مؤرخین نے صرف طبری کی متابعت میں اسے نقل کر دیا ہے۔

اس کے برعکس تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سبّ وشتم کا یہ سلسلہ خود سیدنا علیؓ کے لشکر میں جاری تھا، آپ کو جب اس کا علم ہُوا تو آپ نے فوراً ایک گشتی مُراسلہ (CIRCULAR) جاری فرمایا جس میں سیدنا معاویہؓ کی فضیلت اور اسلام میں ان کا مقام بتلا کر اپنے لشکریوں کو اس قبیح فعل سے منع فرمایا۔

نہج البلاغہ کے خطبوں میں آپ کا ایک مُراسلہ اسی سے متعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:۔

> "ہمارا معاملہ اس طرح شروع ہُوا کہ ہم میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہُوا اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور اُن کا ربّ ایک، ہمارا اور ان کا رسول ایک اور ہماری اور ان کی اسلام کے متعلق دعوت ایک ہے، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم اُن سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس معاملہ ایک ہی ہے مگر یہ کہ ہم میں اور ان میں صرف عثمانؓ کے خون کی بابت اختلاف ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔"
>
> (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہؓ،

سیدنا عمرو بن العاصؓ اور ان کے دیگر رفقاء پر سب وشتم اور لعن وطعن کرتے تھے بلکہ نمازوں میں بھی ان پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ طبری نے نقل کیا ہے کہ تحکیم کے فیصلہ کے بعد ابن عباسؓ اور شریح بن ہانیؓ سیدنا علیؓ کے پاس چلے گئے، اب ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ فجر کی نماز میں معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابو الاعور السلمیؓ، حبیب، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، ضحاک بن قیس اور ولید پر لعنتیں بھیجتے۔ جب سیدنا معاویہؓ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی علیؓ، ابن عباسؓ، مالک الاشتر، حسنؓ اور حسینؓ پر سب وشتم شروع کر دیا۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۴۰، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۸)

طبری ہی نے ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کو الفاجر بن الفاجر اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو الفاجر بن الکافر کہا۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

مصنف عبدالرزاق اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک شخص نے کہا:۔

"اے اللہ! اہلِ شام پر لعنت فرما"

سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ شام والوں کو سب وشتم نہ کرو، کیونکہ:۔

"فان بها الابدال، فان بها الابدال، فان بها الابدال۔

اہلِ شام میں ابدال ہیں، اہلِ شام میں ابدال ہیں، اہلِ شام میں ابدال ہیں"

(المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۹، تاریخ ابنِ عساکر جلد ۱ صفحہ ۳۲۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰)

علاوہ ازیں اور بھی کئی کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدنا علیؓ کے ساتھی یعنی سبائی اصحابِ رسول اور خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں کو سب وشتم کرتے تھے اور سیدنا علیؓ انہیں بار بار روکتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الامالی للشیخ طوسی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، طبری، ابن اثیر، البدایہ والنہایہ وغیرہم)

تواریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا علیؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدی اور

عمرو بن العاص، سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس بات پر اُکساتے ہیں تاکہ وہ بھی اہلِ شام پر لعنتیں بھیجیں اور سب و شتم کریں، آپ نے ان دونوں کو ایک آدمی کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ ان باتوں سے اپنی زبان کو روکیں۔ سیدنا علیؓ کا یہ پیغام سُنکر وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ربِّ کعبہ کی قسم! یہ بالکل درست ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہمیں انہیں گالیاں دینے سے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ، بلکہ ایسا کہا کرو کہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خونریزی بند فرما اور ہمارے مابین اُلفت و محبت پیدا فرما اور ان کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرما یہاں تک کہ وہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔

(اخبار الطوال ص۱۶۵، نہج البلاغہ جلد ۱ ص۴۲)

طبری کی سی روایات اگرچہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں لیکن وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ہم ان پر اعتبار کر کے صحابہ کے اخلاق کے بارہ میں اپنے ذہن کے گوشوں میں بدظنی کے جراثیم پالیں اور پھر صحابہ کے متعلق بدزبانی اور توہین و تنقیص آمیز کلمات سے کام لیں حقیقت یہ ہے کہ نہ سیدنا علیؓ سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کے بارہ میں کسی قسم کی گستاخی سے کام لیتے تھے بلکہ یہ گالیوں کا مشن سیدنا علیؓ کے اُن لوگوں کا تھا جو سبائی تحریک کے رُکن تھے اور جنہوں نے خلیفۂ ثالث سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا تھا، اور وہ بھی سیدنا معاویہؓ کو گالیاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کی وجہ سے نہیں دیتے تھے بلکہ اس وجہ سے دیتے تھے کہ قاتلانِ عثمان سے سیدنا معاویہؓ قصاص لینا چاہتے تھے اور وہ خود قاتلانِ عثمان تھے یا اُن لوگوں سے اُن کا تعلق تھا جو قتلِ عثمان میں شریک تھے۔

بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ "سیدنا معاویہؓ کے بعد سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوں گے" یہ شرط بھی بعد کے ذہنوں کی وضع کردہ ہے۔ یعقوبی، طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر، مسعودی، دینوری وغیرہ مورخین نے اپنی کتابوں میں اس کا بالکل تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ

مُلا باقر مجلسی نے اس کے خلاف لکھا ہے اور آپ کے لشکریوں کی طرف سے آپ پر یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی؟ (جلاء العیون ص ۳۲۵) البتہ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی زندگی ہی تک کے لیے ان کے حق میں دستبردار ہوئے تھے۔ (الاستیعاب تذکرہ حسنؓ) لیکن ابن عبدالبرؒ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا اُس کو علماء کا متفقہ بیان کیسے کہا جا سکتا ہے؟ طبری، مسعودی، یعقوبی وغیرہ مؤرخین جو اپنی تواریخ میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات نقل کر دیتے ہیں وہ بھی اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں کرتے، یہ چیز اِس شرط کے صحیح نہ ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسری دلیل اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے جب سیدنا معاویہؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شروع میں بعض حضرات نے اس کی مخالفت کی اور مخالفت کے حق میں اور سیدنا معاویہؓ کے خلاف دلائل بھی دیئے، اگر یہ شرط ہوتی تو یہ حضرات دوسرے دلائل کے ساتھ اس کو بھی یزید کی ولیعہدی کی مخالفت میں پیش کرتے اور نہیں تو سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا حسینؓ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور اپنے دعویٰ کی تائید میں بہت سے دلائل دیئے اور یزید کی مخالفت کے اسباب بہت سے بیان کیے تو آپ نے اس شرط کو بطور دلیل کبھی پیش نہیں کیا کہ چونکہ میرے بھائی سیدنا حسنؓ سیدنا معاویہؓ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے، اس لیے اصول وراثت کی رو سے اُن کی جانشینی کا حق مجھے یا اُن کی اولاد کو پہنچتا ہے، حالانکہ یہ دلیل یزید کی حکومت کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل تھی۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے اور یہ روایت صرف مخالفینِ معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ کی وفات میں سیدنا معاویہؓ کا ہاتھ ثابت کرنے کے لیے وضع کی ہے، وہ اس طرح کہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سیدنا حسنؓ صرف سیدنا معاویہؓ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور سیدنا معاویہؓ اپنے خاندان میں حکومت چاہتے تھے تو پھر ان دونوں مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ نکل آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ

کو سیدنا معاویہؓ ہی نے زہر دلوا کر شہید کروایا تھا اور یہ الزام ایسا مکروہ ہے کہ جس سے سیدنا معاویہؓ ہمیشہ کے لیے طعن و تشنیع کا ہدف بن جاتے ہیں اور ان کے کیرکٹر پر ایک ایسا بدنما دھبہ لگ جاتا ہے جس سے اُن کی اخلاقی تصویر نہایت بھیانک اور اَک ورڈ (AWKWARD) ہو جاتی ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے جو شرائط سیدنا معاویہؓ کو لکھ کر بھیجی تھیں اُن کے دمشق پہنچنے سے قبل سیدنا معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مُہر لگا کر آپ کے پاس کوفہ بھیجدیا اور لکھا کہ جو شرائط آپ لکھنا چاہیں اس کاغذ پر لکھدیں وہ سب قبول کی جائیں گی۔ چنانچہ آپ نے اس سے دُگنی شرائط اس پر لکھ کر بھیجدیں جو قبول ہو گئیں۔[1]

---

[1] یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ ان شرطوں کی رقم کے علاوہ سیدنا معاویہؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارات کرتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۱) چنانچہ سیدنا معاویہؓ دس دس لاکھ درہم دونوں بھائیوں کو دیتے اور ان کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے، اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو دی جاتی۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲۳) ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیئے بھی سیدنا حسینؓ کو بھیجے جاتے۔ (مقتل ابی مخنف شیعی) سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ ان کی بہت عزت افزائی کرتے اور بہت سے عطیات اور تحائف ان کو دیتے اور سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو بہت سے عطیات وغیرہ دیتے اور ان کی بہت عزت افزائی کرتے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۰، ۱۵۱) بلکہ ایک دفعہ سیدنا حسنؓ کو چالیس لاکھ درہم دیئے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) اور ایک روایت میں ہے کہ کبھی کبھی چار لاکھ دیتے اور ایک لاکھ درہم تو بطور وظیفہ ہر سال دیتے تھے۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ اہلبیتِ نبوی کو آئے دن مختلف قسم کے عطیات اور تحائف سے نوازتے اور ان کے اخراجات اور ضروریاتِ زندگی کے لیے بڑی بڑی رقومات ہدیہ کے طور پر پیش کرتے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا حسنؓ کی دُگنی شرائط قبول نہ فرمائیں؟

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور بقول بعض مؤرخین قبول نہ ہوئیں کیونکہ آپ اس سے قبل بھی ایک کاغذ پر اپنی شرائط لکھ کر بھیج چکے تھے، سیدنا معاویہؓ نے کہا کہ چونکہ آپ نے پہلے اور شرائط لکھ کر بھیجی تھیں جو قبول کر لی گئی تھیں لہٰذا آپ کی بعد کی شرائط قبول نہیں ہوں گی۔

سیدنا حسنؓ کا خلافت سے دستبرداری کا اعلان

مصالحت کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے کہا کہ اب آپ ذرا زبانی بھی اس مصالحت کے متعلق بیان فرمادیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ اپنی خوشی سے مسندِ خلافت سے دستبردار ہوئے ہیں نہ کہ کسی جبر و اکراہ سے، آپ کو اس میں اعتراض بھی کیا تھا، چنانچہ آپ فوراً اٹھے اور حمد و ثنا کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک اعلان فرمایا:۔

"اما بعد! فان اکیس الکیس التقی وان اعجز العجز الفجور الا وان ھذا الامر الذی اختلفت فیہ انا ومعاویۃ حق لامرئ کان احق بہ منی او حق لی ترکتہ لارادۃ اصلاح المسلمین وحقن دمائھم وان ادری

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) پھر جب کہ خود ہی سفید کاغذ پر مُہر لگا کر بھیجا ہو، مُہر لگانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کچھ اس کاغذ پر لکھا جائے گا وہ قبول ہے۔ اس صورت میں قبولیت پہلے تھی اور شرائط بعد میں۔ لہٰذا مؤرخین کا ایک دوسرے کی اتباع میں یہ لکھنا کہ سیدنا معاویہؓ نے وہ شرائط قبول نہ کیں بالکل عقل کے خلاف بات ہے اور سیدنا معاویہؓ کی پوزیشن کو مخدوش کرنے کی ایک گہری سازش ہے۔

ہمارے خیال میں تو مؤرخین کا یہ لکھنا بھی عقل و نقل اور خانوادۂ رسول اور خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ کے خلاف ایک گہری سازش ہے کہ سیدنا حسنؓ نے پہلے کچھ شرائط لکھیں اور دوسرے کاغذ پر اس سے دگنی لکھ دیں حالانکہ مومن جب ایک بات کرتا ہے تو اس پر قائم رہتا ہے اور جوانانِ جنت کے سردار کا مقام تو اس سے بہت اونچا ہے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ من لہٗ ادنیٰ من الفھم۔

لعلہ فتنۃ لکم ومتاعٌ الیٰ حین۔ (فتح الباری جلد ۳ ص۵۳، اسد الغابہ لابن الاثیر جلد ۲ ص۱۴ تذکرہ حسنؓ، مستدرک جلد ۳ ص۱۷۵، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص۲۱۹)

اما بعد! لوگو! دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ ہے اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں اور فسق و فجور ہے، خلافت کا معاملہ جس میں مجھ میں اور معاویہؓ میں اختلاف ہے یہ حق صرف ایک ہی آدمی کا ہے یا تو معاویہؓ مجھ سے زیادہ حقدار تھے یا میں زیادہ حقدار تھا، لیکن میں نے عام مسلمانوں کی بہتری اور انہیں خونریزی سے بچانے کے ارادہ سے اس خلافت کو چھوڑ دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ سرمایہ ہے۔"

مشہور شیعی مؤرخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے نہ صرف خلافت سے دستبرداری کا اعلان فرمایا بلکہ ایک مجمع عام کے سامنے اُن کی بیعت بھی فرمائی، چنانچہ وہ سیدنا جعفر صادقؒ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ اور سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ انصاریؓ جب شام تشریف لائے تو:-

"فاذن لھم معاویۃ واعد لھم الخطباء فقال یا حسن قم فبایع فقام فبایَعَ ثمّ قال للحسین قم فبایع فقام فبَایَعَ ...... الخ

(بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۲۴، ایران)

سیدنا معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت فرمائی اور ان کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا اور سیدنا حسنؓ سے کہا کہ اُٹھئے اور بیعت فرمایئے، سیدنا حسنؓ کھڑے ہوئے اور (مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر بیعت کی پھر سیدنا حسینؓ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمایئے چنانچہ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر (سیدنا معاویہؓ کی) بیعت فرمائی!"

سیدنا معاویہؓ کے ساتھ آپ کی یہ صلح جہاں آپ کے اصلاح بین المسلمین کے جذبہ کی توثیق کرتی ہے وہاں اس بات کی توثیق بھی کرتی ہے کہ سیدنا معاویہؓ مسلمانوں کیلئے بڑے شفیق اور رعیت کے لیے بڑے نرم دل تھے، اس کے علاوہ ملک کے انتظامی اور

ترقیاتی معاملات میں بھی آپ بڑے دقیق النظر اور معاملات کے عواقب وانجام پر نگاہ رکھنے والے تھے۔ تبھی تو نواسۂ رسولؐ سیدنا حسنؓ نے پوری ملّتِ اسلامیہ کی زمامِ کار آپ کے ہاتھ میں دے دی، اگر (معاذ اللہ) آپ ایسے تھے جیسے دشمنانِ صحابہ کہتے ہیں تو پھر نواسۂ رسولؐ پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے ایک غلط کار آدمی کے ہاتھ چند روپوں کے عوض پوری ملتِ اسلامیہ کے اختیارات کیوں دے دیئے۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ کی اس صلح کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں :۔

"فیہ فضیلۃ الاصلاح بین الناس ولاسیما فی حقن دماء المسلمین ودلالۃ علی رأفۃ معاویۃ بالرعیۃ وشفقتہ علی المسلمین وقوۃ نظرہ فی تدبیر الملک ونظرہ فی العواقب :

(فتح الباری ج ۳ ص ۵۶)

اس بات (صلح) سے اصلاح بین الناس اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خونریزی روکنے کی فضیلت ہے (اور سیدنا حسنؓ کا یہ فعل) اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ معاویہؓ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور تدبیرِ سلطنت پر گہری نگاہ کے مالک تھے، نیز معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ پہنچتی تھی "

ابو نعیم اصفہانیؒ اور امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ صلح ۴۱ھ ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں نخیلہ کے مقام پر ہوئی اور اس موقع پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔

"ترکتہ لمعاویۃ ارادۃ اصلاح المسلمین وحقن دمائھم۔

میں نے یہ خلافت اہلِ اسلام کی بہتری اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے ترک کی ہے " (حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۳۷، السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۱۷۳)

حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں، ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں، ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں اور ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سے سیدنا حسنؓ نے صلح کر لی اور امرِ خلافت ان کے سپرد کر دیا اور معاہدے اور شرائط پیش کر کے اُن کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔

خلافت کی سپردگی کے لیے جو شرائط دونوں بزرگوں کے مابین طے ہوئی تھیں سیدنا معاویہؓ پوری زندگی ان پر کاربند رہے۔ حتیٰ کہ شیعی مؤرخ ابو حنیفہ الدینوری کو یہ لکھنا پڑا کہ :۔

"سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ نے پوری زندگی سیدنا معاویہؓ سے کوئی بُری بات نہ دیکھی اور سیدنا معاویہؓ نے ان حضرات سے طے شدہ شرائط میں سے کسی شرط کو نہ توڑا اور نہ ہی کسی احسان اور بھلائی کی بات کو تبدیل کیا۔"

(الاخبار الطوال ص۲۲۵)

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ نہ تو حضرت معاویہؓ ہی غلط تھے اور نہ سیدنا علیؓ نے غلطی کی، بلکہ معاملہ سب غلط فہمی پر مبنی تھا اور اس آگ کے بھڑکانے میں سبائی عناصر کی گہری سازش تھی جس سے جمل و صفین کے میدان لالہ زار بنے، ورنہ نیت اور ایمان کے لحاظ سے علیؓ اور معاویہؓ میں کوئی فرق نہیں تھا۔



مخالفت کا طوفان

سیدنا امام حسنؓ نے ابھی اس صلح کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ آپ کے لشکریوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان بدتمیزی اٹھا دیا، آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے اور آپ کے خیمے کو لوٹ لیا گیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲) آپ کی ران پر خنجر مارا گیا جس سے ہڈی تک شگاف ہو گیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۷، جلاء العیون ص ۳۱۳) لیکن جب آپ نے مجمع عام میں سیدنا معاویہؓ سے اپنی صلح کا اعلان فرمایا اور آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت فرمائی تو فوراً ہی آپ کے خلاف مخالفت کا ایک شدید طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے لشکری اور شیعہ آپ سے سخت ناراض ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے خلاف مختلف قسم کے آوازے کسنے لگے اور آپ کے اس فعل کو مسلمانوں کے لیے شرم و ذلت کا باعث قرار دینے لگے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"فکان اصحاب الحسن یقولون لہٗ یا عار المومنین۔

(فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱، تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ ص ۹۱، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۰۸)

سیدنا حسنؓ کے ساتھی آپ سے کہتے تھے کہ اے مومنوں کے لیے شرم و ذلت کے باعث"

لیکن آپ جواب میں فرماتے:۔ (ایضاً)

"العار خیر من النار۔ (ایضاً)

یہ عار میرے لیے جہنم کی آگ سے بہتر ہے"

ابن الاثیرؒ اور علامہ ابو بکر بن العربیؒ نے مُسَوِّدُ وُجُوْہِ الْمُؤْمِنِیْنَ (مومنوں کا منہ سیاہ کرنے والے) کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۴، العواصم من القواصم ص ۱۹۷)

شیعی مؤرخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ:۔

"شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؓ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک سوار آیا اسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے، اُس نے کہا:-
اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ - (جلاء العیون ص۳۲۴، اخبار الطوال ص۲۲۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۱۹۱، الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص۱۷۱)

مجلسی نے اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں، ایک روایت کتاب "احتجاج" سے نقل کی ہے کہ:-

"جب امام حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی تو لوگ حضرت کی خدمت میں آئے اور بعضوں نے معاویہؓ سے بیعت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کی، حضرت نے فرمایا تم پروائے ہو، تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کام کیا ہے بخدا سوگند! جو کچھ میں نے کیا ہے میرے شیعوں کے لیے اس سے بہتر ہے کہ آفتاب جس پر طالع ہوتا ہے!" (جلاء العیون ص۳۲۲)

اسی مجلسی نے اپنی دوسری کتاب "بحار الانوار" میں امام محمد باقرؒ کا ایک اسی طرح کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:-

"والذی صنعه الحسن بن علی کان خیرًا لهذه الامة مما طلعت علیه الشمس۔ (بحار الانوار ج۔۱۰ ص۱۶۴)
سیدنا حسنؓ نے جو کچھ کیا وہ اس اُمت کے لیے بہتر ہے ہر اُس شے سے جس پر سورج طلوع ہوا!"

ایک شخص جسے ابو سعید کہتے تھے امام حسنؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ نے کیوں سستی کر کے معاویہؓ سے صلح کی حالانکہ معلوم تھا کہ حق آپ کا ہے اور وہ ظالم و باغی۔ (جلاء العیون ص۳۲۲)

ملا باقر مجلسی بحوالہ احتجاج طبرسی لکھتے ہیں کہ:-
"ایک شخص امام حسنؓ کی خدمت میں آیا اور کہا ہماری گردنوں کو آپ نے ذلیل کیا

اور ہم شیعوں کو آپ نے غلامانِ بنی اُمیہ بنایا، حضرت نے فرمایا کیونکر؟ اُس نے کہا اس وجہ سے کہ خلافت آپ نے معاویہؓ کو دے دی، حضرت نے فرمایا بخدا سوگند! مَیں نے کوئی یاور نہ پایا، اگر مَیں یاور پاتا تو رات دن معاویہؓ سے جنگ کرتا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان حُکم کرتا لیکن مَیں نے اہلِ کوفہ کو پہچانا اور امتحان کیا اور جان لیا کہ یہ لوگ میرے کام نہیں آئیں گے اُن کی زبانیں میرے ساتھ اور دل بنو اُمیہ کے ساتھ ہیں۔"

(جلاء العیون ص ۳۳۶)

پھر بروایت سید مرتضیٰ علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ :-

"جب امام حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی تو شیعہ آپس میں اظہارِ تاسف وحسرت کرتے تھے اور آرزوئے قتل رکھتے تھے، جب صلح کے بعد دو سال گذرے تو حضرت کی خدمت میں آئے اور سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا تعجب معاویہؓ سے صلح کرنے سے برطرف نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردانِ کارزار اہلِ کوفہ آپ کے ہمراہ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے[1] اور اپنے گھروں میں تھے اور اسی قدر اُن کے فرزندان واتباع آپ کے ساتھ تھے[2] بغیر اُن لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے، باوجود اس کے آپ نے معاویہؓ سے پیمانِ محکم صلح نامہ میں نہ لیا اور بہرہ کامل عطایا سے

---

[1] سیدنا معاویہؓ پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنی فوج کو درہم و دینار کے لالچ میں اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے اس لیے وہ ان کے لیے بے جگری سے لڑتی تھی۔ یہ چیز معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ سیدنا علیؓ کی فوج آپ سے باقاعدہ تنخواہ لیتی تھی لیکن ان کے لیے لڑتی بالکل نہیں تھی جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی حوالہ جات اس بارہ میں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

[2] ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے تھے لیکن وقت پر بالکل ساتھ چھوڑ دیتے تھے کربلا کا میدان اس کی شہادت دیتا ہے۔

نہ لکھوالیا، اگر یہ موقت مصالحہ اہلِ مشرق و مغرب کو آپ گواہ نہ کرتے اور نوشتہ اس سے لیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ میں ہوتی[1] ہمارا کام آسان تھا ولیکن ان کے اور آپ کے درمیان چند ایسے عہد ہوئے کہ لوگ ان پر مطلع نہ ہوئے"۔ (جلاء العیون ص ۳۲۵ ، الامامۃ والسیاسۃ جلد ا ص ۱۴۲،۱۴۱)

حجر بن عدی نے بھی آپ کو اس صلح پر عار دلانے کی کوشش کرتے ہوئے آپ سے کہا:۔

"اے رسول اللہ کے نواسے! کاش کہ میں اس دن سے پہلے ہی مرگیا ہوتا، آپ نے ہمیں عدل وانصاف سے نکال کر ظلم و جور میں پھنسا دیا ہے اور اس وجہ سے ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو جس سے کہ ہم بھاگتے تھے اختیار کر لیا اور ہمیں خست و دنائت کا سامنا کرنا پڑا، آپ نے فرمایا کہ "میں لوگوں کے درمیان اس خانہ جنگی کو ناپسند کرتا تھا اور میں نے اپنے ساتھیوں کی بہتری اسی میں دیکھی"۔

اس کے بعد وہ سیدنا حسینؓ کی خدمت میں گئے اور انہیں بھی اسی طرح بیعتِ معاویہؓ سے عار دلانی شروع کی، آپ نے جواب میں فرمایا:۔

"انا قد بایعناہ وعاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔

(اخبار الطوال ص ۲۲۰)

ہم نے معاویہؓ کی بیعت اور اس سے وفاء کا عہد کر لیا ہے لہٰذا نقضِ عہد کی راہ نہیں"۔

---

[1] علامہ مجلسی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے جن شرائط کے تحت مسندِ خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کی تھی اس میں یہ شرط ہرگز نہیں تھی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت پھر سیدنا حسنؓ کی طرف لوٹ آئے گی اگر یہ شرط ہوتی تو سلیمان بن صرد خزاعی اور آپ کے دیگر لشکری آپ پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی۔

اعتراضات کا جواب

جب آپ پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی اور ہر جانب سے آپ کے ساتھیوں اور شیعوں نے طعن و تشنیع شروع کر دی تو آپ نے معترضین کے جواب میں مختلف خطبات ارشاد فرمائے، ایک مقام پر فرمایا :۔

"بخدا سوگند! اس جماعت سے میرے لیے معاویہؓ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادۂ قتل کیا، میرا مال لوٹ لیا، بخدا سوگند! اگر معاویہؓ سے عہد لوں اور خون حفظ کراؤں اور اپنے اہل و عیال میں امین ہو ہو جاؤں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہل و عیال اور عزیز و اقارب ضائع ہو جائیں"۔

"بخدا سوگند! اگر میں معاویہؓ سے جنگ کروں تو یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہؓ کو دے دیں، بخدا سوگند! اگر معاویہؓ سے صلح کروں اور عزیز رہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں آجاؤں اور وہ مجھے بخواری قتل کرے یا مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دے اور تا روز قیامت بنی ہاشم میں یہ عار باقی رہے اور ہمیشہ فرزندانِ معاویہ ہمارے فرزندوں اور ہمارے مردوں اور زندوں پر احسان کریں، راوی نے کہا یا ابن رسول اللہ! اپنے شیعوں کو مثل ان گوسفندوں کے آپ چھوڑ دیتے ہیں جن کا کوئی محافظ نہ ہو، حضرت نے فرمایا کیا کروں، میں اس کام کو بہتر جانتا ہوں جو ثقاہت اور سچوں سے مجھے پہنچا ہے"۔ (جلاء العیون ص ۳۲۳)

اس خطبہ میں آپ نے صلح کرنے کی مصلحت صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کے ننگ و ناموس کی حفاظت ظاہر فرمائی لیکن دوسرے مقام پر یوں مرقوم ہے :۔

"معاویہؓ نے اس امر میں جو مجھ سے مخصوص اور جس کا میں سزاوار تھا منازعہ کیا

اور جب میں نے کوئی یاور نہ پایا تو بخیالِ اصلاح و حفظِ خون ہائے امت خود دستبردار ہوا تھا۔" (جلاء العیون ص۳۱۶)

ایک اور جگہ پر بروایت کلینی بسند معتبر امام محمد باقرؒ لکھا ہے:۔

"امام حسنؓ کا معاویہؓ سے صلح کرنا اس امت سے دنیا و ما فیہا سے بہتر تھا۔" (جلاء العیون ص۳۲۵)

سیدنا حسینؓ کا آپ کی مخالفت کرنا

اس بارہ میں آپ کی مخالفت نہ صرف آپ کے شیعوں نے کی بلکہ سیدنا حسینؓ بھی بعض فتنہ پردازوں کی انگیخت پر آپ کے مخالف ہو گئے، چنانچہ جب آپ کو پتہ چلا کہ سیدنا حسنؓ سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے والے ہیں تو آپ نے سیدنا حسنؓ سے کہا کہ کیا آپ قبر میں اپنے باپ علیؓ کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں اور معاویہؓ کی تصدیق! سیدنا حسنؓ نے فرمایا:۔

"بخدا جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی، بخدا میں تمہیں اس وقت تک گھر ہی میں نظر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اپنے ارادے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا دوں۔" (تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ جلد۲ ص۲۹۹، علیؓ و بنوہ از طٰہٰ حسین ص۲۰۳، تاریخ ابن عساکر جلد۴ ص۲۲۲)

طبری اور ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسینؓ کی یہ بات سنکر سیدنا حسنؓ نے فرمایا:۔

"اسکت فانا اعلم بالامر منك۔ (طبری جلد۶ ص۹۲، ابن الاثیر جلد۳ ص۲۰۳)

چُپ رہو! میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔"

جب سیدنا حسینؓ نے اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو فوراً عرض کی:۔

"انت اکبر ولد علیؓ وانت خلیفته وامرنا لامرك تبع فافعل ما بدا لك۔ (تہذیب التہذیب جلد۲ ص۳۰۰، ابن عساکر جلد۴ ص۲۲۲)

آپ سیدنا علیؓ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے خلیفہ ہیں ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہٰذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے"

چنانچہ صلح کے بعد جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی تو سیدنا حسینؓ نے بھی بے چون وچرا سیدنا معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۲۴، جلاء العیون ص۳۶۹، ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ ص۲۷۶، مہیج الاحزان ص۴۸)

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے یہ صلح کی تو آپ کے ساتھیوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا جس کو آپ نے اپنی حکمتِ عملی اور فراستِ ایمانی سے دبا دیا، یہ آپ ہی کا عزم تھا جس سے اس ساری مخالفت کا مقابلہ کیا اور آخر غالب آئے۔[1]

---

[1] شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں بلکہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔ (حق الیقین ص۸۵) اور اللہ کا دروازہ، اس کی زبان، اس کا منہ، اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ ہیں۔ (اصول کافی ص۸۴) ان کو رسول جیسی فضیلت حاصل ہے، جری لہٗ من فضل ما جاء لرسول اللہ۔ (اصول کافی ص۱۱۸) بلکہ بعض لحاظ سے رسول سے بھی افضل ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۵ ص۵۱۱) پھر موت وحیات ان کے اختیار میں ہے۔ (اصول کافی ص۱۵۸) اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے غیب کے جاننے والے ہیں (اصول کافی ص۱۵۹، ۱۶۰) ایسے معصوم امام کبھی بھی غلطی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ان سے سرزد ہوتا ہے وہ صحیح اور حق ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ جس امام معصوم صلح کرلے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۲۴، جلاء العیون ص۳۲۲) بلکہ سیدنا حسینؓ امام معصوم بھی بیعت فرمالیں۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۲۴، جلاء العیون ص۳۶۹، مہیج الاحزان ص۴۸) اس شخص سے بغض وعناد رکھنا اور اس پر لعنتیں بھیجنا کیا ائمہ معصومین کی تکذیب کرنا اور ان کے احکام سے روگردانی کرنا نہیں ہے؟ اب دو ہی باتیں ہیں:۔

(۱) یا تو ائمہ معصوم نہیں تھے اور سیدنا حسینؓ اور سیدنا حسنؓ نے غیر معصوم ہونے کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ سے بیعت کر کے ایک غلط کام کیا۔

(۲) یا پھر ائمہ نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح تھا اور سیدنا معاویہؓ ایک نہایت متقی اور علمی وعملی، فکری اور نظری دینی اور سیاسی قابلیتوں کے حامل تھے کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ائمہ معصومین ایک غلط کار اور ظالم وجابر انسان کو خلافت جیسا مقدس منصب سپرد کر کے خود اس سے دستبردار ہو کر گوشۂ خلوت میں بیٹھ جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے جو کچھ بھی کیا درست کیا اور ان کی نگاہ میں اس زمانہ میں کشتیٔ امت کو

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسندِ خلافت سے دستبردار ہوکر سیدنا حسنؓ نے ہمیشہ کے لیے کوفہ کو خیرباد کہہ دیا اور مدینۃ النبیؐ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی اپنے جدِامجد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بسر فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۹) کوفہ کو آپ نے صرف اسلئے چھوڑا کہ وہ سبائی تحریک کا مرکز تھا، وہاں آپ کو اپنی جان کے خطرہ کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ یہ سبائی لوگ پھر کہیں کوئی فتنہ برپا نہ کردیں۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب سیدنا حسنؓ نے اپنے اہل وعیال اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ سرزمین کوفہ کو چھوڑا تو کوفہ کے لوگ زاروقطار رو رہے تھے، کسی پوچھنے والے نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔

"میں نے دُنیا کو ناپسند کیا اور کوفہ والوں کو ایک ایسی قوم پایا جس پر کبھی بھی کوئی شخص اعتماد نہیں کرسکتا اور اکثر ان میں سے ایک کی رائے دوسرے سے موافقت نہیں کرتی، یہ برائی کے بجائے نیکی میں سست ہیں، میرے آبا کو ان سے بڑی بڑی اذیتیں پہنچی ہیں اور میرے بعد یہ کس سے اچھے سلوک سے پیش آئیں گے؟ اس وجہ سے یہ شہر بہت جلد تباہ وبرباد ہونے والا ہے۔" (ابن الاثیر جلد ۳ ص۲۰۴)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ساحلِ مراد تک پہنچانے والا سیدنا معاویہؓ کے سوا اور کوئی نہیں تھا لہٰذا آپ نے اُمت کی بہتری اور خیرخواہی کے پیشِ نظر مسندِ خلافت سیدنا معاویہؓ کو تفویض فرمادی۔

شیعہ حضرات کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صلح کی وجہ سے وہ سیدنا حسنؓ سے ناخوش ہیں اسی ناخوشی کا نتیجہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی زندگی میں ہی ان کو بہت ذلیل کلمات کہے گئے۔ (جلاء العیون ص۳۲۴) اور انہیں طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں اور ان کے بعد ان کا تذکرہ بھی بہت کم ہُوا اور بہت کم ہوتا ہے ان کی اولاد یکقلم امامت سے محروم کردی گئی بلکہ باغی اور جہنمی قرار دی گئی حتیٰ کہ امام مہدی بھی ان کی اولاد سے نہیں قرار دیئے گئے، خدا جانے کیا وقتی مصالح درپیش تھے ورنہ یہ لوگ تو سیدنا حسنؓ کو بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال ڈالتے اور جس طرح دوسرے امام زادوں میں سے کسی کو کذّاب اور کسی کو جہنمی کہا، جیسا کہ احتجاج طبرسی میں صاف لکھ دیا کہ "ہم شیعوں کو ان امام زادوں سے نفرت ہے ہم ان پر تبرا بھیجتے ہیں"۔ یہی برتاؤ امام حسنؓ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ (ص۲۵۸)

ان حضرات کی کتابوں میں فضائلِ مُتعہ کی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سیدنا حسنؓ کا مقام سیدنا حسینؓ سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وفات

آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں مسندِ خلافت سے دستبردار ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۳۰۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص۲۰۴) اور رمضان المبارک ۴۰ھ میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس لحاظ سے آپ ساڑھے پانچ ماہ مسندِ خلافت پر متمکن رہے[1] دست برداری کے سات سال بعد یعنی ۴۸ھ میں مدینۃ الرسول میں چالیس روز تک صاحب فراش رہ کر ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ (تاریخ الخمیس جلد ۲ ص۲۲۶، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزیؒ ص۳۲۰) الدمیری نے بیماری کی مدت ۲ ماہ لکھی ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ ص۶۶)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے آپ کو زہر دلوایا تھا جس سے آپ کی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کم ہے درجہ کی یہ کمی شاید اسی صلح کی وجہ سے ہے، چنانچہ ان حضرات کی ایک حدیث میں آتا ہے :۔

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ درجتہ کدرجۃ الحسن ومن تمتع مرتین درجتہ کدرجۃ الحسین ومن تمتع ثلث مرات درجتہ کدرجۃ علیؑ ومن تمتع اربع مرات درجتہ کدرجتی۔ (منہج الصادقین ص۳۵۶ بحوالہ آفتاب ہدایت ص۱۸۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے وہ سیدنا حسنؓ کا درجہ پائے اور جو دو دفعہ متعہ کرے وہ سیدنا حسینؓ کا درجہ پائے اور جو تین دفعہ متعہ کرے وہ سیدنا علیؓ کا درجہ پائے اور جو چار دفعہ متعہ کرے وہ میرا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) درجہ پائے۔

ایک دفعہ متعہ کرنے والے کو سیدنا حسنؓ کا درجہ اور دو دفعہ متعہ کرنے والے کو سیدنا حسینؓ کا درجہ دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سیدنا حسنؓ کا مقام سیدنا حسینؓ سے کم تر ہے، یہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے ان حضرات کی مرضی کے خلاف سیدنا معاویہؓ سے بیعت فرمالی تھی ورنہ اسلام میں سیدنا حسنؓ کا درجہ سیدنا حسینؓ سے زیادہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] باختلافِ روایت آپ کی خلافت کی مدت ۵½ ماہ یا ۶ ماہ سے کچھ زائد یا سات ماہ سے کچھ زائد تھی۔ آپ کی بیعتِ خلافت کی تاریخ تو متعین ہے لیکن دستبرداری کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ بعض ربیع الاول ۴۱ھ، بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاولیٰ بتاتے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص۲۰۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۸) بعض روایات میں ۴۰ھ میں خلافت سے دستبرداری بتائی گئی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص۱۴)

موت واقع ہوئی، لیکن یہ بات سراسر غلط ہے نہ اس پر کوئی شرعی شہادت ہے اور نہ کوئی معتبر اقرار! بلکہ علامہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ:۔

"وما ینقل ان معاویۃ دس الیہ السم مع زوجتہ جعدۃ بنت الاشعث فھو من احادیث الشیعۃ وحاشا لمعاویۃ من ذلک۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸۲)

یہ جو منقول ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ان کی اہلیہ جعدہ بنت الاشعث سے مل کر ان کو زہر دلوایا، یہ شیعہ حضرات کی وضع کردہ روایت ہے اور معاویہؓ کی ذات اس سے مبرّا ہے"۔

اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں جلد ثانی میں اس پر قدرے روشنی ڈالی جائے گی [1]۔ ویسے تفصیل کے لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی "منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۲۵" اور الذہبیؒ کی "المنتقیٰ من منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال ص ۲۶۶" کا مطالعہ ضروری ہے۔

قدیم مؤرخین نے زہر خورانی کو اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا، جن لوگوں نے زہر خورانی کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر نے زہر دینے والے کا نام نہیں لکھا اور جن لوگوں نے نام لکھا بھی ہے انہوں نے "قیل او یقال" وغیرہ تمریض کے صیغوں سے ذکر کیا ہے جو ضعف روایت پر دلالت کرتے ہیں، ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۶، مروج الذہب جلد ۲ ص ۵۰، الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۴۰، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۵، الاصابہ جلد ۲ ص ۱۳، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۳،۴۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۲، ابو الفداء جلد ۱ ص ۱۹۳)

سیوطی نے زہر کا الزام یزید بن معاویہ پر لگایا ہے کہ اس نے آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث کی معرفت آپ کو زہر دلوایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱)

آپ کی وفات پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ سیدنا ابو ہریرہؓ کو دیکھا گیا کہ اس روز مسجد نبوی کے صحن میں بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب فوت ہو گیا ہے لہٰذا خوب رو‌ؤ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۴، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ بقیع میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، نمازِ جنازہ گورنر مدینہ طیبہ سیدنا سعید بن العاصؓ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۴۴، الاستیعاب، اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علیؓ)



---

[1] ان روایات کی تفصیل سے اس کتاب کے دوسرے حصے میں بیان کر دیا گیا ہے۔

معاویہؓ

ایک خلیفہ کی حیثیت سے

۱۸ھ میں سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے انتقال کے بعد سیدنا عمرؓ نے آپ کو دمشق کی گورنری پر متعین فرما دیا تھا، ۱۸ھ سے ۴۱ھ تک آپ دمشق اور اس کے ملحقات کے گورنر رہے۔ ۴۱ھ میں سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکتِ اسلامیہ کے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے۔ امتِ مسلمہ کے کئی اصحاب جیسے سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، محمد بن مسلمہؓ اور سعید بن زیدؓ وغیرہم جو اب تک غیر جانبداری کی زندگی بسر کر رہے تھے، فیصلہ تحکیم کے بعد ان کی نظریں اس بات پر لگی ہوئی تھیں کہ ان لوگوں کی شوریٰ کیا فیصلہ کرتی ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے۔ چنانچہ جب ربیع الاوّل ۴۱ھ میں نہر "دجیل" کے کنارے واقع شدہ موضع "مسکن" میں سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور ان کی باقاعدہ بیعت فرمالی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ ۱۳۱) تو ان حضرات نے بھی سیدنا معاویہؓ کو امیر المومنین تسلیم کرتے ہوئے ان کی بیعت کرلی، کیونکہ اب پوری اُمت نے متفقہ طور پر ان کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا تھا اور عراقی اور شامی سارے کے سارے اُن کے حلقۂ بیعت میں آچکے تھے لہٰذا انہوں نے بھی اب اپنے لیے شرعی طور پر ناگزیر سمجھا کہ سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرلیں۔

(فتح الباری جلد ۱۳ صـ ۵۳)

سیدنا علیؓ کی بیعتِ خلافت ان لوگوں نے صرف اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ اہلِ حل و عقد آپ کی بیعت پر مجتمع نہیں ہوئے تھے، چنانچہ حکیم الامت دہلویؒ فرماتے ہیں:-

"خلافت برائے مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہلِ حل وعقد عن اجتہادٍ ونصیحتًا للمسلمین بیعت نہ کردہ" (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۷۹)

سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوئی تھی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے ان سے بیعت نہیں کی تھی۔"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مرویہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ اُمت بر حضرت مرتضیٰ جمع نشود۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۷۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ امت سیدنا علیؓ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی۔"

ایسے ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۳۷ پر بصراحت نقل کیا ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

اب جبکہ سیدنا حسنؓ کے بیعت کرنے سے پوری اُمت سیدنا معاویہؓ کی خلافت پر مجتمع ہوگئی تو ان حضرات نے پوری اُمت سے الگ رہنا اپنے لیے شرعی طور پر جائز نہ سمجھا (تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۱۳ ص۴۵، ص۵۷ ملاحظہ فرمائیں)

سیدنا معاویہؓ ۲۳ سال کی گورنری کے بعد ۴۱ھ میں ایلیا (یروشلم) کے مقام پر خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔ (طبری جلد ص۹۴، مروج الذہب جلد ۳ ص۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۶، ۲۱) اور جن لوگوں نے فیصلہ تحکیم سے قبل یا فیصلہ تحکیم کے بعد ان کا امیر المؤمنین ہونا لکھا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے متعلق یہ غلط فہمی مدتوں سے اچھے اچھے ذہنوں میں چلی آ رہی ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تھے اُسی وقت سے وہ خلافت کے مدعی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ کے اعلان کے مطابق انہوں نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا تھا، یہ دونوں باتیں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ سیدنا معاویہؓ شروع سے لے کر سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے تک اپنے آپ کو سیدنا عثمانؓ کا گورنر سمجھتے ہوئے ان کے قاتلوں

سے صرف قصاص کے دعویدار تھے، اس سے زیادہ نہ انہوں نے خود اپنی حیثیت جانی اور نہ اُن کے ساتھیوں نے انہیں اس سے زیادہ کبھی کوئی حیثیت دی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے خلافت کا اعلان سیدنا حسنؓ کی دستبرداری اور ان کے بیعت فرمانے کے بعد کیا۔ یہی اہلِ سُنّت کا مسلک ہے اور یہی صحیح ہے۔

اِجتماعِ اُمّت

اس سال کو "عام الجماعت" کہتے ہیں کیونکہ ملّتِ اسلامیہ نے ۵/۶ سال کے تفرقہ اور تشتت کے بعد اس سال ایک خلیفہ پر اجماع کیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۵۳، طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، ۱۳۱، اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۸۷، تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ صفحہ ۱۹۴) سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد خارجی جنگوں اور اسلام کی نشرواشاعت میں جو تعطل واقع ہوگیا تھا اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا، آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی وہ کلیۃً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح جمع ہوگئے جس طرح سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ اسی لیے تو غیر مسلم مؤرخین تک نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ دولتِ اسلامیہ کے دوسرے مؤسسِ کبیر ہیں، آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں ایک بلند پایہ حقیقی اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ جو سیدنا عمر الفاروقؓ کی سلطنت کی طرح صوفیانہ بھی تھی اور سیاسیانہ بھی۔ یہ نوجوان جس نے اپنے مشہور تاجر باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اس کی قوتِ نظمِ مملکت پر یہ واضح دلیل ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کے قیام اور عراق کے خلفشار کو دور کرنے، چوری، قتل اور آگ لگانے کی روک تھام میں جو مشکلات عمرؓ وعثمانؓ کو پیش آئیں آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

پوری امت مجتمع ہوگئی، اختلاف بالکل ختم ہوگیا اور سیدنا معاویہؓ متفقہ طور پر پوری

ملتِ اسلامیہ کے امیر المؤمنین مقرر ہو گئے، مسلمانوں کی وہ قوت جو آپس میں جنگ و جدال میں ختم ہو رہی تھی اب اُن دشمنوں کے خلاف صرف ہونے لگی جو اسلام کے خلاف تھے۔

خاندانِ بنو ہاشم نے بھی نہایت خوشدلی کے ساتھ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے ساتھ عملی تعاون شروع کر دیا۔ چنانچہ سیدنا حسینؓ کے رضاعی بھائی اور سیدنا علیؓ کے حقیقی چچازاد بھائی سیدنا قثم بن عباسؓ سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت میں جہاد میں شرکت کے لیے خراسان تشریف لے گئے، پھر غزوۂ سمرقند میں سعید بن عثمانؓ بن عفان کی ماتحتی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص۱۰۱، اسد الغابہ جلد ۴ ص۱۹۷، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص۲۹۲، شرح نہج البلاغۃ لابن میثم البحرانی جلد ۵ ص۷۲)

خود سیدنا حسینؓ نے یزید بن معاویہ کی زیر قیادت معرکۂ قسطنطنیہ میں شرکت فرمائی، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۱، تہذیب تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص۳۱۱)

جس طرح خاندانِ بنی ہاشم نے سیدنا معاویہؓ کی حکومت سے تعاون کیا آپ کی حکومت نے بھی خاندانِ بنو ہاشم کے افراد سے نہایت اچھا سلوک کیا، مدینہ طیبہ میں ایک قاضی کی ضرورت تھی، سیدنا مروان بن الحکمؒ نے ایک ہاشمی بزرگ سیدنا عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا جو کہ بعض حضرات کے بقول مدینہ کے سب سے پہلے قاضی تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۱۳، اسد الغابہ جلد ۳ ص۲۶۹)

مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنی کم ہمتی اور کارِ خلافت کی دشواری کو واضح فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

> "اے لوگو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تم میں سے کئی ایسے ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمروؓ وغیرہما جو کہ علم و فضل کے ستون ہیں لیکن شاید میں سلطنت اور حکومت کے معاملات میں تمہارے لیے مفید ہو سکوں اور تمہارے دشمن کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی اعتبار سے تمہارے لیے زیادہ سود مند ہوں گا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۴، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص۳۲۲)

بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"اے لوگو! بخدا سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے ہلانا نہایت آسان ہے لیکن میں تمہارے لیے ایسا طرزِ عمل اور طریقہ اختیار کروں گا جو میرے سے پہلے خلفاء سے تو کم درجہ میں ہو گا لیکن میرے بعد آنے والے اس کو نہیں پا سکیں گے"۔

(انساب الاشراف جلد۴ ص۱۱۲)

اوصاف

گورنری کے ۲۳ سالہ دور میں ہر متنفس آپ سے مطمئن تھا اور خلافت کے ۲۰ سالہ دور میں بھی کسی کو آپ کے خلاف شکایت کا کوئی موقع نہیں ملا۔ ہر ایک کا دل آپ سے مطمئن تھا حقیقت یہ ہے کہ اپنے دورِ خلافت میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ اُمت کی پوری تاریخ میں آپ کا نام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسے لوگ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:۔

ما رأیت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری جلد۴ ص۳۲۷، طبری جلد۵ ص۳۳۷، ابن الاثیر جلد۳ ص۲۶۳)

میں نے معاویہؓ سے زیادہ امور مملکت کے لائق اور کسی کو نہیں دیکھا"

ایسا ہی عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ :۔

ما رأیت احدًا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسود من معاویۃ فقیل لہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی فقال کانوا واللہ خیرًا من معاویۃ وافضل ومعاویۃ اسود ۔ (اسد الغابہ جلد۴ ص۳۸۶)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاویہؓ سے زیادہ امور مملکت میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ سے کہا گیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ کو بھی، آپ نے فرمایا وہ سب معاویہؓ سے افضل اور بہتر تھے لیکن معاویہؓ

طریق جہاں بانی میں ان سے قابل تھے"۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۱۳۵)
ایسا ہی ایک قول سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۱۳۵)

امور مملکت کے بارہ میں آپ نہایت صاحب بصیرت اور نظر ثاقب کے مالک تھے اسی لیے فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاص رضؓ نے جو خطابت، قدرت کلام اور فکر و نظر کے لحاظ سے ایک خاص امتیازی شان کے حامل تھے سیدنا معاویہؓ کے متعلق فرمایا:۔

میں عاجز آگیا ہوں کہ یہ جان سکوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر، کیونکہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل وقتال کا ارادہ کر لیا ہے اور پھر جب آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر لیا ہے۔

آپ نے سن کر فرمایا:۔

بخدا میں تو اقدام ہی اسی وقت کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ یہ اقدام کا وقت ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ یہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص۷۶)

یہ سب چیزیں آپ کے سیاسی ذہن اور نظر ثاقب پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ثمرات ہیں تقویٰ اور ایمان کے، اسی لیے حدیث نبوی میں مومن کی تعریف یہ آئی ہے کہ:۔

المؤمن لا یخدع ولا یخدع۔ (مشکوٰۃ ص—)

کامل مومن (تقویٰ اور پاکیزگی میں اس قدر بلند مقام کا حامل ہوتا ہے کہ) کسی کو دھوکا دیتا نہیں اور (فراست ایمانی اور بصیرت میں اس قدر ماہر ہوتا ہے کہ) کسی سے دھوکہ کھاتا نہیں"۔

بلکہ وہ تمام معاملات کے عواقب کو فراست ایمانی اور اللہ رب العزت کے ودیعت کردہ نور سے دیکھ لیتا ہے:۔ (ترمذی جلد ۲ ص۱۴۰، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص۵۵۵)

اور اگر کسی سے ایک مرتبہ دھوکہ کھا بھی لے اور کسی سوراخ سے ایک دفعہ ڈسا بھی جائے تو دوسری مرتبہ اس سوراخ میں سے کبھی ڈسا نہیں جاتا"۔ (بخاری جلد ۲ ص۹۰۵)

غرض کہ آپ کے دور خلافت میں سب لوگ شیر و شکر ہو گئے کسی کے قلب میں کوئی کبیدگی اور رنجش نہ رہی، آپس میں وہی محبت، وہی باہمی تعظیم و تکریم اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ اور جذبات کی وہی پاسداری پیدا ہو گئی جو سیدنا صدیق اکبرؓ سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمانؓ کے مبارک زمانوں میں تھی، جن لوگوں نے آپ کے خلاف سیدنا علیؓ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی تھی آپ نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی اور نہ ہی کسی سے کوئی انتقام لیا اور نہ ہی کسی کے متعلق دل میں کوئی میل رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہؓ اور اہل بیت اور دیگر حضرات کی محبت اور عقیدت کا مرکز صرف اور صرف آپ ہو گئے۔

خوارج کی شورش اور اس کا قلع قمع

اگرچہ آپ کے خلیفۃ المسلمین ہوتے ہی ہر طرف امن و سلامتی کا دور دورہ شروع ہو گیا اور مسلمانوں کی سالوں کی باہمی چپقلش محبت و مودّت میں تبدیل ہو گئی، ادھر سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرنے سے سبائی تحریک بھی ظاہری طور پر نیم جان ہو گئی لیکن معاہدہ تحکیم کے وقت انہی لوگوں میں سے کچھ لوگ علیحدہ ہو گئے تھے جو خارجی کہلانے لگے، ان لوگوں نے ملک میں کافی شورش برپا کر رکھی تھی، فیصلہ تحکیم کے بعد ان کا زور بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک خاص سازش کے تحت ان لوگوں نے سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں سیدنا علیؓ تو شہید ہو گئے لیکن دوسرے دو حضرات بالکل مامون و محفوظ رہے۔

صحیحین کی حدیث کے مطابق یہ ایسے لوگ تھے جو قرآن تو پڑھتے تھے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا تھا، آپؐ نے فرمایا:۔

یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیۃ یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد۔ (بخاری جلد ۲ ص ...)

وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر، اہل اسلام کو تو

قتل کریں گے لیکن بُت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں نے انہیں پا لیا تو انہیں اس طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد کو قتل اور فنا کیا گیا تھا۔"

خارجیوں کی سرکوبی

باوجودیکہ وہ اسلام سے نکلے ہوئے تھے اور ملت اسلامیہ سے انہوں نے اپنے آپ کو الگ کیا ہوا تھا، قریش کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت تھی اور جمہور صحابہ پر لعن طعن کرتے تھے لیکن پھر بھی قرآن پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کا نام ہی "قراء" پڑ گیا، نمازیں بہت طویل اور خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔

سیدنا علیؓ نے جنگ نہروان میں ان لوگوں کو خوب قتل کیا تھا اور قتل کے بعد ان کی لاشوں کو بے گور وکفن چھوڑ دیا گیا اور ان لوگوں کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی لیکن چونکہ ان لوگوں کو اسلام دشمنی ورثہ میں ملی تھی کیونکہ یہ لوگ بھی اصل میں تو سبائی ہی تھے اس لیے سیدنا علیؓ کی خلافت کے بعد بھی انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو بدستور قائم رکھا، یہ لوگ سیدنا علی اور سیدنا معاویہؓ دونوں کو گمراہ سمجھتے تھے اور ان کے حامیوں کو مباح المال والدم متصور کرتے تھے۔

سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے بڑے زور شور سے سر اٹھایا اور ۴۱ھ میں ایک خارجی فروہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا۔ آپ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں لیکن انہیں شکست ہوئی، سیدنا معاویہؓ یہ سمجھتے تھے کہ اس بغاوت میں کوفہ والوں کا بھی ہاتھ ہے لہذا انہوں نے کوفہ والوں کو دھمکی دی، اس دھمکی پر اہل کوفہ نے فروہ بن نوفل خارجی کو گرفتار کر لیا لیکن اس کے گرفتار ہوتے ہی خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو اپنا سردار بنالیا، اہل کوفہ نے اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد حوثرہ ابن وداع بن مسعود الاسدی سرداری کے عہدہ پر متمکن ہو گیا (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۵، ۲۰۶) غرض کہ سرداروں کے مرنے سے ان کی جانبازی میں کوئی فرق نہ پڑتا ایک سردار مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا

اور اس طرح ان کی شورش اور بغاوت کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، سیدنا معاویہؓ ان کے اس سلسلے سے ذرا پریشان ہوئے، آپ نے ان کی اس طاقت و قوت کو توڑنے کے لیے سیدنا مغیرہ بن شعبہ جیسے بہترین مدبر کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا، آپ کی گورنری میں شبیب بن بحرہ، معین بن عبداللہ اور ابی لیلی وغیرہ نے سر اٹھایا لیکن آپ نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ان کے زور کو توڑ دیا، پھر ۴۳ھ میں مستور بن علقمہ خارجی نے خفیہ سازش کی کہ عید الفطر کے موقع پر لوگ نماز کے لیے جائیں تو ان پر دفعتہً حملہ کر دیا جائے سیدنا مغیرہ بن شعبہ کو اس کا علم ہو گیا آپ نے فوراً اس کا تدارک فرمایا اور جس گھر میں یہ سازش ہو رہی تھی اس گھر کا محاصرہ کر لیا، مستور بذاتِ خود نکل گیا لیکن سازش میں دوسرے شریک آدمی گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے ــــ سیدنا معاویہؓ کی طرح سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا بھی یہ خیال تھا کہ خارجیوں کی اس شورش میں اہل کوفہ کا ہاتھ ہے، اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے اہل کوفہ کا علاج کیا جائے، آپ کی حکمت عملی میں تلوار سب سے آخری شے تھی لہذا آپ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور فرمایا

لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لیے امن و عافیت چاہتا ہوں اور مصائب کے لیے تمہارے راستہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے اس طرز عمل سے کم عقل لوگ بد آموز نہ ہو جائیں البتہ حلیم اور اہل عقل سے اس چیز کی امید نہیں ہے، بخدا مجھے اندیشہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ اور ناکردہ گناہ لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں قبل اس کے کہ تم پر کوئی مصیبت آئے تم اپنے کم عقل آدمیوں کو روک لو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ منافقت اور مخالفت کا بیج بو رہے ہیں واللہ! وہ لوگ عرب کے جس قبیلے سے بھی متعلق ہوں گے میں ان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دوں گا اور ان کو ان کے بعد آنیوالوں کے لیے عذاب کا نمونہ بناؤں گا۔

(الکامل لابن الاثیر الجزری جلد ۳ ص ۲۱۲، طبری جلد ۶ ص ۱۰۶)

اس تقریر کا بہت اثر ہوا تقریر کے فوراً بعد ہی ایک کوفی سردار معقل بن قیس نے اٹھ

کر کہا کہ آپ ایسے کم عقل لوگوں کا ہمیں پتہ بتائیں ہم خود ان کا علاج کر لیں گے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کر دیں، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جواب دیا کہ میں ایسے لوگوں کے ناموں سے آشنا نہیں ہوں اس پر معقل بن قیسؓ نے کہا کہ پھر ہر قبیلہ کا ذمہ دار آدمی اپنے اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور سب سے پہلے میں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں اس معقول تجویز کو سب نے قبول کیا، لہٰذا تمام قبائل کے سرداروں کو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہو اور اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا اس دھمکی پر تمام سرداران قبائل نے اپنے اپنے قبیلہ کے ان ناعاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی، مستورد نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا، سیدنا مغیرہؓ نے معقل بن قیس کی ماتحتی میں اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں دونوں میں کافی معرکے ہوئے لیکن میدان مستورد اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ ہی رہا، آخر میں مستورد اور معقل بن قیس دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۷)

ان معرکوں میں خارجیوں کی کافی تعداد کام آئی اور جو بچ گئے وہ بھی منتشر ہو گئے جس سے مستورد اور اس کے ساتھیوں کا کافی حد تک زور ٹوٹ گیا۔"

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۷)

بصرہ کی شورش

عراق کا پورا علاقہ سیدنا علیؓ کے ماتحت تھا اور سبائی تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا سیدنا حسنؓ نے جب امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی تو سبائیوں کو اس سے بہت دھکا لگا وہ ظاہری طور پر تو اب کچھ کر نہیں سکتے تھے البتہ اندرونی طور پر انہوں نے مختلف قسم کی شرارتیں اور سازشیں کرنا شروع کر دیں، کوفہ کی اس شورش کو تو مدبر اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنی حکمت عملی سے ختم کر دیا لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی یہاں کے گورنر

عبداللہ بن عامرؓ کچھ غیر معمولی حلیم الطبع اور نرم خُو واقع ہوئے تھے وہ فسادیوں اور فتنہ پردازوں پر بھی سختی کو روا نہیں سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔
زیاد بن ابی سفیان نے جو سیدنا معاویہؓ کے سوتیلے بھائی تھے بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو سختی کرنے کی ہدایت کی لیکن انہوں نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا، یہاں کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہو رہے تھے، اس لیے یہاں کی پبلک نے سیدنا معاویہؓ سے حالات کی درستگی کی اپیل کی، سیدنا معاویہؓ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ گورنر کی نرمی کی وجہ سے ہو رہا ہے اس لیے انہوں نے عبداللہ بن عامر کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن عبداللہ ازدی کو گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ بھی بصرہ کے حالات کو روبہ اصلاح نہ کر سکے آخر ۴ ماہ کے بعد ۴۵ھ میں زیاد بن ابی سفیان کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا اور سچی بات یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کیلئے یہ نہایت موزوں آدمی تھا یہ نہایت قادر الکلام مقرر اور شعلہ بیان خطیب تھے انہوں نے آتے ہی ایک ایسی تقریر کی جو زور بیان اور الفاظ کے شکوہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی اس تقریر کے آخر میں آپ نے فرمایا :-

"میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ اور عداوت تھی وہ میں نے آج اپنے پاؤں تلے روندی ہے میں کسی سے محض دشمنی کی وجہ سے مؤاخذہ نہیں کروں گا اور نہ کسی کے عیوب کی پردہ دری کروں گا مگر یہ کہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہو جائے بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں یہی کوشش کروں گا کہ اس سے چشم پوشی کروں تم میں اگر کوئی محسن ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے احسان میں زیادتی ہی کرے، اور اگر کوئی بُرا ہے تو اسے اپنی برائیوں سے یک قلم باز آ جانا چاہیئے، تم لوگ اطاعت و فرمانبرداری سے میرے ساتھ تعاون کرو حق تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا" اخبار الطوال ص ۲۱۹، ۲۲۰، ابن الاثیر نے الکامل میں یہ خطبہ کافی لمبا نقل کیا ہے جو کہ فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار بھی ہے۔ (جلد ۳ ص ۲۲۳)

یہ تو تھی زبانی فہمائش، لیکن یہ لوگ زبانی فہمائش سے سمجھنے والے نہیں تھے لہٰذا آپ نے ساتھ ہی بصرہ میں رات کا کرفیو لگا دیا، پولیس کی بھاری جمعیت راتوں کو گشت کرتی اور

وقت مقررہ کے بعد جو شخص باہر نظر آتا اسے گرفتار کر لیا جاتا اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت بہت جلد درست ہو گئی اور مملکت اسلامیہ میں کافی حد تک فتنہ پردازوں کا خاتمہ ہو گیا۔"

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے کوفہ کے حالات کو درست فرما دیا تھا لیکن ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا سیدنا معاویہؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں پھر فتنہ پرداز اپنی خفیہ سازشوں کو بروئے کار نہ لے آئیں، لہٰذا ضروری تھا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ جیسا مدبر ہی کوفہ کا گورنر بنایا جائے [۱] زیاد کے تدبر اور حکمت عملی کو سیدنا عمر الفاروقؓ تک نے مانا ہوا تھا۔ (ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۰۶، ۴۰۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۹) اور خود سیدنا علیؓ نے اس کے تدبر اور ان کی عدل گستری کی وجہ سے ۲۹ھ میں ان کو فارس کا گورنر مقرر فرمایا تھا (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۰) اس لیے سیدنا معاویہؓ نے کوفہ کی ولایت بھی ان زیاد ہی کے سپرد فرما دی اس لحاظ سے زیاد سب سے

---

[۱] زیاد بن ابی سفیانؓ کے بارہ میں بھی لوگوں کے ذہنوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، بتایا یہ جاتا ہے کہ وہ بہت ظالم تھے حالانکہ یہ غلط ہے، بصرہ اور کوفہ چونکہ سبائی مرکز تھے اور سبائی یہاں آئے روز خلافت اسلامیہ کے خلاف شورش برپا کرتے رہتے تھے ان کی شورش کو انہوں نے اپنی منتظمانہ قابلیت سے فرو کیا جس میں ہمیشہ کچھ سختی بھی کرنا پڑتی ہے لہٰذا انہی لوگوں نے ان کو درشت مزاج، سنگدل اور جلاد قسم کے الفاظ سے یاد کیا، حالانکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت نیکدل اور زاہد شب زندہ دار شخص تھے، چنانچہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں!

کان یعد فی الزھاد۔

"وہ زاہدوں میں سے شمار ہوتے تھے" (تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۰۶)

"جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے"

کان زیاد ممن اعتزل یوم الجمل ولم یشھد المعرکۃ وقعد فی بیت رافع بن الحارث۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۰۸)

"زیاد ان لوگوں میں ہیں جو جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے تھے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے اور رافع بن الحارث کے گھر میں بیٹھے رہے۔"

پہلے آدمی ہیں جو بیک وقت کوفہ اور بصرہ دونوں صوبوں کے گورنر تھے، آپ چھ مہینے کوفہ میں رہتے اور چھ مہینے بصرہ میں (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۳، کتاب الوسیط احمد الاسکندری ص ۱۱۷)

کوفہ کے لوگ چونکہ ان کے مزاج سے واقف نہیں تھے لہٰذا ان کے گورنر ہوتے ہی انہوں نے معمولی سی شورش برپا کی زیاد بن ابی سفیان نے سختی سے ان کی شورش کو بالکل دبا دیا۔

بغاوتیں

ان اندرونی شورشوں کے علاوہ متعدد مفتوحہ علاقوں میں معمولی بغاوتیں بھی ہوئیں لیکن آپ نے ان بغاوتوں پر جلد ہی قابو پالیا، آپ کے امیر المومنین ہونے کے ساتھ ہی ۴۱ھ میں ہرات، بلخ، باوینس اور پوشنج وغیرہ علاقوں کے باشندوں نے بغاوت کی، مشرقی ممالک کے گورنر سیدنا عبد اللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے قیس بن ہثیم کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا، گورنر مقرر ہونے کے بعد قیس خراسان سے بلخ پہنچے اور یہاں کے باشندوں کی بغاوت کو فرو کیا اور بلخ کے مشہور آتش کدہ نوبہار کو مسمار کیا، جس سے باغیوں کے قلوب پر بہت رعب پڑا، عبد اللہ بن خازم نے ہرات اور دوسرے علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کر کے انہیں زیر کیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۸)

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اہل اسلام نے کابل اور اس کے ملحقہ علاقوں کو بھی اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن بعد میں مسلمانوں کی آپس کی چپقلش نے ان لوگوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع دے دیا، چنانچہ ۴۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی، سیدنا عبد اللہ بن عامرؓ نے عبد الرحمٰن بن سمرہ کو سجستان کا والی بنا کر بھیجا اور کابل اور اس کے ملحقات کی بغاوت فرو کرنے کی خاص ہدایات دیں۔ آپ نے آتے ہی کابل کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں کے ذریعہ سنگ باری کر کے شہر کی فصیل کی دیواروں کو شق کر دیا، عباد بن حصین ساری رات ان شگافوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کہیں دشمن ان کو پُر نہ کر دیں، شہر والوں نے جب کوئی چارہ رہائی نہ سمجھا تو شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کی

قوت کی تاب نہ لاکر شکست فاش کھائی (ابن الاثیر جلد ۳ صـ۲۱۷) یعقوبی نے لکھا ہے کہ شہر پناہ کے دربان نے شہر کا پھاٹک کھول دیا تھا (یعقوبی جلد ۲ صـ۲۵۸)

کابل کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے بست کا رُخ کیا اور وہاں بھی وہ حالات کو جلد اپنے قابو میں لے آئے، یہاں کے حالات پر قابو پانے کے بعد لشکر اسلام نے زران کا رُخ کیا یہاں کے لوگوں نے بغیر جنگ کے سپر ڈال دی اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ہی شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد طخارستان کو زیر کیا گیا اور پھر رنج پر قبضہ کرتے ہوئے اسلامی لشکر غزنہ پہنچا اہل غزنہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی، اس طرح پورے باغی علاقے پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور سجستان سے لے کر غزنہ تک کا پورا علاقہ جو بغاوت کی وجہ سے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا پھر مسلمانوں کی ماتحتی میں آ گیا۔
(ابن الاثیر جلد ۳ صـ۲۱۷)

۴۷ھ میں غوریوں نے بغاوت کی لیکن حکم بن عمرو غفاری نے اسے جلد ہی فرو کر دیا (ابن الاثیر جلد ۳ صـ۲۲۶) غرض کہ جہاں بھی فتنہ و بغاوت کے آثار نظر آئے فوراً اس کا تدارک کیا گیا اور چار پانچ سال کے عرصہ ہی میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے ملک میں فساد اور بغاوت کی جو ہوائیں اٹھی تھیں درشتی اور نرمی سے ان کے رُخ کو پھیر دیا گیا اور حالات یہاں تک خوشگوار ہو گئے کہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے زمانوں کی یادیں مسلمانوں کے ذہنوں اور نظروں کے سامنے پھر سے پھرنے لگیں۔



اِصْلاحَات

سیدنا علیؓ کے زمانہ میں بیرونی فتوحات کا زمانہ یک قلم منقطع ہو چکا تھا کیونکہ مسلمانوں کو اپنی ان خانہ جنگیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی جو دشمنان اسلام نے ان کے درمیان پیدا کر دی ہوئی تھیں، اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی دشمن ایک دوسرے کو اکساتے اور اسلام کی اس خلافت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے جس کی بنیاد سیدنا صدیق اکبرؓ کے وجود باجود سے پڑی تھی، چنانچہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جن دنوں جنگ صفین ہوئی تھی انہی دنوں قیصر روم نے اسلامی سرحدوں پر اپنی فوج کو مجتمع کرنا شروع کر دیا تاکہ مسلمانوں کے اس خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر اچانک حملہ کر دے سیدنا معاویہؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اسے لکھا ؎

یا لعین واللہ! لئن لم تنتہ وترجع الی بلادک لاصطلحن انا وابن عمی علیک ولاخرجنک من جمیع بلادک ولاضیقن علیک الارض بما رحبت۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۱۹)

اے لعین! بخدا! اگر تو (اس کام سے) باز نہ آیا اور (اپنے لشکروں کے ساتھ) اپنے شہروں میں واپس نہ چلا گیا تو میں اور میرا چچا زاد بھائی (علی) آپس میں تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال دیں گے اور زمین کو باوجود اس کی وسعت کے تجھ پر تنگ کر دیں گے۔

سیدنا معاویہؓ کے اس جواب سے قیصر روم بہت خوف زدہ ہو گیا اور واپس چلا گیا بلکہ صلح کے لیے ایک وفد سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا۔"

قیصرِ روم کو یہ جرأت صرف اس لیے ہوئی تھی کہ مسلمان باہمی خانہ جنگی کا شکار تھے اور بیرونی فتوحات کا سلسلہ بالکل معطل ہو چکا تھا آخر پانچ چھ سال کے بعد جب زمامِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ آئی تو آپ نے پھر وہی سلسلہ قائم کر دیا جو خلافت فاروقی اور خلافتِ عثمانی میں تھا، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ جن کا قول اُوپر نقل کیا گیا ہے فرماتے ہیں کہ :-

الجهاد فی بلاد العدو قائم وکلمة الله عالیة والغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔

(سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دور خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گذارتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۹)

گویا یہ ہر جانب مرفہ حالی کا دور دورہ تھا سلطنت کی پہنائیوں میں ہر جانب اضافہ ہو رہا تھا۔ بحری بیڑہ تو سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ہی آپ نے تیار کر لیا تھا اب اس کو اچھی خاصی ترقی دی گئی جس کے باعث سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھریرا لہرانے لگا، رعیت کی گرویدگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسنِ سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے دل کو موہ لیا تھا اسی لیے تو ابن تیمیہؒ کو کہنا پڑا :-

کانت سیرة معاویة مع رعیته من خیار سیر الولاة وکان رعیته یحبونه وقد ثبت فی الصحیحین عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم و یبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم۔ (منهاج السنة ج ۳ ص ۱۸۹)

سیدنا معاویہؓ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت

کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے
لیے دعائیں کریں' اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بُغض رکھو اور وہ
تم سے بُغض رکھیں اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں"۔

تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے جہاں بیرونی فتوحات
کیں وہاں اندرونِ ملک بھی پبلک اور رعایا کی بہتری کے لیے مختلف اصلاحات نافذ
کیں، چنانچہ شیعی مؤرخ امیر علی کو متعصب ہونے کے باوجود یہ لکھنا پڑا :۔

On the whole Muawiyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad. (History of Saracens, P. 82)

"مجموعی طور پر سیدنا معاویہؓ کی حکومت اندرونِ ملک بڑی خوشحال اور پُرامن
تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی"۔

آپ نے ملک کے غیر منظم معاملات کو پھر سے منظم کیا، ملک کو مختلف صوبوں میں
تقسیم کیا اور ہر صوبے کو خود کفیل بنایا، ہر صوبہ کی سالانہ آمدن کو اُسی صوبہ کی ترقی پر خرچ
کرنے کی ہدایات دیں سوائے ایک مختصر سی رقم کے جو ہر سال مرکز کو بھیجی جاتی تھی' ہر
صوبے کی زکوٰۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہیں صرف ہوتی، اس سے
یہ ہوا کہ ہر صوبے میں ترقی اور خوشحالی کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگ ایک دوسرے
سے بڑھ چڑھ کر بیت المال کے لیے رقم دیتے لیکن اس معاملہ میں آپ نے زیادہ تر
فارُوقی اصولوں کو اپنایا۔

رفاہِ عام کے کام

آپ نے لوگوں کی بہتری کے بہت سے کام کیے لیکن اس معاملہ میں وہ بھی
زیادہ تر فاروقی اور عثمانی اصولوں پر عمل کرتے رہے۔ رعایا کے بچوں کی پرورش کیلئے

وظائف سب سے پہلے سیدنا عمرؓ نے مقرر فرمائے تھے خلافتِ عثمانی میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا مگر وقتاً فوقتاً اس میں کچھ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آپ نے بھی اپنے زمانہ میں اس چیز کو قائم رکھا البتہ اس میں یہ تبدیلی اور ترمیم فرمائی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ شروع ہو جاتا لیکن آپ نے دودھ چھڑانے کے بعد اس کا وظیفہ جاری فرمایا۔ (فتوح البلدان ص۴۶۴) علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ بقریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے کہ کس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، وہ سرکاری ملازمین نہ صرف بچوں کی پیدائش کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خبر رکھتے کہ کسی کے ہاں کون مہمان آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ اور ان سب حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۴)

مساجد کی تعمیر

آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں کثرت سے نئی مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سی پرانی مساجد کو از سرِ نو تعمیر کروایا، چنانچہ زیاد بن ابی سفیانؓ نے بصرہ کی جامع مسجد کو جو کہ بہت پرانی بھی تھی اور چھوٹی بھی، مسمار کروا کر از سرِ نو اینٹ اور چونے سے نہایت وسیع اور خوب صورت شکل میں بنوایا اور اس کی چھت ساکھو کی بنوائی۔

(فتوح البلدان بلاذری ص۳۵۵، معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد ۴ ص۳۲۳،۳۲۴)

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بصرہ میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی مصر کی مساجد میں میناروں کا بالکل رواج نہ تھا، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ نے تمام مساجد کے مینار تعمیر کرائے۔

(الاصابہ لابن حجر جلد ۴ ص۲۱۹ تذکرہ مسلمہ بن مخلد)

قبرص میں جس کو خلافتِ عثمانی میں سیدنا معاویہؓ ہی نے فتح کیا تھا، بہت سی مساجد تعمیر کروائی گئیں۔ (فتوح البلدان ص۱۶۰) سیدنا عقبہ بن نافعؓ نے قیروان کی آبادی میں ایک بہت بڑی جامع مسجد تعمیر کروائی۔ (فتوح البلدان ص۲۳۰، معجم البلدان ذکر قیروان)

مصر میں مسجدوں کے میناروں کا رواج بھی سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا۔ (مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۴۸) اور عراق کی بصرہ مسجد میں بھی زیاد بن ابی سفیان نے سب سے پہلے پتھر کے مینار بنوائے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۳۵۶)

غلافِ کعبہ

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانوں میں بیت اللہ پر معمولی قسم کا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ سیدنا عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قیمتی غلافوں کا چڑھانا شروع کیا، لیکن آپ نے ایک تو خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے متعدد غلام مقرر کیے دوسرے دیبا اور حریر کا بہترین غلاف بیت اللہ پر چڑھایا۔ (یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳)

غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

مسلمان تو مسلمان آپ نے غیر مسلموں کے حقوق کی بھی حفاظت پوری طرح فرمائی، ان کے معاہدات اور جذبات کا پورا پورا احترام کیا اور ان کے جان و مال کی اچھے طریقے سے حفاظت فرمائی، چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں یوحنّا کے گرجے کے پاس ایک مسجد بنائی گئی تھی سیدنا معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں مسجد کو وسیع کرنے کے خیال سے گرجا کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائی گرجا کی زمین دینے پر راضی نہ ہوئے، لہٰذا آپ نے مسجد کی وسعت کا ارادہ ترک فرما دیا اور زبردستی گرجا کو مسجد میں شامل نہ کیا تاکہ ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱)

آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت ہو اور اُن کے گورنروں اور حکام کے ہاتھوں کسی غیر مسلم کی جان اور مال کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ عقبہ بن عامر صحابی رسول کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا وہ مصر کے ایک گاؤں میں اپنا رہائشی مکان بنوانا چاہتے تھے، اس غرض کے لیے سیدنا معاویہؓ نے

انہیں ایک ہزار جریب زمین دی، انہوں نے ایک غیر آباد زمین اس مقصد کے لیے منتخب فرمائی، آپ کے خادم نے کہا حضرت! یہ جگہ غیر آباد ہے مکان کی تعمیر کے لیے یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے اس لیے آپ کوئی عمدہ قطعہ زمین منتخب فرمائیے، سیدنا عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی ذمی کی زمین اس کے قبضہ سے نکال کر اپنا مکان تعمیر کراؤں۔ (مقریزی جلد ۱ ص۲۰۸)

زراعت اور اُس کے وسائل کی ترقی

آپ نے زراعت اور اس کے وسائل کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی، چنانچہ آپ نے زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوائیں جن سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی جس سے ملک کی زراعت میں بہت ترقی ہوئی، چنانچہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ (وفاء الوفا للسمہودی جلد ۲ ص۱۱۷، خلاصۃ الوفاء ص۱۳۶) زیاد بن ابی سفیان نے نہر معقل کو جو کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں سیدنا معقلؓ نے کھدوائی تھی دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔ (فتوح البلدان ص۳۶۶) بخارا کے کوہستان سے عبید اللہ بن زیاد نے بھی ایک نہر کھدوائی۔ (طبری جلد ۷ ص۱۶۱)
نہروں کی کھدائی کے علاوہ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر بڑے بڑے تالاب بنوائے گئے جن میں موسم برسات میں پانی جمع ہوتا اور ضرورت کے وقت آبپاشی اور دیگر کاموں میں لایا جاتا۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص۳۲۱)
پانی کی اس فروانی سے ملک کی زرعی حالت میں کافی حد تک ترقی ہوئی، چنانچہ صرف مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہروں سے ڈیڑھ لاکھ وسق کھجوریں اور ایک لاکھ وسق گندم پیدا ہوتی تھی۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص۲۳۷)



زراعت کیلئے پانی کی فراہمی

زراعت کے لیے پانی اشد ضروری ہے، زمینوں کو پانی وافر ملے تو وہ بہت جلد زرخیز ہو جاتی ہیں بلکہ سونا اُگلنے لگتی ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں زراعت کے لیے اور لوگوں کے پینے کے لیے وافر پانی فراہم کیا، آپ نے مختلف علاقوں میں نہریں کھدوائیں اور پانی ذخیرہ کرنے کے لیے تالاب بنوائے اور عراق کے علاقہ میں ایک نہر بنوائی۔ روایات میں ہے کہ آپ نے زیاد بن ابی سفیان کو نہر کی کھدوائی کا حکم دیا، اور بعض روایات کے مطابق یہ کام عبدالرحمن بن ابی بکرہؓ کے ذریعہ سر انجام دیا، جب نہر کی کھدائی مکمل ہوگئی تو پانی کے اجراء کے لیے زیاد نے صحابیٔ رسول سیدنا معقل بن یسارؓ کو اس کے افتتاح کے لیے زحمت دی، چنانچہ انہوں نے آکر اس نہر کا افتتاح فرمایا، اس نہر کا نام نہرِ معقل رکھا گیا۔

(فتوح البلدان ص۲۶۶)

مدینہ طیبہ میں بھی اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر کھودی گئی، جب اس نہر کی کھدائی میدانِ احد میں سے ہوئی (کیونکہ اس نے یہاں سے گذر کر جانا تھا) تو حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقرباء یہاں مدفون ہیں وہ انہیں کہیں دوسری جگہ منتقل کر لیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے اپنے اعزاء و اقرباء کے مزارات کو کھولا تو دیکھا کہ ان شہداء کے جسم بالکل اسی طرح تر و تازہ ہیں حالانکہ انہیں وہاں دفن ہوئے چالیس سال سے زائد عرصہ گذر چکا تھا۔ سیدنا حمزہؓ کے قدم مبارک پر کوئی چیز لگنے سے خون جاری ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۴۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ ص۲۹۱، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص۳۹۴، ص۴۰۶، المصنف لعبدالرزاق جلد ۳ ص۵۱۷، کتاب التمہید لابن عبدالبر جلد ۱۳ ص۱۴۲)

مدینہ طیبہ سے تقریباً بیس میل دور چوپایوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے

آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک تالاب بنوایا جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا، یہ ایک نشیبی علاقے میں تھا، لوگ اس سے اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے، لوگ اسے "سدِ معاویہؓ" کے نام سے پکارتے تھے۔ (بلاد العرب ص ۴۰۱ کتاب المناسک ابن حرب ۳۴۰)

نئے شہروں کی تعمیر

پیداوار کی زیادتی سے ملکی آبادی میں بھی اضافہ ہوا جس سے اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں کیونکہ زمین کے مزروعہ ہونے سے رہائشی زمین کم ہو گئی۔ چنانچہ ۴۲ھ میں انطاکیہ میں ایک نوآبادی قائم کی گئی۔ (فتوح البلدان ص ۱۵۱) روڈس اور کئی دوسرے جزیروں میں بھی جہاں غیر مسلم آباد تھے اہلِ اسلام کو بسایا گیا۔ (فتوح البلدان ص ۲۴۴) علاوہ ازیں کئی ویران شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا گیا، جیسے شام کا ویران شدہ شہر عرقہ، اس کے علاوہ کئی نئے شہر بھی آباد کیے گئے، جیسے افریقہ میں ایک نیا شہر قیروان بسایا گیا، اس شہر کی تعمیر کی وجہ تاریخ کے اوراق میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے سیدنا عقبہ بن نافعؓ افریقہ کے گورنر تھے، اس سے قبل سیدنا معاویہ بن حدیجؓ نے افریقہ کے ان علاقوں کو فتح کیا تھا اور یہاں کی بربر قوم کو مطیع و منقاد بنایا تھا، اہلِ اسلام کی زبردستی کو دیکھ کر بربر زیردست تو ہو گئے اور وقتی طور پر انہوں نے اسلام کا حلقہ بھی اپنی گردن میں ڈال لیا لیکن جونہی مسلمانوں کا لشکر وہاں سے ہٹا تو وہ سارے لوگ جو مسلمان ہوئے تھے مرتد ہو گئے اور اسلامی لشکر کے پیچھے مسلمانوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا، معاویہؓ بن حدیج کے بعد عقبہ بن نافعؓ وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، انہوں نے بربروں کی اس آئے دن کی غارت گری سے اہلِ اسلام کو بچانے کے لیے وہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جس جگہ شہر اور فوجی چھاؤنی بنانا مقصود تھا وہاں میلوں میں گھنا جنگل تھا اور اس میں نہایت موذی قسم کے سانپ اور جنگلی درندے رہتے تھے اور انسانی فکر میں یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سانپوں اور درندوں سے اس گھنے جنگل

کو خالی کراکر وہاں شہر آباد کیا جاسکے گا، بربر لوگ مسلمانوں کے اس منصوبے کو حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی تکمیل کو بالکل ناممکن خیال کرتے تھے، ایک روز سیدنا عقبہ بن نافع گورنر افریقہ نے جنگل کے ایک کنارے پر کھڑے ہوکر ان جنگلی جانوروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"ایتھا الحیات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحلوا عنا فانا نازلون، ومن وجدناہ بعد ذلک قتلناہ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۰)

اے سانپو اور درندو! ہم رسول اللہ کے صحابی ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ ہم اس جنگل کو اپنا ٹھکانا بنانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد ہم جس جانور کو اس جنگل میں دیکھ لیں گے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

اس روز ایک نہیں ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ جنگل کے وہ سانپ اور درندے اور دوسرے موذی جانور اپنے بچوں کو چمٹائے اس جنگل کو چھوڑ رہے تھے اور اسی روز وہ جنگل ان موذی جانوروں سے یکقلم خالی ہوگیا، یہ دیکھ کر بربروں کی ایک کثیر تعداد خلوص دل سے مسلمان ہوگئی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۰، معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۱۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۴۵، ہسٹری آف دی سیر بز صفحہ ۷۹)

جنگل خالی ہونے کے بعد وہاں قیروان نامی ایک شہر آباد کیا گیا اور ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی، لوگوں نے بھی اپنے مکانات تعمیر کیے اور اپنے محلوں میں مساجد بنائیں جس سے ان کو پانچ وقتی نمازیں سہولت ہوگئی۔ شہر کی وضع اس طرز کی تھی کہ شہر کے عین وسط میں دارالامارت تھا اور اس کے اردگرد چاروں طرف مسلمانوں کے محلے بنائے گئے، اس شہر کی تکمیل ۵۵ھ میں ہوئی۔ یہ شہر صرف اسلئے بسایا گیا تھا تاکہ افریقی بربروں کو مطیع و منقاد رکھا جاسکے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم تھے کہ جب تک ان کے سروں پر فوجی طاقت مسلط نہ رہتی وہ بغاوت سے باز نہ آتے تھے، یہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی قائم کی گئی۔

اس شہر نے بعد کے زمانہ میں اس قدر ترقی کی کہ یہ شمالی افریقہ کا ایک بہت بڑا شہر بن گیا۔

نقل و حمل کا انتظام

آپ کے زمانہ میں نقل و حمل (Communication) کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا اور خصوصی طور پر ڈاک کے لیے "البرید" کے نام سے ایک مستقل محکمہ بنایا گیا کیونکہ اس سے قبل ڈاک اور خبر رسانی کیلئے کوئی باقاعدہ محکمہ نہیں تھا (النظم الاسلامیہ ص ۲۵۴) اس کا نظام یہ تھا کہ بارہ بارہ میل کے فاصلہ پر چوکیاں قائم کی گئیں جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے، علامت کے طور پر ان گھوڑوں کی دُموں کو تھوڑا سا کاٹ دیا گیا تھا تاکہ گھوڑے کو دیکھتے ہی لوگ سمجھ لیں کہ ڈاک جا رہی ہے، گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں بندھی ہوتی تھیں تاکہ چوکی پر پہنچنے سے قبل ہی چوکی کے ہرکارے کو پتہ چل جائے کہ ڈاک آرہی ہے، اس طرح سے سرکاری ہرکارے منزل بمنزل ڈاک اور خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے اور لے جاتے۔ (الفخری ص ۹۷)

رعایا سے سلوک

بیت المال کا منہ رعایا اور اس کے آرام و آسائش کے لیے کھول دیا گیا تھا اور ہر حاجتمند وہاں سے اپنی حاجت کے مطابق لے سکتا تھا، خصوصی طور پر اہلبیتِ نبوت پر تو ہر وقت داد و دہش ہوتی رہتی تھی، چنانچہ دس دس لاکھ درہم سالانہ سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو دیا جاتا تھا۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ص ۸۲۳)۔ اس کے علاوہ ان بزرگوں کو عطیات اور ہدیوں کی شکل میں بھی بہت کچھ دیا جاتا تھا۔ (مقتل ابی مخنف ص ۱۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸، ص ۱۵۰، ص ۱۵۱) بلکہ ایک دفعہ تو سیدنا حسنؓ کو چالیس لاکھ درہم دیئے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) بیت المال

کے سابق مصارف کو اسی طرح قائم رکھا، اکابر صحابہ کے جو وظائف جاری تھے ان کو بھی برابر جاری رکھا بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا۔

جس طرح دوسرے تمام خلفائے راشدینؓ اُمہات المؤمنینؓ کی خدمت کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے، سیدنا امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ کی رقم سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا اور دوسری اُمہات المؤمنینؓ کو پیش کی۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵) اگرچہ آل ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان واشراف آپ کے خلاف رہے تھے لیکن آپ کی فیاضی کا ابر ہمیشہ ان پر برستا رہا۔ (الفخری ص ۵۵) ایک دفعہ سیدنا عقیلؓ کو جو کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے بڑے بھائی تھے، چالیس ہزار درہموں کی ضرورت تھی وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور انہوں نے فوراً ان کی مطلوبہ رقم ان کو دے دی۔ (اسد الغابہ لابن الاثیر تذکرہ عقیلؓ) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو کسی زمانہ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ساتھیوں میں سے ہونے کی وجہ سے آپ کے مخالف تھے ہمیشہ آپ کی تعریف کے گُن گایا کرتے تھے کہ "لوگ معاویہؓ سے بحر بیکراں کی طرح مستفیض ہوتے ہیں۔" (طبری جلد ۴ ص ۱۸۸)

اس کے علاوہ بیت المال کی آمدن کو ملک کے دفاعی، زرعی اور رفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا۔ مثلاً بحریہ کو ترقی دی گئی، فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا، قلعے تعمیر کرائے گئے، البرید (ڈاک) کا محکمہ قائم کیا گیا، نہریں کھدوائی گئیں، مساجد تعمیر کروائی گئیں اور اسلامی نوآبادیات قائم کی گئیں جس سے ملک مستحکم اور رعایا خوشحال ہو گئی۔[1]

---

[1] بعض لوگوں نے بیت المال کے سلسلے میں سیدنا معاویہؓ پر بہت سے الزامات لگائے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ بیت المال کی اکثر آمدنی اپنی ذات پر صرف کرتے تھے۔ یہ بات عقلی اور نقلی دونوں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قضا و عدالت

آپ کے دورِ حکومت میں نہ صرف ظاہری رفاہی کام کیے گئے بلکہ معنوی طور پر بھی رعایا اور پبلک کو آرام و آسائش بہم پہنچائی گئی، یعنی ظلم و جور میں رعایا کی دادرسی کی گئی، عدل و انصاف کو ہر ممکن طریق سے قائم کیا گیا۔ آپ کو انصاف اور عدل کا اتنا اہتمام تھا کہ مسعودی جیسا شیعی ذہن رکھنے والا مؤرخ بھی لکھتا ہے کہ آپ دربار میں جانے سے قبل روزانہ مسجد میں جاکر کمزور، ناتواں اور نادار اور لاوارث بچوں تک

(بقیہ حاشیہ از گذشتہ صفحہ) لحاظ سے بالکل غلط ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ کی زندگی بالکل ہی سادہ تھی اور آپ منبر پر بھی پھٹی ہوئی قمیص سے خطبہ ارشاد فرماتے۔ (کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل ج صـ۱۷۲) بلکہ دمشق کے بازاروں میں بھی پھٹے ہوئے لباس سے جاتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ۱۳۴) آپ کا یہی پھٹا ہوا لباس لوگ تبرک کے طور پر لے جاتے پھر جب وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر لوگ مدینہ طیبہ میں آتے تو یہاں کے لوگ بڑی بڑی رقمیں دے کر ان کپڑوں کو خرید لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابیٔ رسول سیدنا ضحاک بن قیسؓ ایک نہایت بوسیدہ چادر اوڑھے ہوئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، آپ روضۂ اقدس اور منبرِ نبوی کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوالحسن البراد نے آپ پر اوڑھی ہوئی چادر کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ سیدنا معاویہؓ کی چادر ہے، ابوالحسن نے اُن کو ایک عام آدمی سمجھتے ہوئے ان سے وہ چادر خریدنی چاہی اور تین سو دینار تک ان کو دینے چاہے مگر سیدنا ضحاکؓ نے نہ لیے، اس کے بعد سیدنا ضحاک بن قیسؓ نے اپنے دوست حویطب بن عبدالعزیٰ کے گھر جاکر دوسری چادر اوڑھ لی اور یہ چادر لاکر ابوالحسن کو مفت ہی دیدی اور فرمایا: "بدترین ہے وہ آدمی جو تبرک میں ملی ہوئی شے کو فروخت کرے، لو تم اسے پہن لو" (ابن عساکر جلد ۷ صـ۶)

آپ کی سادگی اور لباس کی یہ بوسیدگی صاف صاف بتا رہی ہے کہ آپ بیت المال کی آمدنی اپنی ذات پر مطلق صرف نہیں فرماتے تھے اگر ایسا کرتے تو کم از کم اپنا لباس تو اچھا بنواتے۔

کی شکائتیں سنتے اوران کا تدارک کرتے، بلکہ اشراف واعیان تک کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جو لوگ کسی وجہ سے میرے پاس نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات مجھ سے بیان کیا کریں۔ (مروج الذہب جلد ۲ صہ۷۱) سید امیر علی نے عوام کی شکایات سننے کے لیے مسجد میں جانا ظہر کا وقت لکھا ہے۔ (ہسٹری آف دی سیرسنز صہ۸۲)

اس کا اثر یہ ہُوا کہ مفلس اور تونگر، کمزور اور طاقتور اور چھوٹے بڑے سب کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہوگئیں اور آپ کو نہ کسی اندرونی خطرے کا اندیشہ رہا اور نہ بیرونی کا، اور ملک کا نظام گذشتہ ۵ سالہ سیاسی بحران کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔

عدلیہ کو بالکل آزاد رکھا گیا تھا یہاں تک کہ ایک قاضی امیر المومنین کو بھی عدالت میں طلب کرسکتا تھا، قاضی حضرات کتاب وسُنّت کی روشنی میں اپنا کام کرتے تھے۔ اس دور کے قاضی ہر قسم کے غلط لوازمات سے پاک، متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدود اللہ میں بڑے سے بڑے افسر سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، منصب قضا عموماً صحابۂ کرام کے سپرد تھا۔ (النظم الاسلامیہ صہ۲۳۴)

سیدنا معاویہؓ نے پہلے فضالہ بن عبید اللہ الانصاری کو اور ان کے بعد ابوادریس الخولانی کو محکمۂ قضاء کا انچارج مقرر فرمایا تھا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صہ۲۶۲)



عسکری نظام

آپ نے نہ صرف اندرونِ ملک ہی رفاہی امور کی طرف توجہ دی بلکہ ایک بہترین عسکری نظام بھی قائم فرما کر ملک کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط ترین بنا دیا، جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سپہ سالاری کا عہدہ کئی پشتوں سے بنی اُمیہ میں چلا آرہا تھا، خود آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ ساری عمر فوج کے سپہ سالار رہے اور آپ نے بھی کئی مواقع پر فوج کی سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے اس وجہ سے آپ کے زمانہ میں فوج کے صیغہ میں خاصی ترقی ہوئی۔

افواج

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر الفاروقؓ ہی کے زمانہ سے بڑا مستحکم تھا لیکن آپ نے پھر بھی اس میں بہت سے اضافے کیے، فوجیوں کی تنخواہیں دُگنی کر دی گئیں اور ان کی ادائیگی میں خاص تاریخ کا تعین کر دیا گیا۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۸)

فوج دو حصوں میں تقسیم تھی، تنخواہ دار فوج اور رضا کار۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۸)

لیکن آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج میں منتقل کر دیا۔

آپ کے عہد میں باقاعدہ فوج کی تعداد ۲ لاکھ بیس ہزار تھی جو کہ حسب ذیل چھاؤنیوں میں رہتی تھی:۔

کوفہ کی چھاؤنی میں	۶۰ ہزار
بصرہ " " "	۸۰ ہزار
مصر " " "	۴۰ ہزار
شام " " "	۶۰ ہزار

(التمدن الاسلامی از جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۲۶، ص ۱۲۸)

موسموں اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے فوج کے دو حصے کر دیئے گئے تا کہ فوجی مہموں میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئے۔

(۱) شتائیہ ———— (سرمائی فوج)
(۲) صائفہ ———— (گرمائی فوج)

علاوہ ازیں ایک ریزرو (Reserve) فوج کی تشکیل کی گئی، اس فوج کے سپہ سالار سیدنا معاویہؓ کے خصوصی فوجی مشیر تھے، ریزرو فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

(۱) بری (زمینی فوج)
(۲) بحری (سمندری فوج)

فوج میں زیادہ تر دو قبیلوں کے لوگ تھے۔ (۱) یمنی اور (۲) قیسی یمنیوں کو بحری ریزرو فورس میں اور قیسیوں کو بری ریزرو فورس میں شامل کیا گیا بعدازاں ان دونوں کو یکجا کر دیا گیا۔ (التمدن الاسلامی جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۲۶)

فوج کے اسلحہ میں بھی اضافہ کیا گیا اور منجنیق (ایک توپ جس میں پتھر استعمال ہوتا تھا) کا استعمال تو سب سے پہلے آپ ہی کی فوج نے کیا، چنانچہ کابل کے محاصرہ میں اسی منجنیق کے ذریعہ سنگ باری کر کے شہر پناہ کو مسمار کیا گیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۵۸)

اسلامی بحریہ بحری فوج کی اگرچہ خلافتِ عثمانی میں آپ ہی نے تشکیل کی تھی لیکن اپنے دورِ خلافت میں آپ نے اس میں بہت اضافہ کیا، سیدنا عثمانؓ کے دور ہی میں پانچسو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا گیا تھا لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑا اس قدر طاقتور ہو چکا تھا کہ بازنطینی بیڑا بھی جو دنیا کا سب سے بڑا بیڑا سمجھا جاتا تھا اس کے سامنے بالکل گرد تھا، چنانچہ روڈس اور ارواڈ وغیرہ جزائر کی مہمات پر اسلامی بحریہ ۱۷۰۰ جنگی جہازوں پر مشتمل تھی۔

(الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ص ۱۵۸)

مسلمانوں نے بحریہ کا مرکز بحیرۂ روم کو ٹھہرایا۔ بحری فوج میں شامی، افریقی اور اندلسی مسلمان شریک ہوئے، اسلامی بحری کشتیاں بازنطینی کشتیوں سے ضخیم ہوا کرتیں

لیکن رفتار میں ان سے کم تھیں، ہر جنگی جہاز کا ایک قائد ہوتا تھا جسے "مقدم" کہا جاتا تھا۔ (النظم الاسلامیہ ص۲۴۹، ص۲۵۴)

جہاز سازی کے کارخانے اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیشِ نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے، پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔

(حسن المحاضرہ جلد ۲ ص۱۹۹)

علامہ بلاذریؒ رقمطراز ہیں کہ:۔

"پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا[1]، بعدازاں اُردن میں عکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا، ملک کے تمام بڑھئی اور کاریگر جمع کر کے ان کو تمام ساحلی مقامات پر لبسایا گیا تاکہ ان کارخانوں کے لیے لیسر کی کوئی دِقت نہ رہے۔"

(فتوح البلدان ص۱۲۴)

عبداللہ بن قیس الحارثی اور جنادہ بن اُمیّہ امیر البحر ہونے کے علاوہ اُن کارخانوں کے نگران بھی تھے۔

قلعوں کی تعمیر دفاع کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لیے بہت سے قلعے تعمیر کرائے گئے، شام کے علاقہ کو جس پر بازنطینی حکومت کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا قلعوں سے مضبوط کیا گیا، چنانچہ وہاں کئی نئے قلعے تعمیر کیے گئے اور کئی پرانے اور ویران قلعوں کو از سرِ نو آباد کیا گیا، رومیوں کے پرانے قلعے "جبلہ" کو جو فتح شام کے وقت ٹوٹ گیا تھا دوبارہ تعمیر کیا گیا، روڈس میں ایک قلعہ بنوایا گیا جو تقریباً سات سال تک فوجی

---

[1] مقریزی کا بیان ہے کہ سب سے پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۴ھ میں "جزیرہ روضہ" میں قائم ہوا۔ (الخطط جلد ۲ ص۱۹۰، النظم الاسلامیہ ص۲۵۰)

مرکز رہا۔ (فتوح البلدان ص۲۴۴)
مدینہ طیبہ میں "قصرِ خل" کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا گیا۔(فتوح البلدان ص۱۶۰)
نیز افطرطوس، مرقیہ اور بلنیارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کرائے گئے۔
(فتوح البلدان ص۱۴۰)

کمانڈر انچیف کا عہدہ

بحریہ میں اس سے قبل امیر البحر کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا، خلافتِ عثمانی میں بحری اور بری فوج کا سپہ سالار ایک ہی فرد ہوا کرتا تھا لیکن سیدنا امیر معاویہؓ نے اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیشِ نظر بحریہ کے لیے امیر البحر کا الگ عہدہ قائم کیا، سب سے پہلے امیر البحر سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثیؓ مقرر ہوئے، آپ نے کم و بیش پچاس بحری لڑائیوں میں حصہ لیا تھا اور خوبی یہ ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثیؓ کے بعد سیدنا جنادہ بن ابی امیہؓ کو امیر البحر مقرر کیا گیا، یہ خلافتِ عثمانی سے دورِ یزید تک برابر بحری لڑائیوں میں مصروف و مشغول رہے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت بحری لڑائیوں کے عروج کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں جس قدر بحری لڑائیاں لڑی گئیں اُن کی نظیر تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملتی ہے۔



نظمِ مملکت

نظمِ مملکت کے بارہ میں آپ نے سیدنا عمر الفاروق رض کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی بلکہ کافی حد تک چلے بھی۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۴۶) چنانچہ اپنوں کو نہیں بیگانوں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہ رض نے ایک بار پھر اسلامی مملکت کا نظم و نسق فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے باعث درہم برہم ہو چکا تھا۔ (تاریخ اقوامِ مسلم براکلمن ص ۷۳) سیادت و امارت میں آپ نے اُن اصولوں کی پیروی کی جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وضع کیے تھے، آپ نے مصلحتِ اُمت اور ضرورتِ تامہ کے سوا کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف نہیں فرمایا۔

(الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۴۶)

آپ امورِ مملکت میں ہمیشہ نرمی اور بُردباری کے وسائل سے کام لیتے، جب نرمی کے تمام وسائل ناکام ہو جاتے تو پھر طاقت کا استعمال فرماتے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

"لا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی ولا اضع سوطی حیث یکفینی لسانی ولو ان بینی وبین الناس شعر ما انقطعت قیل وکیف یا امیر المؤمنین قال کانوا اذا مدوھا خلیتھا واذا خلوھا مددتھا۔

(الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۱۵۰، یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۸)

جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں اپنا کوڑا کام میں نہیں لاتا اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال برابر رشتہ بھی قائم ہو تو میں (ہر ممکن طریق سے) اس کو بھی نہیں توڑتا، پوچھا گیا امیر المومنین! یہ کس طرح؟ آپ نے

فرمایا اس طرح کہ جب وہ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔"

ایک اور موقع پر ایسے ہی فرمایا ۔

"انی لا احول بین الناس و السنتھم ما لم یحولوا بیننا و بین ملکنا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳، طبری ج ۵ ص ۳۳۶)

میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔"

مُلکی نظم و نسق کی بہتری کے لیے ہی آپ نے باہمی مشورے کیلئے ایک پارلیمنٹ بنائی اور صوبجات میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشورہ کی بنیادوں پر چلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ (قوافل العروبہ و مواکبھا ص ۵۴)

محکمہ جات

آپ نے ملک کو مختلف محکمہ جات میں تقسیم کیا تھا اور ہر محکمہ کا ایک سیکرٹری مقرر تھا سرجون رُومی چیف سیکرٹری تھے، سرجون کا والد شام کی فتح سے قبل ہرقل کا وزیر مال تھا اُس نے فتح شام کے سلسلہ میں مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی۔ (الحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص ۵۸) چنانچہ اس خاندان نے اسلام میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا اور سرجون بن منصور الرومی کی خداداد قابلیت کے پیشِ نظر آپ نے اُس کو چیف سیکرٹری مقرر کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۲)

دوسرے محکموں کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

(ا) محکمہ مال کے سیکرٹری ، عبیداللہ بن اوس غسانی

(ب) محکمہ خاتم کے سیکرٹری : عبداللہ بن محمد حمیری

ان کے علاوہ عبدالرحمٰن بن دراج، جبیر بن حیّ، مرداس سلیمان بن سعید جائنٹ سیکرٹری تھے۔ (کتاب الوزراء، الجہشیاری ص ۲۶،۲۵)

صیغۂ پولیس ملک میں پولیس کا انتظام نہایت احسن طریق سے مقرر تھا، یہ عدلیہ کے ماتحت تھا اور اس کا کام قاضیوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانا تھا، جرائم کی روک تھام، سماج دشمن عناصر کی سرکوبی، حکومت کے احکام کے نفاذ میں تعاون اور حدودِ الٰہیہ کا قیام بھی پولیس کے فرائض میں شامل تھا۔

(التمدن الاسلامی جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۹۱)

چونکہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور حکومت کا نظم ونسق چلانے اور حدودِ الٰہیہ کے قیام کے لیے پولیس کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس لیے آپ نے اس صیغہ کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلے قیس بن حمزہ کو پھر زمل بن عمرو کو انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا گیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱)

ڈیفنس رولز خوارج اور سبائی عناصر کی اگرچہ ظاہری طور پر سرکوبی ہو چکی تھی لیکن یہ دونوں تحریکیں اندرونِ ملک مخفی طور پر برابر چل رہی تھیں، ان میں سے اکثر افراد دہشت گردی کو بھی پسند کرتے تھے۔

چنانچہ امن وامان کے قیام کے لیے تمام مشتبہ افراد کے نام تھانوں میں درج کیے گئے اور ان کی نگرانی کے لیے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کیے گئے، چنانچہ سیدنا ابوالدرداءؓ کو صوبہ شام کا نگران مقرر کیا گیا، اسی سلسلہ میں زیاد نے جعد بن قیس تمیمی کو عراق میں اس محکمہ کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔ (الادب المفرد ص ۲۳۴)

صیغۂ عدالت اُس دور میں صیغۂ عدالت حکام کے رُعب واثر سے بالکلیہ آزاد تھا اور کتاب وسُنّت کی روشنی میں اپنا کام کرتا تھا، اس دور کے قاضی لوازمات سے پاک متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدود اللہ میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ (النظم الاسلامیہ ص ۲۳۴) چنانچہ آپ نے فضالہ بن عبید اللہ الانصاری کو اور ان کے بعد ابوادریس الخولانی کو محکمہ قضاء کا انچارج مقرر فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱)

ٹکسال زیاد بن ابی سفیانؓ کی تحریک پر دار الضرب (ٹکسال) کا قیام عمل میں آیا جہاں دینار، درہم اور فلوس بنائے جاتے تھے۔ دینار سونے کا، درہم

چاندی کا اور فلوس تانبے کے ہوتے جن پر ٹکسال کے نام اور تاریخ کے علاوہ قرآنی الفاظ بھی کندہ ہوتے۔ (خلافت از ولیم میور ص ۴۳۹) صوبوں کی ٹکسال صرف درہم بنانے کی مجاز تھیں۔

تحریر و تقریر کی آزادی آپ کے زمانہ میں تحریر و تقریر کی پوری پوری آزادی تھی اور تعمیری نکتہ چینی کو ہر لمحہ خوش آمدید کہا جاتا تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

"انی لا احول بین الناس والسنتهم مالم یحولوا بیننا و بین سلطاننا۔ (الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳، الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۴۷)

یعنی میں لوگوں کے اور ان کی زبان کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں"۔

اظہارِ حق میں ایک گورنر تک اس قدر بیباک تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کے حکم کو ٹھکرانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا جبکہ اُسے اس کے خلاف حق ہونے کا یقین ہو جاتا۔ چنانچہ جب آپ نے گورنرِ مصر کو لکھا کہ ہر قبطی پر جزیہ میں ایک قیراط اضافہ کر دیا جائے تو گورنر نے جواباً تحریر کیا کہ میں اُن کے جزیہ میں اضافہ کا مجاز نہیں ہوں جبکہ معاہدہ میں عدم اضافہ کی شق موجود ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گورنر اپنے صوبہ کی اصلاح میں آزاد تھا اور نہایت دیانتداری اور بیباکی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

(الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۱)

اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیرؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا مسور بن مخرمہؓ کسی ضرورت سے سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے، سیدنا معاویہؓ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا کہ "اے مسور! آپ حکومت کے حکام اور عمال پر تنقید اور طعن کیا کرتے تھے، مجھے فرمائیے کہ اب وہ کس طرح ہیں"؟ سیدنا مسورؓ نے کہا "امیر المؤمنین! اس بات کو رہنے دیجئے، میں جس مقصد کے لیے آیا ہوں اس کے بارہ میں مجھے بتلائیے"۔ سیدنا معاویہؓ نے کہا "نہیں! بلکہ آپ جو

طعن اور تنقید فرمایا کرتے تھے اور خود میری ذات پر جو عیب لگاتے تھے ان کے بارہ میں مجھے ضرور بتائیں"۔

سیدنا مسورؓ کہتے ہیں کہ میں اُن پر جو عیب لگایا کرتا تھا وہ میں نے اُن کے سامنے بیان کر دیا، اس پر سیدنا معاویہؓ نے فرمایا "میں گناہوں سے برأت کا دعویدار نہیں ہوں"۔ پھر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا مسورؓ سے کہا "کیا تمہارے بھی کچھ ایسے گناہ ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ اگر معاف نہ فرمائیں تو تم ہلاکت کا خوف رکھتے ہو"؟ سیدنا مسورؓ نے کہا "ہاں! میرے بھی کئی گناہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالےٰ نے انہیں معاف نہ کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا"۔

سیدنا معاویہؓ نے پوچھا "کس بنا پر تم مجھ سے حق تعالیٰ کی مغفرت کے زیادہ حق دار ہو؟ جب کہ اللہ کی قسم! میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں، اقامتِ حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی اور ملی اہم کام سرانجام دیتا ہوں جن کو حق تعالےٰ کے سوا اور کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ (فواللہ لما الی من اصلاح الرعایا واقامة الحدود والاصلاح بین الناس والجهاد فی سبیل اللہ والامور العظام التی لا یحصیها الا اللہ) یہ سب چیزیں اُن عیوب و ذنوب سے جو تم ذکر کر رہے ہو کثیر تعداد میں ہیں اور میں اللہ جل شانہٗ کے دین پر ہوں جس میں اللہ تعالےٰ نیکیوں کو قبول کرتے ہیں اور خطاؤں سے درگذر فرماتے ہیں۔ واللہ! اس بارہ میں مجھے اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کے خلاف اختیار دیا گیا ہے، تو میں اللہ تعالےٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا ہر شے کو ترک کر دیتا ہوں"۔

سیدنا مسورؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی یہ بات سُنکر میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ معاویہؓ نے مجھے مُوردِ الزام ٹھہرایا ہے اور مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔

اس کے بعد سیدنا مسورؓ جب کبھی بھی سیدنا امیر معاویہؓ کا ذکر فرماتے

تھے تو ان کے حق میں دُعا اور خیر کے کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۳، سیر اعلام النبلاء تحت ترجمہ معاویہؓ، الاستیعاب تحت ترجمہ معاویہؓ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ناقد کو بھی اظہارِ رائے کے لیے پوری آزادی دیتے تھے اور اعترافِ حق میں انہیں کوئی خوف نہ تھا لیکن تعمیری تنقید کی آپ بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

پارلیمنٹ خلافت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی اساس سنتِ نبوی پر استوار ہو اور پیچیدہ مسائلِ مملکت کو حل کرنے کے لیے اربابِ حل وعقد پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ کا وجود ہو جس کے مصلحت آمیز مشوروں پر عمل کیا جائے۔ (یوم الاسلام ص ۶۶)

چنانچہ آپ نے دمشق میں ایک پارلیمنٹ (مجلسِ مشاورت) قائم کی اور مملکتِ اسلامیہ کے مختلف صوبوں میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشاورتی بنیادوں پر چلانے کی پوری کوشش کی۔ (قوافل العروبہ ومواکبہا ص ۵۴)

مالیات

ایک اسلامی حکومت کی آمدنی کی جو مدات ہوتی ہیں آپ کی حکومت کی بھی وہی مدات تھیں، چنانچہ آپ کی حکومت کی آمدنی کی حسب ذیل مدات تھیں۔

۱۔ خراج شریعت کی اصطلاح میں خراج اس کو کہتے ہیں کہ جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین ہی کے قبضہ میں باقی رہنے دیں اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی اور وہ اسلامی حکومت کے ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے تو اُن کی زمین "خراجی" کہلاتی ہے اور خلیفہ

ان زمینوں پر جو مالگذاری مقرر کرتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کو خراج کہا جاتا ہے۔ (کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ ص ۶۹ ، ردالمختار جلد ۳ ص ۳۵۲)

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فاما الفئ یا امیر المؤمنین فھو الخراج عندنا۔ (کتاب الخراج ص ۲۳)

اے امیر المؤمنین! (یعنی ہارون الرشید) اور "فے" ہمارے نزدیک "خراج" ہی ہے۔

۲۔ جزیہ اہل کتاب اور مشرکین عجم اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کر کے اس شرط پر اسلامی حکومت کے زیرِ اقتدار آ جائیں کہ حکومت ان کے جان و مال اور آبرو کی محافظ رہے تو ایسے ٹیکس کو شریعت کی اصطلاح میں جزیہ کہتے ہیں لیکن اگر جزیہ ادا کرنے والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے بجائے زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں جزیہ کی مقدار حسبِ ذیل تھی:۔

(ا)	متمول طبقہ	۱۲ روپے سالانہ
(ب)	متوسط طبقہ	۶ " "
(ج)	ادنیٰ طبقہ	۳ " "

جزیہ عاقل و بالغ اور آزاد مردوں پر عائد ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے، اپاہج، شیخ فانی، غریب اور راہب وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (کتاب الخراج ص ۱۲۲، ۱۲۳، النظم الاسلامیہ ص ۲۶۵، ۲۸۰ ملخصاً)

۳۔ زکوٰۃ ساڑھے باون (۵۲½) تولہ چاندی اور ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا، مالِ تجارت اور مکانوں کے تجارتی کاروبار (اموالِ نامیہ) پر اگر ایک سال پورا گزر جائے تو اس مال میں سے چالیسواں حصہ راہ خدا میں دینا شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ ایک اسلامی حکومت کے لیے یہ مد بہت آمدنی کی ہے اور یہ

صرف مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے، ذمیوں پر زکوٰۃ فرض نہیں، اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر قرآن وحدیث میں بہت وعیدیں آئی ہیں۔ مواشی پر بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔

۴۔ صدقات زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے صدقات کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور بعض حالات میں ان کو واجب قرار دیا ہے اور بعض میں مُستحب و مُستحسن، زکوٰۃ کا تو بیت المال میں جمع کرانا ضروری ہے لیکن صدقات کے ادا کی دو صورتیں ہیں' ایک انفرادی دوسری اجتماعی۔ انفرادی یہ کہ ہر خیرات کرنے والا اپنے ہاتھ سے صدقہ کرے' اور اجتماعی یہ کہ صدقہ کے مال کو خلیفہ یا نائب خلیفہ کے سپرد کرے اور وہ بیت المال میں جمع کروا کر مستحقین پر صرف کرے۔

۵۔ خُمس مالِ غنیمت اور "رکاز" دفینہ سے نکلے ہوئے سونے چاندی وغیرہ سے پانچواں حصہ سرکاری خزانہ میں جمع کروانا نہایت ضروری ہے، قرآنِ پاک کی سورۃ انفال میں اور مختلف احادیثِ صحیحہ میں اس کا ذکر آتا ہے، اس سے بھی اسلامی حکومت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

۶۔ ضرائب جنگ کے زمانہ اور قحط سالی میں رفاہِ عام اور عوام کی بیروزگاری دور کرنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ جو ٹیکس اہلِ ثروت حضرات پر حکومت کی جانب سے لگائے جاتے ہیں شریعت میں ان کو ضرائب کہتے ہیں۔ یہ بھی بعض دفعہ اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ بعض دفعہ جبر کے ساتھ یہ ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

> "اگر بیت المال اور مالِ فئے، فقراء اور اہلِ حاجت کی معاشی حاجتوں کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفۃ المسلمین اہلِ ثروت اور اغنیاء پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہلِ ثروت اور اہلِ دولت

اس کے مانع ہوں تو ان سے بہ جبر بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ ویجبرھم السلطان علی ذٰلک۔" (محلی جلد ۶ صفحہ ۱۵۶)

اس سلسلہ میں علامہ ابن حزمؒ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا ایک قول بھی نقل فرمایا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:۔

"فی مالک حق سوی الزکوٰۃ۔ (محلی ابن حزم ج ۶ ص ۱۵۸)

تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔"

۷۔ محصول محصول یا کسٹم ڈیوٹی کو فقہ کی اصطلاح میں "عشور" کہتے ہیں۔ یہ وہ محصول ہے جو دار الحرب اور دار الاسلام کے درمیان تجارتی کاروبار جاری رکھنے والوں سے لیا جاتا ہے خواہ وہ تاجر مسلمان[۱] ہو یا ذمی یا کافر حربی، اس محصول میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان مقدار میں فرق ہے۔ یہ محصول مسلمان کے مالِ تجارت میں سے چالیسواں حصہ، ذمی کے مال سے بیسواں حصہ اور حربی کے مالِ تجارت

---

[۱] لیکن اگر مسلمان نے زکوٰۃ ادا کر دی ہو تو پھر اس پر کوئی عشور نہیں۔ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ عشور تو نیا سامان درآمد و برآمد کرنے پر بغیر سال گذرے وصول کیا جاتا ہے جبکہ زکوٰۃ سال گذرنے پر لی جاتی ہے۔

آمدنی کی یہ مد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی یہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں رائج ہوئی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر عراق نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کو لکھا کہ مسلمان تاجر جب دار الحرب میں تجارت کی غرض کے لیے جاتے ہیں تو دار الحرب کی حکومت ان سے ۱/۱۰ بطور ٹیکس وصول کرتی ہے ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دار الحرب کے کافروں سے اسی قسم کا ٹیکس وصول کیا کریں، آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تم بھی دار الحرب کے کافروں سے ۱/۱۰ ٹیکس لے لیا کرو اور اہلِ ذمہ کے مالِ تجارت سے ۱/۲۰ حصہ اور مسلمانوں کے مالِ تجارت سے ۱/۴۰ حصہ ٹیکس لے لیا کرو۔ (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۲)

ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ لوگوں سے جاہلیت کے زمانہ میں عشور لیا جاتا تھا اسی دستور کو سیدنا عمرؓ نے بحال رکھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۳۵)

سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ (کتاب الاموال ۵۳۴، کتاب الخراج لابی یوسف ۱۳۲)
یہ محصول سال میں صرف ایک مرتبہ واجب الاداء ہوتا تھا۔ اس کی ابتداء سیدنا عمرؓ کے زمانہ سے ہوئی لیکن بعدازاں اس کی مقدار میں اضافہ ہوگیا اور ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی پانچ اور اڑھائی فیصد کے حساب سے عشور وصول کیا جانے لگا۔

۸۔ فئے اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کیے مال چھوڑ کر بھاگ جائیں یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر اُن ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے یا ان پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو "مالِ فئے" کہا جاتا ہے یہ مال غانمین اور مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں ہوتا بلکہ اسے بیت المال کا حق بتایا گیا ہے۔
(کتاب الخراج ۲۳، ۲۴)

۹۔ عُشر اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو اُن کی زراعتی زمین، عرب کی زمین، مجاہدین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین، وہ اُفتادہ زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو اور لاوارث ذمی کی موت پر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین "عشری زمین" کہلاتی ہے اور عُشر اس مقررہ حصہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے، اس کی مقدار چاہی زمین سے بیسواں حصہ اور نہری زمین اور بارانی زمین سے دسواں حصہ ہے۔ (ردالمختار جلد ۲ ص ۶۶، ۶۷، کتاب الخراج ص ۶۹) تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۔ کراءالارض خلیفۃ المسلمین حکومت کی جن زمینوں کو سالانہ لگان مقرر کر کے کاشت کے لیے دے دیتا ہے اس سے وصول شدہ محاصل کا نام "کراءالارض" کہلاتا ہے۔
(ردالمختار جلد ۳ ص ۲۵۳)



صوبوں کی آمدنی

آمدنی کی منتذکرۃ الصدر مدات سے سیدنا معاویہؓ کو مملکت کے مختلف صوبوں سے مندرجہ ذیل آمدنی تھی۔

صوبہ	آمدنی
(۱) عراق اور اس کے ملحقات	۶۵۵ ملین درہم
(۲) سواد اور اس کے ملحقات	۱۳۰ 〃 〃
(۳) صوبہ فارس	۷۰ 〃 〃
(۴) اہواز اور اس کے ملحقات	۴۰ 〃 〃
(۵) یمامہ اور بحرین	۱۵ 〃 〃
(۶) کور دجلہ	۱۰ 〃 〃
(۷) نہاوند، دینور اور ہمدان	۴۰ 〃 〃
(۸) رے اور اس کے ملحقات	۳۰ 〃 〃
(۹) حلوان	۳۰ 〃 〃
(۱۰) موصل اور اس کے ملحقات	۴۵ 〃 〃
(۱۱) آذربائیجان	۳۰ 〃 〃
(۱۲) مصر	۳ 〃 〃
(۱۳) فلسطین	۴۵۰ ہزار دینار
(۱۴) اُردن	۱۸۰ 〃 〃
(۱۵) دمشق	۴۵۰ 〃 〃
(۱۶) حمص	۳۵۰ 〃 〃
(۱۷) قنسرین اور اس کے ملحقات	۴۵۰ 〃 〃
(۱۸) الجزیرہ	۵۵ ملین درہم
(۱۹) یمن	۱ ملین دو لاکھ دینار

(یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۷، ۲۷۸)

فتوحات

سیدنا معاویہؓ چونکہ خود بہت تجربہ کار آدمی تھے اور کئی سالوں سے اسلامی لشکروں کی قیادت کر چکے تھے اور نہ صرف آپ بلکہ آپ کا پورا خاندان اسی میدان کا شہسوار تھا لہٰذا آپ کے تجربہ، ہمت اور فکری و عملی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے اسلامی حکومت کی پہنائیوں میں ہر جانب کافی سے زیادہ اضافہ ہوا اور اسلامی پرچم سمندروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے جہازوں کی مدد سے دشت و صحرا میں بھی لہرانے لگا۔

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ ہی میں افریقہ اور خصوصی طور پر شمالی افریقہ کا کافی حصّہ اسلامی حکومت میں شامل ہو چکا تھا۔ سیدنا علیؓ کا زمانہ چونکہ باہمی خانہ جنگیوں کا زمانہ تھا جس کے نتیجہ میں بیرونی فتوحات یک قلم رُک گئی تھیں اور اسلامی حکومت کی حدود سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں جہاں تک تھیں وہیں تک رُک گئیں۔ بلکہ بعض نئے مفتوحہ علاقے بغاوت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل گئے۔ اسی لیئے تو حکیم الامۃ دہلویؒ نے فرمایا ہے:-

> "مقاتلات وے رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ صـ۲۷۷)
>
> سیدنا علیؓ کی لڑائیاں اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ۱۱۹)

لیکن سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں پھر سے اُسی طرح فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا جس طرح حضرت فاروقِ اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں تھا اور

اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے دلوں میں پھر سے اہلِ اسلام کا رُعب اور دبدبہ بیٹھ گیا اور افریقہ اور دوسرے دُور دراز کے علاقوں میں اسلامی پھریرا اپنی پوری آب و تاب سے لہرانے لگا۔

شمالی افریقہ پر لشکر کشی

آپ کے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافع[1] نے ۴۱ھ میں شمالی افریقہ کی طرف لشکر کشی کی اور لواتہ اور زناتہ کے علاقوں کو فتح کر لیا، پھر ۴۲ھ میں غدامس پر قبضہ کیا اور ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض علاقوں کو اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۹)

اسی زمانہ میں معاویہ بن خدیج نے افریقہ کے ایک ساحلی شہر تبزرات کو فتح کر لیا۔ پھر ۴۵ھ میں آپ نے دوبارہ بڑے اہتمام سے لشکر کشی کی، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا عبدالملک وغیرہ صحابہؓ اور اکابر قریش اس لشکر کے ہمراہ تھے، عبداللہ بن زبیرؓ نے سوسہ اور عبدالملکؒ نے جلولاء فتح کیا۔ (البونس ص ۲۵)
افریقہ کے باشندے جو کہ بربر کہلاتے تھے بڑے سرکش اور باغی تھے، وہ آئے روز بغاوت کرتے رہتے تھے، جب کوئی سخت گورنر آتا تو امن پسند اور مسلمان ہو جاتے

---

[1] سیدنا عقبہ بن نافعؓ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی طرح بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا، نہایت قابل اور تجربہ کار جرنیل تھے، صرف دس ہزار مجاہدین لے کر بلادِ افریقہ میں گئے اور ایک وسیع علاقہ فتح کیا جس میں سوڈان، برقہ اور بربروں کا علاقہ بھی شامل ہے۔ ایک خالہ زاد بھائی سیدنا عمرو بن العاصؓ فاتح مصر تھے اور دوسرے بھائی عقبہ بن نافع الفہریؒ فاتح بلادِ افریقہ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

لیکن جونہی وہ واپس جاتا تو پھر فتنہ پردازی شروع کر دیتے اور مرتد ہو جاتے۔ سیدنا معاویہؓ نے ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا، آپ مختلف باغی علاقوں میں گھس گئے اور جہاں جہاں بغاوت کے آثار نظر آئے اس کا قلع قمع کیا اور آئندہ کے انسداد کے لیے قیروان نامی ایک شہر بسایا۔ (فتوح البلدان ص ۲۳۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۳)
تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں بصرہ کو انتظامی امور کے لحاظ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے وہاں کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ تھے، یہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ سے یہاں کے گورنر چلے آرہے تھے، آپ نہایت زیرک اور ذہین آدمی تھے، اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا۔ ان کے دور میں عبدالرحمٰن ابن سمرہ کی ولایت میں سجستان کے علاوہ کئی اور مقامات اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے جن میں زران، ذرنج، اہواز اور کابل وغیرہ کے علاقے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبیؒ جلد ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

۴۵ھ میں سیدنا معاویہؓ نے حارث بن عبداللہ الازدی کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ صرف چار ماہ وہاں کے گورنر رہے، ان کے بعد زیاد بن ابی سفیانؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا، زیاد نہایت قابل آدمی تھے، اس سے قبل سیدنا علیؓ کی جانب سے فارس وغیرہ کے گورنر رہ کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے، انہوں نے جمادی الاولیٰ ۴۵ھ کو بصرہ کا چارج سنبھالا اور فوراً ہی صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا، چنانچہ سیدنا عمران بن الحصینؓ کو بصرہ میں قاضی مقرر کیا اور الحکم بن عمرو الغفاریؓ کو خراسان کے علاقہ میں نائب بنایا اور غزوات کے کچھ معاملات بھی ان کے سپرد کیے، انہوں نے وہاں جبل الاسل میں جہاد شروع کیا اور کئی علاقے فتح کیے، ان کے اس جہاد کی وجہ سے بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا جس سے اہلِ اسلام کو بہت سا مالی نفع حاصل ہوا۔ سیدنا سمرہ بن جندبؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہؓ اور سیدنا انس بن مالکؓ بھی زیاد کی نیابت میں یہاں

اسلامی حکومت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

سنہ ۴۶ھ میں ترکوں نے سجستان کے علاقے میں بغاوت کی لیکن الربیع بن زیاد الحارثی نے جو اُس سجستان کے والی تھے کابل، زابلستان وغیرہ کے علاقوں میں ان کی سرکوبی کی۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق سیدنا الربیع بن زیاد الحارثی نے بلخ کو صلح کر کے فتح کیا جبکہ کوہستان کے علاقہ کو دشمن سے لڑ کر اسلامی سلطنت میں شامل کیا، قریب ہی ترک آباد تھے، انہوں نے معارضہ کیا لیکن سوائے ترک طرخان کے باقی سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا، ترک طرخان کو بعد میں قتیبہ بن مسلم نے قتل کیا۔

(فتوح البلدان ص۴۰۴، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص۱۹۲، ۱۹۳)

حکم بن عمروؓ نے ماوراء النہر کے علاقہ میں دشمن سے جہاد کیا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے تمام علاقے کو اپنے زیرِ نگین کیا۔

سنہ ۵۳ھ میں زیاد کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ نے ان کی جگہ ان کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا، عبیداللہ بن زیاد نے بخارا اور اس کے اردگرد تمام علاقوں کو فتح کیا، اُس دور میں یہ علاقہ ترکوں کے زیرِ نگیں تھا، ابن زیاد نے دو سال تک خراسان میں قیام کیا اور یہاں کے تمام انتظامی امور کو درست کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص۲۴۷)

عبیداللہ ابن زیاد کی جگہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا سعید بن عثمانؓ بن عفان کو گورنر اور والی مقرر فرمایا، انہوں نے دریائے جیحون کو اپنے لشکر سمیت عبور کر کے پیشقدمی کی اور تمام علاقوں میں سلسلۂ جہاد کو شروع کیا، انہوں نے بخارا اور سمرقند کے تمام علاقے فتح کیے، بخارا کی حکمران قبق نامی ایک خاتون تھی اُس نے سعید بن عثمانؓ سے صلح کی پیشکش کی لیکن اس کی پبلک اس صلح پر رضامند نہ ہوئی، چنانچہ سوا لاکھ آدمی اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلے، قبق جو پہلے صلح پر راضی تھی یہ نقشہ دیکھ کر وہ بھی اپنی صلح سے منحرف ہو گئی اور اپنی فوج سے مل کر مقابلہ کے لیے نکلی، چنانچہ دونوں

فوجوں کا مقابلہ ہوا لیکن مقابلہ سے قبل ہی قبق کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی، فوج کا یہ انتشار دیکھ کر قبق نے دوبارہ صلح کر لی اور اب کی دفعہ اس کی فوج بھی صلح پر رضامند ہوگئی، اس طریقہ سے لڑائی کے بغیر بخارا کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

قبق کے تعاون ہی سے مسلمانوں نے پھر سمرقند پر حملہ کیا، اہل شہر نے شہر بند ہو کر تیروں سے مقابلہ کیا جس میں سیدنا سعید بن عثمانؓ اور سیدنا مہلب بن ابی صفرۃؒ جیسے بہادر جرنیلوں کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوگئی لیکن مسلمان عزم کے ساتھ جمے رہے، کافی روز کے بعد اہلِ شہر کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ مسلمان بغیر فتح کیے واپس نہیں جائیں گے، چنانچہ انہوں نے سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی اور شرط یہ ٹھہرائی کہ مسلمان شہر کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں نے ترمذ پر حملہ کیا، وہاں کے لوگوں نے بغیر لڑائی ہی کے صلح کر لی۔ (فتوح البلدان ص۴۱۷،۴۱۸، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص۲۱۲)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباسؓ کے ایک صاحبزادے قثم بن عباسؓ تھے، یہ سیدنا حسین بن علیؓ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ صحابیٔ رسول، نہایت متقی، پرہیزگار اور عالم و فاضل شخص تھے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے وقت جو لوگ آپؐ کی قبر مبارک میں اترے ان میں ایک یہ بھی تھے۔ انہی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے یہ سیدنا علیؓ کی جانب سے ان کے پورے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ کے گورنر رہے، خراسان کی ان تمام جنگوں میں جو سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں لڑی گئیں، یہ اسلامی لشکر کے ساتھ رہے اور سعید بن عثمانؓ بن عفان کی زیرِ قیادت لڑتے رہے، آخر کار سمرقند کی جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۷ ص۱۰۱، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص۲۹۲، اسد الغابہ جلد ۴ ص۱۹۷، شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد ۵ ص۴۲، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص۲۳۷)

دوسری طرف سیدنا سعید بن العاصؓ اور مصقلہ بن ہبیرہؒ کی زیرِ قیادت و نیابت طبرستان اور اس کے تمام نواحی علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔

سندھ کی فتح

سندھ کی فتح کے لیے اگرچہ سیدنا عثمانؓ کے آخری دور ہی میں پیش قدمی ہو چکی تھی اور اس کی ابتدا بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے کی تھی، پھر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے کابل فتح کیا اور دشمن کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنا لیا جن میں بعض بعد میں بہت مشہور ہوئے جیسے مکحول، سالم بن عجلان اور نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹۱، ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۲۱، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱)

۴۴ھ میں سیدنا مہلب بن ابی صفرہؓ نے ارضِ ہند کی طرف پیشقدمی کی اور خیبر کے راستہ کابل کی سرحدات کو عبور کر کے سرزمینِ ہند میں اسلامی علم گاڑا اور پھر ملتان تک پہنچے، جن لوگوں نے اسلامی لشکر کی مزاحمت کی اُن کا قلع قمع کیا، بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔

کچھ دنوں کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے عبداللہ بن سوار العبدی کو اس علاقے کی طرف بھیجا۔ انہوں نے قیقان کے علاقے کو فتح کیا۔ یہاں بھی بہت سے مالِ غنیمت کے ساتھ خاص نسل کے قیقانی گھوڑے بھی ہاتھ لگے جو سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں جہاد کے لیے پیش کیے گئے۔

کچھ عرصے کے بعد یہاں سے ترک باغی ہو گئے اور ان کے ساتھ مقابلہ میں سیدنا عبداللہ بن سوار العبدیؓ شہید ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۱۸، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹۲)

جب عبداللہ بن عامرؓ کے بعد زیاد بن ابی سفیانؓ بصرہ کے گورنر بنائے گئے تو انہوں نے بھی سندھ کی مہم کو جاری رکھا، چنانچہ انہوں نے ایک باصلاحیت جرنیل سنان بن سلمہ الہندی کو سندھ کے علاقوں پر حاکم مقرر کیا، انہوں نے مکران اور اس کے

ملحقات کو فتح کر کے وہاں آبادیاں قائم کیں اور شہروں کے نظم ونسق کو بہتر بنایا۔
کچھ دنوں کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے المنذر بن جارود کو یہاں کا حاکم بنایا اُنہوں نے اُن علاقوں کو جہاں کچھ لوگوں نے بغاوت کر دی تھی دوبارہ فتح کیا اور کچھ مزید علاقے بھی اسلامی قلمرو میں شامل کیے۔ (فتوح البلدان ص۴۴)

قسطنطنیہ پر لشکر کشی

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا زوجہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے گھر میں حجۃ الوداع کے بعد ایک روز جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کھانا تناول فرما کر لیٹ گئے، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے آپ کا سر دیکھنا شروع کیا، آپ کو نیند آ گئی تھوڑی دیر کے بعد اُم حرام رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ:-

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں کہ جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔"

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) دعا فرمایئے کہ میں بھی اُن میں شامل ہوں، آپ نے دعا فرمائی، اور پھر آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کیلئے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔

(زرقانی جلد ۔ ص۶۶، اصابہ جلد ۸ ص۲۲۲، ۲۲۳، بخاری جلد ۱ ص۳۹۱، ص۴۰۳، ص۴۰۵، ص۴۰۹، ص۴۱۰، جلد ۲ ص۹۲۹، ۹۳۰، صحیح مسلم جلد ۲ ص۱۴۲)

بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا (صحیح بخاری ج ۱ ص۴۰۹)

میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہو گئی"۔
قَدْ اَوْجَبُوْا کا معنیٰ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ عینیؒ نے یہ لکھا ہے کہ "اُن پر جنت واجب ہو گئی"۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۹۸، عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۸)

تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے ۲۸ھ[1] میں سمندر کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص پر اسلامی عَلَم بلند کیا وہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۶۵، ص ۱۹۸)
اِس لشکر میں سیدہ ام حرامؓ، سیدنا ابوذر غفاریؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا عبادہ بن صامتؓ جیسے اکابر امت تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزریؒ فرماتے ہیں:۔

"وکان امیر ذلک الجیش معاویة بن ابی سفیانؓ فی خلافة عثمانؓ و معه ابوذرؓ وابوالدرداءؓ وغیرهما من الصحابةؓ۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵)
خلافت عثمانی میں (جب یہ حملہ ہوا تو) اس لشکر کے امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے اور ان کے ساتھ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ (جیسے اکابر صحابہ) اور کئی دوسرے صحابہؓ تھے"۔

واپسی پر سیدہ ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال فرما گئیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵، صحیح بخاری جلد ا ص ۳۹۱، جلد ۲ ص ۹۲۹، ۹۳۰، عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴)
چنانچہ ہشام بن الغاز کہتے ہیں:۔

"قبر ام حرام بنت ملحان بقبرص وهم یقولون هذا قبر المرأة الصالحة۔ (صفوة الصفوة ج ۲ ص ۳۸، اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵)
اُم حرام بنت ملحان کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک اور پاکباز عورت کی قبر ہے"۔

---

[1] بعض روایات میں ۲۷ھ ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵)

قبرص کی یہ فتح ۲۸ھ میں سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی، اس لڑائی میں سیدنا معاویہؓ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "قد اوجبوا جنت ان پر واجب ہوگئی" کے تحت اہلِ جنت میں شامل ہو گئے۔ یہ فضیلت کوئی معمولی فضیلت نہیں بلکہ جس طرح عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری مل گئی تھی اسی طرح اُن صحابہؓ کو بھی دُنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی جنہوں نے قبرص کے اس معرکے میں شمولیت فرمائی تھی۔

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہؓ کے دورِ امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دورِ خلافت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ تاریخ کے اوراق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بحری لڑائیاں تو درکنار اسلام میں بحریہ کا وجود ہی سیدنا معاویہؓ نے قائم فرمایا تھا۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں آپ نے بحریہ کی تشکیل کے لیے بہت کوشش فرمائی لیکن سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے بعض وجوہات کی بناء پر بحری لڑائی کا نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی، سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں آپ نے پھر اجازت چاہی آپ نے چند شرائط کے تحت اجازت مرحمت فرمادی۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۶۷) اجازت ملنے پر آپ نے ایک بہت بڑا اسلامی بیڑا تیار کر کے اپنی قیادت میں قبرص پر حملہ کر دیا اور اس کو فتح کر لیا۔ (فتوح البلدان فتح قبرص) جس کی تفصیل کتاب کے گذشتہ اوراق میں آ چکی ہے۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد زمامِ اختیار سیدنا علیؓ کے ہاتھ میں آئی لیکن آپ کے زمانہ میں مسلمان چونکہ باہمی خانہ جنگی میں مصروف رہے اس لیے بیرونی فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند رہا لیکن ربیع الاول ۴۱ھ میں جب بارِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے کندھوں پہ ڈالا گیا تو آپ نے اسلامی بحریہ کو بہت زیادہ ترقی دی ملک کے ساحلی علاقوں میں جا بجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ (احسن المحاضرات جلد ۲ ص ۱۹۹، فتوح البلدان ص ۱۴۴) اسی ترقی یافتہ بحریہ کی مدد سے آپ نے بحرِ روم کو مسلمانوں کا بازی گاہ بنا دیا۔

بازنطینی حکومت اسلامی سرحدات پہ آئے روز حملے کرتی رہتی تھی اسلئے آپ نے

ارادہ فرمایا کہ جیسے سیدنا فاروق الاعظمؓ نے کسریٰ کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا میں قیصر کی سلطنت کا خاتمہ کردوں، دوسرے آپ کے ذہن میں جناب ختمی مرتبتؐ کا وہ خواب بھی تھا جو سیدہ ام حرامؓ کے گھر میں حجۃ الوداع کے بعد آپؐ کو دکھایا گیا تھا جس میں آپؐ نے اُن لوگوں کو مغفرت اور جنت کی بشارت دی تھی جو سب سے پہلے مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر لشکر کشی کریں گے، آپ کی خواہش تھی کہ جس طرح ۲۸ھ میں حدیث کے حصۂ اول کی بشارت کا مستحق میں ہوا ہوں اسی طرح اللہ رب العزت نے اب مجھے موقع دیا ہے کہ حدیث کے دوسرے حصہ کی بشارت کا بھی میں ہی سزاوار بنوں، تیسرے یہ کہ قسطنطنیہ مشرقی یورپ کا قلب تھا اس کی فتح سے مسلمانوں کے لیے یورپ کی فتوحات کا دروازہ کھلتا تھا، ان سب وجوہات کے پیش نظر آپ نے امیر یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک لشکر تیار فرمایا۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا جس کے متعلق حدیث میں ارشاد ہے کہ:-

"اول جیش من اُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (بخاری ج ا ص۴۱۰)
میری امت کا پہلا لشکر جو مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا اس کے لیے دربارِ الٰہی سے مغفرت (کا پروانہ) ہے"

مدینۂ قیصر کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

"یعنی القسطنطینیۃ۔ (فتح الباری ج ۶ ص۷۹)
اس سے مراد قسطنطنیہ ہے"

اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:-

"لان المراد بھا القسطنطنیۃ۔ (عینی ج ۱۴ ص۱۹۸)
اس سے مراد قسطنطنیہ ہے"

بخاری کی یہ روایت محدثین کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ امام بغویؒ نے بخاری کی اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے:-

"وھٰذا حدیث صحیح۔ (شرح السنۃ ج ۱۳ ص۳۱۲، ۳۱۳)
اور یہ حدیث صحیح ہے"

ایسے ہی دوسرے محدثین کرام نے اس پر کوئی نقد و جرح نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ان سب کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۳۲، ص۲۲۹، منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۴۵)

بعض حضرات نے اس روایت کے ایک راوی عمیر بن الاسود العنسی (یا بقولِ بعض عمرو بن الاسود العنسی) کا خود ساختہ قول کہا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں مانا۔ لیکن یہ بات بھی اہلِ علم کے نزدیک غلط ہے کیونکہ راوی مذکور ثقہ اور تابعی ہے اور علمائے رجال اور اصحابِ جرح و تعدیل نے اس پر کوئی تنقید یا جرح نہیں کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس حدیث کے بارہ میں اعتراض کے طور پر کہا جا رہا ہے وہ صرف یزید بن معاویہ کی وجہ سے ہے کیونکہ ہمارے بعض حضرات اس کو مغفور نہیں دیکھنا چاہتے اور اللہ کی رحمت ان کے ہاں بے پایاں نہیں بلکہ محدود ہے، یہ لوگ اللہ کے دستِ مغفرت کو کشادہ نہیں دیکھنا چاہتے۔

اس بشارتِ نبویہ کا مورد ہونے کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ مثلاً سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ، سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور میزبانِ رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ وغیرہم نے اس لشکر میں شرکت فرمائی۔ چنانچہ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ نے بخاری کے حاشیہ میں قسطلانی کے حوالے سے لکھا ہے:

"قال القسطلانی کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری وتوفی بھا سنۃ اثنتین وخمسین من الھجرۃ ... الخ (البخاری ج ۱ ص۴۱۰، حاشیہ ارشاد الساری ج ۵ ص۱۰۴ وھکذا فی الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص۲۲۷)

علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے یزید بن معاویہ نے حملہ کیا تھا اور اس کے ساتھ اکابر صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور ابوایوب انصاریؓ وغیرہم۔ اور وہیں ۵۲ھ میں سیدنا

ابوایوب انصاریؓ کا اِنتقال ہُوا ...." الخ

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں :۔

"ان یزید بن معاویة غزا بلاد الروم حتی بلغ قُسطُنطُنیَةَ وَمَعَهٗ جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمرؓ و ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ وابوایوب الانصاری وکانت وفاة ابوایوب الانصاری هناك قریباً من سور القسطنطنیة وقبرهٗ هناك۔

(عمدة القاری ج ۱۴ ص ۱۹۹ ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۹)

یزید بن معاویہ رومیوں کے شہروں میں ان سے (سات سال تک) لڑتے رہے حتیٰ کہ آپ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ، ابن زبیرؓ اور ابوایوب الانصاریؓ وغیرہم تھے ، چنانچہ ابوایوب الانصاریؓ کا انتقال بھی قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ہی ہوا تھا اور وہیں ان کی قبر بھی ہے "

حافظ ابن کثیرؒ بھی لکھتے ہیں :۔

" فسار معهٗ خلق کثیر من کبراء الصحابة ۔

(البدایة والنهایة ج ۸ ص ۱۲۷ ، ص ۱۳۲)

بڑے بڑے صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی "

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔

" وفی سنة خمسین غزا یزید ارض الروم ومعه ابوایوب الانصاری ۔ (تاریخ الاسلام جلد ۳ ص ۹۱)

اور ۵۰ھ میں یزید بن معاویہ نے ارض روم پر حملہ کیا اور سیدنا ابوایوب انصاریؓ بھی ان کے ساتھ تھے "

اس مبارک لشکر میں دیگر اکابر صحابہؓ کے ساتھ سیدنا حسین بن علیؓ بھی تھے ، جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :۔

"کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیه ویکرمه وکان فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیۃ مع ابن معاویۃ یزید ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۵۱)

حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور معاویہؓ ان کو انعام و اکرام سے نوازتے تھے اور حسینؓ اُس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے قسطنطنیہ پر یزید بن معاویہ کی معیت میں حملہ کیا تھا۔"

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں ابن عساکرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"قال ابن عساکر وفد الحسین علیٰ معاویۃ وغزا القسطنطنیۃ مع یزید۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ ص ۱۱)

حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ حسینؓ معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور انہوں نے قسطنطنیہ کی جنگ میں بھی یزید بن معاویہ کی معیت میں شرکت فرمائی۔"

اس لشکر میں سیدنا حسینؓ کی شمولیت کو ابن کثیرؒ کے علاوہ شیعی مؤرخ امیر علی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

He (Hussain) had served with honour against the Christians in the siege of Constantinople.
(History of Saracens, P. 84)

سیدنا حسینؓ نے قسطنطنیہ کے محاصرہ میں عیسائیوں کے خلاف بڑی شاندار خدمات سرانجام دیں۔"

ایسا ہی گبن نے "تاریخ عروج و زوال رومۃ الکبریٰ ص ۲۸۶" میں لکھا ہے کہ:۔

"ایسے عظیم الشان لشکر کی کمان جس میں اکابر صحابہؓ کے علاوہ خود نواسۂ رسولؐ سیدنا حسین بن علیؓ بھی شریک تھے یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں تھی،

اس پر تقریباً تمام مؤرخین اور محدثین کا اتفاق ہے:۔

چنانچہ شارحینِ بخاری لکھتے ہیں:۔

"والاصح ان یزید بن معاویۃ غزا قسطنطنیۃ فی سنۃ اثنتین وخمسین۔ (عمدۃ القاری ج۱۴ ص۱۹۸، فتح الباری ج۶ ص۷۸)

صحیح ترین بات یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ میں کیا تھا۔"

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"وفیھا فی سنۃ خمسین، غزوۃ القسطنطنیۃ کان امیر الجیش الیھا یزید بن معاویۃ وکان معہٗ وجوہ النّاس وممن کان معہٗ ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۱ ص۹۱)

اور ۵۰ھ میں قسطنطنیہ کی جنگ ہوئی اور اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے اور ان کے ساتھ بڑے بڑے جلیل القدر لوگ تھے جن میں سے ایک سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

واول جیش غزاھا کان امیرھم یزید والجیش عدد معین لا مطلق وشمول المغفرۃ لاحاد ھٰذا الجیش اقوی ویقال ان یزید انما غزا القسطنطنیۃ لاجل ھٰذا الحدیث۔ (منہاج السنۃ ج۲ ص۲۵۲)

سب سے پہلا لشکر جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اس کے امیر یزید بن معاویہ تھے اور جیش ایک عدد معین ہے عدد مطلق نہیں اور مغفرت اس کے ہر فرد کو شامل ہے، یہی قوی ترین بات ہے اور کہا جاتا ہے کہ مغفرت کے اس حدیث کی وجہ ہی سے یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔"

ایسا ہی البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۵۸، ۵۹، تاریخ الامم والملوک جلد ۱۳ ص۱۶، العقد الفرید جلد ۳ ص۱۳۲، الاستیعاب جلد ۱ ص۵، ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ ص۶۶ پر بھی مرقوم ہے۔

مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مؤرخ پروفیسر ہٹی نے بھی اپنی تاریخ میں اس بات کا ان الفاظ میں اقرار کیا ہے:۔

The first was in A.H.49(669) under the leadership the crown prince Yazid.
(History of the Arabs, P. 201)

(قسطنطنیہ پر) پہلا حملہ ۴۹ھ (مطابق ۶۶۹ء) میں ولی عہد یزید بن معاویہ کی زیر قیادت ہوا۔"

۵۲ھ میں اور بقول بعض ۴۹ھ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۳۲، ہسٹری آف دی عربز صفحہ ۲۰۱) اور بقول علامہ ذہبیؒ ۵۰ھ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۹۱) میں امیر یزید کی قیادت میں مسلمانوں کا یہ بحری بیڑہ بحیرۂ روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا، مصر و شام وغیرہ ممالکِ اسلامیہ سے بھی الگ الگ دستے آئے ہوئے تھے، مصری فوج کے سر عسکر گورنرِ مصر عقبہ بن عامر جہنیؓ تھے، ایک دستہ حضرت فضالہ بن عبید کی ماتحتی میں تھا اور ایک دستہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ کی زیرِ قیادت اس لشکر میں شریک ہونے کے لیے پہنچا تھا۔

قسطنطنیہ کا شہر مشرقی کلیسا کا مرکز ہونے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا اس لیے رومیوں نے پوری قوت سے اور طاقت سے اس کی مدافعت کی اور اپنی بہادری کے بڑے جوہر دکھائے مسلمان بھی چونکہ جوشِ جہاد اور مغفرت و جنت کے شوق میں سر پر کفن باندھ کر آئے تھے لہٰذا انہوں نے بھی بڑی گرمجوشی سے مقابلہ کیا، خصوصی طور پر امیر یزید نے بہادری اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کو فتی العرب (عرب کا بہادر) کا لقب حاصل ہو گیا[1] (ہسٹری آف دی عربز صفحہ ۲۰۱) کئی روز تک دونوں

---

[1] آپ نے رومیوں کو پسپا کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور خود آپ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ میں لوہے کا گرز لیے شہر کے دروازے پر زور زور سے مارتے یہاں تک کہ وہ کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ (کتاب الاغانی جلد ۱۶ صفحہ ۳۳)

فوجوں میں خونریز معرکے ہوتے رہے، قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی تھی اور پتھروں کی بنی ہوئی تھی، رُومی اس کے اوپر سے آگ کے گولے برسا رہے تھے، مسلمان نشیب میں تھے اس وجہ سے کافی جانی نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس قدر نقصان اٹھانے کے باوجود بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر مجاہد شوقِ شہادت میں آگے بڑھ رہا تھا، ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کلبیؓ شہادت کی تمنا میں بار بار دشمن کی طرف بڑھتے آخر ایک مرتبہ تو بالکل فصیل کے قریب پہنچ گئے، رُومیوں نے فوراً ہی نیزوں سے انہیں شہید کر دیا، جب ان کی شہادت کی خبر سیدنا معاویہؓ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کے والد کو بلا کر فرمایا :-

وَاللہِ ھَلَكَ فَتَى الْعَرَبِ ۔

بخدا فتی العرب (عرب کا بہادر) ہلاک ہو گیا ۔

عبدالعزیز بن زرارہ کلبیؓ کے والدِ محترم نے جواب دیا "میرا بیٹا یا آپ کا بیٹا؟" سیدنا معاویہؓ نے فرمایا "تمہارا بیٹا" اللہ تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۷)

میزبانِ رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ اپنی عمر کی اسّی ۸۰ سے زائد منزلیں طے کر چکے تھے اسی جنگ کے دوران آپ پیچش کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ مرض شدت اختیار کر گیا یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو گیا کہ اب میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوں تو آپ نے امیر یزید کو بلا کر وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لیجا سکو لے جا کر دفن کرنا، نیز فرمایا کہ ساتھ ہی مسلمانوں کو میرا سلام کہہ کر یہ حدیثِ نبوی سُنانا جو میں نے آقائے دوجہاں ہادیٔ سُبل سرورِ کُل صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے کہ :-

مَنْ مَاتَ وَلَا يُشْرِكُ بِاللہِ شَيْئًا جَعَلَهُ اللہُ فِي الْجَنَّةِ ط

جو شخص اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے ۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۹)

چنانچہ وصیت کے مطابق امیر یزید نے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی نماز جنازہ خود

پڑھائی، جیسا کہ حافظ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ :-

وکان فی جیش یزید بن معاویة والیه اوصٰی وھو الذی صلّٰی علیه ۔ (البدایة والنهایة ج ۸ صـ ۵۸)

وہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے اور اسی کو آپ نے وصیت فرمائی اور اس نے ہی آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی ۔

نمازِ جنازہ سے فراغت کے بعد آپ کے جنازہ کو اٹھا کر دشمن پر یکبارگی حملہ کر دیا گیا اور قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچکر فصیل کے بالکل نیچے آپ کو دفن کر دیا گیا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۴ صـ ۱۹۹ ، ارشاد الساری جلد ۵ صـ ۱۰۴ ، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ ۵۸، ۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ صـ ۲۲۸ ، حاضر العالم الاسلامی صـ ۲۱۵ ، ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ صـ ۶۶)

قیصر نے جب شہر کی فصیل سے دیکھا کہ مسلمان کوئی چیز دفن کر رہے ہیں تو اُس نے قاصد کی معرفت اس بارہ میں معلوم کیا ، امیرِ یزید نے جواب دیا کہ یہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا جنازہ ہے انہوں نے تمہارے ملک کے اندر جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی ، اب ہم اُن کی اس خواہش کی تکمیل کر رہے ہیں اگرچہ ہمیں اپنی جانیں ہی کیوں نہ دینی پڑیں ۔ (العقد الفرید جلد ۳ صـ ۱۳۳) یہ سُنکر قیصر نے کہا کہ تمہارے جانے کے بعد ہم اس کی لاش کو نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیں گے ، قیصر کی یہ بات سُنکر امیرِ یزید کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اسی غصے میں رومیوں کو مخاطب کر کے کہا :-

"یا اھل القسطنطنیة ھٰذا رجل من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد دفن حیث ترون واللہِ لئن تعرضتم له لاھدمن کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً" (ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ صـ ۶۶ ، الاستیعاب جلد ۲ صـ ۶۳۸ ، العقد الفرید جلد ۳ صـ ۱۳۳)

اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ صاحب ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے اُنہیں جہاں دفن کیا ہے اللہ کی

قسم! اگر تم نے ان کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو ارضِ اسلام کے ہر کنیسہ کو منہدم کر دوں گا اور پھر عرب کی سرزمین میں کبھی ناقوس نہیں بجے گا۔"

قیصر نے جب امیرِ لشکر یزید بن معاویہ کے منہ سے یہ تہدید آمیز کلمات سنے تو مبہوت ہو گیا اور اس کو جرأت نہ پڑی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی کی نعش مبارک کی توہین کر سکے بلکہ اس نے ان کی قبر پر ایک قبہ بنوا دیا۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص۱۳۳)
اور رومی ان کی قبر مبارک پر جا کر عہد کرتے اور قحط کے زمانے میں ان کی قبر کے وسیلے سے دعائیں مانگتے۔ (عمدۃ القاری جلد ۴ ص۱۹۹، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص۵۰، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص۲۲۸، حاضر العالم الاسلامی ص۲۱۵)

امام محمد بن احمد السرخسیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کو جب رات کو دفن کیا گیا تو:۔

قصعد نور من قبرہ الی السماء ورأی ذٰلك من كان بالقرب من ذٰلك الموضع من المشركين۔

ان کی قبر مبارک سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور قریب رہنے والے مشرکین نے بھی اس نور کو دیکھا۔"

جب صبح ہوئی تو ان کا قاصد امیرِ لشکر کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص کو تم لوگوں نے رات کو دفن کیا ہے وہ کون تھے؟

مسلمانوں نے کہا:۔

صاحب لنبینا (وہ ہمارے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے میزبانِ رسول سیدنا ابو ایوب الانصاریؓ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ (شرح السیر الکبیر جلد ۱ ص۱۵۷)

اگرچہ قسطنطنیہ کا شہر فتح نہ ہو سکا لیکن اس کام کی ابتداء کا سہرا امیر یزید ہی کے سر ہے اور اس حدیثِ نبوی کے حقیقی مورد بھی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری کی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۹)

(محدث) مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہ کی منقبت بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی اور اس میں ان کے فرزند یزید کی منقبت بھی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔"

بعد میں سلطان محمد فاتح نے اس شہر کو فتح کیا تھا، فتح کے بعد ترکان عثمانی نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر ایک مقبرہ اور اس کے ساتھ مسجد بنوادی جو آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے، خلفائے دولتِ عثمانیہ کی رسم تاجپوشی بھی اسی مسجد میں ہوتی تھی۔

روڈس کی فتح

بحری لڑائیوں میں صرف قسطنطنیہ ہی کا حملہ آپ کی بحریہ کا شاندار کارنامہ نہیں بلکہ آپ نے روڈس، ارواڈ اور بعض دوسرے یونانی جزیروں کو بھی فتح کیا، چنانچہ علامہ خیر الدین زرکلیؒ اپنی مشہور کتاب "الاعلام" میں لکھتے ہیں:۔

"هو اول مسلم رکب البحر للغزو وفی ایامه فتح کثیر من جزائر یونان والدردنیل۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۲۳)

وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم کو جنگ کے لیے اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بیشمار جزیرے اور دردنیل (درہ دانیال) وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔"

صاحب "فتوحاتِ اسلامیہ" لکھتے ہیں:۔

جزیرۂ قبرص، روڈس اور بعض جزائر یونان کی فتح امیرِ معاویہؓ کے اہم کارنامے ہیں ۔ (الفتوحات اسلامیہ جلد ۲ ص ۹۵، ۱۰۳ ملخصًا)

۵۳ھ میں آپ کے مشہور جرنیل جنادہ بن اُمیہ نے روڈس پر حملہ کیا، روڈس بحرِ روم میں اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں ایک نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے جس میں زیتون، انگور وغیرہ اور قسم قسم کے عمدہ پھل اور میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں، اس جزیرہ کا رقبہ ساٹھ میل تھا، جنادہ بن اُمیہ نے ۵۳ھ میں اس کو فتح کیا اور سیدنا معاویہؓ نے یہاں بہت سے مسلمان آباد کر کے اس کو ایک اسلامی نوآبادی بنا دیا۔

(معجم البلدان ذکر روڈس، فتوح البلدان ص ۲۴۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۴۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۱، معاویہ بن ابی سفیان لابی النصر ص ۶۹)

ارواڈ کی فتح

روڈس کی فتح کے اگلے سال یعنی ۵۴ھ میں جنادہ بن ابی اُمیہ اور مجاہد دونوں نے مل کر ارواڈ کے جزیرہ پر حملہ کیا جو قسطنطنیہ کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، سیدنا معاویہؓ نے یہاں مسلمانوں کی نوآبادی قائم فرمائی، اس جزیرہ کو اسلامی اقتدار کے زیر اثر لانے کے بعد آپ نے بحری حملوں کے لیے اس کو صدر مقام قرار دیا۔ (معجم البلدان ذکر ارواڈ، فتوح البلدان ص ۲۴۴، معاویہ بن ابی سفیانؓ لابی النصر ص ۶۹)

اسی زمانہ میں آپ کے لشکر نے صقلیہ پر بھی حملہ کیا لیکن وہ فتح نہ ہو سکا، بعد میں عباسیوں نے یہاں فتح کا پھریرا نصب کیا۔



بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک

سیدنا معاویہؓ ۱۸ھ سے ۴۱ھ تک دمشق اور اس کے ملحقات کے گورنر رہے پھر ۴۱ھ میں سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکتِ اسلامیہ کے خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے اور رجب ۶۰ھ میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اس حساب سے آپ کا عہدِ خلافت ۲۰ سال پر محیط ہے' آپ اس عرصہ میں فرائضِ خلافت بطریقِ احسن سرانجام دیتے رہے اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک آپ کی حکمتِ عملی بہت کامیاب رہی، یہاں تک کہ متعصب شیعی مؤرخ سید امیر علی کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ:۔

"مجموعی طور پر معاویہؓ کی حکومت اندرونی طور پر بڑی خوشحال اور پُر امن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بہت کامیاب تھی"

(History of Saracens, P. 82)

اس بیس سالہ دورِ خلافت میں جہاں اور لوگوں سے آپ کے تعلقات اور رویہ بڑا اچھا رہا وہاں اہلِ بیتِ نبوت اور بنو ہاشم سے بھی آپ بڑی ملاطفت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے اور سب کو عطائے جزیل سے نوازتے رہے چنانچہ ان کے پورے زمانۂ خلافت میں بنو ہاشم کے کسی فرد نے کبھی ان کے بارہ میں کوئی شکایت نہ کی بلکہ سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب، جو سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی تھے، اپنے بھائی سے اختلاف کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے آئے۔

(عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب ص۳۱)

لیکن بعض نام نہاد مُحبانِ اہلبیت اور اُن سے متاثر ہو کر بعض نام نہاد سُنیوں نے بھی آپ کی شخصیت کا ایسا گھناؤنا نقشہ پیش کیا ہے کہ جیسے یہ ہر وقت بنو ہاشم کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اہلبیتِ نبوت

اور تمام بنو ہاشم ان کے وظیفہ خوار اور مداح خوان تھے اور آپس میں یہ سب شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ آپ چونکہ اموی تھے اور بنو اُمیّہ کے بارہ میں بعض شیعہ مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ اُن کے اور بنو ہاشم کے مابین شروع ہی سے عداوت چلی آ رہی تھی اور جنگِ صفین اور جنگِ کربلا اِسی پرانی عداوت کا نتیجہ ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد بنو ہاشم اگر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو ان سے زیادہ تعداد میں بنو اُمیہ کے لوگوں نے اسلام کو قبول کیا لیکن بنو ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کی بناء پر آپؐ کی زیادہ حمایت کی تھی۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۴۷)

تاریخِ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیّہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا وطن، مال اولاد، گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑ دیئے، چنانچہ ہجرتِ حبشہ میں بنو ہاشم سے زیادہ بنو اُمیّہ کے لوگ اور ان کے حلیف تھے جبکہ بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔ (ملاحظہ ہو: انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۱۹۸۔ ابنِ ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۲۴) اور بنو اُمیّہ اور اُن کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی اُن کی تعداد گیارہ ہے۔ (جن کی تفصیل ہم گزشتہ صفحات میں عرض کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کی مالی خدمت جتنی بنو اُمیہ نے کی ہے بنو ہاشم نے مل کر بھی اتنی نہیں کی۔ سیدنا عثمانؓ کی داد و دہش اور بیرِ رُومہ کی خریداری، پھر جنگِ تبوک کے مجاہدین کے لیے ساز و سامان کا مہیا کرنا آج بھی ہر آدمی کے زبان پر ہے۔

یہ درست ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے والدِ ماجد سیدنا ابو سفیانؓ جنہوں نے سوائے بدر کے قریباً ہر جنگ میں قریش کے لشکر کی قیادت کی لیکن یہ اُن کا ایک قومی فریضہ تھا کیونکہ قریش کی طرف سے سپہ سالاری کا عہدہ انہیں تفویض ہوا تھا، لیکن تاریخ کے صفحات اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ یہی ابو سفیان جب

حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو پھر اسلام کے لیے پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کفر سے لڑے، چنانچہ طائف کے محاصرہ میں انھوں نے اپنی ایک آنکھ اللہ کے راستہ میں قربان کی۔ (الاستیعاب جلد ۲ صـ۱۷، سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صـ۱۳۲) اور دوسری آنکھ کی قربانی سیدنا صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں جنگِ یرموک میں دے دی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صـ۲۱۶)

اگر بنو اُمیہ بنو ہاشم کے ساتھ شروع ہی سے بغض و عناد رکھے ہوتے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو اُمیہ کے حبالۂ عقد میں نہ دیتے اور چوتھی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ جو بنو ہاشم کے فرد سیدنا علیؓ کے نکاح میں دی تو وہ بھی سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے کہنے پر سیدنا علیؓ نے اس کی بارگاہِ نبوت میں خواستگاری کی۔ (جلاء العیون صـ۱۲۱) پھر سیدہ فاطمہؓ کے جہیز اور شادی کے لیے روپیہ بنو اُمیہ ہی کے ایک شخص سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سیدنا علیؓ کو دیا جو کہ چار سو درہم تھا۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ صـ۳۵۹) سیدنا عثمانؓ کے اس کارِ خیر پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔ (ملاحظہ ہو کشف الغمہ جلد ۱ صـ۳۵۹، زرقانی علی المواہب جلد ۲ صـ۳) اپنی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ تو آپؐ نے سیدنا ابوالعاص امویؓ کے نکاح میں دی لیکن ان سے چھوٹی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپؐ نے سیدنا عثمان بن عفانؓ اموی کے حبالۂ عقد میں دیں۔

(حیات القلوب جلد ۲ صـ۳۳۰، نہج البلاغہ جلد ۲ صـ۳۲۲)

دوسری طرف بنو اُمیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کر کے آپؐ نے بنو امیہ سے اپنی قرابت داری کا اظہار فرمایا۔ (صفۃ الصفوۃ جلد ۲ صـ۲۳) ابوسفیانؓ اس وقت اگرچہ حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن آپ نے اس شادی کی تحسین فرمائی۔ اس کے مقابلہ میں نزولِ وحی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چچا ابوطالب کو جس کے

بیٹے سیدنا علیؓ کو حضور اکرمؐ نے اپنی کفالت میں لیا ہوا تھا، اس کی بیٹی ہند (جس کی کُنیت بعد میں اُمِ ہانی ہوئی) سے نکاح کا پیغام دیا تھا، آپؐ کے پیغام کے ساتھ ہبیرہ بن ابو وہب المخزومی نے بھی ابوطالب کو پیغام دیا۔ ابوطالب نے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابو وہب کو اپنی بیٹی بیاہ دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا اپنے بارے میں یہ رویہ دیکھ کر فرمایا:-

"یا عم! أتزوجت هبيرة وتركتني؟
چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے یونہی چھوڑ دیا؟"

یہ سنکر ابوطالب نے کہا:-

"بھتیجے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں، معزز لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں"

(الاصابہ جلد ۳ صـ۵۰۳، کتاب المجر صـ۹۸، طبقات ابن سعد جلد صـ۱۵۲)

اس بات کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیامِ شادی کو رَدّ کر کے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی اُمِ ہانی کا نکاح کر دیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کے اس جواب سے اتنا رنج اور صدمہ ہوا کہ آپؐ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۳ صـ۵۰۳)

ابوطالب نے جو کہ بنی ہاشم کے سردار تھے، اپنے سگے بھتیجے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی سے اپنی بیٹی کیوں بیاہ دی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو مخزوم کا قبیلہ اُس وقت قریش میں دولت و ثروت، اثر و رسوخ اور عددی قوت کے لحاظ سے ایک ممتاز اور مقتدر قبیلہ سمجھا جاتا تھا" اس قبیلہ کے پاس منصب العدل بھی تھا، تموّل اور دریا دلی، لیاقت و صلاحیت وغیرہ میں بھی یکتا سمجھا جاتا تھا۔ (کتاب نسبِ قریش صـ۳۰)

اب مقابلہ کیجئے ایک اموی سردار کا اور ایک ہاشمی سردار کا۔ ہاشمی سگا چچا بھی ہے لیکن پھر بھی اس نے اپنی لڑکی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں نہیں دی، پھر یہ کہنا کہ بنو اُمیہ خاندانِ بنو ہاشم کے دشمن تھے میں سمجھتا ہوں جہالت پر مبنی ہے۔

بنو اُمیہ کی انہی باتوں کی وجہ سے فتح مکہ کے روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسفیان سردارِ بنی اُمیہ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دے دیا۔

"من دخل دار ابی سفیان فھو امن۔

جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا" (مسلم جلد ۲ ص۱۰۲، مسندِ احمد حدیث ۹۰۹، تاریخ ابنِ خلدون جلد ۳ ص۵، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۴۱۱)

اِن سب واقعات کے پیشِ نظر یہ کہنا کہ بنو اُمیہ بنو ہاشم کے دشمن تھے، حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے، یہ دونوں قبیلے آپس میں باہم شیر و شکر تھے، ان کی آپس میں رشتہ داریاں بھی ہوتی تھیں اور دونوں بھائیوں کی طرح آپس میں رہتے تھے کیونکہ یہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں تھیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد تو ان کی حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔

سیدنا معاویہؓ کی والدہ ہند بنت عُتبہ جب مسلمان ہو رہی تھیں تو حافظ ابنِ عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ اپنے بت کو اٹھا کر توڑنے لگیں اور اس سے کہا کہ ایک مدت سے ہم تیری وجہ سے فریب خوردہ رہے۔ پھر خود کہتی ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئی اور آپ کی بیعت کی۔

(تاریخ ابن عساکر جلد تراجم النساء تحت ترجمہ ہند بنتِ عتبہ)

ایک موقع پر خود فرمایا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے کفر کی دھوپ

سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آگئی ہوں۔

(تاریخ ابن عساکر جلد تراجم النساء تحت ترجمہ ہند بنت عتبہ)

بنو اُمیہ نے کبھی بھی بنو ہاشم کی عظمت و شرافت کا انکار نہیں کیا، خود سیدنا معاویہؓ نے بھی ایک موقع پر کھلے لفظوں میں بنو ہاشم کی سیادت و عظمت کا اقرار کیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سے پوچھا گیا کہ تم بنو اُمیہ عزت و شرافت میں زیادہ ہو یا بنو ہاشم؟ سیدنا معاویہؓ نے اس اہم سوال کی وضاحت یوں فرماتے ہوئے جواب دیا:۔

"ہم دونوں قبائل صاحب عظمت و شرافت تھے لیکن بنو عبد مناف میں ہاشم جیسا کوئی شخص نہیں، جب ہاشم انتقال کر گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ تھا تو ہم بنی اُمیہ عدد و شرف میں اکثر تھے۔ (صرنا اکثر عددًا و اکثر اشرافًا) لیکن عبد المطلب جیسا ہم میں کوئی شخص نہیں تھا، جب عبد المطلب فوت ہوئے تو پھر ہم عدد اور شرف میں اکثر تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ بنو ہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں، پس ایسے نبی تشریف لائے کہ اوّلین و آخرین نے ان جیسا نہیں سنا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (قالوا منا نبی فجاء نبی لم یسمع الاولون والآخرون بمثلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس شرف اور فضیلت کو کون حاصل کر سکتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۸)

سیدنا معاویہؓ نے اپنے اس بیان میں بنو ہاشم کی فضیلت اور تفوق کا صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور شخصیت کے بارہ میں صحیح ریمارکس دیئے ہیں۔ اب پھر بھی اگر کوئی یہ کہے کہ بنو اُمیہ بنو ہاشم کے تفوق کو نہیں مانتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے آخر تک ان کا مقابلہ کیا، اس شخص کو اپنے دماغ اور سوچ کی اصلاح کرانی چاہیئے۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی محبت والفت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں ان کی آپس میں رشتہ داریاں قائم ہوئیں۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف ایک موقع پر خود سیدنا علیؓ نے بھی کیا، انہوں نے سیدنا معاویہؓ کو ایک خط میں لکھا:۔

"لم یمنعنا قدیم عزّنا ولا عادی طولنا علی قومك ان خلطنا کم بانفسنا فنکحنا وانکحنا فعل الاکفاء۔

(نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۲)

(اے معاویہؓ!) آپ کی قوم پر ہماری دیرینہ عزت نے ہمیں اس بات سے منع نہیں کیا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے میں ملائیں، پس ہم نے تمہاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیے اور تم نے ہماری عورتوں سے نکاح کیے جیسا کہ ہم کفو لوگ آپس میں رشتے ناطے دیتے لیتے ہیں"۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں شروع ہی سے باہمی رشتہ داری کے تعلقات قائم تھے اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہم کفو سمجھ کر رشتے دیتے لیتے تھے۔ چنانچہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب سردارِ بنو ہاشم نے اپنی بیٹی اُم حکیم البیضاء کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف اموی سے کیا تھا، اور اُم حکیم البیضا سیدنا عثمانؓ کی سگی نانی تھیں۔

زمانہ اسلام میں یہ دونوں خاندان پہلے سے بھی زیادہ آپس میں محبت سے رہنے لگے، کیونکہ اسلام نے ہر قبیلے کی گزشتہ تمام رنجشوں کو ختم کر دیا جیسے اوس اور خزرج، انصار کے یہ دونوں خاندان کتنی مدت تک آپس بر سرِ پیکار رہے لیکن جونہی دونوں دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے تو سگے بھائیوں سے زیادہ محبت و پیار سے رہنے لگے۔ اور اسلام تو ہے ہی صلح و آشتی کا دین، اس نے تو مہاجر و انصار کے درمیان جو مواخات قائم کی تھی اُس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی حالانکہ

ان میں نہ کوئی وطنی تعلق تھا اور نہ برادری اور قبیلہ کا، لیکن جب لسانِ نبوت نے ان سے فرما دیا کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو تو انہوں نے اس بھائی چارے کو ایسا نبھایا کہ سگے بھائیوں کو بھی اس پر رشک آنے لگا۔

اگر ان دونوں خاندانوں کے مابین کوئی رنجش یا عداوت ہوتی جس کو بعض لوگ صرف اپنی روٹی کمانے کے لیے اپنے وعظوں میں اور اپنی تحریروں میں ظاہر کرتے ہیں، تو پھر ان دونوں خاندانوں کے اہم افراد میں اس طرح کی باہمی رشتے داری قائم ہوتی؟ یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو اُمیہ کے افراد کے حبالۂ عقد میں دیں۔ سیدنا علیؓ نے اپنی دو صاحبزادیاں سیدنا مروانؓ کے بیٹوں معاویہ بن مروانؓ اور عبدالملک بن مروانؓ کے نکاح میں دیں۔ (جمہرۃ انساب العرب ص۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص۶۹)

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اُمیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی صاحبزادی سیدہ رملہؓ کو جو اُم حبیبہ کی کنیت سے مشہور تھیں، اپنے حبالۂ عقد میں لا کر اُم المومنین کا مرتبہ عطا فرمایا۔ (یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی ہاشمی عورت سے شادی نہیں کی)۔

ایک رشتہ داری یہ تھی کہ سیدنا عثمانؓ کا پوتا عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ بن عفان سیدنا حسین بن علیؓ بن ابی طالب کی بیٹی فاطمہ سے بیاہا ہوا تھا، دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ کا پوتا سیدنا حسینؓ کا داماد تھا۔ (مقاتل الطالبین ص۲۰۲) اسی طرح سیدنا عثمانؓ کا ایک اور پوتا زید بن عمرو بن عثمانؓ بھی سیدنا حسینؓ کا داماد تھا اور سیدنا حسینؓ کی صاحبزادی سکینہ بنت الحسینؓ ان کے نکاح میں تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸، ۴۷۵، نسب قریش جلد ۴ ص۱۰۲، کتاب المعارف لابن قتیبہ ص۱۸۷، جمہرۃ انساب العرب جلد ا ص۸۶)

پھر ایک اور رشتہ یہ قائم ہوا کہ سیدنا حسین بن علیؓ بن ابی طالب کی پوتی سیدہ ام القاسمؒ کی شادی سیدنا عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمانؓ سے ہوئی تھی۔

سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی سیدنا جعفرؓ کی پوتی اُم کلثوم بنت عبداللہ بن جعفرؓ کی

شادی سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا ابانؓ سے ہوئی۔

(المعارف لابن قتیبہ ص۸۶، ص۹۰)

سیدنا عثمانؓ کی ایک صاحبزادی سیدہ عائشہؓ تھیں، اس سیدہ عائشہؓ سے پہلے سیدنا حسنؓ کا نکاح ہوا اُن کے انتقال کے بعد پھر سیدنا حسینؓ نے ان سے شادی کی۔ (مناقب آل ابی طالب جلد۴ ص۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائیوں کی اولاد میں سے حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے حبالۂ عقد میں سیدنا معاویہؓ کی ہمشیرہ ہند بنت ابوسفیان تھیں۔ (الاصابہ جلد۳ ص۵۸، طبقات ابن سعد جلد۵ ص۲۴)

سیدنا معاویہؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ لیلیٰؓ سیدنا حسینؓ کی زوجۂ محترمہ تھیں اور سیدنا حسینؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا علی اکبرؓ کی والدہ ماجدہ تھیں، یہ علی اکبرؓ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے، گویا علی اکبرؓ یزید بن معاویہؓ کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔ (منتہی الآمال جلد۱ ص۴۱۹، مقاتل الطالبین جلد۱ ص۵۴)

ان دونوں خاندانوں کا ایک اہم رشتہ یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کے بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی بیٹی اُمِ محمد یزید بن معاویہ کے نکاح میں تھیں، اس لحاظ سے سیدنا حسینؓ یزید کی اہلیہ اُمِ محمد کے ماموں تھے اور دوسری طرف یزید علی اکبرؓ کے ماموں تھے۔

یہ تو ہم نے صرف چند رشتوں کا ذکر کیا ہے وگرنہ جنگِ صفین اور معرکۂ کربلا کے بعد بھی ان دونوں خاندانوں میں بڑی اہم رشتے داریوں نے جنم لیا اور یہ دونوں خاندان آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے، اس زمانے میں کسی کو بھی اپنی پرانی رنجش اور عداوت کا پتہ نہیں تھا لیکن ان کے کئی سو سال بعد لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ جنگِ صفین اور معرکۂ کربلا ان دونوں خاندانوں کی پرانی رنجش کا نتیجہ تھے۔ (العیاذ باللہ)

سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس رشتۂ مودت

محبت کو قائم رکھا، چنانچہ سیدنا حسنؓ سے تو آپ کو خصوصی محبت تھی، فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گفتگو کرنے والے سیدنا حسنؓ بن علیؓ ہیں، ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور ہم سنتے رہیں"

ایک اور موقع پر فرمایا کہ :۔

"میں نے سیدنا حسنؓ سے ایک بار کے سوا کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا، اور وہ فحش کلمہ کیا تھا؟ وہ یہ کہ ایک مرتبہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے عمروؓ کے درمیان ایک قطعۂ اراضی کے بارہ میں تنازعہ ہو گیا، رفع نزاع کے لیے سیدنا حسنؓ نے ایک تجویز پیش کی جس سے سیدنا عمرو بن عثمانؓ نے اتفاق نہ کیا، اُس وقت سیدنا حسنؓ نے اظہارِ ناراضگی کے طور پر فرمایا "ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی ناک خاک آلودہو" بس یہی فحش کلمہ تھا جو ہم نے پوری زندگی میں ان کی زبان سے سُنا"

(تاریخ یعقوبی شیعی جلد۲ ص۲۲۷)

سیدنا حسنؓ جب تک زندہ رہے سیدنا معاویہؓ نے انہیں مختلف اوقات میں گرانقدر عطیات دیئے تاکہ اُن کی جود و سخا میں کوئی فرق نہ پڑے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا حسنؓ نے خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو اُس وقت کوفہ کے خزانہ میں ایک روایت کے مطابق پچاس لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق ستر لاکھ درہم تھے، آپ نے یہ سارا مال سیدنا حسنؓ کو دے دیا۔ اسی طرح "دارابجرد" کے علاقہ کی ساری آمدنی سیدنا حسنؓ کے کھاتے میں جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر سال لاکھوں درہم ہدیہ اور عطیہ کے طور پر سیدنا حسنؓ کی خدمت میں پیش کرتے اور سیدنا حسنؓ بغیر کسی تردّد کے ان کو قبول کرتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد۸ ص۴۱)

ایک دفعہ سیدنا حسنؓ ایک لاکھ درہم کے مقروض ہو گئے، سیدنا معاویہؓ کو

پتہ چلا تو اُسی وقت تین لاکھ درہم عطا فرمائے، اور کہا کہ ان تین لاکھ میں سے ایک لاکھ آپ کے قرض کی ادائیگی کے لیے، ایک لاکھ آپ کے اعزا و اقرباء کے لیے اور ایک لاکھ آپ کی خاص ذات کے لیے ہے، چنانچہ آپ نے اس رقم کو قبول اور وصول کیا۔ (انساب الاشراف ص۴۸ تذکرہ سیدنا معاویہؓ)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسنؓ کو مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک گاؤں مرحمت فرمایا جو بعد میں انہوں نے زینب بنت عبداللہ بن جعفرؓ کے حق مہر میں دے دیا۔

(ناسخ التواریخ جلد۵ ص۲۸۰)

یہی اُلفت و محبت آپ کی سیدنا حسینؓ سے بھی ہوتی تھی، سیدنا حسینؓ مزاج کے لحاظ سے اپنے بڑے بھائی سیدنا حسنؓ سے بہت مختلف تھے لیکن پھر بھی سیدنا معاویہؓ کے اُن سے روابط بہت اچھے تھے اور آپ انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سیدنا حسنؓ نے جب خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو ابتداء میں سیدنا حسینؓ نے بھائی کی اس تجویز سے ذرا سا اختلاف کیا لیکن سیدنا حسنؓ نے فرمایا:۔

"اُسکت فانا اعلم بالامر منک۔

خاموش رہو میں اِس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں"

(طبری جلد ۶ ص۹۲ ، ابن اثیر جلد۳ ص۲۰۳)

سیدنا حسینؓ نے جب بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کو دیکھا تو فوراً عرض کیا کہ:۔

"آپ سیدنا علیؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے جانشین بھی، ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہٰذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے"

(تہذیب التہذیب جلد۲ ص۳۰۰ ، تاریخ ابن عساکر جلد۴ ص۲۲۲)

چنانچہ آپ نے بھی سیدنا حسنؓ کے ساتھ سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمالی لیکن

کوفہ کے شیعوں کو فریقین کی یہ صلح ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، لہٰذا اندر ہی اندر انہوں نے کوشش کرنی شروع کر دی کہ سیدنا حسینؓ سیدنا معاویہؓ کی بیعت توڑ دیں لیکن سیدنا حسنؓ کی زندگی میں تو یہ ممکن نہ تھا سیدنا حسنؓ کے انتقال کے بعد اہلِ کوفہ نے بیعت توڑنے کی تحریک تیز کر دی، چنانچہ اب کثرت سے اہلِ عراق کے خطوط سیدنا حسینؓ کے نام آنے لگے کہ آپ معاویہؓ کی بیعت توڑ دیں لیکن آپ نے فرمایا :۔

"معاویہؓ اور میرے مابین صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے لہٰذا میں اس عہد کے توڑنے کو جائز نہیں سمجھتا یہاں تک کہ اس کی مدت ختم ہو جائے"۔ (الارشاد، شیخ مفید ص۱۸۲)

ایک اور شیعہ مؤرخ ابو حنیفہ الدینوری نے بھی لکھا کہ سیدنا حسینؓ نے اہلِ کوفہ سے یہی کہا کہ :۔

"ہم سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں، اب نقضِ بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

(الاخبار الطوال ص۲۲۰)

سیدنا معاویہؓ نہایت زیرک اور مدبر حکمران تھے، ان کے علم میں تھا کہ اہلِ کوفہ سیدنا حسینؓ کو خط لکھ کر حکومت کے خلاف خروج پر اکسا رہے ہیں لیکن آپ بالکل خاموش رہے۔ گورنرِ مدینہ بھی کوفیوں کی کاروائیوں سے واقف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ بعض لوگ سیدنا حسینؓ کو حکومت کے خلاف اقدام کرنے پر اکسا رہے ہیں، آپ نے اس کے جواب میں والیٔ مدینہ کو لکھا کہ :۔

"آپ حسینؓ کے بارہ میں کچھ فکر نہ کریں اور نہ اُن سے کوئی تعرض کریں، انہوں نے میری بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو ہرگز نہیں توڑیں گے اور نہ ہی اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم کریں گے"۔ (الاخبار الطوال ص۲۲۴)

یہ جواب تو آپ نے گورنرِ مدینہ منورہ کو دیا لیکن اس کے ساتھ ایک خط میں سیدنا حسینؓ کو لکھا کہ :۔

"آپ کے بارہ میں کچھ ایسی اطلاعات مجھے پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور مناسب نہیں، اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا عہد کیا تو یہ بات ایفاء کرنے کے لائق ہے، آپ پر حق تعالیٰ شانہ کی رحمت ہو، خیال رکھئے کہ آپ کو خفیف العقل لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں کہیں مضطرب اور پریشان نہ کر دیں" والسلام

(الاخبار الطوال ص۲۲۴)

سیدنا حسینؓ کو جب امیرالمؤمنین سیدنا معاویہؓ کا یہ مکتوب موصول ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں ان کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ:۔

"وما ارید حربك ولا الخلاف علیك۔

(امیرالمؤمنین!) نہ تو میرا آپ سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی کوئی خواہش" (الاخبار الطوال ص۲۲۵)

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ اہلِ عراق کا کبھی کوئی خط سیدنا حسنؓ کو نہیں آیا تھا، حالانکہ سیدنا حسنؓ عراق میں خلیفۃ المسلمین رہے تھے، اہلِ عراق سیدنا حسینؓ کو کیوں خط لکھتے تھے؟ اس کی دو وجوہات ہیں:۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ ان عراقیوں کی فطرت سے اچھی طرح آشنا تھے اور ان کو معلوم تھا کہ انہیں اسلام اور اہلِ بیتِ نبوت سے تو کوئی ہمدردی نہیں بلکہ یہ سب کچھ عبداللہ بن سباء کی پلاننگ کرتے ہیں، اس وجہ سے انہیں کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ سیدنا حسنؓ کو کوئی خط لکھ سکیں۔

(ب) دوسرے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ دونوں بھائیوں کی طبیعت اور مزاج میں بہت فرق تھا، سیدنا حسنؓ نہایت ٹھنڈے دماغ کے انسان تھے، نہایت دوراندیش اور مستقبل کے پردوں میں جھانکنے والے، دوست اور دشمن کو پہچاننے والے، مستقل مزاج اور صاحبِ فکر و نظر تھے۔ اسی دوراندیشی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے آپ نے سیدنا علیؓ کو بھی اُن کے دورِ خلافت میں کئی مفید مشورے دیئے لیکن سیدنا علیؓ نے ان کو درخورِ اعتنا

نہ سمجھا لیکن بعد میں ان مشوروں پر عمل نہ کرنے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

اس کے برعکس سیدنا حسینؓ تھوڑے سے جلالی مزاج کے آدمی تھے، خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں خطبہ کے دوران میں نے آپ سے کہہ دیا کہ "میرے نانا کے منبر سے اتر جائیے اور اپنے ابا کے منبر پر چلے جائیے" سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے یہ سُنکر نہایت تحمل اور بُردباری سے جواب دیا کہ "میرے ابا کا تو کوئی منبر نہیں ہے" پھر انہوں نے پکڑ کر مجھے اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا، خطبہ کے اختتام پر مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور فرمانے لگے "میرے بیٹے! یہ تو بتاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھائی تھی" میں نے کہا کہ یہ بات مجھے کسی نے نہیں سکھائی تھی"

(الاصابہ جلد ا ص ۳۳۲، تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام جلد ۲ ص ۹)

اسی طرح ایک مرتبہ یمن سے ایک قافلہ بہت سا مال و اسباب سیدنا معاویہؓ کے پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے وہ سارا مال و اسباب چھین لیا اور اپنے اہلِ بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہؓ کو خط لکھ دیا۔

(ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۲۸۱)

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسینؓ کو جواباً لکھا کہ:-

"میرے بھتیجے! میرے خیال میں تمہارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے اور تم جذبات کی رَو میں بہہ جاتے ہو، میرے زمانے میں تو تمہارا ایسا معاملہ درگذر کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا واسطہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو ایسے معاملات میں تمہارا بالکل لحاظ نہ کرے" (ناسخ التواریخ کتاب ۲ ص ۸۲)

یہ تو معمولی واقعات تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عراق کے سبائیوں نے سیدنا حسینؓ کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا کیونکہ وہ سیدنا حسینؓ کے مزاج کی اس کمزوری سے بخوبی واقف تھے۔ مُلّا باقر مجلسی کا بیان ہے کہ مروانؓ نے جو اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، امیر معاویہؓ کو

اس بات کی مکمل رپورٹ دی کہ :-

"ایک گروہ عراقی و حجازی امام حسین رضؓ کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں اور ان کو طمع خلافت دلاتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہو جائے، اب مجھے جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں"۔

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۵ ص ۳۶۹)

اس رپورٹ کے جواب میں امیر المؤمنین رضؓ نے سیدنا مروانؓ کو لکھا کہ :-

"تمہارا خط میرے پاس آیا، جو کچھ اس میں لکھا تھا معلوم ہوا۔ تم ہرگز حسینؓ سے تعرض نہ کرنا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت سے وفا کریں گے میں ان کا معترض نہ ہوں گا"۔ (جلاء العیون باب ۵ فصل ۵ ص ۳۶۹)

ناسخ التواریخ میں اس خط کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے کہ :-

"ما در ہیچ امرے معترض حسینؓ نیستیم مادام کہ معترض سلطنتِ ما نیست پس پوشیدہ دار خاطر خود چنداں کہ آشکارا نہ کردہ است مخاطراتِ خود را از برائے تو"۔

— ہم کو کسی امر میں حسینؓ سے تعرض نہیں جب تک کہ وہ ہمارے حکومت کے ساتھ تعرض نہ کریں، پس تم بھی خاموش رہو جب تک کہ وہ اپنے خیالات کو تمہارے سامنے ظاہر نہ کریں"۔

(ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ ص ۴۶)

اس کے علاوہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ایک خط براہِ راست سیدنا حسین رضؓ کو لکھا کہ :-

"آپ کے متعلق کئی امور کا مجھے پتہ چلا، اگر وہ سچے ہیں تو لازم ہے کہ انہیں ترک کیجئے، اس لیے کہ جس نے خدا سے عہد و پیمان کیا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عہد پر وفا کرے، اور جو کچھ میں نے سنا ہے

اگر غلط ہے تو اس تہمت سے اپنے کو بری الذمہ جانیے"۔
(بروایت ناسخ التواریخ ص۷۶)

ایک اور خط میں آپ نے سیدنا حسینؓ کو یہ لکھا کہ:۔
"اور جب آپ عہد شکنی کریں گے میں بھی عہد شکنی کروں گا، اور آپ اگر بمقام غدر آئیں گے تو میں بھی آپ سے غدر کروں گا، پس آپ اس اُمت کی جمعیت کو پراگندہ نہ کیجئے گا اور فتنہ کا باعث نہ بنیئے گا کیونکہ آپ پہلے لوگوں کو پہچانتے ہیں اور ان کا امتحان کر چکے ہیں (اور کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا) پس آپ اپنے اوپر اور اپنے دین اور اپنے نانا کی اُمت پر رحم کیجئے اور بے عقل اور احمقوں سے دھوکا نہ کھائیے"۔
(جلاء العیون ص۳۶۹، ناسخ التواریخ ص۷۶)

اندازہ فرمائیے کہ سیدنا معاویہؓ کس قدر دل سوزی اور قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے سیدنا حسینؓ کو یہ نصیحت کر رہے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اہلِ عراق ان کو حکومتِ اسلامیہ سے ٹکرا کر ملک میں تشتت و انتشار کی فضاء پیدا کرنا چاہتے تھے۔
بہر حال سیدنا حسینؓ نے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں سبائیوں کے اُکسانے کے باوجود بالکل کوئی تعرض نہ کیا اور ہر معاملہ میں برابر امیر المؤمنینؓ کے ساتھ تعاون کرتے رہے، یہاں تک کہ ۴۸ھ میں امیر المؤمنینؓ کے فرزند امیر یزید کی قیادت میں جہادِ قسطنطنیہ میں شرکت بھی فرمائی، لیکن سبائی برابر آپ کے پاس آتے جاتے اور ترغیب و تحریص سے آپ کو امیر المؤمنینؓ کی مخالفت پر اُکساتے رہتے، چنانچہ ایک دفعہ ان سبائیوں نے آپ کو لکھا کہ:۔
"ہم معاویہؓ کو خلافت سے معزول کر کے آپ سے بیعت کرتے ہیں، امام حسینؓ نے اس وقت موافقت ان کی اصلاح وقت نہ جانی اور حکم بہ صبر فرمایا"۔ (جلاء العیون ص۴۳۲)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ باقاعدہ ہدایا اور

عطیات کے ذریعہ سے ان کی مالی امداد فرماتے رہے، کسی وقت بھی ان کو انہوں نے مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا حسینؓ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس آتے اور سیدنا معاویہؓ ان کا اکرام و اعزاز فرماتے اور عطیات پیش کرتے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱)

"کبھی ان دونوں بھائیوں کو دس لاکھ، کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرماتے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۰، ابن ابی الحدید جلد ۸ ص ۱۳۸)

سیدنا حسینؓ اور سیدنا حسنؓ کے علاوہ ان کے اور جتنے بھی متعلقین تھے سیدنا معاویہؓ نے ان کی بھی بھرپور مدد کی، چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ:۔

"معاویہؓ زمین میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دس دس لاکھ درہم لوگوں کو بطور عطیہ دیئے، آپ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ ہر ایک کو ہر سال دس دس لاکھ درہم عطا فرماتے، اور اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی اتنی ہی رقم دیتے۔" (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۰۵)

مصنف ابن ابی شیبہؒ کی ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ سیدنا حسنؓ کو چالیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (جلد ۱۱ ص ۹۴)

سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ تو سیدنا امیر معاویہؓ کو دل و جان سے چاہتے تھے، چنانچہ وہ اپنے بھائی سیدنا علی المرتضیٰؓ کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق چلے گئے اور جنگِ صفین میں سیدنا علیؓ کے لشکر کے بجائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔ (عمدۃ الطالب ص ۳۱)

سیدنا امیر معاویہؓ نے انہیں بھی مختلف مواقع پر گرانقدر عطیات و ہدایا عطا فرمائے بلکہ ایک موقع پر تو انہیں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔
(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

غرض یہ کہ جس جس شخص کا بھی خاندانِ نبوّت سے تعلق تھا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اپنے عہدِ خلافت میں اُس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق قدر کی، چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بارہ میں انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:۔

"ان من الناس من لا یرد علیہ امرہ وان عائشۃ منھم۔

بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ ان کی بات کو رَدّ نہیں کیا جاسکتا اور سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا ان میں سے ایک ہیں"۔ (التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۳ صفحہ ۲۲)

سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی کئی لاکھ درہم عطیہ اور ہدیہ کے طور پر دیئے۔
(ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۹۹، جلد ۶ صفحہ ۹۰، المستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۱۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۶)

گویا خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس بحرِ بیکراں سے فیضیاب ہوا۔



آثارِ حرم و آثارِ نبوی کا تحفظ

ایک مسلمان کے لیے دنیا میں سب سے محترم شے اللہ اور اس کا رسول ہے ان کے بعد ہر وہ شے ہمارے لیے باعثِ صد احترام ہو جاتی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جائے۔ سیدنا معاویہؓ کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے معالم حرمین کا تحفظ کیا۔

مکہ مکرمہ میں ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کا ایک گھر تھا جس میں آپ سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھیں، اس گھر کو "دارِ خزیمہ" کہا جاتا تھا، اسی مکان میں آپؐ کی ساری اولاد پیدا ہوئی اور یہی وہ مکان تھا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سجدوں کے نشان پیوست تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ نے جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، اس گھر پر قبضہ کر لیا، سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر اس پر ایک مسجد تعمیر کروادی اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنے لگے، بعد میں اس کو "مولدِ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا" کے نام سے یاد کیا جانے لگا کیونکہ سیدہ فاطمہؓ اسی مکان میں پیدا ہوئی تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مواضعات میں سے مسجد الحرام کے بعد یہ افضل ترین جگہ ہے۔ (ھو افضل موضع بمکۃ بعد المسجد الحرام) (تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۳۰۱)

مکہ مکرمہ کے مکانات کے لیے اس سے پہلے کوئی خاص حفاظتی دروازے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اہلِ عراق، اہلِ شام اور دوسرے غیر مقامی لوگ اپنے اپنے علاقوں سے جب مکہ مکرمہ آتے تو ان مکانات میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے، لہٰذا ضرورت تھی کہ ان کو دروازے لگائے جائیں، سیدنا معاویہؓ نے ان مکانات

کو دروازے لگانے کا انتظام کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۹، المصنف لعبدالرزاق جلد ۵ ص۱۴۷)

ان کے علاوہ آپ نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ کو لکھا کہ اگر صحابیٔ رسول سیدنا کرز بن علقمہؓ زندہ ہوں تو اُن کی نشاندہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کریں تاکہ اہلِ اسلام ان سے برکت حاصل کر سکیں۔ (فتوح البلدان ص۶۱، طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۳۳۸، الاصابہ جلد ۳ ص۲۷۵)

مکہ مکرمہ میں سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک جگہ تھی جس کا نام دارالندوہ تھا، اس میں بیٹھ کر قریش آپس میں اہم امور کے بارہ میں مشورے کیا کرتے تھے، یہ جگہ شروع سے قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلی آرہی تھی، پھر اسی خاندان کے ایک فرد نے اس دارالندوہ کو سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، سیدنا معاویہؓ نے اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے اس کا نام "دارالامارۃ" رکھ دیا، اس دارالامارۃ میں حکام اور گورنر حضرات اقامت پذیر ہوتے اور مختلف امور پر مشورہ وغیرہ کرتے۔ (فتوح البلدان ص۵۹)

حافظ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ دارالندوہ سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کرنے والے سیدنا حکیم بن حزامؓ تھے جو کہ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھائی کے بیٹے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں سیدنا حکیم بن حزامؓ نے دارالندوہ کو ایک بہت بڑی رقم ایک لاکھ درہم اور ایک دوسری روایت کے مطابق چالیس ہزار دینار کے عوض سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے سیدنا حکیم بن حزامؓ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت و شوکت کو فروخت کر دیا، جواب میں سیدنا حکیمؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! سابقہ مکارم کی چیزیں اب رخصت ہو چکی ہیں، اب تو عزت و شرف صرف تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے، یہ دارالندوہ قریش کا دارالعدل

تھا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۹، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۴۱)

اسی طرح حویطب رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیٰ کی مکہ مکرمہ میں ایک حویلی تھی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خریدلی، لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس حویلی کی یہ قیمت بہت زیادہ ہے، آپ نے فرمایا کہ حویطب رضی اللہ عنہ کا کنبہ پانچ افراد پر مشتمل ہے، لہٰذا اُن کی ضروریات کے پیشِ نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۷)

اسی طرح کی اور کئی چیزیں آپ نے خرید کر آثارِ حرم کو محفوظ فرمالیا۔

مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی آپ نے آثارِ نبوی کا تحفظ کیا۔ چنانچہ گورنرِ مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے کوشش کی کہ ان مقاماتِ متبرکہ کے بارہ میں آشنائی حاصل کی جائے، لہٰذا سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ مجھے سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواقف بتلائیں۔ (الاصابہ جلد ۴ ص ۱۵۸)

سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ جب اس دنیا سے انتقال فرمارہے تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المؤمنین سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا تھا کہ میری فلاں جگہ فروخت کرکے میرا تمام قرض ادا کیا جائے، چنانچہ اس جگہ کو آپ کے انتقال کے بعد فروخت کردیا گیا جسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُس دور کی وقتی ضروریات کے لیے خریدلیا، پھر اس کو ایک مسجد میں منتقل کردیا، اس جگہ کا نام "دارالقضاء" تھا۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص ۶۹۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اس دنیا سے رخصت ہورہے تھے تو انہوں نے خلافت کے لیے چھ شخص نامزد فرمائے کہ یہ چھ آپس میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں، چنانچہ تین شب وروز اس میں بیٹھ کر خلافت کے لیے مشورہ ہوتا رہا، یہ مکان سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تھا جو ان چھ میں سے ایک تھے، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کا آخری فیصلہ بھی اسی مکان میں ہوا۔ سیدنا

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے انتقال کے بعد آپ کی اولاد نے اسے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ مکان چونکہ تاریخی حیثیت کا حامل تھا سیدنا معاویہؓ نے اس مکان کا تحفظ اس طرح کیا کہ اس میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کر دیا۔ (تاریخ مدینۃ المنورہ لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۴۴)

مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے مختلف قسم کے قلعے تعمیر کروائے جن میں "قصرِ حل" زیادہ مشہور ہے، یہ محل یا قلعہ چونکہ راستہ پر واقعہ تھا اس لیے اس کا نام "قصرِ حل" رکھا گیا۔ یہ قصر گورنرِ مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے مشہور صحابیٔ رسول سیدنا نعمان بن بشیرؓ کے تعاون سے مکمل کروایا۔

ایک اور قصر بنوایا گیا جس کا نام "قصرالدارین" تھا، یہ قصر جس زمین پر بنایا گیا وہ جگہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک صحابی سیدنا صفوان بن المعطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی تھی، سیدنا امیرِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید کر لوگوں کے لیے "قصر" کی شکل میں تعمیر کروایا۔

چاروں خلفاء کے زمانے میں مسجدِ نبوی کے اردگرد کا علاقہ بالکل کچا تھا، بارش کے دنوں میں وہاں کیچڑ پھیل جاتا تھا۔ سیدنا امیرِ معاویہؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس کو پتھروں سے پختہ کروایا۔ آپ نے گورنرِ مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسجدِ نبوی کے گرد و نواح میں جتنی بھی گلیاں ہیں ان کو پتھروں کے فرش سے پختہ کیا جائے، چنانچہ گورنرِ مدینہ نے آپ کے اس حکم کی تعمیل کی۔

اسی طرح آپ نے ام المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حیی سلام اللہ علیہا کا حجرۂ مبارک خرید کیا جو سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنی ضرورت کے تحت

سیدنا امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا، سیدنا معاویہ رضؓ نے ان کے مرتبہ و مقام کی رعایت فرماتے ہوئے انہیں ایک کثیر رقم پیش کر دی۔ (وفاء الوفاء للسمہودی رحؒ جلد ۲ ص۲۶۱)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے بھی اپنا ایک مکان امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ فروخت کیا جو آپؓ نے ایک لاکھ اَسّی ہزار درہم میں خریدا۔

شاعرِ دربارِ نبوت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوروں کا ایک نہایت عمدہ باغ تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انہیں مرحمت فرمایا تھا، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ سیدنا حسان بن ثابت رضؓ نے وہ باغ سیدنا امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ مالِ کثیر کے عوض فروخت کر دیا۔

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا امیرِ معاویہ رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حرمین شریفین کی بہت خدمت کی اور ان کے بہت سے آثار کو محفوظ فرمالیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ



علمی سرگرمیاں

سیدنا معاویہؓ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جو قریش کا سردار اور علمی لحاظ سے ایک نہایت اچھا گھرانہ تھا، آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ نے شروع ہی سے علمی لحاظ سے آپ کی نہایت اچھی تربیت کی۔ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت احمد امین کے بقول ۱۷ آدمی (فجر الاسلام ص۱۴۱) اور علامہ زکی مبارک کے بیان کے مطابق ۴۲ افراد تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن میں ایک سیدنا معاویہؓ بھی تھے گویا کہ شروع ہی سے علمی مذاق میں آپ کی تربیت کی گئی تھی۔ چنانچہ آپ کی خلافت میں جہاں اور شعبہ ہائے زندگی میں ترقی ہوئی وہاں علمی سرگرمیوں میں بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی۔

شاعری

شاعری اور خطابت تو عربوں کا فطری ملکہ اور فن تھا خصوصی طور پر شاعری تو اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس فن میں دُنیا کی کوئی قوم اُن کی ہمسری اور برابری نہیں کرسکتی تھی۔ شیخینؓ کے زمانہ میں اس کا رنگ قدرے پھیکا پڑ گیا لیکن اموی دور میں پھر اس مذاق میں چاشنی آگئی، سیدنا معاویہؓ خود سخن سنج تھے اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ان کو اچھا خاصا مذاق ودیعت کیا گیا تھا، اسلیئے اس زمانہ میں اس فن میں کافی ترقی ہوئی۔ جریر، فرزدق، اخطل وغیرہ شعراء جنہوں نے اسلامی شاعری کو چار چاند لگائے، اسی زمانہ کی پیداوار ہیں۔ سیاسی حالات کے اس نشیب و فراز سے شاعری کو اور بھی ترقی ملی کیونکہ شیعہ اور خارجی جماعتوں کے پراپیگنڈے کا واحد ذریعہ شاعری تھا اور شعراء کی زبان شمشیر بُرّاں سے کسی قدر کم نہیں ہوتی، لہٰذا مقابلہ میں بھی اس فن کو خود بخود ترقی کے مواقع فراہم ہو گئے۔

عراق و شام کے تمدن اور ان کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں نے عربی شاعری کا رنگ ہی بدل دیا، اب شاعری میں عربوں کے سادہ اور بدویانہ جذبات کے بجائے تنوع اور رنگینی آگئی، اس شاعری نے ایک طرف تو جاہلی شاعری کو اپنے دامن سے نہ جھٹکا

اور دوسری طرف تنوع اور رنگینی، تشبیب و تغزل میں جدت آفرینی کی وجہ سے جاہلی شاعری کو بھی ماند کر دیا اور جاہلی اور جدید فکر کی آمیزش سے ایک نئی قسم وجود میں آئی۔

ان سب چیزوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ نے شعر کو بیہودگی اور قبائلی ہجو کے بجائے نیک کاموں کی رغبت دلانے کا ذریعہ بنایا۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص۱۶) چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"انسان پر اپنی اولاد کی تہذیب و تادیب لازم ہے اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے، لوگوں کو چاہیئے کہ شعر کو بلند ترین نصب العین ٹھہرائیں اور اس کی عادت ڈالیں"۔ (العمدہ جلد ۱ ص۱۵)

شاعری میں آپ کا مذاق نہایت عمدہ اور سلجھا ہوا تھا، آپ کے والد اور والدہ بھی شاعر تھے، چنانچہ آپ نے نظم و نثر کی طرف خاص توجہ فرمائی اور شاعری کی تطہیر کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن الحکم بن ابی العاص کو نصیحت فرمائی کہ شاعری کو ایسی تشبیب کا ذریعہ مت بناؤ کہ جو شریف عورتوں کو عریاں کر دے اور ہجو سے کسی شریف آدمی کی پگڑی اچھالنے یا ذلیل کو مدح کے ذریعے بلند کرنے کی کوشش نہ کرو۔ (معاویہؓ، نصولی ص۹۳، ۹۴)

ابن رشیق القیروانی نے اپنی کتاب "العمدہ" میں آپ کے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں:۔

ان تناقش کن نقاشك یا رب عذابًا لا طوق لی بالعذاب

او تجاوز فانت رب رؤف بمسیءٍ ذنوبہ کالتراب

اذا المجد بالحلم منی علیکم فمن ذا الذی یعدی یاثل للحلم

خذیہا منیہا واذکری فعل ماجد حباك علی حرب العداوۃ بالسلم

(العمدۃ جلد ۱ ص۲۲)

اسی طرح صاحب معجم الشعراء نے بھی اپنی کتاب کے ص۳۹۳ پر آپ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔

خطابت اس زمانہ کی جماعت بندی کے باعث خطابت کو بھی خاطر خواہ ترقی حاصل ہوئی، اس سے زیادہ تر سیاسی معرکوں اور لڑائیوں میں کام لیا جاتا تھا۔

زیاد، عتبہ اور امیر معاویہؓ کا شمار اس زمانے کے چوٹی کے خطباء میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بنوامیہ میں عتبہ بن ابی سفیان سے بڑھ کر کوئی خطیب نہیں ہوا۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص۵۲)
خود سیدنا معاویہؓ کا شمار اپنے دور کے پانچ مشہور خطباء قریش میں ہوتا تھا ــــــ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام حصہ ۲ جلد ۳ ص ۶۱۹) ابن طقطقی نے لکھا ہے :۔
وکان حکیماً فصیحاً بلیغاً (الفخری ص۱۰۳) معاویہؓ ایک حکیم اور فصیح وبلیغ آدمی تھے۔

تفسیر و حدیث

آپ کے دور میں بڑے بڑے ائمہ تفسیر پیدا ہوئے جن کی بدولت تفسیری ذخیرہ میں معتد بہ اضافہ ہوا ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا علیؓ کے ایک رفیق ابوحمزہ نے تفسیریں لکھیں۔
اکثر بڑے بڑے علماء بیک وقت مفسر بھی ہوتے تھے اور محدث و فقیہ بھی، عموماً جو محدث تھے وہ فقیہ بھی تھے، اس دور میں حدیث و فقہ کی خاصی ترقی ہوئی۔

سیرت و مغازی

سیدنا معاویہؓ کے عہد میں تدوین تاریخ و حدیث کا آغاز ہوا۔ سیدنا عروہ بن زبیرؓ، سیدنا عکرمہؓ، وہب بن منبہؒ اور عبید بن شریہ اس دور کے قابل قدر سیرت نگار اور مؤرخ ہوئے ہیں، تدوین تاریخ پر آپ نے خاص توجہ فرمائی اور صنعائے یمن سے عبید بن شریہ نامی ایک مؤرخ کو بلا کر تدوین تاریخ پر مامور کیا، اس کے اہتمام میں دو کتابیں مدون ہوئیں ایک نثر کی "کتاب الامثال" کے نام سے اور ایک تاریخ کی "اخبار الملوک واخبار الماضین" کے نام سے۔ (فجر الاسلام ص۱۶۷)

دار الترجمہ

سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں ایک "دار الترجمہ" بھی قائم فرمایا، اس کی نگرانی پر ابن آثال طبیب کو مامور کر کے طب یونانی کی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا لیکن افسوس کہ اس زمانہ کی دست برد سے بچ کر کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔ (معاویہ بن ابی سفیان، ابوالنصر ص۱۵۱)



یزید کی ولی عہدی

سیدنا معاویہؓ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو کہ اصحاب رسول میں نہایت بلند مقام کے حامل تھے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی اس حیات مستعار ہی میں ولی عہدی کا انتظام فرما جائیں۔ کیونکہ حالات کی کروٹیں بتا رہی ہیں کہ آسمانِ خلافت پر بڑے گہرے بادل چھانے والے ہیں، چنانچہ ولی عہد کی تحریک پیش کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی امیر یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "امیر المومنین! شہادتِ عثمانؓ کے بعد کی خونریزی آپ کے سامنے ہے اسلئے میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے لیں تاکہ آپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد اہلِ اسلام کے پاس ایک سہارا موجود ہو اور اُمت اختلاف اور فتنہ و فساد کی آگ کی لپیٹ میں نہ آجائے"۔

سیدنا معاویہؓ کاتبِ وحی اور محبوبِ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حالات کا بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے والے تھے، وہ سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے اس لیے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے مسلمان متفق نہ ہوں، آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ سیدنا مغیرہؓ کی تجویز بالکل صحیح ہے اور حالات ایسے ہی ہیں کہ اُمت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے پر تیار نہیں لیکن وہ یہ سب کچھ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مغیرہؓ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک تمام ولایتوں کے نمائندے اور اربابِ حل و عقد مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ سیدنا مغیرہؓ یہ سنکر واپس کوفہ تشریف لے گئے۔ یہ بیان اکثر مؤرخین کا ہے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے معزولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اس روایت پر غور کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین کی یہ روایت اندھا دھند تقلید کا نتیجہ ہے کیونکہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات تو ۵۱ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولیعہدی کا معاملہ ۵۶ھ میں پیش آیا، وہ اپنی وفات کے پانچ سال بعد یعنی ۵۶ھ میں اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کرنے کے لیے کیسے تشریف لے آئے؟

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں ۵۱ھ کے واقعات میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے، نیز آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"فلم یزل امیرھا حتی مات فی ھذہ السنۃ علی المشھور قال محمد بن سعد وغیرہ وقال الخطیب اجمع الناس علی ذلک۔

یعنی آپ کوفہ کے آخر وقت تک امیر رہے حتیٰ کہ اس سنہ یعنی ۵۱ھ میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہو گئی، محمد بن سعد وغیرہ کا یہی قول ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر اجماع ہے۔"

(ھکذا فی کتاب المعارف لابن قتیبہ ص۲۹۵)

پھر سیدنا معاویہؓ کا سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا استعفا نامنظور کرنا اس چیز کا بین ثبوت ہے کہ سیدنا مغیرہؓ قبل از وفات ہی گورنری کے بارِ دوش سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ انہیں استعفا واپس لینے پر مجبور کرتے رہے۔

چنانچہ قریباً تاریخ کی تمام مشہور کتابوں میں سیدنا مغیرہؓ کے استعفا کا ذکر ہے جس کا متن حسب ذیل ہے:۔

"اما بعد! فانی قد کبرت سنی ودق عظمی وشنئت لی قریش فان رأیت ان تعزلنی فاعزلنی۔ (طبری ج ۵ ص۳۳۱)

میری عمر بڑی ہو چکی ہے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں، قریش مجھ سے بغض رکھنے لگے ہیں، اگر آپ مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجیے۔"

اس سے تاریخ کی اس روایت کا غلط ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جس میں لکھا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی۔ گویا کہ یہ روایت

دو لحاظ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ سیدنا مغیرہؓ کی وفات ۵۱ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولی عہدی کا معاملہ ۵۶ھ میں ہوا، دوسرے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت سیدنا مغیرہؓ زندہ تھے تو پھر بھی یہ روایت غلط ہے کیونکہ انہوں نے خود استعفا پیش کیا تھا لیکن سیدنا معاویہؓ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

بہر حال کسی اور نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز سیدنا معاویہؓ کو بتائی یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی، آپ ماضی میں اُمت کی باہمی خانہ جنگی کے پیشِ نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ ان کے اپنے انتقال سے قبل ہی وہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جمل و صفین کی طرح اُمت کی تلواریں پھر بے نیام نہ ہوں، گویا یہ آپ کی امتِ مسلمہ پر نہایت شفقت تھی لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے اس معاملہ کو امت کے اربابِ حل و عقد کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا کیونکہ اربابِ حل و عقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب تک مدینہ طیبہ خلافت کا مرکز رہا خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے اربابِ حل و عقد کے ذمہ تھی، سیدنا علیؓ کے زمانہ میں جب مدینہ کے بجائے کوفہ کو مرکزِ خلافت ہونے کا شرف حاصل ہوا تو نصبِ امام کی ذمہ داری اہلِ کوفہ پر تھی، چنانچہ سیدنا حسنؓ کو کوفہ کے اربابِ حل و عقد نے ہی خلیفہ مقرر کیا، اسی طرح جب سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں دمشق مرکزِ خلافت بنا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے لوگوں کی رائے سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہؓ نے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کہا کہ جب تک تمام صوبوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اُس وقت تک میں اس کو نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکتِ اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفود مرکزِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو کہ سبائی تحریک کا مرکز تھا وہاں سے بھی احنف بن قیسؓ کی زیرِ قیادت ایک وفد

دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ (مروج الذہب جلد ۳ ط ۳۶) عراقیوں ہی نے یزید بن معاویہؓ کا نام ولی عہدی کے لیے تجویز کیا تھا، مخالف اور موافق سب قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالف اور موافق دلائل پیش کئے لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المومنین کے کان میں کہیں سے بھنک پڑی تھی کہ اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالف ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ کے باشندے بھی متفق نہ ہوں میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا، چنانچہ اس کے لیے آپ نے گورنرِ مدینہ مروان بن الحکمؓ کو لکھا کہ:۔

"اب ضعیفی اور ناتوانی نے مجھے آلیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد اُمت پھر اختلاف اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے، لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو اربابِ حل وعقد کے مشورے سے اپنا جانشین مقرر کر جاؤں، اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے، اس بات کو مدینہ طیبہ کے اربابِ حل وعقد پر پیش کرو، باہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھو۔"

مروان نے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا، پورے اجتماع میں سے صرف سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کوئی چُبھتی ہوئی بات کہی[1]، جس سے مروان کو غصہ آگیا اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ

---

[1] بخاری نے تو (جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب پوری اُمت میں سمجھی جاتی ہے) سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی وہ بات نقل نہیں کی جو انہوں نے اس اجتماع میں فرمائی لیکن خضری، مسعودی اور طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ مروان کی یہ بات سنکر عبدالرحمٰنؓ نے کہا تھا کہ "یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہؓ دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں،" لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس اجتماع میں کوئی معمولی قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ سعد بن ابی وقاصؓ،

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص۲۱۵) باقی خضری، مسعودی، طبری اور ابن الاثیر نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سرتاپا خلافِ عقل اور روایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

سیدنا معاویہؓ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا، لہٰذا آپ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذاتِ خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے، چنانچہ مدینہ میں پھر آپ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہؓ نے خود اس معاملہ کو سارے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ پیش فرمایا، تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالاتِ حاضرہ اور مصالح امت کے تحت اس تجویز کو منظور کر لیا۔ غرضکہ اس طرح شورائی نظام کے تحت یزید بن معاویہؓ کی ولیعہدی کیلئے نامزدگی ہوئی اور پوری اُمت اور سب اربابِ حل وعقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو سیدنا معاویہؓ نے ان کے سامنے پیش کی تھی[1] اور اس معاملہ میں یزید کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موجود تھے۔ اگر معاویہؓ واقعی قیصر وکسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تو سب حضرت عبدالرحمٰنؓ کی تائید کرتے لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سوائے سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ کا یزید کی ولی عہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر وکسریٰ کی سنت نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی؟ بلکہ الٹا یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولیعہدی کیلئے یزید کے نام کی تحریک قیصر وکسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور چبھتی ہوئی بات کہی تھی جس سے مروان کو غصہ آگیا۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] طبری، ابن اثیر اور مسعودی وغیرہ نے یہاں بڑی بڑی بے سروپا باتیں لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولیعہدی سے اختلاف کیا، ۱۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ۲۔ عبداللہ بن عمرؓ ۳۔ عبداللہ ابن عباسؓ ۴۔ حسین بن علیؓ ۵۔ عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا معاویہؓ جب خود مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ پانچوں حضرات مکہ مکرمہ چلے گئے، امیر المومنینؓ وہاں ان کے پیچھے پہنچے اور پہلے تو ان سب کو حسنِ خلق اور خاطر مدارات سے مائل کرنے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیسا استصواب رائے اس کی خلافت پر ہوا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا[1]۔

یہ اجتماعات جو یزید کی ولیعہدی کے سلسلہ میں ہوئے ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب ان اجتماعات میں کیڑے نکالے جاتے ہیں کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کر کے یہ رائے لی گئی تھی۔ اگر سختی ہی سے لوگوں کو ساتھ لگانا تھا تو اجتماع کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جا سکتا تھا، پھر یہ اجتماعات کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا مطلب؟ پھر وہ لوگ جن کو اُمت صحابۂ کرامؓ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھمکی سے کلمۂ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آکر باطل کو حق اور حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدر و اُحد کے مجاہد اور احزاب و حُنین کے شاہسوار، وہ عشرہ مبشرہ کے سند یافتہ کیا معاذ اللہ معاویہؓ کی صرف ایک ہی دھمکی سے ڈر جانے والے تھے؟ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
کی کوشش کی، جب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا، جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھمکی دی کہ اگر تم نے مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا، چنانچہ یہ ایک ہی دھمکی سے خاموش ہو گئے۔ اندر تو اُن کو اس طرح دھمکایا اور باہر آکر اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے یہ سنتے ہی سب نے یزید کی بیعت کر لی، بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۵۱، ۲۵۲)

اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کیے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہؓ کے کرکٹر ہی پر حملہ نہیں کیا بلکہ ان پانچوں بزرگوں کا سارا تانا بانا بھی امت کے سامنے بکھیر دیا ہے کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھمکی ہی سے ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہو گئے اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ نہ تو یہ بزرگ ایسے پست ہمت تھے اور نہ سیدنا معاویہؓ ایسے پست اخلاق، اصل میں یہ سارے واقعات دشمنانِ صحابہ نے وضع کر کے مسلمانوں کے دلوں سے ان کی محبت اور عقیدت کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور آج بعض نادان اور خود ساختہ مجتہد انہیں روایات کو پیش کر کے خلافت و ملوکیت پر کتابیں لکھ مارتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) [1] حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جس اہتمام سے یزید کی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیا یہ اتنے بزدل ہو چکے تھے کہ امیر معاویہؓ منبر پر بیٹھ کر یہ کہہ دیں کہ یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ یہ عبداللہ بن عباسؓ، یہ عبداللہ بن عمرؓ، یہ عبداللہ بن زبیرؓ اور یہ حسین بن علیؓ متفقہ طور پر یزید کی ولیعہدی کے حق میں ہیں اور یہ سب موت کے ڈر سے دم بخود بیٹھے رہیں اور اتنی بات بھی منہ سے نہ کہہ سکیں کہ ہم اس بات سے متفق نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات اُن لوگوں کی وضع کی ہوئی ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور صحابۂ رسول کی ذرہ برابر بھی محبت نہیں تھی اور صرف اسلام دشمنی کیلئے ان روایتوں کو گھڑا گیا تھا، ورنہ ایک طرف تو صحابۂ رسولؐ کو عادل قرار دینا اور دوسری طرف ان کے کیر یکٹر میں کیڑے نکالنا تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن و حدیث کی نصوص کی تاریخ کی غلط اور واہی تباہی روایات سے تنسیخ کرتا ہے جو کسی صورت بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
کی اس اہتمام سے کسی ماقبل خلیفہ کی بیعت آج تک نہیں ہوئی تھی، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

"فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی الیزید ۔۔۔۔الخ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۸۰)

حکومتِ اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے گوشے گوشے سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس وفود آئے۔۔۔۔الخ"۔

یہ صرف اس لیے تھا کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو خلوصِ نیت، مسلمانوں کی خیر خواہی اس کی اہلیت اور حق تعالےٰ کی رضا کے لیے اپنا ولی عہد بنایا تھا، صرف محبتِ پدری کے تحت یہ سب کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اس دُعا سے ملتا ہے کہ جو آپ نے یزید کی ولایتِ عہد کی بیعت کے خاتمہ پر مانگی تھی، آپ نے کہا تھا کہ:-

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے اس (یزید) کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولیعہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا لیکن اگر میں نے صرف محبت (پدری) کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایۂ تکمیل تک نہ پہنچائیو"۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۰، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۶۷)

جائز نہیں کیونکہ قرآن اور حدیث صحابۂ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرماتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ "رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے" اب ایسے حضرات کو دُنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی کے لیے کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے تھے صحابہؓ کے دامنِ عفت و رضا کو داغدار کرنا ہے، اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و حدیث کی ان نصوص سے ٹکرائے گی ناقابلِ اعتبار ٹھہرائی جاوے گی اور رَدّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کی ہر بات دین میں مُوجب نجات اور حُجت ہے، اسی لیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ بِاَیِّہِمۡ اِقۡتَدَیۡتُمۡ اِہۡتَدَیۡتُمۡ۔ (مشکوٰۃ)

کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء اور پیروی کروگے نجات پا جاؤ گے"۔

سیدنا معاویہؓ سے قبل پانچ خلفاء گزرے تھے، ۱۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ، ۲۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ، ۳۔ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ ۴۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ ۵۔ سیدنا حسن بن علیؓ، اِن پانچوں کا خلیفہ کے تقرر میں الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہُوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا، قریش کہہ رہے تھے کہ منا امیر و منکم امیر۔ (بخاری جلد ۱، الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص، العواصم من القواصم ص تعلیقہ) اسی ہنگامے میں سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، یہ سُننا تھا کہ پورے مجمع نے اس کو قبول کر لیا۔ سیدنا عمر الفاروقؓ کو سیدنا ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا، چنانچہ آپ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا:۔

"اِنّی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب"۔ (الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص۱۹، العواصم من القواصم ص)

سیدنا عمر فاروقؓ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرما دیں جس طرح کہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ

نامزدگی اسلام میں جائز نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اگر آج ابوعبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو میں
ان کو تمہارے اوپر خلیفہ نامزد کر جاتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے
سُنا ہے کہ ہر اُمت کا ایک امین ہے اور میری اُمت کا امین ابوعبیدہؓ ہے۔ اگر معاذ بن
جبل زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ نامزد کر جاتا کیونکہ میں نے آپؐ سے سنا ہے کہ معاذؓ قیامت
کے روز علماء کے آگے آگے ہوں گے۔ اور اگر خالد بن ولیدؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر
کر جاتا کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے
ایک تلوار ہیں۔ لیکن چونکہ وہ لوگ آج زندہ نہیں ہیں لہٰذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر
نامزد کر جاتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاتے
وقت راضی تھے، اور وہ چھ آدمی یہ ہیں:۔

۱۔ علی بن ابی طالبؓ ۲۔ عثمان بن عفانؓ ۳۔ طلحہ بن عبیداللہؓ ۴۔ زبیر بن العوامؓ
۵۔ سعد بن ابی وقاصؓ ۶۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ـــــ اور فرمادیا کہ خلیفہ ان
چھ میں سے ہو۔ (الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۲۳، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۶۸/۱۶۲
العواصم من القواصم ص ۱۹۳)

چنانچہ انہی چھ میں سے سیدنا عثمانؓ کو اس کمیٹی نے خلیفہ مقرر کیا جس
کمیٹی کو سیدنا عمرؓ مقرر کر گئے تھے، دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ بھی دراصل سیدنا
عمرؓ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے، پھر شہادت عثمانؓ کے تین روز بعد باہمی مشورہ سے
سیدنا علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۴۶) سیدنا علیؓ کے بعد بھی
شوریٰ کے ذریعہ سیدنا حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۵، جلد ۷ ص ۳۲۳،
جلد ۸ ص ۱۳، بیہقی جلد ۸ ص ۱۴۹) لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو فرما گئے تھے
کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنانا۔ (کما فی کتب التواریخ) اب زمام خلافت سیدنا حسنؓ
کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؓ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ
راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین
میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطاء سے مبرا ہوتا ہے، اب سیدنا حسنؓ

نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا، (جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے) حالانکہ آپ کے تمام ماننے والوں نے اس کی مخالفت کی، خود آپ کے بھائی سیدنا حسینؓ نے بھی بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے) آپ نے کسی کی نہ سُنی اور خود خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔

ان پانچ خلفاء کے عمل سے یہ معلوم ہُوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، ایک تو اہل الحل والعقد کی باہمی مشاورت سے اور دوسرے خلیفہ کی نامزدگی سے، اور دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ کے منتخب کردہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں اور سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو نامزد کرنے سے پوری امت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو نامزد[1] کرنے سے یزید کی خلافت کو صحیح نہیں مانا جاتا؟ بلکہ سیدنا معاویہؓ کو بھی اعتراضات واہیہ کا ہدف بنایا جاتا ہے، لیکن اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے اپنی مرضی سے یزید کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافتِ اسلامیہ کے تمام صوبوں کے ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا۔ ہو سکتا ہے کسی ایک دو نے مخالفت بھی کی ہو (حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی) لیکن اگر سیدنا علیؓ اہل الحل والعقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے ہیں (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کرنے پر یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے؟

ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے، معاویہؓ اہل تھے اور یزید اہل نہیں تھا تو یہ اعتراض بھی غلط ہے، آخر اہلیت ہے کیا شے؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے

---

[1] اگر انہوں نے خود نامزد کیا ہو! لیکن انہوں نے تو استصواب رائے سے اُسے ولی عہد مقرر کیا تھا۔

درمیان عدل وانصاف اور ان کی مصالح پر نگاہ رکھنے کا، ان کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاقِ عالم میں ان کی دعوت کی نشرواشاعت کرتے اوران کے ساتھ انفرادی اور جماعتی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ سب خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں، بہادری میں "فتی العرب" (عرب کا بہادر) کا لقب حاصل کیا ہُوا تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز از ہٹی ص۲۰۱) علم وفضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا جو یزید کی ذات میں نہ ہو، نیکوکاری اتنی کہ خود ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

"ان ابنه یزید لمن صالحی اهله۔
(معاویہؓ) کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالحین میں سے ہے"
(کتاب الانساب والاشراف ص، بلاذری الجزء الرابع قسم ثانی ص۲،
الامامة والسیاسة جلد ۱ ص۲۱۳)

علم وفضل میں یہ مقام تھا کہ ایک دفعہ ترجمان القرآن سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا حسن ابن علیؓ کی وفات کے بعد معاویہؓ کے پاس گئے اور اُس مجلس میں یزید بن معاویہ بھی آکر بیٹھ گئے، جب یزید اُٹھ کر چلے گئے تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

"اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس۔
بنو حرب جب اُٹھ گئے تو لوگوں کے صاحب علم لوگ اُٹھ جائیں گے"
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۲۲۸)

صاحب الامامة والسیاسة نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایک اور قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر سُنکر حسبِ ذیل الفاظ میں اظہارِ افسوس فرمایا:۔

"جبل تزعزع ثم مال بکلکله اما واللّٰه ما کان کمن کان قبله و لمایکن بعده مثله وا للّٰه ان ابنه لخیر اهله۔ (الامامة والسیاسة ص۲۱۳)
وہ ایک پہاڑ تھا جو ہلا پھر سینے کے بل آ رہا، کیا واقعی ایسا نہیں ہے

کہ وہ اپنے بہلوں جیسے نہ تھے اور اب تک اُن کے بعد اُن جیسا بھی کوئی نہیں ہُوا، واللہ ان کا بیٹا اُن کے گھرانے میں بہتر ہے"

اِتباعِ سُنّت، نیکی کی لگن اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسینؓ کے بھائی سیدنا علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی گواہی کافی ہے جب عبداللہ بن زبیرؓ کے داعی عبداللہ ابن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہ کی خدمت میں آئے اور ان کو یزید کی بیعت توڑنے کے لیے کہا تو محمد بن الحنفیہ نے صاف انکار کر دیا، اس پر ابنِ مطیع نے کہا کہ حضرت آپ اس کی بیعت کو کیوں نہیں توڑتے؟ حالانکہ یزید شراب پیتا ہے اور نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔ ان کے جواب میں سیدنا علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے فرمایا:۔

"ما رأيت منه ما تذكرون وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظبًا على الصلوٰة، متحريًا للخير، يسأل عن الفقه، ملازمًا للسنة۔ (البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۳۳، تاريخ الاسلام ذهبي ج ۲ ص ۹۳)

جو کچھ تم کہتے ہو ئیں تو وہ باتیں یزید میں نہیں دیکھتا، میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں رکٹی روز تک) قیام بھی کیا ہے میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، مسائلِ فقہ پر گفتگو کرنے والا اور رسول کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے"

عبداللہ ابن مطیع اور اس کے ساتھی کہنے لگے: "حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے کے لیے کرتا ہوگا" آپ نے فرمایا اُسے مجھ سے خوف اور کس قسم کا لالچ تھا جو وہ میرے سامنے اس طرح خشوع وخضوع کا اظہار کرتا، تم جو شراب کی بات کرتے ہو تو کیا اس نے تمہیں دکھا کر پی تھی؟ اگر دکھا کر پی تو تم بھی برابر اس گناہ میں اس کے ساتھ شریک ہو، اور اگر تمہیں دکھلا کر نہیں پی تو جس شے کا تمہیں علم نہیں اس کے متعلق تمہیں شہادت دینی جائز نہیں، وہ بولے حضرت! اگرچہ ہم نے اس کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات ہے سچی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شہادت دینے والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا

إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ (ہاں جو گواہی دیں علم ویقین کے ساتھ دیں، (الزخرف آیت ۸۶) اور میں تمہاری کسی بات میں شریک نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ شاید آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے تو آئیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے مقصد کے لیے جنگ کرنا جائز نہیں سمجھتا نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ متبوع ہو کر۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ شریکِ جنگ نہیں ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرمائیے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر جنگ کریں۔ فرمایا اگر انہیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ و قتال پر آمادہ ہی کیجئے، آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ تو میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں، اس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہوں گا۔ وہ بولے ہم آپ کو مجبور کریں گے، آپ نے فرمایا پھر میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دوں گا اور کہوں گا کہ لوگو! اللہ کو ناراض کر کے اس کی مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا، پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۳۳، ۲۱۸، انساب الاشراف بلاذری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، گیارہواں ایڈیشن ص ـــــ)

محمد[1] بن الحنفیہؓ خاندانِ اہلبیت کے ایک ممتاز فرد کی یہ شہادت یزید کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں بھی درج ہے کہ ہر قابلِ تعریف خصلت یزید میں پائی جاتی تھی۔ شجاعت و بہادری، حسن المعاشرت اور مملکت کے انتظامی امور میں نہایت صائب الرائے اور علم و عمل کی ہر خوبی آپ میں پائی جاتی تھی۔

اگر یہ سب صفات و خصائل ہونے کے باوجود بھی یزید اہلیت سے محروم تھے تو پھر میں کہوں

---

[1] محمد بن الحنفیہؓ وہ ہیں کہ جو فرماتے ہیں: الحسن والحسین افضل منّی وانا اعلم منهما۔ (الاعلام لزرکلی ج ، ص ۱۸۲) حسنؓ اور حسینؓ مجھ سے افضل ہیں لیکن میں علم میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔ (هکذا فی عمدة المطالب فی انساب آلِ ابی طالب طبع اوّل ص ۳۴۷)

گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہیں تھی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں یزید سے زیادہ کاروبارِ حکومت چلانے کی اہلیت ہو، اسلئے کہ اُس وقت صحابہؓ یا ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے اُن میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبارِ حکومت میں اُتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید ماہر تھے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق متواتر سات سال تک بازنطینی حکومت کے خلاف بحری اور برّی جنگوں میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کریم النفس، حلیم الطبع، انتظامی امور میں فکری اور ذہنی خوبیوں کے حامل تھے، غرضیکہ ایک حکومت کو چلانے کے لیے ایک شخص میں جتنی خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب آپ میں موجود تھیں۔ خاندانی نجابت، ذہنی اور عملی شرافت آپ کی خاص صفات میں سے تھیں، ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے، آنکھ کھولی ہی تھی کہ باپ کو شام جیسے سرحدی صوبے کا والی اور گورنر پایا، خود باپ میں سیادت اور سرداری کی صفات سیدنا عمر الفاروقؓ سے زیادہ تھیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۵) باپ نے حُسنِ تربیت سے وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں، لیکن اور صحابہؓ یا اُن کے صاحبزادے جو اُس زمانہ میں موجود تھے اُن میں اس قدر خوبیاں جمع نہیں تھیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ کتنے بزرگ صحابی ہیں، سُنتِ نبوی کی اِتباع میں اپنی مثال آپ تھے، علم وفضل کے لحاظ سے صحابہ میں "شیخ الصحابہ" کے لقب سے مشہور تھے، لیکن قدرت نے انتظامی معاملات میں وہ ملکہ عطا نہیں فرمایا تھا جو کہ یزید میں تھا۔ یہی حال دوسرے صحابہ کا تھا۔ حکومت کیلئے زاہد متقی کی اتنی ضرورت نہیں (اگرچہ خلیفۂ وقت میں زہد و اتقاء کا پایا جانا ضروری بھی ہے) جتنی انتظامی امور کی صلاحیت اور عزم وشجاعت کی اہلیت کی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ اُمت میں سیدنا عمر فارُوقؓ سے زیادہ زاہد، شب زندہ دار، صائم الدہر اور سنتِ نبوی کے متبع موجود تھے لیکن کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں ان میں ودیعت کی تھیں وہ نہ ابوذر غفاریؓ جیسے شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمرؓ جیسے متبع سنّت میں، نہ ابنِ عباسؓ جیسے ترجمان القرآن میں، اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں پڑھنے والے اُبی ابنِ کعبؓ میں، نہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ جیسے امین الامت میں تھیں اور نہ

خالد بن ولیدؓ جیسے سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللہ ہیں۔ کاروبارِ حکومت چلانے میں اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللہِ عُمَرُ کی ضرورت تھی۔ خود سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ افضل صحابی موجود تھے لیکن کاروبارِ حکومت چلانے کیلئے جن صفات کی ضرورت تھی وہ کسی اور میں نہیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا حسنؓ نے کاروبارِ حکومت اُن کو سونپ دیا تو تمام صحابہؓ نے جن میں عشرہ مبشرہ کے لوگ بھی تھے اور بیعتِ عقبہ و شجرہ کے سند یافتہ بھی بے چون وچرا ان کی بیعت فرمالی اور کسی نے اُن پر ایک معمولی سا اعتراض بھی نہیں کیا، خود سیدنا معاویہؓ نے اپنی اس کمزوری کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ آپ نے خلیفہ کی صفاتِ ضروریہ کا اظہار بھی فرمادیا، فرمایا:۔

"ما انا بخیرکم و ان منکم لمن ھو خیر منّی عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عمرو وغیرھما من الافاضل ولکن عسٰی ان اکون انفعکم ولایۃً و انکاکم فی عدوّکم و ادرّکم حلبًا" (البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۳۴، تاریخ الاسلام ذھبی ج ۲ ص ۳۲۲)

اے لوگو! میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمروؓ جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں لیکن امید ہے کہ میں حکومت کے اعتبار سے ان سے زیادہ سودمند ثابت ہوں گا اور آپ کے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے بھی زیادہ نفع بخش ثابت ہوں گا۔"

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات ہیں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابوذرؓ کا زہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام ہے کہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت میں ابوذرؓ میں عیسٰی ابن مریمؑ جیسا زُہد ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۸۷، استیعاب تذکرہ ابوذر غفاریؓ) اور یہ زُہد کوئی چند روز نہیں رہا بلکہ شروع سے اخیر تک ایک ہی طرح کا رہا (اصابہ جلد ۷ ص ۶۲) علم کا یہ حال ہے کہ حضرت علیؓ جیسے علم و فضل کے مجمع البحرین آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کرلیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس

ہتھیلی کو اس طرح بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص۶۶۵ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابوذر غفاریؓ)۔ سیدنا عمرؓ جیسے اَشَدُّھُم فِی اَمرِ اللہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ابوذرؓ کا علم عبداللہ ابن مسعودؓ کے برابر ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبیؒ جلد ا ص۱۵) اور وہ خود اپنے متعلق فرماتے تھے کہ "میں ہر شے کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کنکری کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔ (مسند احمد جلد ۵ ص۱۶۳) لیکن یہی ابوذرؓ ایک دفعہ امارت کی خواہش کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں ابوذر! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس کے متحمل نہیں ہو سکتے جس سے قیامت کے روز سوائے رسوائی اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ (طبقات ابن سعد جز ۴ ق ا ص۱۷) ایک روایت میں یہ آتا ہے آپ نے فرمایا کہ:۔

"یا اباذر! انی اراك ضعیفًا وانی احب لك ما احب لنفسی لاتأ مرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم۔ (تاریخ الاسلام ذھبی ج ۲ ص۱۱۱)

اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تو بہت کمزور ہے اور میں تیرے لیے بھی وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا اور کسی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا"

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ یزید اگرچہ زہد و اتقا میں سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، سیدنا حسین ابن علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم سے کم تھے لیکن حکمرانی اور جہانبانی کے کمالات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھے کیونکہ بچپن ہی میں امارت کے سائے میں تربیت حاصل کی تھی اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں سرگرمِ عمل رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اس کو قبول کر لیا[1] اور صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد نے جو حجاز و شام اور بصرہ

---

[1] ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ یزید کی ولیعہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ اور اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۱۱)

اور کوفہ میں بھی نہ از خود آپ کے خلاف خروج کیا اور نہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ مل کر جنگ کی حالانکہ اس زمانہ میں اور صحابہ کو چھوڑ کر خود اہل بیت نبوت کے گھر کے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی تھی لیکن سیدنا حسینؓ کا کسی نے ساتھ نہ دیا، نہ عبداللہ ابن عباسؓ نے اور نہ ہی محمد بن الحنفیہؒ نے اور نہ ہی عمر ابن علی ابن ابی طالبؓ نے۔ چنانچہ "اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ:۔

"وقد کان فی ذٰلك العصر کثیر من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والکوفة ومصر وکلهم لم یخرج علیٰ یزید ولا وحدهٗ ولا مع الحسین[1]۔ (ص ۱۴۷)

اس زمانہ میں کثیر التعداد صحابہ شام، حجاز، بصرہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے اُن میں سے کسی نے بھی یزید ابن معاویہ کے خلاف آواز نہ اٹھائی، نہ تو از خود اور نہ حسینؓ کی معیت میں۔"

ہاں اُس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو جہانبانی کے اصولوں سے بخوبی آشنا تھے، وہ تھے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، لیکن وہ اُن دنوں اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے۔

ایک اور سوال پیدا کیا جا سکتا ہے کہ اول تو اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو بیٹے کو مقرر کرنا جائز نہیں۔ اس سوال کے پہلے حصے کہ "اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں" کا جواب علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے "مقدمہ" میں دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو نقل کر دیا جائے، وہ یہ کہ:۔

---

[1] عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ کی الگ الگ بیعت کا ذکر تو بخاری وغیرہ کتابوں میں بھی آتا ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۵۲، الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۹۱، الانساب الاشراف جزء ۴ قسم دوم ص ۴)

"امام ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی، جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں ان کا انتظام بھی حسب طاقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتا ہے، وہ یہ کہ مثلاً اُمت کی غور و پرداخت کے لیے ایک ایسا اپنا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا، اور شریعت میں اجماع اُمت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرام کے اجماع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہؓ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے بقیہ چھ صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑا اور اُن کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کر لیں.... اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اُس میں وہ سب صحابہ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے اُن میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے۔" (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ "اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں" اسلام سے جہالت کی دلیل ہے۔

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ "بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں"؟ اس کا جواب بھی مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون اندلسیؒ ہی سے سنئے، فرماتے ہیں:۔

"اب اگر امام اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم

اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں اس کو مُتّہم نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابلِ اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہو ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیئے، یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعثِ اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں، اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے، خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو اُن کے اس فعل پر بنی اُمیہ کے اربابِ حل و عقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حُجت تھا، اور پھر ان کو یوں بھی مُتّہم نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا اُمت میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیشِ نظر تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بنو اُمیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اہلِ حل و عقد عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنو اُمیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ قریش اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پُشت پناہی میں رکھتے تھے خود بھی با شوکت تھے اور دوسروں پر بھی با اثر، انہیں نزاکتوں کے پیشِ نظر حضرت معاویہؓ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول[1] کو مسندِ حکومت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا

---

[1] مفضول کی امامت کے جواز میں تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے، صرف جاحظ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے لیکن جاحظ کا یہ اختلاف کچھ مُضر نہیں ہے۔ (الاحکام السلطانیہ از قاضی ابوالحسن الماوردی ص۵) ــــ جمہور فقہاء اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باہمی اتفاق واتحاد اور ان کی رائے میں یکجہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کے بقاء کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی اہمیت دی ہے قطع نظر اس کے سیدنا حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا مسلمہ لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے، مزید برآں آپ کے اس فعل کے وقت اکابر صحابہؓ کی موجودگی اور اُن کا اس بارہ میں مکمل سکوت اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر قسم کی بدگمانی سے مُبرّا ہیں اور ان کی نیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نہ تو صحابہؓ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے اور کسی قسم کی چشم پوشی اور نرمی کے روادار ہو سکتے اور نہ ہی حضرت معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت وشان مملکت کی خاطر حق کو قبول کرنے سے باز رہتے، ان بزرگوں کی عدالت اور شان ایسی کمزوریوں سے بہت بلند تھی ...... یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ تھے مگر اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو ظاہر ہے کہ کوئی وقعت حاصل نہیں ہوتی۔" (مقدمہ ابنِ خلدون ص۲۴۰، ۲۴۱)

حقیقت یہ ہے کہ اربابِ نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرما دیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصرِ خلافت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضول کی امامت بالکل جائز ہے اور اس کی بیعت کرنا صحیح ہے اور افضل کا وجود مفضول کی امامت کے مانع نہیں ہے بشرطیکہ مفضول میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ابن حزم اندلسی کی کتاب "الامامۃ المفاضلۃ" جو کہ اس کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" کے چوتھے جزء میں درج ہے (ص۱۶۳، ۱۶۷ طبع مصر) نیز علامہ ابوبکر الباقلانیؒ کی "التمہید ص۲۳۱" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

یک قلم منہدم ہو جاتا۔ اس کے لیے ایک دفعہ پھر ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:۔

"اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافتِ اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی کیونکر بنو امیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اگر حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ خود ان پر پلٹ پڑتے گو اُن کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا و گرنہ اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ کے بارے میں کوئی اور خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرنا ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون ص۲۳۵)

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"لہٰذا اگر معاویہؓ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسندِ خلافت پر لاتے تو اس کی خلافت کو کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملتِ اسلامیہ جس اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی اربابِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔" (ص۲۴۱)

مشہور مؤرخ علامہ محمد الخضریؒ اس بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنی اُمیہ میں محدود کر دینا اصلاحِ اُمت کے لیے ناگزیر تھا تاکہ اُمت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے کیونکہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے اتنے ہی امیدوار بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جہاں امیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف رونما ہونا لازمی امر ہے۔" (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص۵۰۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا معاویہؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست کیا اور مصلحتِ وقت کا تقاضا بھی یہی تھا اسی وجہ سے تمام اہلسنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست

مانا ہے۔ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاریؒ ص۸۴، منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۴۷، جمہرۃ الانساب ص۱۰۳) اور یزید پر فسق و فجور کے اتہامات سراسر غلط ہیں، یہ سب چیزیں کچھ تو سبائی تحریک کے ورکروں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو ہلکا کرنے کے لیے پھیلائیں، یہ صرف اتہامات تھے اور حقیقت میں یہ سب باتیں سراسر غلط تھیں جیسا کہ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جاچکا ہے، اور پھر بعد کے راویوں نے نہلے پر دہلے کا کام کیا اور ایسی غلط باتیں بیان کیں کہ الامان والحفیظ۔ (ملاحظہ ہو کتاب الاغانی جلد ۱۳ ص۶۱) لیکن کسی نے بھی اُن کی اِن برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں کسی شاہد سے بیان نہیں کیا بلکہ "ایسا سنا گیا ہے" کے الفاظ کہے گئے جیسے ان سبائی راویوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ امیر یزید کو شراب پینے سے متہم کیا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم پر نہیں سُنی سنائی باتوں سے۔ (ملاحظہ ہو انساب الاشراف بلاذری جلد ۴ ص۲۱)

یزید کے نیک سیرت ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثلاً عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ[1]، عقبہ بن نافعؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ، ام المؤمنین ام سلمہؓ کے صاحبزادے عقبہ بن عامرؓ، سلمہ بن الاکوعؓ، کعب بن عمرو الانصاریؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمروؓ، نعمان بن بشیرؓ اور مالک بن الحویرث (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) وغیرہم نے اس کی بیعت کی تھی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار وہی ہوتا ہے جو تاریخ کے سبائی راویوں کی روایات سے ظاہر ہے جو خود فسق و فجور اور کذب و افترا کی زندگی گذار رہے تھے تو اتنے جلیل القدر صحابہ کبھی بھی ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرتے اور کبھی بھی ان کو قرون مشہود لہا بالخیر میں خلیفۃ المسلمین نہ ہونے دیتے اور سیدنا ابن عباس اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبھی بھی اس کو نیک لوگوں اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ (کتاب الانساب والاشراف الجزء الرابع ص۲، الامامۃ والسیاسۃ ص۲۱۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۲۱۸، ۲۲۳)

حضرت حسینؓ کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفر طیارؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن جعفر طیارؓ اپنی صاحبزادی اُم محمد کا نکاح کبھی بھی یزید بن معاویہ کے ساتھ نہ کرتے۔ (جمہرۃ الانساب ص۶۲ لابن حزم) اور خود سیدنا حسینؓ ان کی زیر قیادت جہادِ قسطنطنیہ میں شمولیت

---

[1] یہ عبداللہ بن جعفر طیارؓ حضرت حسینؓ کے بہنوئی بھی تھے اور یہ سیدہ زینبؓ بنت فاطمہؓ کے شوہر تھے۔

نہ فرماتے ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۱ ، ہسٹری آف دی سیرسنز ص۴۸ تاریخ زوال روما الکبرٰی ص۲۸۶)
اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ اپنی "کتاب الزہد" میں امیر یزید کے بہت سے اقوال سنداً پیش کرتے ہیں ، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا :-

"اذا مرض احدکم مرضاً فیشفی ثم تماثل فلینظر الیٰ افضل عمل عندہٗ فلیلزمہٗ ولینظر الیٰ اسوء عمل عندہٗ فلیدعہٗ ۔ (العواصم من القواصم ص۲۳۳)

جب کوئی تم میں سے بیمار پڑ جائے اور پھر صحتیاب ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ اس نے کونسا اچھا عمل کیا ہے پس چاہیئے کہ وہ اس کو لازم جانے اور یہ بھی دیکھے کہ اُس نے کون سا بُرا عمل کیا تھا پس اس کو چھوڑ دے ۔"

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ :-

"یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یزید کی بہت قدر و منزلت تھی ، یہانتک کہ انہوں نے اس کو زہاد صحابہؓ و تابعین کے زُمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی تابعداری اور اقتدا کی جاتی ہے اور ان کے نصائح اور مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے ۔ اور ہاں انہوں نے تابعین کے تذکرہ سے پہلے ہی صحابہؓ کے زمرہ میں ان کو شامل فرمایا ہے ۔"

اس کے بعد قاضی ابن العربیؒ لکھتے ہیں :-

"فاین ھذا من ذکر المؤرخون لہٗ فی الخمر و انواع الفجور الا تستحیون ؟
پس کہاں ہیں اس کے سامنے شراب اور فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں کیا ان لوگوں کو ایسی غلط باتیں کہتے شرم نہیں آتی ؟" (العواصم من القواصم ص۲۳۳)

نیکی اور صالحیت کا یہی جذبہ تھا جو آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا اور حکومت کا نشہ بھی ان کو اس راستہ سے نہ ہٹا سکتا تھا ۔ سیدنا فاروق الاعظمؓ کی حکومت کے حالات اور خدمتِ خلق کا جذبہ آپ نے اپنے معاصرین سے سُنا ہُوا تھا اور دل میں خواہش تھی کہ اگر کبھی زمامِ خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی آئیڈیل کی عادلانہ اور صالح حکومت چلاؤں گا ۔
چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا بیٹھے ہوئے تھے تو سیدنا معاویہؓ نے

بیٹے سے پوچھا بیٹا! اگر تمہیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال صرف بیٹے کی قلبی گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے تھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع کا جذبہ ہے یا ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کا، بیٹے نے فوراً جواب دیا کہ:-

"کنتُ واللہ یا ابت عاملاً فیھم عمل عمر ابن الخطابؓ، فقال معاویۃ سُبحان اللہِ یَا بُنَیَّ واللہ لقد جھدت علیٰ سیرۃ عثمان بن عفانؓ فما اطقتھا فکیف بك وسیرۃ عمرؓ۔ (البدایۃ والنھایۃ جلد ۸ ص ۲۲۹)

ابا جان! بخدا میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اُمت کے ساتھ) کیا تھا، سیدنا معاویہؓ نے کہا بیٹے سُبحان اللہ! بخدا میں نے عثمان بن عفانؓ کی اتباع کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، پھر کہاں تم اور کہاں سیرتِ عمرؓ کی اتباع"؟

یہ جواب امیر یزید کی صفائی قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کی پُر زور تردید کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے اور فسق و فجور کے اتہامات لگاتے ہیں۔

یہاں پر علامہ ابن تیمیہؒ کی وہ رائے نقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو انہوں نے یزید بن معاویہ کے بارہ میں لکھی ہے، فرماتے ہیں:-

"یزید نہ کافر تھا نہ زندیق اور نہ ہی کبائر کا مرتکب تھا بلکہ صاحبِ شجاعت و بسالت اور اصولِ جہانبانی و حکمرانی اور تدبیر و سیاست کا علم رکھتا تھا، سیدنا معاویہؓ تدبیر ملک و سلطنت میں اس کا مشورہ قبول کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ جو اس کے خلاف کوئی الزام ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ یزید آرام پسند تھا اور شکاری کُتے پالتا تھا، اگر یزید کے زمانہ میں واقعۂ کربلا پیش نہ آتا تو وہ لوگوں کی نظروں میں اِتنا نہ گرتا"۔



وفات

سیدنا معاویہؓ اٹھہتر کے قریب منزلیں طے کر چکے تھے اور طبیعت میں کافی ضعف آچکا تھا لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مقام ابواء پر پہنچے تو آپ پر مرضِ لقوہ کا حملہ ہوا لیکن مرض کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ اسی حالت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مرض کا حملہ شدید تھا لہٰذا کچھ روز آرام فرمایا اور جب طبیعت ذرا سنبھلی تو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یادِ آخرت کا ذکر تھا، حمد و نعت کے بعد فرمایا :۔

"لوگو! انسانوں پر مصائب آتے ہیں اور وہ آزمائشوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں تاکہ انہیں صبر پر اجر عطا ہو، بعض پر کسی گناہ اور معصیت کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے آقا و مالک کو راضی کر سکے۔

—— میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں اور مجھ سے قبل بھی صالحین اور اچھے لوگ مرض میں مبتلا ہوئے اور میں امید کرتا ہوں کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں گا، اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو معاف کر دیا گیا اور میں معافی یافتہ لوگوں میں سے ہونے سے ناامید نہیں ہوں"

(انساب الاشراف جلد ۴ ص۲۲، تطہیر الجنان ص۶۴)

کچھ روز مکہ مکرمہ میں قیام کرنے کے بعد آپ دمشق واپس تشریف لے گئے اور حکومت کی مصروفیات میں لگ گئے، لیکن طبیعت میں اضطراب روز بروز بڑھتا تھا چنانچہ ایک روز پھر دنیا کی بے ثباتی اور امورِ خلافت کے بارہ میں خطبہ ارشاد فرمایا :۔

"لوگو! ہماری مثال ایک کھیتی کی ہے جو بوئی گئی اور پھر پکنے پر کاٹ لی گئی، میں تم پر ایک مدت تک حاکم اور والی رہا ہوں، مجھ سے پہلے والے امراء اور

خلفاء مجھ سے بہتر تھے اور مجھ سے بعد بہتر حاکم آنے کی اُمید نہیں (کیونکہ زمانہ عہدِ نبوت سے دور ہوتا جا رہا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، پھر فرمایا) اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ۱۴۱)

طبیعت دن بدن کمزور اور مضمحل ہو رہی تھی اور آپ سمجھ رہے تھے کہ اب موت کا بلاوا آنے ہی والا ہے۔ اسی روز کے لیے آپ نے کچھ تبرکات رکھے ہوئے تھے، ان میں کچھ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جو آپ نے تبرک کے طور پر رکھے ہوئے تھے، یہ شاید اُن میں سے تھے جو آپ نے ایک دفعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشقص کے ساتھ کاٹے تھے۔ (بخاری جلد ۱ صـ۲۳۳) کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن مبارک رکھے ہوئے تھے۔ (انساب الاشراف جلد ۴ صـ۱۳)

آپ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن مبارک کے تراشوں اور آپ کے موئے مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی جلد ۲ صـ۱۰۲، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ صـ۳۲۳)

ایک مرتبہ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرانے کی سعادت آپ نے حاصل کی، خود فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہِ شفقت ومحبت ارشاد فرمایا:۔

"معاویہ! میں تمہیں ایک قمیص نہ پہناؤں"؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ضرور عنایت فرمائیں، چنانچہ آپ نے مجھے اپنی قمیص مبارک اتار کر پہنائی، میں نے وہ قمیص کچھ دیر پہنی اور پھر اس کو اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔"

(انساب الاشراف جلد ۴ صـ۱۳۱، تاریخ الاسلام جلد ۲ صـ۳۲۳)

یہ قمیض آپ نے اس روز کے لیے ہی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی لہٰذا وصیت فرمائی کہ یہ قمیض جو میرے پاس محفوظ ہے اس کو میرے کفن کے اندر رکھا جائے اور یہ میرے جسم کے ساتھ لگی ہوئی ہو، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔

یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ جس شخص کو سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان چیزوں سے اتنی محبت ہے کہ ان کو اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھ رہا ہو تو کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین سے محبت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی اور تھی بھی، لیکن ایک خاص گروہ نے صدیوں سے ان کے خلاف اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ حقیقت خرافات میں کھو گئی، بلکہ اب تو بعض نام نہاد سُنی بھی اس گروہ کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد حکومت کے بارہ میں کچھ وصیتیں فرمائیں، خصوصی طور پر رومیوں کے بارہ میں فرمایا:-

"شدوا خناق الروم فانکم تضبطون بذلك غیرھم من الاُمم۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ صـ۲۲۰)

رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھنا اور ان پر خوب کنٹرول رکھنا، کیونکہ اس سے دوسری اقوام پر نظم و ضبط قائم رکھا جا سکے گا۔"

سیدنا معاویہؓ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی ترقی اور احیاء کے لیے صرف کی تھی اور ایک وسیع علاقے میں اسلامی حکومت قائم کی تھی جو بقول شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ خراسان سے لے کر مغرب میں بلادِ افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ صـ۱۸۶) اس کو بغیر وصیت کے کیسے چھوڑ سکتے تھے، پھر اپنے ولی عہد یزید کو وصیت فرمائی۔

بیماری کے دوران بعض اوقات غنودگی طاری ہو جاتی، پھر کچھ افاقہ ہوا تو اپنے حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہنا، جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا

اللہ تعالیٰ اس کو بڑے بڑے حادثات سے بچا لیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو گیا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۲)

ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے کیونکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں اپنا مال تقسیم کر دیا تھا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۱، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۰، انساب الاشراف جلد ۴ صفحہ ۲۲)

تمام وصایا اور ہدایات دینے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی مضمحل اور کمزور ہو رہی ہے، لمحہ بہ لمحہ کمزوری اور نقاہت بڑھ رہی ہے، موت ہر ایک کو آتی ہے اور اس کا ایک وقت مقرر ہے، چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا وقت مقررہ بھی آ پہنچا اور کوہِ استقامت اور عزم و ہمت کا پیکر حاضرین کی موجودگی میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہ

صحابیِ رسول سیدنا ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ آپ کے معتمدین میں سے تھے، آپ کفن ہاتھ میں لیے باہر نکلے اور لوگوں کو بتایا کہ:

"امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے، آپ تمام عرب کے لیے شہرِ پناہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو ختم کیا اور بہت سے ممالک اُن کی زیرِ قیادت و سیادت فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں داخل ہوئے، اب ہم اُن کو اس کفن میں دفن کریں گے۔"
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۲، طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۲)

یہ سننا تھا کہ لوگوں پر ایک بجلی سی کوند گئی، ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل غمزدہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ سیدنا ضحاک رضی اللہ عنہ نے اُسی وقت ایک قاصد کے ذریعہ امیر یزید کو اطلاع بھجوائی اور جلدی دار الخلافت پہنچنے کے لیے کہا، کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بھی وصیت فرمائی تھی جو کہ تحریری تھی کیونکہ یزید اس وقت دار الخلافت سے باہر حوارین میں تھا، اور آپ نے سیدنا ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ اور مسلم بن عقبہ المری کو فرمایا تھا کہ یہ وصیت اس (یزید) کو پہنچا دی جائے۔

وصیت کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور تمام تبرکات (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک، ناخن مبارک کے تراشے اور آپؐ کی قمیص مبارک) کفن میں شامل کئے گئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد سیدنا ضحاک بن قیس الفہریؓ نے نماز ظہر کے بعد دمشق کی جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے دارالامارۃ میں اور بقول ذہبیؒ باب الجابیہ اور باب صغیر کے درمیان دفن کیا گیا لیکن جمہور مؤرخین کے نزدیک آپ کو باب الصغیر کے قریب قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۳)

تاریخ وفات میں مؤرخین کے نزدیک اختلاف ہے، زیادہ مشہور ۲۲ رجب ۶۰ھ ہے۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۳۱۵)

وفات کے وقت عمر مبارک اٹھہتر ۷۸ سال تھی۔ گورنری کی مدت ۲۴ سال اور مدتِ خلافت ۱۹ سال ۴ ماہ اور بقول یعقوبی ۱۹ سال ۸ ماہ تھی۔

(تاریخ الیعقوبی جلد ۲ ص ۲۳۸)

خلیفہ بن خیاط نے مدتِ خلافت ۱۹ سال ۳ ماہ اور ۲۰ دن بیان کی ہے۔ (جلد اول ص ۳۱۶)

ازواج واولاد

سیدنا معاویہؓ نے متعدد شادیاں کیں لیکن اولاد صرف دو بیویوں سے ہوئی ایک میسون بنتِ بحدل جس سے یزید ایک روایت کے مطابق ۲۲ھ میں (البدایہ جلد ۸ ص ۱۴۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹) اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۱۵۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۴) سیدہ میسون بنت بحدل سے آپ کی دو اولادیں اور بھی ہوئیں اور وہ دونوں لڑکیاں تھیں، ایک کا نام امۃ المشارق تھا جو بچپن ہی میں فوت ہوگئیں اور دوسری کا نام رملہ تھا۔ رملہ کا نکاح سیدنا عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادے

عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، جن سے ایک لڑکا زید پیدا ہوا جس کا نکاح سیدنا سیدنا حسین ابن علیؓ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ بنت الحسین سے ہوا، دوسرے لفظوں میں سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ سیدہ رملہ بنت معاویہ کی بہو تھیں۔
(کتاب المعارف وابن قتیبہؒ طبع مصر ص ۹۴)

سیدہ میسون[1] بنت بحدل کے علاوہ آپ کی دوسری بیوی کا نام فاختہ بنت قرظہ تھا، ان کے بطن سے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے، عبدالرحمٰن تو

---

[1] میسون بنت بحدل عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب سے تھیں، یہ بنو کلب کے سردار بحدل بنت انیف الکلبی کی صاحبزادی تھیں، حسن وجمال اور عقل ودانش میں نہایت ممتاز تھیں، دینداری رگ وریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی، غرضیکہ عقل وشکل اور دین کی تمام صفات سے حق تعالیٰ نے نوازا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۵)

شام کی گورنری کے ایام میں نرینہ اولاد کی خاطر سیدنا معاویہؓ نے ان سے نکاح کیا تھا کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ کسی ایسی عرب دوشیزہ سے نکاح کیا جائے جو تمام نسوانی صفات سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ نجیب بھی ہو تاکہ اس سے نجیب الطرفین اولاد ہو۔ اسی کے بطن سے یزید پیدا ہوا، سیدنا معاویہؓ نے اپنے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کے نام پر (جنہوں نے شام کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا اور دمشق کی گورنری تک سیدنا فاروق اعظمؓ سے حاصل کی تھی) اس لڑکے کا نام یزید رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں بعض مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ یزید کی والدہ جب حمل سے تھیں تو انہیں خواب آیا کہ ان کی کوکھ سے ایک چاند برآمد ہوا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ کی گئی کہ ان کے ہاں ذکی، تیز فہم اور عظیم المرتبت لڑکا پیدا ہوگا۔ (جلد ۸ ص ۲۲۷)

آپ نہایت دیندار خاتون تھیں اور آپ کی دینداری کے قصے کتابوں میں درج ہیں بعض مستشرقین مثلاً ہٹی، نکلسن وغیرہ نے ان کے متعلق بڑی غلط قسم کی روایات درج کی ہیں مثلاً یہ کہ وہ عیسائی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اور معاویہؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ (ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی عربز ص ۱۹۵ الٹریری ہسٹری آف دی عربز ص ۱۹۶)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بچپن میں انتقال کر گئے لیکن عبداللہ امیر المؤمنین کی وفات تک زندہ تھے بعد کے حالات سے تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔

اخلاق وعادات

سیدنا معاویہؓ ایک نہایت باوقار اور صاحب علم بزرگ تھے، حلم و بُردباری آپ کا خاصا تھا، آپ بیک وقت ایک بہترین کاتب، ایک بہترین شاعر، ایک بہترین مُدبّر، ایک بہترین حکمران اور ایک بہترین خطیب تھے۔ شجاعت و بسالت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور علم و حکمت ایک زر خرید غلام۔ تفقہ فی الدین میں ترجمان القرآن سیدنا ابن عباسؓ کی شہادت ہی کافی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :۔

"اِنَّہٗ فَقِیۡہٌ۔ معاویہؓ یقیناً فقیہ ہیں"

(بخاری جلد ا ص ۵۳۱، حماۃ الاسلام جلد ا ص ۱۶۵)

آپ کی ان خوبیوں اور انتظامی صلاحیتوں نے ہی مسلمانوں کی سالوں کی باہمی آویزش کو آمیزش میں تبدیل کر دیا اور چند ہی روز میں مسلمان پھر شیر و شکر ہو کر رہنے لگے، آپس میں ایک دُوسرے کے متعلق محبت کے وہی جذبات پیدا ہو گئے جو چند سال قبل تھے، اور مملکتِ اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے لیے ہر آدمی اپنا اپنا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) سیدنا عثمانِ غنیؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ بھی اسی بنو کلب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی قبیلہ کے ایک فرد امراء القیس بن عدی الکلبی جو کہ مذہباً عیسائی تھے اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اُن کی تین صاحبزادیاں محیاۃ، سلمیٰ اور رباب تھیں اُن سے علی الترتیب سیدنا علیؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ نے نکاح کیا، سیدنا حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ اسی رباب کے بطن سے تھیں۔ (تفصیل کے لیے کتاب المعارف لابن قتیبہ، انساب الاشراف للبلاذری، جمہرۃ الانساب لابن حزم کی طرف رجوع کریں)

فریضہ انجام دینے لگا، اس لحاظ سے آپ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سلطنتِ اسلامیہ کے دوسرے مؤسسِ کبیر ہیں۔

اِنتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا کی خدمت کا جذبہ بھی آپ میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا تھا، آپ رعایا کو خوشحال دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابنِ کثیرؒ کا بیان ہے کہ:-

"سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہر قبیلہ کے لیے ایک ایک آدمی مقرر کیا ہُوا تھا جو مختلف مجلسوں میں جا کر یہ معلوم کرتا کہ اس قبیلہ میں کوئی بچہ پیدا ہُوا ہے یا نہیں؟ کیا اس رات کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں؟ کیا کوئی مہمان قبیلہ میں فروکش ہُوا ہے یا نہیں؟ وہ یہ اور اس قسم کی دُوسری معلومات اکٹھی کر کے اپنے دفتر میں پہنچتا اور ان کے نام رجسٹر میں درج کرتا تاکہ حکومت کی طرف سے ان کا اِنتظام کیا جا سکے۔"

(منہاج السنۃ جلد۳ صہ ۱۸۵، البدایہ والنہایہ جلد۸ صہ ۱۳۴)

حِلم

حلم اور بُردباری کے لحاظ سے سیدنا معاویہؓ دوسرے صحابہؓ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس بارہ میں آپ کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اس باب میں حافظ ابن ابی الدنیاؒ اور ابوبکر بن عاصمؒ وغیرہ نے مستقل تصانیف لکھی ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبیؒ جلد۲ صہ ۳۲۲)

الفخری صہ ۱۴۵، العقد الفرید جلد۲ صہ ۳۸۴ اور المسعودی جلد۵ صہ ۴۱ پر بھی آپ کی اس صفت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

"معاویۃ احلم امتی واجودھا۔"
معاویہؓ میری امت میں سب سے زیادہ صاحبِ حلم، بُردبار اور جود و سخا کا حامل ہے۔" (حماۃ الاسلام جلد ا صـ۱۶۵)

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ لوگوں میں بہت حلیم ہیں، لوگوں نے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن! کیا سیدنا ابوبکرؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا سیدنا ابوبکرؓ معاویہؓ سے بہتر اور افضل تھے لیکن معاویہؓ بہت حلیم ہیں۔
(ابن عساکر جلد ۱۶ صـ۳۳۲)

سیدنا قبیصہ بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ :-
"میں سیدنا معاویہؓ کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ حلیم جہالت سے دُور رہنے والا اور زیادہ بُردبار اور کسی کو نہیں دیکھا۔"
(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ صـ۳۲۳، الاصابہ جلد ۳ صـ۲۵۶)

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی سیدنا امیرِ معاویہؓ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-
"سیدنا معاویہؓ نہایت عمدہ سیرت کے حامل، بہترین بردبار اور درگذر کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔"
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ۱۲۶)

علامہ بلاذریؒ نے آپ کی اِس صفت کے بارہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ :-
"ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے ایک انصاری بزرگ کو پانچسو دینار عطا کیے، اس بزرگ نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قسم دی کہ اس رقم کو لے جاکر معاویہؓ کے منہ پر مار دے۔ صاحبزادے اپنے والد کی ہدایت کے مطابق سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا امیر المؤمنین! میرے والد نے غصہ کی حدت اور شدت سے مجھے قسم دے کر یہ رقم آپ کے منہ پر مارنے

کے لیے کہا ہے، سیدنا معاویہؓ بالکل غصے میں نہیں آئے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر رکھ کر اُس انصاری لڑکے سے کہا کہ اپنے باپ کی قسم پوری کر لے لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا، بعد میں سیدنا معاویہؓ نے شفقت فرماتے ہوئے یہ رقم دُگنی کر دی یعنی ایک ہزار دینار دے دیا۔"

(انساب الاشراف جلد ۱ القسم الاول من جزء الرابع صـ۶۱)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ الماوردی نے اپنی کتاب "الدنیا والدین صـ۲۲۹" پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک چادر جو کہ (مالِ غنیمت میں سے) اُس کے حصہ میں آئی تھی اور اس کو وہ پسند نہ آئی، وہ سیدنا معاویہؓ کے سر پر دے ماری اور آپ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"لا حلم الا لتجارب۔ صفتِ حلم تجربات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔"

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صـ۹۱)

ایک مرتبہ احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ "بُردبار کون ہے؟ آپ یا معاویہؓ؟" آپ نے فرمایا:۔

"بخدا میں نے تم سے بڑا جاہل کوئی نہیں دیکھا، معاویہؓ قدرت رکھتے ہوئے بھی حلم و بُردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بُردباری کرتا ہوں، لہٰذا میں اُن سے کیسے بڑھ سکتا ہوں یا اُن کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں۔" (العقد الفرید جلد ۱ صـ۱۶۵، طبری جلد ۶ صـ۱۸۷)

اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں کوشش کرتا ہوں کہ کوئی جُرم میرے عفو سے بڑا نہ ہو اور کوئی اکھڑ پن میری بُردباری سے زیادہ نہ ہو اور کوئی عیب ایسا نہ ہو جس کی میں پردہ پوشی نہ کر سکوں یا کوئی بُرائی ایسی نہ ہو جو میرے احسان سے زیادہ ہو۔"

چنانچہ طبری کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

"اِنِّی لَاَرْفَعُ نَفْسِیْ مِنْ اَنْ یَکُوْنَ ذَنْبٌ اَعْظَمَ مِنْ عَفْوِیْ وَ جَهْلٌ اَکْثَرَ مِنْ حِلْمِیْ اَوْ عَوْرَۃٌ لَا اُوَارِیْهَا اَوْ اِسَاءَۃٌ اَکْثَرَ مِنْ اِحْسَانِیْ" (طبری جلد ۶ ص۳۳۵)

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"مَا مِنْ شَیْءٍ اَلَذُّ عِنْدِیْ مِنْ غَیْظٍ اَتَجَرَّعُہٗ۔ (ایضاً)

میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ کوئی چیز نہیں"۔

آپ کے حلم کے بارہ میں بہت سی حکایات تاریخ کی کتابوں میں مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت وسیع القلب تھے، آپ نے اُن ہاشمیوں کو بھی معاف کر دیا تھا جنہوں نے ایک مرتبہ ان الفاظ میں آپ کو خطاب کیا تھا۔

"واللہ! وہ دل جن سے ہم آپ کے ساتھ بغض رکھتے ہیں ہمارے پہلو میں ہیں اور وہ تلواریں جن کے ذریعہ ہم آپ سے لڑے ہمارے کاندھوں پر ہیں، اگر آپ غداری سے ایک بالشت بڑھیں گے تو ہم شر کے ساتھ تیری طرف گز بھر بڑھیں گے اگرچہ گلا کاٹ دیا جائے اور ہمیں جان سے مار دیا جائے۔ یہ باتیں سُنکر سیدنا معاویہؓ نے بجائے غصہ کرنے کے نہایت وقار سے فرمایا: "یہ سچی باتیں ہیں انہیں لکھ لو"۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص۴)

آپ ہر معاملہ کو پہلے نرمی اور بُردباری سے سُلجھانے کی کوشش کرتے اور اُس وقت تک سختی نہ کرتے جب تک آپ سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

"لا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی ولا اضع سوطی حین یکفینی لسانی ولو ان بینی وبین الناس شعرۃ ما انقطعت۔

جہاں میرے کوڑے سے کام نکلتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا"۔

جب پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا:۔

"کنت اذا مدوها خلیتها واذا خلوها مددتها۔
جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں" (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ ص ۱۴۷، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۸۳)

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے بہت زیادہ سخت کلامی کی، لوگوں نے ازراہِ تعجب کہا کہ حضرت! آپ ایسی باتوں میں بھی بُردباری سے کام لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:۔

"اِنِّی لَا اَحُوْلُ بین الناس وبین السنتھم مالم یَحُوْلُوْا بَیْنَنَا وَبَیْنَ سُلْطَانِنَا۔ (ملکنا)
(طبری ج ۵ ص ۲۳۶، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳، الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ص ۱۴۷)

میں اُس وقت تک لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں"

بڑے لوگوں کی باتوں کو تو سب برداشت کرتے ہیں لیکن غریبوں اور ناداروں کی ملامت اور سختی کو برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ سیدنا معاویہؓ کو کسی راہ چلتے آدمی یا کسی بوڑھی عورت نے بھی اگر کوئی سخت سُست لفظ کہہ دیا تو آپ نے نہایت بُردباری سے اسے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک روز اروٰی بنت حارث آئیں اور کہا کہ "معاویہؓ! تو نے کفرانِ نعمت کیا، اپنے چچا زاد بھائی سے اچھا سلوک نہ کیا اور ایسا لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہ تھا" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ پچھلے گناہوں کو بخشتا ہے، اپنی ضروریات کا اظہار کیجئے" وہ بولیں "مجھے دو ہزار دینار کی ضرورت ہے کہ ایک زرخیز زمین میں ایک جاری چشمہ خرید سکوں تاکہ وہ فقرائے بنی حارث بن عبدالمطلب کے کام آئے، دو ہزار دینار اور چاہئیں تاکہ بنو حارث کے فقراء کی شادی کر سکوں، اور دو ہزار اور مطلوب ہیں کہ خود زمانے کے مصائب سے بچ سکوں" آپ نے اُسی وقت چھ ہزار دینار دینے کا

فرمایا اور وہ لے کر چلی گئیں۔ (البوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۵)

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کو ایک شخص نے آکر کہا کہ:۔

"واللہ لتستقیمن یا معاویۃ اولنقومنك۔

اے معاویہؓ! بخدا خود بخود درست ہو جاؤ ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے"!

آپؓ نے فرمایا کہ کس کے ساتھ درست کرو گے؟

جواب میں اس شخص نے کہا "لاٹھی کے ساتھ"۔

یہ سنکر سیدنا معاویہؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا:۔

"اذاً نستقیم۔ تب ہم درست اور ٹھیک ہو جائیں گے"!

(کتاب المجتبیٰ ص ۴۱، تاریخ الاسلام ذہبیؒ جلد ۳ ص ۳۲۲،

سیر اعلام النبلاء ذہبیؒ جلد ۳ ص ۱۰۲)

ایسے ہی ایک دفعہ سیدنا حضرت ابوامامہ الباہلیؓ آپ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا امیرالمومنینؓ!:۔

"انت رأس عیوننا فان صفوت لم یضرنا کدر العیون وان کدرت لم ینفعنا صفونا، واعلم انہ لا یقوم فسطاط الا بعمد۔

آپ ہمارے چشموں کے اصل ہیں، اگر آپ صاف رہیں گے تو چشموں کا گدلا پن ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ میں تکدر آگیا تو ہمارا صاف رہنا ہمیں کوئی فائدہ نہ دے سکے گا، یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ کوئی خیمہ ستونوں کے بغیر کھڑا نہیں ہو سکتا"!

(کتاب المجتبیٰ ص ۳۹ دکن)

آپ کے حلم اور بُردباری پر یہ واقعہ بھی شہادت کے لیے کافی ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔

"بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور مالِ فئے بھی ہمارا ہے، جس شخص سے چاہیں ہم مال کو روک لیں۔"

آپؓ کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا، دوسرے جمعہ کو بھی آپ نے اسی طرح فرمایا، پھر بھی کوئی شخص جواب دینے کے لیے نہ اٹھا لیکن جب تیسرے جمعہ کو سیدنا معاویہؓ نے وہی بات دُہرائی تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا امیرالمؤمنین! بات اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فئے کا مال بھی ہم سب کا ہے اور جو شخص اس بارہ میں ہمارے درمیان حائل ہو گا ہم اپنی تلواروں سے اس شخص کا فیصلہ کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا دیں گے۔

امیرالمؤمنینؓ نے نہایت حلم و بردباری سے اس کا جواب سُنا، خطبہ ختم ہونے کے بعد آپ قصرِ خلافت پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو بلا بھیجا، لوگوں نے خیال کیا کہ اس کی گوشمالی ہو گی لیکن جب اور لوگ قصرِ خلافت پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص امیرالمؤمنین کے ساتھ بڑے باعزت طریقے سے بیٹھا ہوا ہے۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ اس شخص نے گویا مجھے زندہ کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو حیاتِ درازار زانی فرمائے۔ مَیں نے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ :-

"عنقریب میرے بعد امراء ہوں گے جو کچھ وہ کہیں گے اس کا کوئی رَد نہیں کر سکے گا وہ جہنم میں گریں گے۔"

میں نے گزشتہ جمعہ کو ایک بات کہی کسی نے اس کا رَد نہ کیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ مَیں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا ذکر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، پھر دوسرے جمعہ بھی مجھے کسی نے نہ ٹوکا تو مجھے خیال ہوا کہ شاید میں اُن میں سے ہوں گا لیکن جب تیسرے جمعہ کو مَیں نے پھر وہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہو کر ٹوکا اور صحیح بات میرے سامنے کہہ دی تو گویا اس نے مجھے زندہ کر دیا، مَیں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ سلامت رکھے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۱ صفحہ ۳۲۲)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذریؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی، اس پران کا ایک وکیل جس کا نام "النضیر" تھا متعین تھا۔ اس زمین کے ساتھ ہی سیدنا عمرؓ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن زید بن الخطابؓ کی زمین تھی، سیدنا معاویہؓ کے وکیل اور عبدالرحمٰن بن زیدؓ کے مابین اس زمین کے بارہ میں کچھ تنازعہ ہوگیا، وکیل کا مؤقف یہ تھا کہ یہ قطعہ اراضی سیدنا معاویہؓ کا ہے جبکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن زیدؓ اس کو اپنا حق بتاتے تھے، جب یہ تنازعہ طول اختیار کر گیا تو سیدنا عبدالرحمٰن اس کو نپٹانے کے لیے خود شام سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور وہاں اس تنازعہ کی تفصیلات ذکر کیں، سیدنا معاویہؓ نے یہ ساری تفصیلات سنکر فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید الانصاریؓ اس بارہ میں جو فیصلہ دیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ دونوں حضرات کے بیانات قاضی عبیدؓ کے پاس ہوئے اور ہر ایک نے تفصیل سے اپنا اپنا مؤقف بیان کیا، بیانات سنکر قاضی صاحب نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے حق میں فیصلہ دیا، سیدنا معاویہؓ نے نہایت خوشدلی سے قاضی صاحب کا فیصلہ سنکر فرمایا: "ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔ تقبل ما قلت۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذریؒ ہی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے گورنر سیدنا مروان بن الحکمؓ نے سیدنا صہیبؓ کے صاحبزادے کا وظیفہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا، جب اس معاملہ کی اطلاع امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو پہنچی تو انہوں نے سیدنا مروانؓ کو ایک خط لکھا جس کے ایک ایک لفظ سے حُبِ نبوی ٹپکتی ہے، فرمایا:۔

"مروانؓ! تم نے صہیبؓ کے صاحبزادے کے بارہ میں اس کے باپ کی بات عثمانؓ کے بارہ میں یاد رکھی لیکن تم نے اس کا سرکار دو عالم صلی اللہ سے تعلق اور معیت یک قلم فراموش کر دی، پس صہیبؓ کے صاحبزادے کا وظیفہ فی الفور جاری کیا جائے اور اس کی عزت و تکریم اور اس سے

اچھا سلوک کیا جائے"۔ (انساب الاشراف قسم اول ص۹)

مشہور تابعی سیدنا عروہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے لوگو! امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے تمہارے وظائف و عطیات پورے پورے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان میں کوئی کمی نہ کی جائے، لیکن سیدنا معاویہؓ نے تمہاری خاطر اس سلسلہ میں پوری کوشش کی ہے لیکن موجودہ مال چونکہ تمام عطیات و وظائف کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے اور اس میں ایک لاکھ کی رقم کم ہے، لہٰذا امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ بیت سے اموالِ صدقات آنے پر یہ کمی پوری کر دی جائے گی"۔

یہ سننا تھا کہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے، سیدنا عروہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے، کیا ہم دوسروں کا حق لیں؟ یہ صدقات تو یتامیٰ اور مساکین کا حق ہیں اور ہمارے وظائف و عطیات جزیہ کے مال سے ادا کیے جاتے ہیں، آپ امیر المؤمنینؓ کو لکھیں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال فرمائیں، چنانچہ سیدنا مروانؓ نے یہ بات امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو لکھی تو سیدنا معاویہؓ نے وظائف و عطیات کے بقایاجات اپنے ہاں سے روانہ کر دیئے۔

(کتاب الاموال لابی عبید القاسم ص۲۵۹)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص آپ کے زمانہ میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں آزاد تھا کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ہر شخص کے حقوق کی رعایت رکھی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، سیدنا معاویہؓ نے پوچھا کوئی ضرورت اور حاجت ہو تو فرمائیے۔ سیدنا ابن عمرؓ نے کہا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف اور عطیات جاری کئے جائیں اور ساتھ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

فرمان سنایا کہ :۔

"مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپؐ کے پاس اموال آتے تو آپؐ آزاد شدہ لوگوں کو پہلے دیتے تھے"

(کتاب المنتقیٰ لابن جارود نیشا پوری ص۲۶۷)

اس طرح کے اور بے شمار واقعات محدثین اور مؤرخین کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ہر شخص اپنی بات کہنے میں آزاد تھا اور کسی شخص کی تقریر و تحریر پر کوئی پابندی نہ تھی۔ علاوہ ازیں لوگوں کے حقوق کی رعایت بھی فرماتے تھے۔

۵۹ھ میں جب سیدنا ابوہریرہؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ کے گورنر سیدنا ولید بن عقبہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی تو جواب میں سیدنا معاویہؓ نے تحریر فرمایا :۔

"ابوہریرہؓ کے ورثاء کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان پر دس ہزار درہم خرچ کئے جائیں، ان کی امان اور ذمہ داری کو بطریق احسن ملحوظ رکھا جائے اور ان کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کیا جائے"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۵)

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے :۔

"افضل الناس من اذا اعطی شکر واذا ابتلی صبر واذا غضب کظم واذا قدر غفر واذا وعد انجز واذا اساء استغفر۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص۱۴۱)

بہترین شخص وہ ہے جسے جب ملے تو شکر کرے اور جب مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے، جب غصہ آئے تو پی جائے اور جب قدرت ہو تو معاف کرے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب کسی سے برائی کرے تو معافی مانگ لے"

اسی وجہ سے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے :۔

"وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہُوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا، اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اسے پالیا، اس کا حلم اس کے غضب پر غالب ہے اور سخاوت بُخل پر غالب ہے، صلہ رحمی کرتا ہے قطع رحم نہیں کرتا، ملاتا ہے جُدا نہیں کرتا، لہٰذا اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔" (العقد الفرید جلد ۲ ص ۲۳۵)

عرب کا مشہور شاعر اخطل آپ کے متعلق کہتا ہے ؎

وطدت لنا دین النبی محمداً
بحلمك اذ هرت سفاهًا كلابها

یعنی آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اپنی بُردباری اور حلم سے آسان کردیا جبکہ بیوقوفی سے بھونکتے رہے۔" (العقد الفرید جلد ۱ ص ۹)

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان آپ کے حلم و بُردباری کی باتوں پر تعجب کیا کرتے تھے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں جبکہ وہ آپ کی قبر کے پاس سے گذر رہے تھے کسی نے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ آپ نے فرمایا :۔

"قبر رجل كان والله ينطق عن علم ويسكت عن حلم كان اذا اعطى اغنىٰ واذا حارب افنىٰ۔

"یہ قبر اُس شخص کی ہے کہ بخدا جب وہ بات کرتا تو علمیت سے بات کرتا اور حلم سے خاموش رہتا، جب دیتا تو غنی اور مالدار کردیتا، اور جب لڑتا تو نیست و نابود کردیتا۔" (التاریخ الاسلامی والحضارة العربیہ طبع مصر جلد ۲ ص ۳۴، ابن اثیر جلد ۴ ص ۵، الفخری لابن طباطبا ص ۹۵، معاویہ، انیس زکریا نصولی ص ۶۵)

آپؓ کے حلم و بُردباری کی یہ صفت قریبًا سب اموی خلفاء نے اپنے اندر پیدا کرنے

کی کوشش کی اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوگئے، چنانچہ عرب کا مشہور شاعر قیس بن رقیات بنو اُمیہ کے بارہ میں کہتا ہے ؎

وَمَا نَقَمُوْا مِنْ بَنِیْ اُمَیَّۃَ اِلَّا
اِنَّھُمْ یَحْلِمُوْنَ اِنْ غَضَبُوْا

یعنی لوگ بنو اُمیہ سے صرف اس وجہ سے بُغض رکھتے ہیں کہ وہ غضب کے وقت بُرد بار اور حلیم ہوتے ہیں۔

تدبیر و سیاست

تدبیر و سیاست کی استعداد آپ میں فطری تھی، سپہ سالاری کا عہدہ مُدتوں سے آپ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا، سیدنا ابوسفیانؓ اور سیدنا یزید بن سفیانؓ کی زیرِ تربیت آپ نے سیاست کی گتھیوں کو سلجھانا سیکھا۔ علاوہ علمی اور فنی کمالات نے اس کو اور بھی چمکایا، آپ کی اسی تدبیرِ مملکت اور سیاستِ سلطنت کا نتیجہ تھا کہ اہلِ شام آپ پر جان چھڑکتے تھے اور آپ کے ہر حکم کی دل و جان سے تعمیل کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے لشکریوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ معاویہؓ اکھڑ جاہلوں کو بلاتا ہے تو وہ بغیر عطیہ اور داد و دہش کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار جدھر چلاہے اُدھر ہے جاتا ہے اور میں تمہیں بلاتا ہوں حالانکہ تم لوگ عقل مند ہو اور عطیات پاتے رہتے ہو مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو، میرے خلاف کھڑے ہو جاتے ہو اور میری مخالفت کرتے رہتے ہو۔"

(طبری جلد ۵ صـ۱۴۸، معاویہؓ از انیس زکریا نصولی صـ۴۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک افسر قیس بن ہیثم نے ایک مرتبہ

اہلِ عراق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

"میں نے اہلِ شام کو دیکھا کہ وہ سردارِ شام (سیدنا معاویہؓ) کی بات خوشی خوشی مانتے ہیں اور ہم لوگ موسم گرما کے غزوات میں ہوتے ہیں اور ایک کے پاس ہزار اونٹ ہوتے ہیں مگر شامیوں کے سردار کے پاس صرف ایک گھوڑا ہوتا ہے اور وہ اس پر بھی ایک اور آدمی کو پیچھے بٹھا لیتا ہے"۔ (ایضاً)

لشکر کی فرمانبرداری اور ملک میں امن وامان کی کیفیت آپ کے تدبیر وسیاست میں ماہر ہونے کی بین شہادتیں ہیں اور یہ بھی آپ کے مدبر ہونے کی واضح دلیل تھی کہ حکومتِ اسلامیہ کے قائم کرنے، عراق کے خلفشار کو دور کرنے اور دیگر جرائم کی روک تھام میں جو مشکلات حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ کو پیش آئیں آپ نے نہایت احسن طریق سے ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہلِ بصرہ وکوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

تدبیر وسیاست کے بارہ میں ایک امتیازی شان آپ میں یہ تھی کہ جب تک آپ کسی بات کو اچھی طرح اپنے دل میں پختہ نہیں کر لیتے تھے کسی کو اس بارہ میں حکم نہیں فرماتے تھے، سختی کے موقع پر سختی کرتے اور نرمی کے موقع پر نہایت نرمی سے کام لیتے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے آپ سے کہا:۔

"میں عاجز آگیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر؛ کیونکہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل وقتال کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور پھر آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر ہی لیا ہے"۔

سیدنا معاویہؓ نے یہ سنکر فرمایا:۔

"بخدا میں تو اسی وقت اقدام کرتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ اقدام کا موقع ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے"۔

آپ کی حسنِ سیاست کی گواہی سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے بھی دی، چنانچہ ایک مرتبہ

آپ نے اہل عرب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"تذکرون کسریٰ وقیصر ودھادھما وعندکم معاویۃ ۔

تم کسریٰ وقیصر کی سیاست و تدبر کو یاد کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں"۔

(طبری جلد ۵ ص ۳۳۰ ، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۳)

آپ کا روزمرہ کا معمول تھا کہ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبارِ عرب، ایام عرب و عجم، ملوک عجم اور ان کی سیاست، بادشاہانِ عالم کی لڑائیوں، مکاریوں اور گذشتہ اُمتوں کے حالات وغیرہ کا مطالعہ فرماتے رہتے۔

آپ کے سامنے ایسی کتابیں پڑھی جایا کرتی تھیں جن میں بادشاہوں کے سوانح اور اُن کی عادات و حالات ہوتے، اِس خدمت پر کچھ لوگ متعین تھے وہ پڑھتے اور آپ سنتے۔ اس طرح ہر رات سیر اور آثار و سیاست سے آپ کو نئی نئی باتیں معلوم ہوتیں۔ (السعودی جلد ۲ ص ۵۱، ۵۲)

اس بات کو تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آپ کا شمار عرب کے پانچ مشہور زیرکوں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۱) لیکن آپ زیرکی اور سیاست میں ان سب سے زیادہ تھے کیونکہ آپ ان سب پر غالب تھے۔

شجاعت وبسالت

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ شجاعت و بہادری میں بھی ممتاز تھے، چنانچہ مسیلمہ کذاب کو، جس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آپ ہی نے قتل کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۷) علاوہ ازیں عہدِ فاروقی میں خود امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا آپ کو قیساریہ کی مہم پر متعین فرمانا اور آپ کا اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہونا آپ کی شجاعت وبسالت کی بیّن دلیل ہے۔ قیساریہ کی مہم اس قدر سخت تھی کہ اس میں لشکرِ اسلام اَسّی ہزار رُومیوں کو خاک وخون

تڑپا کر کامیاب ہوا تھا اور رومیوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی، اس مہم کی اہمیت کے پیشِ نظر امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے خود ان کا تقرر فرمایا، آپ نے معاویہؓ کو لکھا :-

"اما بعد فانی قد ولیتک قیساریۃ فسر الیھا واستنصر اللہ و اکثر من قول لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ ط (خطط الشام ج ۱ ص۱۲۳)

اما بعد! میں تمہیں قیساریہ کی مہم کا انچارج مقرر کرتا ہوں آپ اس مہم پر چلے جائیے اور اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کریں اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ ط کو کثرت سے پڑھا کریں"

بلاذریؒ کی روایت کے مطابق ۱۹ھ میں جب سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا تو اہلِ اسلام نے اس مژدہ جانفزا پر نعرۂ تکبیر بلند کیا :-

"وکانت حوصرت سبع سنین وفتحھا معاویۃؓ

قیساریہ کا محاصرہ سات سال تک رہا اور آخرکار حضرت امیر معاویہؓ نے اُسے فتح کیا" (فتوح البلدان ص۱۴۷)

نیز بیروت، عرقہ اور صیدا کی مہمات کی فتوحات بھی آپ ہی کی شجاعت و بہادری کی مرہونِ منت ہیں۔ (فتوح البلدان ص۱۳۳)

"کان (معاویۃ) ملکاً مھیباً شجاعاً جواداً حلیماً۔

معاویہؓ ایک باہیبت، عزم واستقلال، شجاعت و بسالت، صاحبِ جود اور حلم و بردباری کا مجسمہ تھے" (دولِ اسلام جلد ۱ ص۴)

سپہ گری

سیدنا معاویہؓ نے جنم ہی ایک ایسے خاندان میں لیا جو مدتوں سے سپہ گری میں

مشہور چلا آرہا تھا، چنانچہ آپ نے عسکری ماحول میں اور ایک سپہ سالار باپ اور سپہ سالار بھائی کی زیرِ تربیت پرورش پائی، اس لیے سپہ گری اور عسکریت آپ کی گھٹی میں بھری ہوئی تھی۔ قیساریہ، قبرص اور قسطنطنیہ کی جنگیں آپ کی عسکری ذہنیت کی غمازی کرتی ہیں۔ قیساریہ کے علاوہ آپ غزوۂ حنین و طائف وغیرہ میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک ہوئے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عسکری خدمات سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ حنین کے مالِ غنیمت سے انہیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۱۲۸)

علاوہ ازیں آپ کے زمانہ کی فتوحات کی کثرت اور افریقہ اور ملک کے دوسرے حصوں میں مناسب مقامات پر فوجی چھاؤنیوں کا قیام بھی آپ کی سپہ گری اور عسکری سپرٹ کی بیّن دلیل ہے۔

خطابت

سب سے بڑی بات جو سیدنا معاویہؓ میں دلوں کو موہ لینے والی، دشمنوں کو دوست بنانے والی اور نفرت کرنے والوں کو اپنا بنانے والی تھی وہ یہ تھی کہ آپ ایک اچھے خطیب تھے، اس بات کی شہادت اسلامی تاریخ کے اکثر مؤرخین دیتے ہیں، بنا بریں آپ اپنے اسرار کسی پر کھلنے نہ دیتے تھے۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ اور نہایت اچھی دلیل سے بات کرتے تھے، میدانِ سیاست میں اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے جو آپ نے اپنے متعلق خود بیان فرمائی ہے کہ:۔

"میں نے جو اچھے نتائج حاصل کیے وہ اپنی قوتِ بیان کی بدولت حاصل کیے ہیں۔ اُس زمانہ میں پانچ بہترین اور چوٹی کے خطیب تھے آپ اُن میں سے ایک تھے۔"

(Encyclopeadia of Islam, Vol. 3, P. 619)

آپ کی خطابت اور فصاحت و بلاغت کے متعلق مشہور شیعہ مؤرخ ابن طقطقی

لکھتا ہے کہ :-

كَانَ (مُعَاوِيَة) حَكِيمًا فَصِيحًا بَلِيغًا۔ (الفخری ص۱۲۳)

معاویہؓ بڑے صاحب حکمت اور فصیح وبلیغ انسان تھے۔"

فضل و کمال

سیدنا معاویہؓ علمی اعتبار سے بھی نہایت اونچے مقام کے آدمی تھے، ابتداء ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت پورے عرب میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، سیدنا معاویہؓ ان میں سے ایک تھے۔ (فجر الاسلام ص۱۴۱ احمد امین)

آپ کی اسی علمی برتری کی بناء پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا کاتب وحی مقرر فرمایا تھا جس کا اقرار شیعی مؤرخ ابن ابی الحدید نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

"كان (معاوية) احد كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

معاویہؓ جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتبوں میں سے ایک تھے"

(ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۳۳۸)

آپ صرف کاتب وحی ہی نہ تھے بلکہ صاحب علم و افتاء صحابہ میں بھی شمار ہوتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص۱۳) اور تفقہ فی الدین اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تاویل میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا، ۱۶۳ احادیث نبویہ آپ سے مروی ہیں جن کو بعد میں عبد اللہ ابن عمرؓ اور عبد اللہ ابن زبیرؓ وغیرہ صحابہ اور حمید بن عبد الرحمن وغیرہ تابعین نے روایت کیا ہے۔ چار احادیث متفقہ طور پر صحیحین میں موجود ہیں، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ کا یہ فقرہ حدیث میں آپ کی ثقاہت کیلئے ایک کھلی ہوئی شہادت ہے :-

"كان لا يتهم في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم"

(التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص۳۲۸)

شعر و ادب بھی آپ خاص مذاق رکھتے تھے، چونکہ آپ کے والدین بھی شاعر تھے لہٰذا آپ شیریں الفاظ کے بہت شائق تھے اور عرب کی فصاحت و بلاغت کے بہت گرویدہ تھے، آپ اشعار کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ (کتاب العمدہ ص۱۰)

چنانچہ ایک روز آپ نے عبدالرحمٰن بن الحکم بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :۔

"اے میرے بھتیجے! تو شعر گوئی کا بڑا شوقین ہے لہٰذا عورتوں کے ساتھ تشبب سے بچنا تاکہ شریف عورت کو عار نہ لگے اور ہجو سے بچنا کہ کسی شریف کی بدنامی نہ ہو اور کوئی کمینہ تیرے پیچھے نہ پڑ جائے اور مدح سے بچنا کیونکہ یہ بے حیائی کی روزی ہے، ہاں اپنی قوم کے مفاخر پر فخر کرنا اور ایسی باتیں کہنا جس سے تیرا نفس مہذب ہو اور دوسرے بھی ادب پکڑیں۔" (معاویہؓ ص۱۷)

آپ کی اسی علمی لگن کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مؤرخ عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات، زبانوں کی ابتداء اور ان کی نشر و اشاعت کی تاریخ لکھوائی جو کہ تاریخ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ (الفہرست لابن الندیم ص۱۳۲)

سیدنا معاویہؓ کی کتاب فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال مشقص کئے (لوہے کا ایک آلہ ہوتا تھا جس سے سر کے بال کاٹے جاتے تھے، گویا کہ آجکل کی اصطلاح میں سر کے بال کاٹنے والی مشین) چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال مشقص کے ساتھ کاٹے تھے۔ (بخاری جلد ۱ ص۲۳۳، مسلم جلد ۱ ص۱۰۸، مسند احمد جلد ۴ ص۹۶)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت قریبی تعلق تھا کیونکہ ایسی خدمت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا کوئی خاص تعلق ہو۔

ظرافت

سیدنا معاویہؓ ایک ظریف الطبع انسان تھے، ہر وقت خندہ پیشانی سے لوگوں کو ملتے اسی وجہ سے ہر آدمی بغیر کسی خوف وہراس کے آپ کو ملتا بلکہ مل کر خوشی محسوس کرتا اور آپ بھی نہایت تپاک کے ساتھ ہر ایک کا خیر مقدم کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے ایک مکان تعمیر کرنا ہے جس کے لیے مجھے بارہ ہزار درخت دیئے جائیں، آپ نے اس سے اس کے مکان کی وسعت پوچھی، اس نے کہا کہ دو فرسخ لمبائی اور دو فرسخ چوڑائی، آپ نے پوچھا کہ ایسا مکان ہے کہاں؟ اس نے کہا بصرہ میں، آپ نے ظرافتاً کہا کہ۔

"لَا تَقُلْ دَارِیْ بِالْبَصْرَۃِ وَلٰکِنْ قُلِ الْبَصْرَۃُ فِیْ دَارِیْ۔
یہ نہ کہو کہ میرا مکان بصرہ میں ہے بلکہ یہ کہو کہ بصرہ میرے مکان میں واقع ہے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)

ایسے ہی ایک مرتبہ سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ آپ کے پاس تشریف لائے، سیدنا عقیلؓ کی بینائی جاتی رہی تھی، سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عقیلؓ کو ظرافتاً کہا۔

"ہاشمیوں کی بصارتیں کیوں جاتی رہتی ہیں"؟

سیدنا عقیلؓ نے بھی ظرافتاً اسی طرح جواب دیا۔

"امویوں کی بصیرتیں کیوں جاتی رہتی ہیں"؟ (العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۳۱۵)

جود و سخا

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ نہایت سخی اور صاحب جود و سخا تھے، خود لسانِ نبوت نے بھی اس بارہ میں فرمایا تھا۔

"معاویۃ احلم اُمّتی واجودھا۔ (حماۃ الاسلام ج ۱ صفحہ ۱۶۵)
معاویہؓ میری امت میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور صاحب جود و سخا ہیں۔"

چنانچہ آپ کی فیاضی کا ابرِ کرم صحابۂ کرام، اکابرِ قریش اور آلِ ابی طالب پر برابر برستا رہتا تھا اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا عقیلؓ اکثر آپ کے پاس جاتے اور کافی بڑی بڑی رقمیں لے کر آتے، (جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے) اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:۔

"لوگ معاویہؓ کے جود و کرم سے بحرِ بیکراں کی طرح مستفید ہوتے ہیں۔"

(طبری جلد ٦ صـ۱۸۸)

ایک اور موقع پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

"جو لوگ معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں۔" (طبری جلد ٦ صـ۱۵٦)

علامہ ذھبیؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"معاویہؓ ایک دانشمند، سخی اور بہادر خلیفہ تھے۔"

(دول الاسلام جلد ۱ صـ۲۴)

آپ کی اس خوبی کا اعتراف مشہور شیعی مؤرخ ابن ابی الحدید نے بھی کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"كَانَ مُعَاوِيَةُ جَوَادًا بِالْمَالِ وَالصِّلَاتِ۔ (ابن ابی الحدید ج ۱ صـ۲۴)

معاویہؓ مال اور صلے دینے میں بہت سخی تھے۔"

سادگی

مخالفین کے پروپیگنڈے کے باعث عموماً آپ کو جاہ پسند خلیفہ کہا جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، آپ کی طبیعت میں بہت تواضع تھی اور آپ جاہ پسندی، نخوت اور تکبر کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی مجمع میں تشریف لے گئے آپ کے جانے پر لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے، آپ نے اس فعل کو خلافِ سنت خیال کرتے ہوئے

لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:۔

"من احب ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار۔

جو آدمی پسند کرتا ہے کہ لوگ تعظیماً اس کے لیے کھڑے ہوا کریں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۶)

لباس کی سادگی کے متعلق تو گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ آپ کے لباس کو کئی کئی پیوند لگے ہوتے اور آپ وہی لباس پہنے دمشق کے بازاروں میں پھرتے رہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۴، ۱۳۵)

قیام عدل

قیام عدل جو کہ اسلامی حکومت کا خاصہ ہے کے لیے بھی آپ نے نہایت اہتمام فرمایا، دربارِ خلافت میں جانے سے قبل آپ روزانہ مسجد میں تشریف لے جا کر رعایا کی شکائتیں سننے کے لیے بیٹھتے اور آپ کے پاس کمزور و ناتواں، عورتیں اور بچے غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ آتے اور اپنی اپنی شکائیتیں بیان کرتے، آپ اسی وقت اُن کی شکایات کے تدارک کا حکم دیتے۔ دربار تشریف لے جا کر آپ اشراف سے کہتے کہ جو لوگ اپنی بعض وجوہات کی بناء پر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات مجھ سے بیان کرو۔ (مروج الذہب جلد ۴ ص ۴۲۳)

آپ کے طرزِ حکومت پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ اتنی دُور دُور کے صوبوں پر اسی قیام عدل اور رعایا کی دادرسی کی بدولت ہی کنٹرول کرتے تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب کرسئ عدالت پہ بیٹھتے تو کمزور، ناتواں، بدّو، بچے، بوڑھے، عورتیں اور لاوارث لوگ آتے اور کہتے کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے تو آپ فرماتے کہ اس کی عزت کرو، کوئی کہتا کہ مجھ پہ دست درازی کی گئی ہے تو آپ فرماتے کہ اس کی مدد کے لیے بھیجو، اور اگر کوئی کہتا کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے تو آپ فرماتے

کہ اس کے معاملہ پر غور کرو۔

جب سردارانِ قبائل اور اشراف کے ساتھ آپ بیٹھتے اور معاملات پیش کیے جاتے تو بس اسی قسم کے جملے فرماتے کہ فلاں کو دے دو، ان سے معاہدہ کرو، انہیں دو، ان کی ضروریات پوری کرو، ان کی خدمت کرو وغیرہ وغیرہ، اس لیے کسی نے آپ کا برا نہیں چاہا۔ (المسعودی جلد ۲ ص ۵۱، ۵۲)

آپ کے عدل و انصاف پر علامہ ذہبیؒ کے یہی ریمارکس کافی ہیں کہ:۔

"وفضائل معاویۃ فی حسن السیرۃ والعدل والاحسان کثیرۃ۔
معاویہؓ کے حسنِ سیرت اور عدل و احسان کے بارہ میں فضائل بہت زیادہ ہیں۔" (المنتقیٰ ذہبیؒ ص ۳۸۸)

اِتباعِ سُنّت

ایک مومن کے لیے سنّت کا اتباع زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے اور صحابۂ کرامؓ کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں سنت کے طریقہ کی جستجو کر کے اس کی اتباع کرتے تھے، سیدنا معاویہؓ کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ دینی معاملات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ کار کے مطابق انجام دیئے جائیں۔

دین میں سب سے اہم چیز نماز ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ سیدنا معاویہؓ کی پوری کوشش ہوتی کہ نماز کو اسی طرح قائم کیا جائے جس طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم قائم فرماتے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیدنا ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارے اس امیر (سیدنا معاویہؓ) سے زیادہ کسی اور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ نماز پڑھنے

والا نہیں دیکھا۔" (مجمع الزوائد جلد ۹ ص۳۵۷ رواہ الطبرانی ورجالہ الصحیح)

اسی سلسلہ میں یہ حدیث بھی آپ کے اتباعِ سنت کے جذبہ کی غمازی کرتی ہے جو عبداللہ بن الحارث بن نوفل الہاشمیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے عصر کی نماز پڑھی، نماز کے اختتام پر کچھ لوگ کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے، سیدنا معاویہؓ کو ان کی یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوئی۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے، تھوڑی دیر کے بعد سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اُن کے پاس آئے، عبداللہ ابن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں بھی سیدنا ابن عباسؓ کے ساتھ تھا سیدنا معاویہؓ نے سیدنا ابن عباسؓ کو اپنے پاس چارپائی پر بٹھا لیا، پھر ان سے پوچھا کہ نمازِ عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے ہے، یہ نماز ہم نے سرکارِ دو عالم کو کبھی ادا کرتے نہیں دیکھا اور نہ ہی حضور نے کبھی اس نماز کا حکم فرمایا ہے، سیدنا ابن عباسؓ نے کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس نماز کا جواز فراہم کیا ہے۔

اب سیدنا معاویہؓ کی جستجو اور بڑھی اور انہوں نے تحقیقِ مسئلہ کے لیے سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کو بلوا کر دریافت کیا، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا حوالہ دیا کہ انہوں نے ایسا فرمایا تھا، پھر سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے یہ مسئلہ دریافت کرایا، انہوں نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز عصر کے بعد ہمارے گھر میں پڑھی تھی اور میں نے آپؐ سے اس نماز کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت ادا کی ہیں جو نمازِ ظہر کے بعد مجھ سے ضروری کام کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص۳۵۱)

سیدنا معاویہؓ کی اس نماز کے بارہ میں یہ ساری جستجو اور تحقیق سنتِ نبوی کی اتباع کے لیے تھی تاکہ کہیں مجھ سے حضور کی یہ سنت رہ نہ جائے۔

نوٹ } یہ مسئلہ اختلافی ہے، اس میں سیدنا معاویہؓ کا مؤقف صحیح ہے کیونکہ نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں، احادیثِ نبویہ سے یہی ثابت ہے اور احناف کا مسلک بھی یہی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ السائبؓ بن اخت نمر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ادا کی، جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نوافل اور سُنن ادا کرنے لگا۔

نماز سے فارغ ہو کر سیدنا معاویہؓ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور ایک آدمی بھیج کر مجھے بلوایا، میں جب پہنچا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جیسا تم نے آج کیا ہے آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا، پھر فرمایا۔

"جب تم جمعہ کی نماز ادا کر لو تو پھر اُس وقت تک کوئی نماز نہ پڑھو جب تک یا تو تم کوئی کلام نہ کر لو یا پھر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاؤ کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم فرض نماز کے بعد والی نماز سے ملا کر نہ پڑھا کریں بلکہ درمیان میں کوئی کلام کر لیں یا وہ جگہ تبدیل کر لیں۔"

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ میں اتباعِ سنت کا جذبہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اگر وہ کوئی کام خلافِ سُنت دیکھتے تو اس پر تنبیہ فرماتے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ بلاذریؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے، جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو آدمی بھیج کر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو بلوایا، جب سیدنا عبداللہ بن عمرؓ آئے تو آپ نے اُن سے پوچھا کہ بیت اللہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی، سیدنا عبداللہؓ نے "ساریۃ الیسریٰ" کے پاس آپؐ کا نماز ادا کرنا بتلایا۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۶۳)

بیت اللہ کے اندر اُس مقام کے بارہ میں جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی تھی دریافت کرنے سے مقصد آپ کا یہ تھا کہ میں بھی اُسی جگہ نماز ادا کروں اور سُنت کے اتباع کا اجر و ثواب بھی حاصل کروں۔

سیدنا معاویہؓ نے پوری زندگی اس بات کی کوشش کی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں اور جہاں کسی شخص کو آپ نے خلافِ سنت کام کرتے دیکھا تو اُسے فوراً ٹوکا اور تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا معاویہؓ ایک مکان میں داخل ہوئے، وہاں پہلے سے سیدنا عبداللہ بن عامرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ تشریف فرما تھے، سیدنا معاویہؓ کے آنے پر عبداللہ بن عامرؓ تو احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن عبداللہ بن زبیرؓ برابر بیٹھے رہے، سیدنا معاویہؓ نے عبداللہ بن عامرؓ سے فرمایا:-

"بیٹھ جائیے کیونکہ میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کے سامنے کھڑے رہنا پسند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے"۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۸ ص۵۸۶، مسند احمد جلد ۴ ص۹۳، ۱۰۰، ترمذی جلد ۲ ص۱۰۰)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے، آپ نے دیکھا کہ یہاں کی بعض خواتین میں کچھ ناجائز اور بُری رسمیں پیدا ہو گئی ہیں، اُن میں سے ایک ناجائز رسم یہ تھی کہ آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ عورتیں اپنے بالوں کو بڑا دکھلانے کے لیے ان میں کچھ دوسرے بالوں کی ملاوٹ کر لیتی ہیں۔ (جیسے کہ آجکل کی بعض عورتیں لیے بالوں کی وِگیں لگا لیتی ہیں) یہ یہودی عورتوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کی ایک مشابہت تھی۔

سیدنا معاویہؓ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں لوگوں کو اتباعِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترغیب دی، فرمایا:-

"اے اہلِ مدینہ! کہاں گئے تمہارے علماء؟ (کہ ان منکرات اور خلافِ اسلام باتوں سے تمہیں منع کرتے) پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گُچھا نکالا اور لوگوں کے سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے اس طرح بالوں کی بناوٹ بنائی تھی اور اسی وجہ سے وہ قوم ہلاک ہو گئی"۔

پھر فرمایا:-

"مَیں نے اس بارہ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپؐ نے

اِس طرح بالوں کی ساخت سے سختی سے منع فرمایا، لہٰذا یہ بُری رسم مسلمان خواتین میں نہیں ہونی چاہیئے ـــــ اللہ تعالےٰ لعنت فرماتے ہیں اُن عورتوں پر جو اپنے جسم پر سوئی سے نشانات بنواتی ہیں یعنی جسم گدواتی ہیں اور اُن عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو ابرو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا بناتی ہیں، اور ان عورتوں پر بھی جو دانتوں کو باریک بناتی ہیں یا بنواتی ہیں۔" (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۹، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۹۷، صفحہ ۱۰۱، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے جب کچھ مسلمان عورتوں میں خلافِ شرع بات دیکھی تو کیسے تڑپ اُٹھے، آپ کے خطبہ کا ایک ایک لفظ آپ کے اندرونی اضطراب کی غمازی کرتا ہے۔

آپ کبھی کبھی لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے مختلف مواقع پر خطبات ارشاد فرماتے اور لوگوں کو امورِ آخرت کی طرف متوجہ فرماتے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک خطبہ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے جو آپ نے جمعہ کے روز دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر ارشاد فرمایا، آپ نے اس میں فرمایا :۔

"اے لوگو! میری بات غور و فکر سے سنو اور خوب سمجھو کہ میں آخرت اور دنیا کے امور کے بارہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ نماز میں اپنے رُخ کو درست رکھو اور صفوں کو بھی درست اور ٹھیک رکھو ورنہ اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ' تمہارے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ ڈال دیں، اپنے میں سے کم عقل اور کم دانش لوگوں کی حرکتوں پر کنٹرول رکھو ورنہ اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ' تم پر تمہارے دشمنوں کو مسلط کر دیں اور تمہیں نہایت بُرے عذاب میں مبتلا فرما دیں، اللہ تعالےٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو اور کوئی یہ نہ کہے کہ میں قلیل المال ہوں کیونکہ قلیل المال کا صدقہ غنی کے صدقے سے افضل اور بہتر ہے ـــــ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے

پرہیز کرو اور اس سے بھی پرہیز کرو کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ بات سُنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیونکہ کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگانا اتنا سخت ہے کہ اگر کسی شخص نے عہدِ نوح میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہوگی تو اُس سے بھی قیامت کے دن سوال ہوگا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۴)

سیدنا معاویہؓ کا سُنت کی اتباع کا یہ جذبہ ہی تھا کہ جب کسی کام کے بارہ میں انہیں پتہ چلتا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارہ میں یہ ارشاد ہے تو آپ کی جبینِ نیاز فوراً اس حکم کے سامنے جُھک جاتی۔ اس بارہ میں کئی واقعات حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ اور رُومیوں کے مابین ایک معین عرصہ تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوا، رومیوں کی بعض شرارتوں اور اشتعال انگیزیوں کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ اُن کے خلاف اقدام کرنے لگے تاکہ مدتِ معاہدہ ختم ہوتے ہی اُن پر حملے کا آغاز کر دیا جائے۔ سیدنا معاویہؓ کی اس پلاننگ کا ایک بزرگ کو پتہ چلا تو وہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اُس جگہ پہنچے جہاں سے رُومیوں پر حملہ کیا جانا تھا اور دُور ہی سے آواز دی "وفاء ولا غدر" (یعنی وفا کی جائے بدعہدی نہ کی جائے) لوگوں نے دُور سے اس آواز کو سُنکر جو دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیدنا عمرو بن عنبسہؓ تھے، سیدنا معاویہؓ نے اُن سے اس معاملہ کی نوعیت دریافت کی، انہوں نے جواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرمائی جس میں اس سارے معاملہ کا جواب تھا، انہوں نے فرمایا کہ:۔

"میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جس شخص اور قوم کے مابین کوئی عہد و پیمان اور معاہدہ ہو تو اس کی مُدت کے ختم ہونے سے پہلے معاہدہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیئے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت ختم ہو جائے یا اُن کی طرف سے اس عہد کو واپس کر دیا جائے۔"

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سیدنا عمرو بن عنبسہؓ کے مُنہ سے سُنکر

سیدنا معاویہؓ نے اپنا سارا پلان ختم کر دیا اور اپنی افواج کو لے کر واپس چلے آئے۔
(ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳ ، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۴۵۷ ، صحیح ابن حبان جلد ۸ ص ۱۸۲)

کرامات

سیدنا معاویہؓ نہایت خدا ترس اور فکرِ آخرت رکھنے والے انسان تھے خشیتِ الٰہی سے ان کی آنکھیں فی الفور آنسوؤں سے بھر جاتیں، بعض دفعہ تو زار و قطار روتے، آخرت کے مواخذے کی فکر ہر وقت ان کے ذہن پر مستولی رہتی۔ اُن کے فکرِ آخرت اور خشیت الٰہی کے بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صحابی سیدنا ابو مریم الازدیؓ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سیدِ دو عالم صلی علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ آپؐ نے فرمایا "جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا اور اس کی حاجت روائی نہ کی تو حق تعالےٰ شانہٗ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند فرما دیں گے"۔

سیدنا ابو مریم الازدیؓ کے منہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سننا تھا کہ سیدنا معاویہؓ اوندھے منہ گر کر رونے لگے، پھر اپنے حاجب سعد کو بلایا اور ابو مریمؓ سے کہا کہ یہ فرمانِ رسول دوبارہ اسے سنائیے، انھوں نے مذکورہ فرمان دوبارہ انہیں سنایا۔ اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے سعد سے فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے، اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجتمند آئے تو فوری طور پر اُسے میرے ہاں آنے کی اجازت دی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے حق میں میری زبان سے جو فیصلہ چاہیں گے کرائیں گے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۰، جامع الاصول لابنِ اثیر جلد ۴ ص ۴۴۵)

جب انسان کے ذہن میں آخرت کی فکر پیدا ہو جائے اور دل میں اللہ کا خوف جم جائے تو قرآنِ حکیم کے مطابق اس کے لیے پھر مغفرتِ الٰہی اور بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ (لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ) ایسا شخص پھر مُستجاب الدعوات بھی ہوتا ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ کی ہر شئے اُس کی ہو جاتی ہے ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

چنانچہ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ بھی بڑے مُستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات صحابی تھے، آپ کی کئی کرامتیں تاریخ کی کئی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں، مثلاً :۔

(۱) آپ کے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی اور خشک سالی کی وجہ سے لوگ پریشان ہو گئے، سیدنا معاویہؓ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ طلبِ باراں کے لیے ایک مقام "الدم" کی طرف نکلے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے حضور بارش کی دُعا کی، دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور وادیاں پانی سے بہنے لگیں۔ (ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۱۰۵، صفحہ ۱۰۹)

(۲) ایسے ہی ایک اور واقعہ ہے جس میں آپ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا یزید بن الاسود الجرشیؓ کے وسیلہ سے طلبِ باراں کی دعا فرمائی طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ جب آپ دعا مانگ رہے تھے تو مغرب کی طرف سے ڈھال کی شکل کا بادل نمودار ہوا اور ساتھ ہی ہوا چلنے لگی، لوگ اپنے گھروں تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۱۵۵، الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۶۳۴)

جب ملک کا حاکم نیک، خدا ترس اور لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و مروت سے پیش آنے والا ہو تو پھر ملک میں ہر طرف فراوانی اور امن و امان کا دور دورہ ہوتا ہے، لوگوں میں خدا خوفی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرف

نیکی جنم لیتی ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں نیکی کے فروغ کے لیے نیک لوگوں کو زمامِ اختیار دی ہوئی تھی۔ ملک کے گورنر، فوج کے جرنیل، سرکاری کارکن سب خشیتِ الٰہی کے حامل تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے زمانے میں آپ کے ہر جرنیل پر نصرتِ خداوندی کی فراوانی رہی۔

سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا واقعہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا کہ قیروان کا شہر آباد کرنے کے لیے گھنے جنگل سے اُن کی ایک ہی آواز سے تمام موذی جانور اور درندے وہاں سے نکل گئے اور ایک دو روز میں وہ تمام جنگل خالی ہو گیا جس کو پھر کاٹ کر وہاں "قیروان" نامی شہر آباد کیا گیا۔



سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

مستشرقین کی نظر میں

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ایسی ہے کہ جس کی تعریف نہ صرف اپنوں نے کی ہے بلکہ بیگانے بھی اُن کی تعریف میں رطبُ اللسان ہیں، جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا ابوالدرداء، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور مختلف تابعین کے اقوال آپ کی جلالتِ قدر اور عالی مقام کے بارہ میں اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مشہور مشہور مُستشرقین کے چند اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں تاکہ آپ کے بارہ میں غیر مُسلم مؤرخین کی رائے سے بھی قارئین آگاہ ہو سکیں :۔

① انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نویس آپ کے بارہ میں لکھتا ہے :۔

آپ ایک پیدائشی حکمران تھے، اسی لیے شام انتظامی نقطۂ نظر سے تمام اسلامی مملکت میں ایک مثالی صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا، آپ شامیوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، آپ نے طاقت سے نہیں بلکہ نرمی، بُردباری اور خداداد ذہانت سے فرمانروائی کی۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۴ ص ۶۱۰)

② انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نویس آپ کے متعلق لکھتا ہے:۔

...... بحیثیتِ سیکرٹری آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بہترین خدمات سرانجام دیں، یہیں آپ نے اسلام کی نئی حکومت میں کام کرنا سیکھا، فتح شام میں آپ کو بھی یزیدؓ (بن ابی سفیانؓ) کے ساتھ بحیثیت نائب سالار بھیجا گیا جہاں آپ نے اپنی حیرت انگیز سرگرمیوں اور کارگزاریوں کا مظاہرہ کیا اور قیساریہ وغیرہ کی فتح سے اپنے آپ کو ممتاز بنا لیا۔ (جلد ۳ حصہ ۲ ص ۶۱۷)

...... لیکن ایک صحابی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیکرٹری اور ام المؤمنین اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا وسلام اللہ علیہا کا بھائی ہوتا بھی آپ کو شیعہ حضرات کی طعن و تشنیع سے نہ بچا سکا، حلم کی جتنی خوبیاں ہیں وہ امیرِ معاویہؓ میں موجود تھیں، آپ کا حلم ضرب المثل تھا مغرور ترین دشمن کو بھی مسکراہٹ سے غیر مسلح کر دیتے تھے۔ (ایضاً)

...... امیرِ معاویہؓ میں حلم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی سیاست، زیرکی، قوتِ فیصلہ اور فصیح اللسان خطابت وغیرہ کی تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں، آپ کا شمار اپنے وقت کے پانچ بہترین مقررین میں ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے زبان سے زیاد کی تلوار کی بہ نسبت زیادہ مطلب برآری کی ہے۔
(جلد ۳ حصہ ۲ ص ۶۱۹)

③ کولمبیا انسائیکلوپیڈیا

امیرِ معاویہؓ جو دولتِ اُمیہ کے بانی ہیں، اسلام کے عظیم ترین مُدبّروں میں سے تھے، پیغمبرِ اسلام کے سیکرٹری (کاتب) تھے، حضرت ابوبکرؓ کے دَور میں ایک نمایاں جرنیل بن گئے، معاویہؓ کی پالیسی ہمیشہ مُدبرانہ رہی اور روشن دماغی سے اُمورِ مملکت

سرانجام دیتے رہے، آپ نے اسلامی مملکت کو پھر نمایاں طور پر یک جہتی بخشی۔

(کولمبیا انسائیکلوپیڈیا ص ۱۲۱۹)

④ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائینسز

..... امیرِ معاویہؓ ایک اعلیٰ قسم کے فوجی منتظم تھے، آپ کے جرنیلوں نے مملکت اسلامیہ کو وسعتِ عظمیٰ سے ہمکنار کیا، آپ کا شمار عرب کے مشہور چار زیرکوں میں ہوتا ہے۔ (جلد ۱۱)

⑤ بروکلمن

.....یزیدؓ (بن ابی سفیان) اور اس کے بھائی معاویہؓ نے صدیقی اور فاروقی دور میں اپنے زریں کارناموں کی بدولت ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔

(ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز ص ۶۳)

..... امیرِ معاویہؓ نے اسلامی مملکت اور نظامِ حکومت کو ایک بار پھر فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو خانہ جنگیوں سے درہم برہم ہو چکا تھا۔ (ص ۷۳)

⑥ سائیکس

مشہور مستشرق سائیکس لکھتا ہے کہ :-

.....امیرِ معاویہؓ قابل ترین اور مضبوط سیاست کے مالک اور عرب سربراہوں میں سے تھے، آپ نے ابتدائی مہمات ہی میں امتیاز حاصل کر لیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپ کو ملکِ شام کا گورنر بنا دیا۔

(ہسٹری آف پرشیا ص ۵۳۲)

چند صفحات کے بعد مصنف پھر لکھتا ہے :-

.....امیرِ معاویہؓ کا شمار صفِ اوّل کے اسلامی خلفاء میں ہوتا ہے۔ (ص ۵۴۶)

⑦ نکلسن

نکلسن جوکہ تاریخ اسلام کا ماہر سمجھا جاتا ہے آپ کے متعلق لکھتا ہے :۔

..... امیر معاویہؓ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاست دان اور زمانہ شناس تھے، ازشلو کی کی طرح انسانی طبائع شناس تھے جس کی وجہ سے تمام اعتدال پسند مخالفین کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ (لٹریری ہسٹری آو دی عربز ص۱۹۵)

⑧ سر ولیم میور

سر ولیم میور جس نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام تک کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے سیدنا معاویہؓ کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

..... معاویہؓ ایک اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار تھے، شامی مہم میں یزید بن ابی سفیانؓ کی فوج کے علمبردار تھے۔ (خلافت ص۶۳)

نیز لکھا ہے کہ :۔

..... یزیدؓ نے اپنے بھائی معاویہؓ سے مل کر صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت فتح کئے۔ (ص۱۳۰)

⑨ ہٹی

پروفیسر ہٹی موجودہ عرب دنیا کا سب سے بڑا مؤرخ تصور کیا جاتا ہے اس کی اسلام دشمنی کو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ کے کمالات و فضائل کا اُسے بھی اقرار کرنا پڑا، وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں لکھتا ہے کہ :۔

..... معاویہؓ میں سیاسی حس اپنے سے قبل تمام خلفاء سے قریباً زیادہ ہی تھی، عرب مؤرخین کے نزدیک اُن کی سب سے بڑی خوبی "حلم و بُردباری" تھی یعنی وہ غیر معمولی قابلیت

جس سے کہ طاقت کا استعمال صرف اُسی وقت کیا جاتا جب وہ انتہائی ضروری ہوتا ورنہ ہر موقع پر نرمی اور بردباری سے کام لیا جاتا۔ وہ اپنی نرمی اور ملائمت سے دُشمن کو غیر مسلح کر دیتے تھے، اُن کا دیر سے غصہ میں آنا۔ اور اپنے آپ پر مکمل ضبط اُنہیں ہر موقع پر کامیاب و کامران بنا دیتا تھا چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں اُس جگہ اپنی تلوار استعمال نہیں کرتا جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے، اور جہاں میری زبان سے کام نبتا ہے، وہاں میں اپنا کوڑا استعمال نہیں کرتا اور جہاں میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال کے برابر بھی رشتہ قائم ہو میں اُسے نہیں توڑتا کیونکہ جب وہ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیلا کر دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیلا کرتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں

یہی مستشرق ہی آگے لکھتا ہے کہ:۔

..... ان سب خوبیوں کے باوجود معاویہؓ کئی مورخین کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہیں۔ وہ انہیں اسلام میں پہلا "ملک" (بادشاہ) سمجھتے ہیں حالانکہ عرب مؤرخین کے نزدیک یہ لقب ناپسندیدہ ہے، مورخین کے خیالات پران تنگ نظر لوگوں کا عکس ہے جو انہیں خلافتِ نبوت کو تبدیل کرنے والا سمجھتے ہیں۔

اسلامی تاریخ نے جو کہ زیادہ تر عباسی عہدِ خلافت میں شیعی اثرات کے تحت مرتّب کیا گیا ہے اُن کے دینی کمالات کو قابلِ اعتراض اور مشکوک بنا دیا ہے۔ ابنِ عساکرؒ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بہترین مسلمان تھے، آپ نے اپنے بعد کے آنے والے اموی خلفاء کے لیے حلم و بردباری، شجاعت و لبالت، دانائی وزیرکی اور تدبّر و سیاست کے بہت سے اصول چھوڑے، جن پر کچھ خلفاء نے عمل بھی کیا وہ فرماں رواؤں

میں سے بہترین فرمانروا تھے ۔ ہسٹری آف دی عرب ز صد ۱۹۷ ، ۱۹۸)

یہ تھی نابغۂ اسلام امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق مستشرقین کی رائے جس کو نہایت اختصار سے ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے

سیّدنا معاویہ رضؓ کی سیرت کے کئی پہلو ابھی رہ گئے جن کو بعض حضرات نے اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے ، اور بعض حضرات نے اس تنقید کو تنقیص کے رنگ میں پیش کیا ہے ، لہٰذا ان کی ذات پر مختلف حضرات کی طرف سے جو اعتراضات کیئے گئے ہیں آئندہ صفحات میں ان کے مفصل جوابات دیے جا رہے ہیں ۔

یہ بات اہلِ قلم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ سیّدنا معاویہ رضؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک مظلوم ترین صحابی ہیں جن کے بہترین اعمال پر تعصب اور نا فہمی کے پردے نہ صرف بیگانوں نے بلکہ اپنوں نے بھی ڈال رکھے ہیں اور ان کی بے مثال فراست ، انتظامی ، صلاحیت اور ان کے بے نظیر حلم اور بردباری اور فیاضی کو کور چشمی سے یک قلم نظر انداز کر دیا گیا ہے ، حالانکہ وہ دنیائے اسلام کے بہترین مدبّر اور نہایت اعلیٰ منتظم تھے ، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے اور اُس کی جھلکیاں آئندہ صفحات میں بھی آپ کو ملیں گی ۔

اعتراضات

اور اُن کے

جوابات

گذشتہ صفحات میں ہم نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سیرت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور درجنوں کتابوں کے سینکڑوں حوالجات سے دلائل ساطعہ

اور براہین قاطعہ سے سیّدنا معاویہؓ کی شخصیت کے طول و عرض کو واضح کیا ہے جس سے وُہ شکوک و شبہات اذہان سے خود بخود رفع ہوجاتے ہیں جن کو مدّتوں کے پراپیگنڈے سے ذہنوں میں پیوست کیا گیا ہے اور سیدنا معاویہؓ کا کردار نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس صحابیِ رسُول، مدبر اسلام اور نابغۂ روزگار نے اسلام اور اہل اسلام کی وُہ وہ خدمات جلیلہ سرانجام دیں کہ اُمت آج تک اُن کی زیر بار احسان ہے۔

آپ کی فتوحات، عسکری نظام، نظم مملکت، معاشی اور اقتصادی اصلاحات تدبیر و سیاست، شجاعت و بسالت، جود و سخاوت، ظرافت و خطابت اور نظام عدل نے اُمت مسلمہ کو وہ قوت و ہمت بخشی کہ اُس کے بازو قوی، حوصلے بلند اور ارادے مضبوط ہوگئے۔ اُس میں سمندروں ایسا تموج، طوفانوں ایسی شدت، پہاڑوں ایسی رنگینی، پھولوں ایسی مہک اور شبنم ایسی نمی پیدا ہوگئی۔ وہ جدھر بڑھی فتح و کامرانی نے اُس کے قدم چُومے تخت و تاج اُس سے لپٹنے کیلئے دیوانہ وار دوڑے۔ وہ وقت کی معلّم بنی اُس نے زمین کی طنابوں کو کھینچا اور اونچے حوصلوں اور بلند ارادوں کی کمندلے کر زمین کی وسعتوں کو سمیٹتی ہوئی ایک طرف قسطنطنیہ یعنی یورپ کے دروازوں تک جا پہنچی اور دوسری طرف براعظم افریقہ کو پھلانگتی ہوئی اُس ساحل تک جا پہنچی جو بحیرۂ روم جیسے بڑے سمندر سے وابستہ ہے۔ اُس نے دُنیا کے صحراؤں کے سینے چیرے، اُس کے دریاؤں کا منہ موڑا وادیوں کو اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندا، میدانوں پر چھائی اور وہاں کی کھوکھلی تہذیب

کے کھنڈروں کو مسمار کر کے اپنی زریں تہذیب کے جھنڈے گاڑے۔

آپ کی شخصیت اور کردار پر چودہ سو سال کے معاندانہ پراپیگنڈے کی وجہ سے شکوک وشبہات کی جو دبیز تہیں دماغوں پر جما دی گئیں اُن کو آسانی سے کھرچا نہیں جا سکتا۔ جبتک کہ ایک ایک اعتراض اور شبہ پر تحقیق اور ریسرچ کا عمل جراحی نہ کیا جائے۔

چنانچہ آئندہ صفحات میں آپ پر وارد شدہ اعتراضات (جو کہ مخالفین کے غلط پراپیگنڈے سے بعض موافقین کے ذہنوں میں بھی گھر کئے ہوئے ہیں) کے نمبروار جوابات دیئے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کرام کے ذہنوں سے وہ سارے اعتراضات اور شکوک وشبہات (انشاء اللہ تعالیٰ) اس طرح دُھل جائیں گے جس طرح ایک چکنے پتھر سے موسلا دھار بارش کی وجہ سے گرد وغبار دُھل جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے کئی مقامات پر تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی شخصیت اور کردار پہ بحث کرنے سے پیشتر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس شخصیت کے کردار کو وہ زیر بحث لا رہے ہیں وہ کوئی آجکل کے بادشاہوں کی طرح کی شخصیت نہیں بلکہ وہ ایک فقیہ صحابیٔ رسولؐ (بخاری جلد ا صفحہ ۵۳۱) ایک ہادی اور ہدایت یافتہ اور لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت کی شخصیت ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) ایک ایسے خلیفۂ راشد کے بارہ میں وہ بحث کرتے ہیں جو کاتب وحی (ابن ابی الحدید جلد ا صفحہ ۳۳۸) اور امین تھے (البدایۃ النہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۰) جن کا حلم تمام اُمت میں مشہور تھا (تطہیر الجنان صفحہ ۵۵) خلافتِ صدیقی، خلافتِ فاروقی اور خلافتِ عثمانی میں جنہیں با اعتماد سمجھ کر اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا یہاں تک کہ دمشق کا والی اور گورنر بنا دیا گیا (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۸۲ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۶، البدایۃ النہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۴، ہسٹری آف عربز صفحہ ۱۵۴) وہ ایک خلیفہ راشد تھے (شرح العقیدۃ الطحاویۃ صفحہ ۵۵۳) لہٰذا اُن پر اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ ہر خلیفہ پر بحث کی جا سکتی ہے اور اُن کی حکومتی کارروائیوں کو ہدف تنقید بنایا جا سکتا ہے لیکن خلیفۂ راشد پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی جا سکتی، کیونکہ حدیث صحیح میں اُن کی سُنت اور ان کے طریقے کی اتباع اور اطاعت کی خاص تاکید فرمائی گئی

ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۵، ابوداؤد صفحہ ۲۷۹، مستدرک حاکم جلد ا ص ۹۵ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۷) لیکن اس کے باوجود بھی قرآن و سنت اور تاریخ کی صحیح روایات کی روشنی میں ہم نے اُن سب اعتراضات کا جو اس صحابی جلیل کی شخصیت کو داغ دار بنانے کے لیے کئے جاتے ہیں، کافی و وافی جوابات دیئے ہیں اور موجودہ زمانے کے اُن نام نہاد مفکرین اور ادیبوں کے دلائل کے کھنڈرات کو بھی مسمار کیا ہے جنہوں نے فتنۂ سبائیت تجدید کے لیے نہ صرف سیدنا معاویہؓ ہی کی شخصیت پر گند اُچھالا ہے بلکہ سیدنا عثمانؓ، سیدنا عمرو ابن العاصؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور سیدنا مروانؓ کے متعلق بھی اپنے خبث باطن کا اظہار کیا ہے۔ ان لوگوں کے دلائل دراصل مستقل دلائل نہیں بلکہ وہی چبائے ہوئے لقمے ہیں جو آج سے ۱۲-۱۳ سو سال قبل عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے ساتھیوں نے باہر پھینکے تھے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اب اُن کو جدید تکنیک اور نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی ذوات مقدسہ کو طرح طرح کے اعتراضات سے مجروح کرنیوالے لوگ اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ قرآن و سنت کے اوّلین راویوں کو مجروح کر کے قرآن و سنت کے قطعی الثبوت اور متواتر ہونے سے انکار کروانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ امام ابوزرعہ رازیؒ نے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فانہ زندیق وذٰلک ان الرسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم عندنا حق والقراٰن حق وانما ادی الینا ھٰذا القراٰن والسنن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقہ۔

جب تم کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کی تنقیص کرتے دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حکیم حق ہے اور یہ قرآن حکیم اور سنّت ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صحابہؓ ہی نے پہنچائی ہے (جو لوگ صحابہؓ پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کردیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنّت کو مجروح کرسکیں۔ ایسے لوگ خود اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اُن پر جرح کی جائے ـــــــ اور وہ زندیق ہیں۔ (کفایہ صـ۴۹ـ)

یہی وجہ ہے کہ محدثین صحابہؓ کے بارہ میں کسی ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو۔ اس بارہ میں جس قدر روایات حدیث یا تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں ان کے سلسلۂ اسناد میں کوئی نہ کوئی رافضی اور سبائی ضرور ہوگا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ایسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں۔

"جو روایات صحابہ کرامؓ کے عیوب ومثالب کے متعلق مروی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو سراپا کذب اور تحریف شدہ ہیں جن میں ایسی کمی بیشی ہوگئی ہے جن سے مذمت اور طعن کا پہلو نکلتا ہے۔ اکثر وہ روایات جن میں صحابہ کرامؓ کے بارہ میں صریح مطاعن کا ذکر ہے، اسی قبیل سے ہیں جنہیں ایسے کذاب راوی بیان کرتے ہیں جن کی کذب بیانی مشہور ہے جیسے ابومخنف لوط بن یحیٰی، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ان جیسے اور کئی کذاب راوی۔ اسی لیے اِس رافضیؔ نے ایسی روایتوں سے استشہاد کیا ہے جیسے ہشام کلبی نے جمع کیا ہے جب کہ دروغ گوئی اور کذب بیانی میں وہ سب سے بڑھ کر ہے اس کے علاوہ شیعہ ہے۔ نیز وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور اس کا باپ ابومخنف سے بیان کرتا ہے اور یہ دونوں کذاب اور متروک ہیں۔ امام احمد اس کلبی کے بارہ میں فرماتے ہیں "میں یہ

ـــــــــــــــــــ

لـہ جس کی کتاب کا شیخ الاسلام جواب دے رہے ہیں۔

سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اس سے روایت کرے گا کیونکہ وہ تو ایک نساب اور قصہ گو ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ "وہ متروک ہے" ابن عدی فرماتے ہیں کہ "ہشام کلبی پر قصہ گوئی غالب ہے۔ میں اس کی کوئی مسند روایت نہیں جانتا اور اس کا باپ بھی کذاب اور دروغ گو ہے" زائدہ، لیث اور سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ "وہ کذاب اور جھوٹا ہے" امام یحییٰ فرماتے ہیں "کوئی شے نہیں، کذاب اور پایۂ اعتبار سے گرا ہوا ہے" امام ابن حبان فرماتے ہیں "اس کا کذب اس قدر نمایاں ہے کہ اس کے اوصاف معلوم کرنے کی ضرورت نہیں" (منہاج السنہ جلد ۳ ص 19)

شیخ الاسلام اپنی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر روایات کی صحت اور ضعف کے بارہ میں بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ابونعیم نے اپنی کتاب "الحلیہ" میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے مناقب فضائل پر کئی احادیث ذکر کی ہیں جن میں بعض صحیح، بعض ضعیف بلکہ منکر ہیں۔ اگرچہ نعیم خود علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتا ہے، لیکن اس کا اور اُن جیسے کئی اور مصنفین کی تالیفات کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ایک عنوان پر ہر قسم کی روایات جمع کر دیتے ہیں جیسے ایک مفسر تفسیر میں، ایک فقیہ فقہ میں اور ایک مصنف اور مؤلف اپنی تصنیف اور تالیف میں تمام آراء، اقوال اور دلائل نقل کر دیتے ہیں تاکہ قارئین پر تمام پہلو واضح اور منکشف ہو جائیں اگرچہ یہ لوگ اپنی مذکورہ چیزوں میں سے بیشتر چیزوں کی صحت کا اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ اس کے ضعف کے معترف ہوتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں ہمارا کام تو صرف روایات نقل کرنا ہے۔ اس کے (غلط اور صحیح) کی تمام تر ذمہ داری قائل پر ہے نہ کہ ناقل پر۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے عبادات کے فضائل کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو بہت سی ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جن کے موضوع اور جعلی ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اسی طرح وہ لوگ

جنہوں نے تاریخ کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جیسے ابن عساکر وغیرہ اُن کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جب وہ خلفائے اربعہ، دُوسرے خلفاء کے حالات قلم بند کرتے ہیں تو ہر طرح کی روایات نقل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں تو ایسی ایسی روایات کو بھی نقل کر دیتے ہیں جن کا جھوٹا اور غلط ہونا اہل علم پر ظاہر ہوتا ہے۔

"پس جو شخص ذرا بھی عدل و انصاف سے کام لے گا وہ سمجھ لے گا کہ روایات میں صدق و کذب ہر طرح کا مواد پایا جاتا ہے اور لوگوں نے مثالب و مناقب اور محاسن و نقائص میں دروغ گوئی اور کذب بیانی سے کام لیا ہے اور حمایت و مخالفت اور حُب و بغض میں کوئی اجتناب نہیں کیا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے فضائل و مناقب میں ایسی ہی کذب بیانیاں کی ہیں جیسے سیدنا علیؓ کے فضائل و مناقب میں جھوٹ تراشے ہیں چنانچہ بنیادی شئی ہر طرح کی روایات کے نقل کرنے میں یہ ہے کہ ناقل (روایت کے نقل کرنیوالے) علماء کی طرف رجوع کیا جائے اور روایت کے صحیح اور ضعیف ہونے کا پتہ لگایا جائے کسی شخص کا صرف یہ دعویٰ کہ دینا کی اس روایت کو فلاں (محدث اور مؤرخ) نے نقل کیا ہے نہ ہی اہل السنّت والجماعت کے نزدیک حجّت ہے اور نہ ہی شیعہ کے نزدیک۔ اہل اسلام میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہر مصنّف کی نقل کردہ ہر روایت کو قابل حجُت سمجھ لے۔ اس کے لیے ہر وہ روایت جس سے کوئی شخص احتجاج کرے، سب سے پہلے ہم اُس سے اس کی صحت کا مطالبہ کریں گے۔ محض کسی روایت کا اس کے ناقل کی طرف منسوب کر کے یہ کہدینا کہ یہ ثعلبی وغیرہ کی روایت ہے تمام اہل علم کے نزدیک بالاتفاق روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔" منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۱۲۱

صحابہ کرامؓ کے بارہ میں روایات کا صحیح اور غلط ہونا کسی کے نقل کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اُن کے راویوں پر موقوف ہے۔ اگر راوی ثقہ ہیں اور روایت اُصول درایت کے مطابق ہے تو قابل احتجاج ہے خواہ کوئی مؤلف اُسے اپنی کتاب میں درج کر دے لیکن اگر کسی روایت کے راوی غیر ثقہ بلکہ کذاب اور دروغ گو ہیں یا وہ روایت اُصول درایت کے خلاف ہے تو وہ حجت نہیں خواہ اُس کو کتنے ہی بڑے محدّث، مفسّر اور مؤرخ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہو۔ چنانچہ علّامہ ابن حجر مکّی لکھتے ہیں کہ:۔

والواجب ایضاً علیٰ کل من سمع شیئاً من ذٰلک ان یثبت فیہ ولا ینسب الیٰ احد منھم بمجرد رؤیتہ فی کتاب اوسماعہ من شخص بل لابد ان یبحث عنہ حتّٰی یصح عندہٗ نسبۃ الیٰ احدھم فحینئذٍ الواجب ان یلتمس لھم احسن التاویلات واصوب المخارج اذھم اھل لذٰلک کما ھو شھواھم فی مناقبھم ومعدود فی ماثرھم۔

جو شخص صحابہ کرامؓ کے بارہ میں کوئی بات سُنے اُس پر واجب ہے کہ وہ پہلے اُس کی تحقیق و جستجو کرے وہ صرف کسی کتاب میں اُس روایت کو دیکھ لینے یا کسی شخص سے سُن لینے پر ہی اُس کی نسبت اُس کی طرف نہ کر دے بلکہ اُس پر ضروری ہے کہ وہ اُس کے بارہ میں پوری تحقیق و جستجو کرے تاکہ اس کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو۔ اُس وقت اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اُس کی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی اچھا سا محمل اور مخرج تلاش کرے کیونکہ صحابہ کرامؓ اپنے مناقب و مآثر کی وجہ سے اس چیز کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ)

وجہ اس کی صاف ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مناقب و مآثر اور فضائل و محاسن قرآن و حدیث سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات کی ایک کثیر تعداد اور بے شمار احادیث نبویہ صحابہ کرامؓ کی من حیث الطبقہ تقدیس بیان کرتی ہیں اور اُن کو بارگاہِ

خداوندی سے "رضا" کا سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے۔ اس لیے اُن کے خلاف اگر خبرِ واحد سے اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو، کوئی چیز ثابت ہو تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگی بلکہ قابلِ رد یا قابلِ تاویل ہوگی چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:۔

قال العلماء الاحاديث الواردة التى فى ظاهرها دخل على صحابى يجب تاويلها قالوا ولا يقع فى روايات الثقات الا ما يمكنه تاويله۔

علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو تو اُس کی تاویل واجب اور ضروری ہے اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔

(نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محدثین اور مؤرخین نے ان کذاب اور دروغ گو راویوں کی ایسی غلط اور غیر صحیح روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیوں کر دیا؟ یہ اعتراض اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہماری کتابیں اُن لوگوں کے ہتھے چڑھیں گی جو صحیح ضعیف اور موضوع کے درمیان کوئی فرق نہیں کریں گے اور ضعیف روایات سے بجائے استشہاد کرنے کے اُن پر اعتماد کر کے متواترات کی تردید کرنی شروع کر دیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل جامعین تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں ہر قسم کی روایات جمع کر دیں اور اُن کی اسناد بھی ذکر کر کے معاملہ قارئین پر چھوڑ دیا تاکہ وہ صحیح، ضعیف اور موضوع روایات کے درمیان فرق کر سکیں۔ اور ضعیف روایات اگر صحیح روایات کی تائید کرتی ہوں تو اُن سے استشہاد کریں تاکہ صحیح روایات کی صحت اور پختہ اور مضبوط ہو۔ وہ لوگ روایات کو مع سند نقل کر کے اُس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے (ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۷۵) ہاں جن لوگوں نے روایات کے ساتھ سند کو ذکر نہیں کیا محققین نے ان پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ بغیر سند کے روایت کے

صحیح اور غلط ہونے کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا[1]۔ چنانچہ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں:۔

پہلے محدثین کی طرح جن لوگوں نے روایات کو سند کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اُن کا عذر معقول ہے، کیونکہ انہوں نے سند بیان کرکے روایت کے نقد و تحقیق کے لیے سہولت فراہم کردی ہے۔ اگرچہ بہتر صورت یہ تھی کہ اُن روایتوں پر وہ خود تنقید کرتے اور ان کے بارہ میں سکوت اختیار کرتے لیکن جن حضرات نے سند کا اہتمام نہیں کیا اور سند کے ہی صیغۂ جزم کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اُنھوں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے'' (تدریب الراوی صفحہ ۱۸۹)

بات دراصل یہ ہے محدثین، مؤرخین اور جلیل القدر آئمہ نے کذاب، دروغ گو

---

[1] اسی وجہ سے عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال مَن شاءَ مَاشاءَ۔

اسناد بھی دین کا ایک حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲)

یہ اسناد کا معاملہ فتنہ کے بعد اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ کیونکہ وقوع فتنہ سے قبل روایات کے معاملہ میں کذب بیانی سے کام نہیں لیتے تھے لیکن بعد میں بعض لوگ صرف اسی کام میں لگ گئے کہ اپنے اپنے سیاسی مسلک کی تائید میں مختلف احادیث اور روایات وضع کرنے لگے۔ چنانچہ امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں۔

لم یکونوا یسئالون عن الاسناد حتی وقعت الفتنۃ نظروا من کان من اہل السنۃ اخذ واحدیثہ ومن کان من اہل البدع ترکوا حدیثہ۔

فتنہ سے قبل لوگ روایات کی اسناد کے بارہ میں نہیں پوچھا کرتے تھے، لیکن جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو لوگوں نے ہر روایت میں غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہل سنت کی روایات کو لے لیا جاتا۔ اور اہل بدعت کی روایات کو چھوڑ دیا جاتا۔ (لسان المیزان لابن حجر جلد ۱ صفحہ ۷)

متہم، متروک، ضعیف اور راویوں کی روایت کو، جو ذرا بھی قابلِ احتجاج نہیں اپنی کتابوں میں کیوں ذکر کیا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً! محدثین اور مؤرخین نے ایسے لوگوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اُن کا ضعیف اور کمزور ہونا عیاں ہو جائے اور اُن محدثین پر اور دُوسرے لوگوں پر ان کے بارہ میں کوئی اشتباہ نہ رہ جائے کیونکہ اگر ان کے بارہ میں صرف اسماء الرجال کی کتابوں ہی میں لکھ دیا جاتا کہ فلاں راوی متروک ہے یا فلاں راوی کذاب ہے تو شاید کوئی اعتبار نہ کرتا لہذا انہوں نے ان کی روایات کو بھی بطورِ شہادت کتابوں میں نقل کر دیا اور بتا دیا کہ یہ لوگ اس قدر دیدہ دلیری سے جھوٹ بولنے والے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ذوات مقدسہ کے بارہ میں بھی کذب بیانی سے نہ شرماتے۔

ثانیاً! دوسری وجہ ان ضعیف روایات کے ذکر کی یہ ہے کہ ان سے صحیح روایات کے بارہ میں استشہاد کیا جائے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً! متروک اور متہم راویوں کی صحیح اور غلط روایات کو کتابوں میں نقل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہلِ علم حضرات خود ان روایات کے درمیان تمیز (Differentiate) کر سکیں کیونکہ اس سے علم میں پختگی اور تحقیق و تجسس کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

رابعاً! محدثین کرام ضعیف اور متہم راویوں کی روایات بعض فضائل اعمال قصص اور ترغیب و ترہیب کے مسائل میں لے آتے ہیں لیکن عقائد[1]

---

[1] یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ صحابہ کرامؓ کی عدالت، ثقاہت اور کبائر سے اجتناب کا مسئلہ تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ خاص عقائد کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ قرآن و سنّت سے اُن کی عدالت اور حق تعالیٰ سے ان کے راضی ہونے اور کبائر سے اجتناب اور دین اسلام سے اُن کی والہانہ محبّت، کفر، فسوق اور عصیان

حلال و حرام اور دیگر احکامی مسائل ہیں وہ روایات بالکل قابل احتجاج نہیں ہوتیں۔ (ملخصاً صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۴)

وحی کچھ بھی ہو صحیح روایت صحیح ہی ہے خواہ کسی کتاب میں ہو اور غلط ہر صورت غلط ہے خواہ بڑے سے بڑا محدث اور مؤرخ اُسے اپنی کتاب میں نقل کر دے۔ لہٰذا دشمنانِ صحابہ رض اور جاہل منکرین اسلام کا یہ مغالطہ (Fallacy) کہ اِن روایتوں کو فلاں فلاں جلیل القدر ائمہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم ان ائمہ کی نقل کردہ روایات کو اُن اُصولوں پر پرکھیں گے جن کو محدثین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اُس کا ایک اجمالی خاکہ ہم نے اس کتاب کی جلد اوّل صفحہ ۲۳-۲۴ پر بیان کیا ہے۔ حدیث ہو یا تاریخ اس کی روایات وہی قابلِ قبول ہوں گی جو اس معیار پر پوری اُتریں گی، لیکن احادیث میں ایسی روایات کی کثرت ہے جو صحیح ہیں، کیونکہ حدیث میں عقائد، حلال و حرام کے مسائل اور دین کے احکام بیان ہوئے ہیں، لیکن تاریخ میں اکثر و

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے اُن کی نفرت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک عقیدہ بن گیا ہے لہٰذا جب احکام شریعت کا استنباط مجروح روایات سے نہیں ہو سکتا تو عقائد کے مسائل کیلئے صحیح خبر واحد بھی نہیں۔ بلکہ ان کے لیے خبر مستفیض یا متواتر کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تاریخ کی ان مجروح روایات کو مدار بنا کر صحابہ کرام رض کے خلاف غلط سلط اعتراضات کرنا شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں ہے۔

جس روایات سے کسی صحابیِ رسول ﷺ کے متعلق گناہ کبیرہ کا الزام ثابت ہوتا ہے یا اس کی عدالت مجروح ہوتی ہے، ہم پہلے اُس روایت کے راویوں کی شخصیت اور عقائد پر عمل جراحی کریں گے کہ وہ کیسے تھے؟ کون تھے؟ اور کن حالات میں انہوں نے ایسی روایت کی؟ صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں محدث یا مؤرخ نے اس آیت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اس روایت کے صحیح یا اُس کے راویوں کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہمارے ہاں اُردو میں کتابیں لکھنے والے مؤرخین نے ان اُصولوں کا کوئی اہتمام نہیں کیا اس وجہ سے صحابہ رض کے بارہ میں ایسی روایات نقل در نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔

بیشتر ضعیف موضوع، منکر اور باطل روایات ہیں، کیونکہ وہ فضائل اور قصص پر مبنی ہیں اور ان کے بارہ میں محدثین اور مؤرخین نے تساہل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ فرماتے ہیں:۔

اذا رویناً فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوها تساهلنا۔

جب ہم حلال وحرام کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل و مناقب اور ان جیسے دوسرے اُمور کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی اور تساہل سے کام لیتے ہیں۔ (کفایہ صفحہ ۱۳۴)

امام بیہقی نے "المدخل" میں اس بارہ میں ابن مهدی کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:۔

اذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال۔

جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حلال وحرام اور دین کے احکام کے بارہ میں روایت کرتے ہیں فی حدیث کی سند میں تشدد کرتے ہیں اور راویان حدیث کے بارہ میں نقد وجرح کرتے ہیں۔ اور جب فضائل اور ثواب وعقاب کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو سند میں تساہل برتتے ہیں اور راویوں کے بارہ میں تسامح (یعنی ان کے بہت سے نقائص سے صرف نظر کرتے ہیں) سے کام لیتے ہیں۔ (المدخل صفحہ ۱۳۵)

اسی وجہ سے مودودی صاحب تاریخ کی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں۔

"تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کے لیے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ ۹۰ ؍ فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حصّہ دریا برد کر دینا ہوگا"

(خلافت وملوکیت صفحہ ۳۰۷ حاشیہ)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات غلط اور سراسر جھوٹ ہیں جن کو بعض دشمنانِ صحابہؓ بنیاد بنا کر اپنا خبث باطن اُگلتے رہتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی ذوات کو ہدف تنقید بناتے اور اُن پر گند اُچھالتے رہتے ہیں، لیکن تاریخ میں صحیح روایات بھی ہیں جو قرآن وسنت کی متواتر اور صحیح روایات کے عین مطابق ہیں۔

جب تاریخ میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم اُن روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو اُن (صحابہؓ) کے مجموعی طرزِ عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو اُس کی ضد نظر آتی ہیں۔ (خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۴۷-۳۴۸)

جب تاریخ میں صحیح اور پاکیزہ روایات بھی ہیں تو موجودہ زمانے کے نام نہاد مفکّر اور مؤرخ صرف ایسے مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں کرتے ہیں جن سے جلیل القدر صحابہؓ کی تنقیص ہو۔ آخر یہ مطالعۂ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاظت پسند مکھی کی طرح صرف انہیں گندے چھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مفتری نے ہمارے پاکیزہ فضائل اسلاف کے دامن پر اڑائے ہیں۔ ایسی روایات اس قابل ہی نہیں کہ آدمی ان کی طرف توجہ کر سکے۔ اس بارہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بعض مؤلفین کی تالیفات پر بحث فرماتے ہوئے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی ہے:۔

"ان حضرات کی نقل کردہ روایات تاریخ وسیر کی روایات کی قبیل سے ہیں جن میں مرسل، مقطوع، صحیح اور ضعیف وسقیم ہر طرح کی روایات ہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو صحابہ کرامؓ کے مناقب و فضائل جو کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور نقل متواتر سے ثابت ہیں، اُن کا رد ایسی روایات سے کسی صورت نہیں ہو سکتا جن میں بعض منقطع، بعض تحریف شدہ اور بعض ایسی ہیں جن سے یقینی اور قطعی چیزوں پر جرح و قدح نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا اور ہمارا یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہیں

علاوہ ازیں منقولات متواترہ کی تائید دلائل عقلیہ سے
اس طرح بھی ہوتی ہے کہ صحابہؓ انبیاء علیہم السلام کے
بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں لہٰذا مشکوک روایات سے
اُن کی ذواتِ مقدّسہ کو مجروح نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ
اُن روایات سے اُن کی ذات پر جرح و قدح کی جائے
جن کا باطل ہونا صریح اور واضح ہے۔"

منہاج السنتہ جلد ۳ صہ ۳۰۷

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔
"کسی شخص کے لیے معمولی اور فروعی مسائل میں بھی کسی حدیث
سے استدلال اس وقت نہ صحیح ہے اور نہ جائز جب تک
کہ وہ اُس حدیث کو پہلے صحیح ثابت نہ کرے لہٰذا یہ
کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ اُن اصولی اور بنیادی
مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان اور اللہ
کے اولیاء مقربین کے سردار (صحابہ کرامؓ) کی ذوات پر حرف
اور الزام آتا ہو ایسی روایات کو حجت کے طور پر پیش
کرنا درست ہو جن کا صحیح ہونا معلوم ہی نہ ہو (یا وہ
کذّاب متہم اور منکر راویوں سے مروی ہوں)

(منہاج السنتہ جلد ۴ صہ ۱۸)

بہر حال ہم نے اس کتاب میں قرآن و سنت اور روایات متواترہ اور
آثارِ صحیحہ سے بحث کی ہے (اور اگر کہیں کوئی ضعیف روایت پیش کی ہے تو

استشہاد کے طور پر کی ہے نہ کہ اعتماد اور استدلال کے طور پر، اور اُن تمام معترضین کے اعتراضات کے عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ایسے جوابات دیتے ہیں جن سے کسی صحابیٔ رسولؐ کا دامن داغدار نظر نہیں آتا، بلکہ قارئین کرام کے اذہان و قلوب میں ان ذواتِ جلیلہ کی عزت اور احترام پیدا ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ یہ لوگ بہرحال واجب الاحترام ہیں کیونکہ صحابی رسولؐ ہونا ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اور ان کے بعد آنے والے لوگ اس اعزاز کو کسی صورت حاصل نہیں کر سکتے۔

سیدنا معاویہؓ پر جن معترضین نے اعتراضات کیے ہیں اُن کے ترتیب وار جوابات دیے جاتے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر اعتراضات ایک ایسے شخص نے کیئے ہیں۔ جن کو ان کی جماعت "مفکر اسلام" کے نام سے یاد کرتی ہے لیکن اُن کے اعتراضات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فکر ژولیدہ اور پراگندہ ہے اور وہ صحابیٔ رسول کے صحیح مقام سے ناآشنا ہیں۔ اور وہی پرانے اعتراضات دُہرائے ہیں جو پرانے زمانے سے ان کے مخالفین نے، ان پر کرتے چلے آ رہے ہیں۔

①

گورنروں کی بالادستی

سیدنا معاویہؓ کے متعلق ان کے معترضین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کاروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے مخالفین مختلف کتابوں سے چند روایات پیش کرتے ہیں جن سے اکثر و بیشتر ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور سیف بن عمرو دشمنانِ صحابہؓ سے مروی ہیں جن کی ساری زندگی کا مشن ہی یہ تھا، کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف غلط اور خلاف واقعات روایات وضع کر کے اُمت میں اُن کے خلاف بداعتمادی کے جذبات پیدا کئے جائیں اور جب قرآن وسنت کے ان اولین راویوں کے خلاف بداعتمادی پیدا ہو جائے گی تو پھر قرآن وسنت کی حیثیت بھی اتنی قطعی اور یقینی نہ رہے گی جس قدر کہ ہونی چاہیئے۔ یہ فتنہ اور یہ سازش ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کی گئی جس کی تفصیل ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں بیان کر دی ہے۔

سیدنا معاویہؓ عام دنیادار بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہ تھے بلکہ وہ ایک خلیفہ راشد تھے علوم نبوت کے حامل تھے، کاتب وحی تھے اور سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ کے با اعتماد ساتھی تھے۔ عہد رسالت اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں ایک اہم مقام کے حامل تھے، جناب رسالت مآب نے انہیں "امین" "مہدی" اور "ہادی" وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرمایا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) اور آپ کے متعلق "وا ھدبہ" ذریعۂ ہدایت بنانے کی دُعا بھی فرمائی تھی (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۸۶)

ایک حدیث میں آپ کی یہ دُعا بھی ان کے متعلق منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶، اصابہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۱، کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۸۷، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ صفحہ ۳۲۸)

علامہ ابن کثیرؒ نے یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے۔

اللهم علمه الكتاب ومكن له في البلاد وقه العذاب۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب کا علم سکھا اور اس کو شہروں میں حکومت عطا فرما، اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، النجوم الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۴)

ایک روایت میں جس کو علامہ ذہبیؒ نے نقل فرمایا ہے یہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے اور سیدنا معاویہؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، تھوڑی دیر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

اے معاویہؓ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا پیٹ آپ کے جسم اطہر کے ساتھ لگا ہُوا ہے یہ سُن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا۔

اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹)

انہیں خوبیوں کی وجہ سے آپ کو بارگاہِ رسالت سے کتابت وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم مصری جلد ۲ صفحہ ۳۰۴، مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۶۰-۶۱، تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۳۵، دول الاسلام جلد ۱ صفحہ ۲۰، کنز العمال جلد ۲ صفحہ [illegible]

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۸، تقریب التہذیب صفحہ ۳۵۷، ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۳۸) بلکہ بقول ابن حزم اندلسیؒ۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کاتبین وحی میں سب سے زیادہ سیدنا زید بن ثابتؓ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ سیدنا معاویہؓ کا تھا۔ یہ دونوں بزرگ رات دن آپ کے ساتھ لگے رہتے اور اس کے سوا کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔

(جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷، تاریخ التشریع الاسلامی صفحہ ۱۲)

پھر نہ صرف آپ وحی کی کتابت فرماتے بلکہ آپ کے دربار سے جو فرامین اور خطوط وغیرہ جاری ہوتے، انہیں بھی آپ کا قلم حقیقت رقم تحریر کرتا۔

(الاستیعاب صفحہ ۳۴۵، النجوم الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے آپ کی فراست دیانت، ذہانت، ذکاوت اور تدبر پر مکمل اعتماد کیا اور آپ کو شام بھیجے جانیوالے لشکر کے ہراول دستے کا علم بردار مقرر فرمایا جب کہ اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار آپؓ کے برادر بزرگ سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ تھے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ فتوح البلدان صفحہ ۱۴۸، تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۵، حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۱۷، العواصم من القواصم صفحہ ۸۱، ہسٹری آف عربز ہٹی صفحہ ۱۴۸) خلافت فاروقی میں بھی آپ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۸ ھ میں عمواس کے طاعون میں آپ کے بھائی یزیدؓ کے انتقال کے بعد سیدنا عمرؓ نے آپ کو دمشق کا گورنر مقرر فرما دیا (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۴، ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴، الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۱۶) اس زمانہ میں آپ نے مختلف مہمات بھی سر کیں، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ قیساریہ کے معرکے پر سیدنا عمرؓ نے انہیں مقرر فرمایا تھا اور ان کو لکھا۔

انی قد ولیتک قیساریہ فسر الیھا واستغفروا اللہ واکثر من قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں۔ تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کو کثرت سے پڑھا کرو۔

(خطط الشام جلد ا صفحہ ۱۲۳)

سیدنا عمر الفاروق رضؓ جو اپنے گورنروں سے معمولی معمولی باتوں پر بھی احتساب فرماتے تھے اور ان کے احتساب سے نہ تو فاتح ایران سعد بن ابی وقاص رضؓ بچے اور نہ فاتح مصر عمرو بن العاص رضؓ اور نہ ہی گورنر مصر سیدنا عیاض بن غنم رضؓ اور نہ ہی سیدنا ابی بن کعب رضؓ محفوظ رہے لیکن سیدنا معاویہ رضؓ سے آپ نے کبھی بھی مواخذہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ اُن کے اوصافِ حمیدہ اور خصائص جلیلہ کی تعریف فرمائی۔ چنانچہ محمد حسین ہیکل نے ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیدنا عمر رضؓ نے سیدنا شرجیل رضؓ بن حسنہ رضؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ سیدنا معاویہ رضؓ کو گورنر مقرر فرمایا۔ جب امیر المومنین رضؓ سے سیدنا شرجیل بن حسنہ رضؓ کی وجہ معزولی دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی" (الفاروق جلد ا ص ۲۹۸)

آپ نے ان کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ا ص ۳۶۲)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہ رضؓ کی قابلیت، ذہانت اور علمی اور فکری خوبیوں سے کس قدر متاثر تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"جب معاویہ رضؓ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں قیصر و کسریٰ کی زیرکی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے"

(طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۴، ابن اثیر ص ۲۶۳)

ایک مرتبہ آپ کے سامنے سیدنا معاویہ رضؓ کے بارہ میں کچھ نازیبا الفاظ کہے گئے آپ نے فرمایا۔

دعونا عن ذم فتی قریش من یضحک فی الغضب ولا ینال ما عندہٗ علی الرضی ولا یوخذ ما فوق راسہ من تحت قدمیہ۔

قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو۔ یہ نوجوان ایسا ہے جو غصہ میں بھی ہنستا ہے اور سوائے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۷۵، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۴)

اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران فاروق اعظمؓ نے ایک شخص سے سیدنا معاویہؓ کی اصابت رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو تفرقہ و انتشار سے منع فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۱۴، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۷)

سیدنا معاویہؓ صرف ذہانت و فطانت اور تفکر و تدبر ہی میں نابغۂ روزگار نہ تھے بلکہ تقویٰ و طہارت، اتباع سنت اور علم و عرفان میں بھی ایک نہایت بلند مقام رکھتے تھے وہ صرف خود ہی سنت نبویؐ کے عاشق و شیدا نہ تھے بلکہ اس معاملہ میں دوسروں کے لیے بھی روشنی کا مینار تھے۔ اسی لیے سیدنا ابو الدرداءؓ اہل شام سے فرمایا کرتے تھے:

مَا رأیت احدا اشبہ صلوٰۃ بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من امامکم ھذا یعنی معاویۃ۔

میں نے تمہارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۸۵)

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کو "فقیہ" بھی فرمایا ہے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱، حماۃ الاسلام جلد ۱ صفحہ ۱۶۵)

بخاری ہی کی ایک اور حدیث میں سیدنا ابن عباسؓ سے ایک فقہی مسئلہ (ایک رکعت وتر پڑھنے کے جواب میں) یہ جواب منقول ہے:

انہ قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

معاویہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ یعنی وہ آپؐ کے صحابی ہیں۔

اس لیے تمہارا اعتراض اُن پر نہیں ہوسکتا، گویا حضورؐ کی صحابیت ایک بہت بڑا شرف ہے۔

پھر سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں تو آپ کے وہ مخفی جوہر کھلے جو قدرت نے ان میں ودیعت فرمائے تھے، اس دور میں آپ نے طرابلس الشام کو فتح کیا، عموریہ پر فوج کشی کی ملیطہ پر قبضہ کیا، الشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب دو رومی قلعے فتح کئے پھر ۳۳ھ میں قبرص (Cyprus) پر فوج کشی کرکے اُس کو اسلامی مملکت کے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔ (ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۱۸۷) اسلامی بحریہ کی تشکیل کی اور ایک بہت بڑا بحری بیڑا قائم کیا جس کی وجہ سے بحرِروم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا (فتوح البلدان صفحہ ۱۶۸) اور مسلمانوں کے لیے افریقہ اور اسپین وغیرہ کی بحری مہموں کا راستہ کھل گیا۔

اس ساری تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے دل میں اسلام کی اس قدر محبت اور عظمت ہو، جو اپنی جان تک اسلام کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو جو ہر وقت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کرتا ہو جس کے باپ نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی دونوں آنکھیں قربان کردی ہوں (الاستیعاب جلد۱ صفحہ ۱۷۰) کیا کوئی دماغ یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف کوئی قدم اٹھائے یا شریعت اسلامیہ کی حدود وثغور کو پامال کرے یا اسلام کے ان ضابطوں کو توڑے جن کی پابندی اسلام نے ضروری قرار دی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ دشمنانِ صحابہؓ نے ان کے خلاف پراپیگنڈے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اس پراپیگنڈہ سے ان کا مقصد نہ صرف سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنا ہے بلکہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کو بھی اپنے اعتراضات کا ہدف بنانا ہے جنہوں نے ان کو ایسی ذمہ دار جگہوں پر متعین فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا ربیع بن نافع فرمایا کرتے تھے۔

معاویۃ ستر لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف الرجل الستر اجترأ علی ورائہ۔

سیدنا معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ایک پردہ ہیں، جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر لوگوں کی جرأتیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی جلد ا صـ ۲۰۹)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ان کی ذات میں کیڑے نکالنے شروع کر دے گا تو پھر اس شخص کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی صحابیؓ یہاں تک کہ خلفائے اربعہؓ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو گروہ آج سیدنا معاویہؓ پر زبان طعن دراز کرتا ہے اُس کی زبان سے ابوبکرؓ صدیق، عمر فاروقؓ، عثمان ذوالنورینؓ اور علی المرتضیٰؓ بھی نہیں بچتے، اور وہ اُن پر بھی اُسی دیدہ دلیری کے ساتھ اعتراضات کی بوچھاڑ کرتا ہے جس دیدہ دلیری سے وہ سیدنا معاویہؓ کو ہدف طعن بناتا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین اور دیگر علمائے امت نے بڑی تحقیق وجستجو کے بعد یہ لکھا ہے کہ :-

ومن ذٰلك احاديث فى ذمّ معاوية وعمرو بن العاص وذمّ بنى اُميّه ومدح المنصور والسفاح وكذا ذمّ يزيد والوليد ومروان بن الحكم۔

اور انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنو اُمیّہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت میں مروی ہیں (الموضوعات الکبیر صـ ۱۶۹، ۱۷۰)

نہ صرف سیدنا معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ہی کی مذمت والی احادیث موضوع ہیں بلکہ وہ سب روایات بھی سراپا کذب ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

"اہل سنّت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی مذمت اور برائیاں معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے کچھ تو سراپا جھوٹ ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن میں کمی بیشی کر دی گئی ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے صحابہؓ کے پاکیزہ دامن کو داغدار کیا جائے) (منہاج السنّہ جلد ۳ صـ ۱۹)

سیدنا معاویہؓ کی اسی علوِ مرتبت اور عظمتِ شان کی وجہ سے متقدمین اہلِ سنّت کا عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص سیدنا علیؓ کے حق پر اور سیدنا معاویہؓ کے خطا پر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے وہ شیعہ ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :۔

فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیاً کان مصیباً فی حروبه وان مخالفه مخطی مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما۔

متقدمین کے عرف میں سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کی فضیلت اور جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق و صواب پر ہونے اور آپ کے مخالف (سیدنا معاویہؓ و دیگر صحابہؓ) کے خطا کار ہونے کا اعتقاد "تشیع" کہلاتا تھا باوجود اس کے وہ حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کو مقدم اور افضل سمجھے)

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹۴، انھا السکن مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ ص ۵۹)

یہ درست ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ہم معصوم نہیں سمجھتے، لیکن وہ ایسے بھی نہیں تھے کہ عام لوگوں کی طرح گناہوں میں غلطان رہیں اور شریعتِ اسلامیہ جس کی اشاعت و ترویج میں انہوں نے اپنی جانیں کھپا دیں اور جزیرہ عرب، ایران، روم اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اللہ کے راستے میں اسلام کی سربلندی کی خاطر جہاد کیا اور اپنی راتوں کی نیندیں اور دن کا آرام تیاگ دیا، اسی شریعت کو وہ اپنی ذاتی اغراض اور دنیوی منافع کے لیے پامال کر دیں بلکہ اُن کا ایمان اس قدر پختہ اور غیر متزلزل تھا کہ حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے ایمان کو بطور نمونہ اور مثال پیش کیا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کفار کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔ (۲ : ۱۳)

اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے۔

ایک اور مقام پر فرمایا :۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ (۲ : ۱۳۷)

تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک یہ بھی راہ ہدایت پا گئے۔

کیونکہ صحابہؓ کا ایمان ایک مثالی ایمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نمونہ کے طور پہ دنیا کے دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لہٰذا اگر وہ خود ہی دنیاوی اغراض کے لیے اپنے ایمانی اصولوں کو توڑ دیتے تھے تو ایسا ایمان تو اس قابل نہیں کہ اس کو بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ جو صحابہ کرامؓ کے ایمان اور عمل میں نقص نکالتا ہے۔ وہ خواہ کتنا ہی بڑا مفکر اور عالم اپنے آپ کو ظاہر کرے وہ دراصل زندیق اور ملحد ہے اور صحابہؓ کو مجروح کر کے وہ قرآن وسنت کو مجروح کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے امام المحدثین ابوزرعہؒ فرمایا کرتے تھے۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذٰلک ان الرسول حق والقرآن حق وما جاء حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولیٰ وھم زنادقہ۔

جب کسی کو کسی صحابی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں، قرآن حق ہے اور جو اس کے ذریعہ پہنچا وہ بھی حق ہے اور یہ قرآن وسنت ہمیں صحابہؓ ہی نے پہنچایا ہے۔ (جو لوگ صحابہ کرامؓ پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کر دیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنت کو مجروح کر سکیں۔ ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور وہ زندیق ہیں۔

(کفایہ صفحہ ۴۹، اصابہ مقدمہ الفصل الثالث ص ــــ)

یہ تو جملہ معترضہ تھا، مقصد یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں، اسلام میں ان کی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے اور انہوں نے اپنی زندگی میں ساری توانائیاں اسلام ہی کے لیے وقف کی ہوئی تھیں۔ ان کے بارہ میں اگر کوئی ایسی روایت

تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ انہوں نے اسلام کی حدود وثغور کو پامال کیا ہے یا شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف کوئی کام کیا ہے تو ایسی روایت ناقابلِ یقین بلکہ سراپا کذب ہے اور اگر آپ اس روایت کے راویوں کو کرید کر دیکھیں گے تو ضرور ان میں سے کوئی نہ کوئی راوی شیعہ، زندیق یا کذاب نظر آئے گا اور ان راویوں کی زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ وہ صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کریں اور اس طریقے سے قرآن وسنت کو مجروح کریں۔ یہ درست ہے کہ بعض صحابہؓ سے کچھ غلطیاں ہوئیں۔ سیدنا علیؓ سے بھی کچھ غلطیاں ہوئیں اور سیدنا معاویہؓ سے بھی، لیکن نہ تو جان بوجھ کر انہوں نے وہ غلطیاں کیں اور نہ ہی سیاسی اغراض کی خاطر احکام شریعت کو پامال کیا یا پس پشت ڈالا بلکہ انہوں نے موقع اور محل کے مطابق اپنے اجتہاد اور تفقہ سے جس چیز کو درست اور حق جانا اُس پر عمل کیا اور اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اس اجتہاد کی وجہ سے انہوں نے بعض معاملات میں مرجوح بات کو اپنایا ہو لیکن اس میں وہ قابل مؤاخذہ نہیں بلکہ معذور ہیں اور گنہ گار نہیں بلکہ ماجور ہیں۔ (کما فی الحدیث)

اس اصولی بحث کی روشنی میں اب اگر ہم اُن سب روایات کا تجزیہ کریں جو ان کے گورنروں کی زیادتیوں کے بارہ میں مشہور کی جاتی ہیں اور جن کے ذریعہ سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا تھا، تو صاف پتہ چلے گا کہ یا تو وہ روایات ایسے کذاب راویوں سے مروی ہیں جو کذب کے ساتھ ساتھ صحابہ دشمنی کو بھی اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے یا پھر ان روایات میں یہ واضح ہے کہ اصل معاملہ سیدنا معاویہؓ کے گوش گذار نہ کیا گیا بلکہ حقیقت کو چھپا دیا گیا، مثال کے طور پر عبداللہ بن عمرو بن غیلان کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے خطبہ کے دوران اُن کو کنکر مار دیا، اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور جس ہاتھ سے اُس نے کنکر مارا تھا وہ کٹوا دیا۔ حالاں کہ یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، لیکن جب اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ (البدایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۷)

اولاً تو یہ روایت قابل قبول نہیں، اس وجہ سے ہی ابن کثیر اور ابن اثیر نے اس کو بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے۔

ثانیاً اگر اس کو صحیح اور درست بھی مان لیا جائے تو پھر بھی سیدنا معاویہؓ اس اعتراض سے بری الذمہ ہیں جو دشمنانِ صحابہؓ اُن پر لگاتے ہیں، اس وجہ سے کہ روایت میں صاف آتا ہے استغاثہ کرنے والوں نے سیدنا معاویہؓ سے استغاثہ میں کہا کہ:-

ان نائبك قطع يد صاحبنا فى شبهة فاقدنا منه.

آپ کے نائب نے ہمارے ایک ساتھی کا ہاتھ شبہ کی بنا پر کاٹ دیا ہے ہمیں اس سے قصاص دلوائیے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۷، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)

طبری نے اگرچہ یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ استغاثہ کرنیوالوں نے امیر المومنینؓ سے کہا:-

انه قطع صاحبنا ظلمًا وهٰذا كتابه اليك۔

ہمارے ساتھی کا ہاتھ ظلم سے کاٹا گیا ہے اور یہ اس کا خط آپ کی طرف ہے۔

(طبری جلد ۴ صـ ۲۲۳)

لیکن طبری کی اسی روایت میں ہے کہ خط میں یہی لکھا تھا کہ ہاتھ شبہ سے کاٹا گیا ہے۔ اب جو ہاتھ شبہ میں کاٹا جائے وہ اگرچہ زیادتی اور ظلم ہے لیکن پھر شبہ کی بنا پر گورنر کا ہاتھ کاٹنا اسی ظلم اور زیادتی کا اعادہ کرنا ہے جو اس سے پہلے گورنر سے ہو چکی تھی۔ اس استغاثہ کے جواب میں آپ نے گورنر کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ گورنر کو سزا دی کہ اُس کو گورنری کے منصب جلیلہ سے معزول کر دیا اور استغاثہ کرنیوالوں کو بیت المال سے ضمان دلوادی۔ چنانچہ اسی روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ:-

فاعطاهم الدية وعزل ابن غيلان۔

انہوں نے ان کو دیت دیدی اور ابن غیلان کو (سزا کے طور پر) معزول کر دیا۔

روایت تو یہ بتا رہی ہے کہ آپ نے اپنے گورنر کو سزا دی یعنی اُس کو اُس کے عہدے سے یک قلم معزول کر دیا اور معترضین بس یہی کہے چلے جا رہے ہیں کہ نہیں انہوں نے تو اپنے

گورنروں کو قانون سے بالا رکھا ہوا تھا۔

ثالثاً گورنر نے انہیں جو سزا دی تھی وہ ہمارے خیال میں نہایت نرم سزا تھی، کیونکہ گورنر ابنِ غیلان جب منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو اُن پر کنکری پھینکنا اور اس طرح توہین کرنا کوئی معمولی جُرم نہیں تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت اور فتنہ انگیزی تھی جس کی سزا قرآن و حدیث کی رُو سے قتل یا سُولی یا مخالف طرفوں سے ہاتھ پاؤں کاٹنا شہر بدر کرنا ہے چنانچہ قرآن میں ہے :-

انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہٗ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ۔

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں (اپنی شرارتوں سے) فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہی تو ہے کہ انہیں قتل کیا یا سولی دیا جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاء وطن کر دیا جائے ۔

شاید کوئی معترض یہ کہہ دے کہ اس آیت میں رہزنی اور ڈکیتی کی سزا مذکور ہے لیکن محققین کے نزدیک اس سزا کو ڈکیتی اور رہزنی میں حصر کر دینا صحیح نہیں، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

اکثر مفسرین نے اس جگہ ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شانِ نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے "اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنا یا زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا" یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی ناحق قتل ونہب مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈہ سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جُرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنیوالا ان سزاؤں میں سے جو آگے مذکور

ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

(فوائد عثمانی ص ۱۹۸، تفسیر انگریزی عبداللہ یوسف علی ص ۲۵۲)

اس آیت کی روشنی میں سوچئے کہ جس شخص نے سیدنا معاویہؓ کے گورنر کو برسر عام کنکری ماری اُس نے نہ صرف اس گورنر کی بلکہ پوری حکومت کی توہین اور بے حرمتی کی جو کہ بغاوت یا مجرمانہ سازش اور مغویانہ پروپیگنڈہ کے تحت آتا ہے اور یہ کام اکیلا آدمی کر بھی نہیں سکتا جب تک کہ اُس کے پیچھے کوئی سازشی ہاتھ نہ ہو۔ لہذا ایک اسلامی حکومت کے خلاف سازش کرنے والے ہاتھ کو اگر کاٹ دیا جائے تو یہ زیادتی نہیں بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ ہے کیونکہ یہ جرم تو قتل کا مقتضی ہے اور ہاتھ کا کاٹنا تو اس کی کم سے کم سزا ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

گورنر کی معزولی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ سیدنا معاویہؓ کو جو رپورٹ پہنچی تھی اُس میں یہ درج تھا کہ اس کا ہاتھ شبہ میں کاٹا گیا ہے۔ اور اگر سیدنا معاویہؓ کو ان تمام حالات کا پتہ چل جاتا جس کے تحت اُس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا تھا تو آپ کبھی بھی اس گورنر کو معزول نہ فرماتے۔

کئی معترض یہ کہتے ہیں ابن غیلان نے جو خط میں یہ لکھا تھا کہ شبہ کی بنا پر اس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ یہ جھوٹ تھا اور گورنر کو جھوٹ لکھتے خدا کا خوف نہ آیا۔

یہ اعتراض بھی جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ روایات میں یہ آتا ہے کہ گورنر ابن غیلان جب خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے جو بنی ضبہ سے تھا اس نے گورنر پر پتھراؤ کیا اور گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس پر اس شخص کی قوم گورنر ابن غیلان کے پاس آئی اور یہ عذر پیش کیا کہ جب امیر المومنینؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملے گی کہ ہمارے قبیلے کے فلاں شخص نے اس طرح پتھراؤ کیا ہے تو شاید ہمارا بھی وہ حال نہ ہو جو حجر بن عدی کا ہوا تھا اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس آدمی کو سمجھایا ہو کہ تم حکومت کے خلاف بغاوت اور فتنہ پردازی سے باز آجاؤ اور اُس نے یہ کہا ہو کہ میرا کسی سازش سے کوئی تعلق نہیں یہ فعل ایسے ہی سہواً مجھ سے ہو گیا اور اس سلسلہ میں کچھ معذرت بھی کی ہو۔ اس وجہ سے گورنر نے امیر المومنینؓ کے نام اُنہیں یہ خط دیدیا ہو کہ بغاوت کی وجہ سے میں نے اس کا

ہاتھ کاٹا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ باغی اور فتنہ پرداز نہیں تھا۔ لہذا اس کا ہاتھ کاٹنا شبہ کی وجہ سے ہے۔ اب اگر سیدنا معاویہؓ اس گورنر کو کوئی سزا بھی نہ دیتے تو آپ حق بجانب تھے لیکن آپ نے پھر بھی اُس گورنر کو معزول فرما دیا۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں جب خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ کے اظہار اسلام کو قبول نہ فرماتے ہوئے اُسے قتل کر دیا اور سیدنا عمر فاروقؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے اس بات پر اصرار بھی کیا کہ خالدؓ سے قصاص لیا جائے، مگر سیدنا صدیق اکبرؓ نے خالدؓ سے بالکل قصاص نہ لیا اور مقتول کی دیت ادا کر دی۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر عمال حکومت یا کسی دوسرے کارکن سے کوئی ایسی خطاء ہو جائے جو اس نے نیک نیتی کے ساتھ اپنے اجتہاد کی وجہ سے کی ہو تو اُس غلطی پر اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا یہ فعل اس پر ایک بیّن دلیل ہے۔

اسناد کے لحاظ سے بھی یہ روایت منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے گویا کہ دو تین راوی سند میں سے غائب ہیں۔ وہ حضرات کون تھے؟ ان کا علمی حدود اربعہ کیا ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔

یہ روایت دراصل طبری کی ہے۔ طبری بذاتِ خود شیعہ تھا۔ دوسرے ولید بن ہشام اور علی بن محمد ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور ۲۱۵ھ میں وفات ہوئی۔ اور دوسرا راوی ولید بن ہشام بھی اسی زمانہ میں ہوا ہے جس زمانہ میں علی بن محمد تھا۔ یہ واقعہ ۵۵ھ کا ہے جیسا کہ طبری نے اسے نقل کیا ہے۔ اب وہ دو آدمی جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوتے ہیں وہ اس واقعہ کو کیسے نقل کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ درمیان میں اور دو تین راوی تھے جن کا انقطاع ہو گیا ہے۔ وہ کس قسم کے لوگ تھے؟ ان کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ کچھ معلوم نہیں لہذا سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت منقطع ہے۔

یہ تو طبری کی سند کا حال ہے۔ دوسرے مؤرخین نے طبری ہی سے ایک واقعہ کو نقل کیا۔

اسی طرح کا ایک اور اعتراض آپ کے دوسرے گورنر امیر زیاد پر کیا جاتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے تو کچھ لوگوں نے ان پر کنکر پھینکے۔ انہوں نے فوراً مسجد کے دروازے بند کر وا دیئے اور کنکر پھینکنے والے

تمام لوگوں کو جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے گرفتار کرا کر اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیئے لیکن سیدنا معاویہؓ نے اُس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

اس واقعہ میں راوی کو شبہ ہو گیا ہے یہ دراصل ابن حجر بن عدیؓ کا واقعہ ہے جس کو ہم تفصیل سے بیان آگے کریں گے کیونکہ امیر زیاد نے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر جو سب سے پہلا خطبہ دیا تھا۔ اس میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے امیر زیاد پر پتھراؤ کیا تھا۔ وہ لوگ باغی تھے اور حکومت کے خلاف سازشیں اور فتنہ پردازیاں کر رہے تھے۔ کیونکہ کوفہ سیدنا علیؓ کا دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے سبائیوں کا مرکز تھا اور یہاں ان لوگوں نے انہیں محصور کیا ہوا تھا۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد ان لوگوں نے امت میں تفرقہ برپا کرنے کے لیے سیدنا معاویہؓ کی حکومت کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ اگر ان لوگوں کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کو اس سختی سے نہ روکا جاتا تو شدید خطرہ تھا کہ اُمت پھر کہیں تشتت وافتراق میں مبتلا نہ ہو جائے اور مسلمانوں کی باہم خانہ جنگی نہ ہو جائے۔

کوفہ کے بعد ان سبائیوں کا دوسرا مرکز بصرہ تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے بصرہ اور کوفہ میں سیاسی طور پر سخت اور مضبوط گورنر رکھے تاکہ ان فتنہ پردازیوں کو پنپنے کا موقع نہ مل سکے[1] لیکن ان زشیوں نے جب اپنی ظاہری فتنہ پردازیوں کو ناکام ہوتے دیکھا تو زیر زمین سازشوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جو ۶۱ھ میں شہادت سیدنا حسینؓ پر منتج ہوا۔

لیکن اگر یہ حجر بن عدی کے واقعہ کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ ہے تو امیر زیاد کا یہ فعل کہ انہوں نے فتنہ پردازوں کے ہاتھ کاٹ دیے۔ قرآن کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں سورۂ مائدہ (۵ : ۳۶) کی آیت میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

اور اگر کوئی معترض یہ ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے کہ امیر زیاد نے اُن لوگوں کے ہاتھ کاٹ

---

[1] افسوس کہ جب ان سبائیوں اور فتنہ پردازوں کا داؤ بنی اُمیہ پر نہ چلا تو انہوں نے بنی ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا حسینؓ کو اپنی محبت کا دھوکہ دیکر کوفہ بلایا اور پھر اُن کا ساتھ چھوڑ کر خود ہی انہیں شہید کر دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل")

کر ظلم کیا تھا اور سیدنا معاویہؓ نے اپنے گورنر کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا تھا۔ تو ہم ان دونوں چیزوں کو مانتے ہوئے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے امیر زیاد کی اس ساری کارروائی کا سیدنا معاویہؓ کو علم ہو گیا تھا؟ اگر علم نہیں ہوا اور انہوں نے اپنے گورنر کو سرزنش نہیں کی تو اس صورت میں اُن پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر علم ہوا اور پھر انہوں نے امیر زیاد کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی تو یہ شی تواریخ سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا کسی صورت میں سیدنا معاویہؓ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت حضرت بسر بن ارطاةؓ کے بارہ میں نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے یمن میں سیدنا علیؓ کے گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے دو بچوں کو قتل کر دیا۔ اور ہمدان میں بعض مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔

اولاً اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ بسر بن ارطاةؓ کے بارہ میں اس قسم کی خبریں اور روایات سبائی ذہن کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ولہ اخبار شہیرۃ فی الفتن لا ینبغی التشاغل بہا۔

بسر بن ارطاۃ کے متعلق ان فتنوں کے بارہ میں بہت سی روایات زبان زد عام ہیں ان میں مشغول و منہمک نہیں ہونا چاہیئے۔ (الاصابہ جلد ا ص ۱۵۳)

علامہ ابن کثیرؒ اس واقعہ سمیت تمام تفصیلات مشکوک اور مشتبہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:۔

ھذا وھذا الخبر مشھورٌ عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحتہ عندی نظر۔

یہ خبر بس اصحاب مغازی اور سیر کے ہاں مشہور ہیں لیکن میرے نزدیک ان کی صحت مشکوک ہے۔

اگر ان روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ خلاف عقل واقعات ان روایات کے سراپا کذب ہونے پر شاہد ناطق ہیں۔ حضرت بسر بن ارطاةؓ آخر انسان ہی تھے کوئی دیو

تو نہیں تھے۔ دوسرے ان کے ساتھ صرف تین ہزار فوج تھی۔ لیکن روایات بتاتی ہیں کہ یمن میں ان کی آمد کی خبر سن کر سیدنا علیؓ کے گورنر یمن سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ اپنے اہل وعیال کو بے یارو مددگار چھوڑ کر فوراً کوفہ میں سیدنا علیؓ کے پاس بھاگ گئے۔ چنانچہ ابن جریر طبری اس روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلما بلغ مسیرہ فرّ الی الکوفۃ حتی اتی علیاً۔

جب انہیں (عبیداللہ بن عباسؓ) بسر بن ارطاۃ کے (یمن) پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ سیدنا علیؓ کے پاس کوفہ بھاگ گئے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۰۷)

یہ خون ہاشمی کی کس قدر توہین ہے کہ دشمن کی آمد کی خبر سن کر اس کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر کوفہ بھاگ گئے؟ کیا سیدنا علیؓ نے انہیں بھاگنے کے لیے گورنر مقرر کیا ہوا تھا یا دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے؟

پھر اگر واقعی بسر بن ارطاۃؓ نے سیدنا عبیداللہؓ کے بچوں کو قتل کیا ہوتا تو کسی نہ کسی موقع پر سیدنا معاویہؓ سے کوئی نہ کوئی ہاشمی اُن بچوں کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا۔ اگر ہاشمیوں کو اس خون کے مطالبہ کا کوئی موقع نہیں ملا تھا تو کم از کم اُس وقت ہی اس قصاص کا مطالبہ کرتے جب عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبیداللہ بن عامر سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیش کش لے کر آئے تھے اور جو شرط سیدنا حسنؓ پیش کرتے تھے اُن کو وہ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے قبول کرتے جاتے تھے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد ا صفحہ ۲، ۳، جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳) لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے اُس وقت بھی اپنے مظلوم بھتیجوں کے خون کا قصاص لینے کا مطالبہ نہیں کیا۔

ثانیاً اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی سیدنا معاویہؓ پر اس قتل وغارت کا کوئی الزام نہیں آتا کیونکہ یہ واقعہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ کا نہیں بلکہ سیدنا علیؓ کی خلافت کے زمانہ کا ہے اور سیدنا علیؓ پر اس بات کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ ایسے آدمی سے جنہوں نے گورنر یمن کے دو بچوں کو ظالمانہ طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا قصاص لیتے۔ لیکن آپ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

ثالثاً اگر اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ مورد الزام بنتے ہیں کہ سیدنا بسر بن ارطاۃؓ اُن کے آدمی تھے اور ان کے ظلم و تشدد اور قتل و غارت کی ذمہ داری اُن پر عائد ہوتی ہے تو یہی اصول سیدنا علیؓ پر بھی وارد ہونا چاہیئے اور اُن کو بھی اپنے سپہ سالاروں اور گورنروں کے ظالمانہ افعال کی وجہ سے مورد الزام بننا چاہیئے۔ چنانچہ جہاں بسر بن ارطاۃؓ کے ظلم و تشدد کے واقعات کا تذکرہ ہے وہاں سیدنا علیؓ کے کمانڈر جاریہ بن قدامہؓ کے ظلم و تشدد کا تذکرہ بھی آتا ہے جس کو سیدنا علیؓ نے دو ہزار کا لشکر دے کر بھیجا تھا تاکہ وہ بسر بن ارطاۃؓ کا پیچھا کریں۔ روایات بتاتی ہیں کہ انہوں نے نجران پہنچ کر پوری بستی کو آگ لگا دی اور سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں:۔

فسار جاریۃ حتی اتی نجران فحرق بہا واخذ ناساً من شیعۃ عثمان فقتلہم۔

جاریہؓ نجران پہنچے اور اس کو جلا دیا اور سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

پھر سیدنا جاریہؓ مدینۃ الرسول پہنچے۔ اُس وقت سیدنا ابوہریرہؓ لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر نماز کے بیچ ہی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر جاریہ بن قدامہؓ نے کہا:۔

واللہ لو اخذت ابا سنور لضربت عنقہ۔

خدا کی قسم اگر بلی والا (مراد سیدنا ابوہریرہؓ ہیں) میرے ہتھے چڑھ جاتا تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۰۷، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۲۲)

انہی جاریہؓ کو سیدنا علیؓ نے بصرہ بھی بھیجا وہاں انہوں نے سیدنا معاویہؓ کے بھیجے ہوئے آدمی عبداللہ بن الحضرمی کا محاصرہ کر کے اُن کے سمیت گھر کو جلا دیا۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۴۷)

لہٰذا اگر بسر بن ارطاۃؓ کی روایات کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو مطعون کیا جاتا ہے تو سیدنا علیؓ کے گورنروں کے مظالم بھی تو انہی کتابوں کی روایات سے ثابت ہیں، ان روایات کو صحیح مان

کر سیدنا علیؓ پر کیوں اعتراض نہیں کئے جاتے ؟

صرف ایک گورنر جاریہ بن قدامہؓ کے واقعات ہی کو ملاحظہ فرمالیں کہ اس نے لوگوں پر کس قدر ظلم کئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ :۔

"جب جاریہؓ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلا ڈالا اور سیدنا عثمانؓ کے بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ گئے، لیکن جاریہ بن قدامہؓ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا"

(طبری جلد ۴ صفحہ ۸۰، ۸۱)

شیعہ مؤرخین نے بھی جاریہ کے ان مظالم کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

وقتل من اصحابہ خلقاً واتبعہم بقتل واسرحتی بلغ مکۃ۔

اور جاریہؓ نے بسر کے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا اور انہیں قیدی بنایا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا یہاں تک کہ مکہ پہنچا۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹۹، مروج الذہب المسعودی شیعی جلد ۳ صفحہ ۳۱)

حافظ ذہبیؒ نے ان مظالم کو یوں بیان کیا ہے :۔

"سیدنا علیؓ نے اس موقع پر جاریہ بن قدامہؓ کو روانہ کیا۔ جاریہ یمن پہنچا۔ جس شخص کو بھی وہ سیدنا علیؓ سے منحرف پاتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا اور آگ میں جلا دیتا اس وجہ سے لوگ جاریہ کو "محرق" کہتے تھے (یعنی جلانے والا) (تاریخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

یہاں تک لکھا ہے کہ جاریہ قتل و غارت کرتے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس زمانہ میں وہاں کے گورنر سیدنا ابوہریرہؓ تھے۔ وہ جاریہؓ کے قتل و غارت کی داستانیں سن چکے تھے۔ چنانچہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب آپ کے فرار کی خبر ملی تو کہنے لگا اگر میں ابو سنور (بلی والے پر) قابو پالیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۸۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۳۲۲)

اس کے علاوہ روایات میں یہ تو آتا ہے کہ فتنہ کا زمانہ گزر جانے کے بعد سیدنا

معاویہؓ کو پتہ چلا کہ حضرت بسر بن ارطاۃؓ نے سیدنا علیؓ کے حامیوں پر کچھ زیادتیاں کیں ہیں تو آپ نے ان زیادتیوں کی تلافی کر کے بسر بن ارطاۃؓ کو گورنری کے منصب جلیلہ سے یک قلم معزول کر دیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۹۹۸) لیکن سیدنا علیؓ کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آتا ہے کہ انھوں نے بھی جاریہ بن قدامہؓ اور دوسرے گورنروں میں سے کسی کو اُن کی زیادتیوں کی وجہ سے معزول کیا ہو۔

رابعاً روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا بسر بن ارطاۃؓ ظالم اور تشدد پسند آدمی نہ تھے اور نہ ہی فساد مچانے والے تھے۔ اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی اپنی شہادت ایک بین دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ زہیر بن ارقم فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے ایک جمعہ کو ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بسر بن ارطاۃؓ یمن پہنچ گئے ہیں۔

وانی واللہ لاحسب ان ھٰؤلاءِ القوم سَیَظْھَرُوْنَ علیکم الا بعصیانکم امامکم وطاعتھم امامھم وخیانتکم و امانتھم وافسادکم ارضکم واصلاحھم۔

بخدا میرا گمان ہے کہ یہ لوگ تم پر ضرور غالب آئیں گے۔ اور یہ صرف تم پر اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور یہ لوگ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ تم لوگ خیانت کرتے ہو اور یہ لوگ امانت دار ہیں۔ تم زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہو اور یہ اصلاح کرتے ہیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۳۲۵)

اس روایت میں سیدنا علیؓ تو بسر بن ارطاۃ کو زمین میں اصلاح کرنے والا فرما رہے ہیں اور اپنے شیعوں کو فسادی اور خائن فرما رہے ہیں لیکن تیرہ سو سال کے بعد آج کل کے مفکر بسر بن ارطاۃ کو فسادی، تشدد پسند اور ظالم کہہ رہے ہیں۔

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں کے فساد اور ظلم سے تنگ آکر آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے۔

واللہ ان معاویۃ صارفنی بکم صرف الدینار بالدراھم

فاخذ منّی عشرًا منکم واعطانی رجلاً منھم۔

بخدا میری آرزو ہے کہ کاش معاویہؓ مجھ سے اس طرح تبادلہ کرلیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ مجھ سے وُہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دیدیں۔
(نہج البلاغۃ جلد۲ ص ۳۵۴)

اب رہی یہ بات کہ بسر بن ارطاۃؓ نے ہمدانی مسلمان عورتوں کو کنیز بنالیا یہ روایت بھی سراسر جھوٹ ہے اسی وجہ سے اس کو سوائے علاّمہ ابن عبدالبر کے اور کسی مؤرخ نے نقل نہیں کیا اور ابن عبدالبر نے بھی الاستیعاب میں اس کو ایک نہایت مخدوش سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سند میں راوی موسیٰ بن عبیدہ ہے جس کے متعلق محدّثین نے لکھا ہے کہ اُس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

پھر درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت نہایت مخدوش ہے۔ کیونکہ اس خیر القرون کے زمانہ میں سیدنا معاویہؓ کا ایک گورنر اگر اس قسم کا مجرمانہ فعل کرتا تو کس طرح ممکن تھا کہ سلطنت میں لوگ اس کے خلاف نہ کرتے۔ اور کس طرح اُن کو حکومت کے استحکام میں اُن کا ساتھ دیتے وہ وقت تو ایک بحرانی دور تھا۔ اُس میں ظلم وتشدد سے کوئی حکومت قائم نہیں ہوسکتی تھی بلکہ صلح وآشتی سے حکومت کا استحکام ہوسکتا تھا۔ ایسی باتیں تو کوئی احمق انسان ہی کرسکتا ہے سیدنا معاویہؓ جیسا صاحب بصیرت اور ذہین انسان اس بحرانی دور میں اپنے گورنروں کو اس طرح زیادتیاں کرنے کی اجازت کیسے دے سکتے تھے۔

(۲)

دیت کے معاملہ میں سُنّت کی تبدیلی

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض ان کے مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ دیت کے معاملہ میں انہوں نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہؓ نے اُس کو نصف کر دیا اور باقی خود لینی شروع کر دی۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں یہ تو کسی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ سیدنا معاویہؓ نے اس بارہ میں سنت کو بدل دیا، کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس میں صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا اور صحابہؓ کے اختلاف کی وجہ سے ائمہ فقہا میں بھی اختلاف چلا آرہا ہے۔ چنانچہ ابن رشد القرطبیؒ فرماتے ہیں:۔

فان للعلماء فی ذٰلك ثلاثة اقوال: احدها[1] ان دیتهم علی النصف من دیة المسلم، ذکرانهم علی النصف من ذکران المسلمین ونساؤهم علی النصف من نساءهم وبه قال مالك وعمر بن عبد العزیز وعلیٰ هٰذا تکون دیة جراحهم علی النصف من دیة المسلمین۔ والقول الثانی[2] ان دیتهم ثلث دیة المسلم وبه قال الشافعی وهو مروی عن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان[1] وقال به جماعة من التابعین۔

---

[1] سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے مختلف روایات مروی ہیں ایک روایت تہائی دیت کی بھی ہے ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۶۵، الجوہر النقی جلد ۸ صفحہ ۱۰۳)

والقول الثالث[۳] ان دیتهم مثل دیة المسلمین وبه قال ابو حنیفة والثوری وجماعة وهو مروی عن ابن مسعود وقد روی عن عمر وعثمان وقال به جماعة من التابعین۔

اہل ذمہ کی دیت کے بارہ میں علماء کے تین اقوال ہیں۔
۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ اُن کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ اُن کے مردوں کی مسلمان مردوں کے نصف اور ان کی عورتوں کی مسلمان عورت کے نصف دیت ہے۔ یہ قول امام مالکؒ اور عمر بن عبدالعزیزؓ کا ہے۔
۲۔ دوسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ ان کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ یہ قول امام شافعیؒ کا ہے اور یہی سیدنا عمر بن الخطابؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ سے بھی مروی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔
۳۔ تیسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے یہ قول امام ابو حنیفہؒ امام ثوریؒ اور ایک جماعت کا ہے۔ اور یہی سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

(بدایۃ المجتہد جلد ۲ صـ۴۱۴)

اعتراض کرنے والے تو نصف دیت پر کرتے ہیں لیکن ابن رشد کی اس عبارت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک تہائی دیت کا ہے اور اس بارہ میں وہ اکیلے ہی نہیں بلکہ تابعین کی ایک اچھی خاصی جماعت ان کی ہم نوا ہے اور دو خلیفہ راشد سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیت کا معاملہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کے مابین بھی اختلاف ہے اور ہر فریق کے پاس دلیل ہے۔ ایسے مسائل میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ فریق مخالف نے سنت کو بدل دیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں یہ بات راجح ہے اور

..... یہ مرجوح ہے۔ مثال کے طور پر امام احمد بن حنبلؒ نماز میں رفع الیدین کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب کوئی جاہل ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ چوں کہ رفع الیدین کے قائل ہیں لہٰذا انہوں نے سنت کو بدل دیا اور سنت رفع الیدین کا نہ کرنا ہے حالانکہ اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا راجح ہے اور کرنا مرجوح اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک رفع الیدین کا قول راجح ہے اور نہ کرنے کا مرجوح کیونکہ احادیثی دلائل دونوں طرف ہیں۔ کوئی کسی کو یہ نہیں سکتا ہے کہ فلاں نے سنت کو بدل دیا۔

بالکل اسی طرح امام مالکؒ نصف دیت کے قائل ہیں۔ یہی اختلاف صحابہؓ میں تھا اور یہی تابعین میں۔ اور ہر ایک کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں قرآن و سنت سے دلائل موجود ہیں۔ دلائل میں صرف راجح اور مرجوح کا اختلاف ہے، سنت یا بدعت کا اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ابن رشدؒ ہی نے امام زہریؒ کا ایک واضح قول نقل فرمایا ہے کہ:۔

وکانت دیۃ علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی حتّٰی کان معاویۃ فجعل فی بیت المال نصفھا واعطیٰ اھل المقتول نصفھا ثم قضی عمر بن عبد العزیز بنصف الدیۃ والغی الذی جعلہ معاویۃ فی بیت المال۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے عہد خلافت میں ذمی کی دیت مسلمان کے برابر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ خلیفہ ہوئے، انہوں نے نصف دیت بیت المال کے لیے مقرر کر دی اور نصف مقتول کے وارثوں کو دی۔ جب عمر بن عبد العزیزؒ کا عہد خلافت آیا تو انہوں نے صرف نصف دیت کا فیصلہ کیا اور وہ نصف دیت جو سیدنا معاویہؓ نے بیت المال کے لیے مخصوص کی تھی، ساقط کر دی۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۴۱۴)

قریباً انہی الفاظ سے امام زہریؒ کی اس روایت کو امام بیہقی نے بھی اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" جلد ۸ صفحہ ۱۰۲ پر نقل کیا ہے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کے زمانہ میں معاہد اور مسلمان کی دیت برابر تھی۔

۲۔ سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بھی مسلمان اور معاہد کی دیت برابر تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں پوری کی پوری دیت مقتول کے وارثوں کو دیدی جاتی۔ لیکن سیدنا معاویہؓ دیت تو پوری لیتے لیکن آدھی بیت المال میں جمع فرماتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے۔

۳۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاتل اور اس کے وارثوں سے نصف دیت لینی شروع کردی اور سیدنا معاویہؓ جو پوری دیت لیتے تھے اور آدھی بیت المال میں جمع کرتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے۔ آپ نے بیت المال کا حصہ ساقط کردیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معترضین کا یہ اعتراض کہ سیدنا معاویہؓ نے معاہد اور مسلمان کی برابر دیت کو نصف کر دیا۔ سراسر غلط ہے اور یہ اعتراض اگر ہوسکتا ہے تو سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ پر نہ کہ سیدنا معاویہؓ پر کیونکہ وہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر لیتے تھے نہ کہ نصف۔ لیکن معترضین کا نزلہ اگر گرتا ہے تو سیدنا معاویہؓ پر نہ کہ عمر بن عبدالعزیزؒ پر اور میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا معاویہؓ اسلامی تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت ہیں۔ اور اُن کے مخالفین نے ان کی ذات کو موردِ الزام بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں رکھا۔ افسوس ہے کہ اُن مسائل میں بھی جن میں ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہے سیدنا معاویہؓ پر تبدیل سنت کا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں قسم کی روائتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ :۔

دیۃ الکافر علی النصف من دیۃ المسلم[1]

کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

(العدۃ صفحہ ۵۱۸، بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۴۱۴، نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۶۴، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۶۹، منہاج المسلم صفحہ ۴۳۱)

---

[1] یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام ترمذیؒ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

ایک اور روایت میں جو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے لکھا ہے کہ :۔

دیۃ ذمی دیۃ مسلم۔

ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ (السنن الکبریٰ جلد ۸ صـ۱۰۲)

(بقیہ حاشیہ) اس کو "دیت عقل الکافر نصف عقل المومن" کے الفاظ سے نقل کیا ہے اور نیل الاوطار میں "عقل الکافر نصف دیۃ المسلم" کے الفاظ سے مرقوم ہے۔ العدۃ میں یہ الفاظ منقول ہیں "دیت المعاہد نصف دیۃ المسلم" صاحب "العدۃ" نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قضیٰ ان عقل اھل الکتاب نصف عقل المسلمین۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت سے نصف ہے اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ (العدۃ صـ۵۱۸)

امام شافعیؒ نے لکھا ہے :۔ کہ

فقضیٰ عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی دیۃ الیھودی والنصرانی بثلث دیۃ المسلم۔

سیدنا عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہودی اور نصرانی کی دیت کے بارہ میں مسلمان کی دیت سے تہائی کا فیصلہ دیا۔ (کتاب الاُمّ جلد ۶ صـ۱۰۵)

بلکہ مجوسی کی دیت ان دونوں حضرات کے نزدیک آٹھ سو درہم ہیں چنانچہ العدّۃ میں مرقوم ہے۔

ودیۃ المجوسی ثمانمائۃ درھم وھو قول اکثر اھل العلم وھو قول عمر وعثمان وابن مسعود۔

اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ یہ قول اکثر اہل علم کا ہے اور عمرؓ، عثمانؓ اور ابن مسعودؓ کا بھی یہی قول ہے۔ (العدّۃ صـ۵۱۸، ترمذی جلد ا صـ۱۶۶)

چنانچہ پہلی حدیث امام مالکؒ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ کی دلیل ہے کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور دوسری حدیث امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ان فقہاء کی دلیل ہے جن کے نزدیک معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ روایات کے اسی اختلاف کی بنا پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

لا دليل فيه لان الدية لفظ مجمل ورد بيانه من النبي صلى الله عليه وآله وسلم مختلفاً ذكرنا من الاختلاف في دية الرجل والمرأة والحر والعبد فكذا جاز الاختلاف بين الدية المسلم والكافر۔

اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ لفظ دیت مجمل ہے اور اس کی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف طور پر مروی ہے جس طرح مرد اور عورت اور آزاد اور غلام کی دیت میں اختلاف ہے اسی طرح کافر اور مسلمان کی دیت میں اختلاف جائز ہے (قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے)۔ (تفسیر مظہری جلد ۲ صـ۱۹۳)

علامہ رشید رضا نے بھی دیت کے بارہ میں انہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر المنار جلد ۵ صـ۳۳۴)

احادیث کے اسی اختلاف پر امام ترمذیؒ ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں :۔

حديث عبد الله بن عمرو في هذا الباب حديث حسن واختلف اهل العلم في دية اليهودي والنصراني فذهب بعض اهل العلم الى ما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم وقال عمر بن عبد العزيز دية اليهودي والنصراني نصف دية المسلم وبهذا يقول احمد بن حنبل وقال بعض اهل العلم دية

الیهودی والنصرانی مثل دیة المسلم وهو قول سفیان الثوری واهل الکوفة۔

اس باب میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث "حدیث حسن" ہے اور یہودی اور نصرانی کے بارہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا وہ مسلک ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؓ کا قول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان سے نصف ہے اور یہی امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کے برابر ہے۔ اور یہی قول سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۹)

حدیث دیة المعاهد نصف دیة الحر۔ پر تبصرہ فرماتے ہوئے علامہ بہاء الدین عبدالرحمٰن المقدسی الحنبلیؒ فرماتے ہیں۔

قال الخطابی: لیس فی دیة اهل الکتاب شیئ ابین من هذا ولا بأس باسناده وقد قال به الامام احمد۔

خطابی فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی دیت کے بارہ میں اس سے زیادہ واضح اور کوئی چیز نہیں اور اس کی اسناد میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہی امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔

بہرحال اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد روایات کے اختلاف پر ہے۔ سیدنا معاویہؓ چونکہ فقیہہ اور مجتہد بھی تھے (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱) لہٰذا انہوں نے نصف دیت اور پوری دیت کی روایات میں تطبیق دی۔ اور اس کی صورت یہ اختیار کی کہ نصف دیت مقتول کے وارثوں کو دی جاتی اور نصف دیت بیت المال میں جمع ہوتی کیونکہ اس ذمی کی موت سے سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ ایک ذمی کے قتل سے اگر اس کے عزیز و اقارب کو نقصان پہنچا ہے تو سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچا ہے (یعنی اس کا جزیہ بیت المال میں جانا بند ہو گیا) لہٰذا دیت کا نصف مقتول کے عزیز و اقارب کو دے دیا

جائے اور نصف سرکاری خزانہ کو۔ اس کے بعد ذمیوں میں سے ایک اور شخص
قتل ہوا تو سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ جو رقم ہم سرکاری خزانہ میں داخل کر رہے ہیں
اگر ہم اس پر غور و فکر کریں تو اس سے ایک طرف تو مسلمان کا بوجھ ہلکا ہوا اور
دوسری طرف ان کے لیے اعانت و امداد بھی ہو گئی۔

(الجوہر النقی جلد ۸ صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳، مراسیل ابوداؤد صفحہ ۱۳)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سیدنا معاویہؓ پر ایک جاہلانہ اتہام ہے کہ انہوں نے سنت نبویؐ کو بدل دیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی فقیہانہ ذہانت سے دو مختلف قسموں کی احادیث میں تطبیق دی ہے، لیکن کیا کیا جائے تعصب اور جہالت کا کہ جو اُن کی خوبی اور کمال تھا اُس کو ان کے دشمنوں نے بُرائی اور نقص سمجھ لیا۔

یہ تو تھا جواب اس بات کا کہ سیدنا معاویہؓ ذمی کی نصف دیت اس کے ورثاء کو دیتے اور نصف بیت المال میں جمع کراتے کیونکہ ذمی کے مرنے سے اگر اس کے اہل و عیال اور ورثاء کو نقصان ہوا ہے تو حکومت اسلامیہ کے بیت المال کو بھی نقصان ہوا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں اخذ بنفسہ کہ آدھی دیت وہ اپنی ذات کے لیے رکھ لیتے۔ ایسے الفاظ اور تو کسی راوی نے بیان نہیں کئے یہ ابن شہاب الزہریؒ کی بیان کردہ روایات میں آئے ہیں جو کہ سیدنا معاویہؓ پر انہوں نے زیادتی کی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کارکنانِ حکومت کو حکم فرما رہے ہیں کہ :-

فاجعلوا لبیت المسلمین النصف ولاھلہ النصف خمس مائۃ دینار

آدھی دیت مسلمانوں کے بیت المال کے لیے رکھ لو اور دوسرے آدھے پانچسو دینار اس کے اہل و عیال کو دے دو۔ (المراسیل لابی داؤد صفحہ ۲۹)

لیکن ابن شہاب الزہری کے دل میں معلوم نہیں سیدنا معاویہؓ کے لیے کس قدر بغض بھرا ہوا ہے کہ وہ اپنی طرف سے روایت میں ادراج کر کے کہہ دیتے ہیں واخذ لنفسہ
آدھی دیت وہ اپنی ذات کے لیے رکھ لیتے۔

یہ ابن شہاب الزہری بھی معلوم نہیں کیا شی تھے۔ اہل السنت انہیں اپنا امام تصور

کرتے ہیں۔ احادیث کی کتابیں ان کی روایات سے بھری پڑی ہیں اور یہ اپنی بیان کردہ ہر حدیث میں وہ جملے اپنی طرف سے داخل کر دیتے ہیں جن سے شیعہ کی تائید اور صحابہ کرامؓ کی تنقیص ہوتی ہو۔ چنانچہ جن جن روایات میں ہے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ فاطمہؓ سیدنا ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئیں اور پھر انتقال تک انہوں نے ابوبکرؓ سے کلام نہ کیا۔ یہ الفاظ ابن شہاب الزہری نے داخل کئے ہوئے ہیں۔ گویا ابن شہاب الزہری نے اہل سنت کی کتابوں میں شعیت داخل کی ہوئی ہے۔

ایسے ہی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت چھ ماہ کے بعد کی۔ ان سب روایات میں بھی ابن شہاب الزہری گھسا ہوا ہے۔ ان روایات میں یہ الفاظ اس کا ادراج ہیں جیسا کہ محدثین نے لکھا ہے۔ (الاعتقاد علیٰ مذہب السلف، بیہقی ص۱۸۱) حالانکہ روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے بھی سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت اسی روز کی تھی جس روز دوسرے صحابہ کرامؓ نے کی تھی (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص۲۴۹، جلد ۶ ص۳۰۲، انساب الاشراف جلد ۱ ص۵۸۵، مستدرک حاکم جلد ۳ ص۶۶، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص۱۴۳، ص۱۵۲،۱۵۳، ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۱۵۶)

اسی طرح یہ روایت کہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے عبداللہ بن عثمانؓ بن عفان چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے اس کے راوی بھی ابن الشہاب الزہری ہیں (تاریخ صغیر للبخاری ص۴۲) اور عبداللہ بن عثمانؓ کو مرغ کی ٹھونگ سے اس لیے انتقال کروایا تاکہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے مقابلہ میں کوئی تیسرا نواسۂ رسول ثابت نہ ہو جائے حالانکہ مرغ کے ٹھونگ مارنے کا قصہ ہی ابن الشہاب الزہری کا اپنا بنایا ہوا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

یہ روایت کہ سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا اور خلیفۂ مسلمین سیدنا ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیدہ فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ روایت بھی ابن شہاب الزہری کی ہے جو کہ اس کا تفرد اور ادراج ہے، جبکہ دوسری روایات میں کہ سیدہ کی نماز جنازہ ابوبکرؓ نے پڑھائی تھی اور سیدنا علیؓ نے ان کو باقاعدہ اس بارہ میں اطلاع دی تھی۔

اسی طرح جن روایات میں سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ :-

واول من ورث المسلم من الکافر معاویۃ -

اور وہ پہلا شخص جس نے مسلمان کو کافر کا وارث بنایا، معاویہؓ تھا۔

یہ قول بھی ابن شہاب الزہری کا ہے اور اسی نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ بہتان لگایا ہے۔

اسی طرح مسئلہ یمین مع الشاھد کے بارہ میں بھی سیدنا معاویہؓ پر یہ بہتان کہ اول من قضیٰ بہٖ معاویۃ ابن شہاب الزہری کا ہے۔ حالانکہ اس بارہ میں مرفوع حدیث موجود ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قضیٰ بیمین وشاھد -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

(السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۷۲، باب القضا بالیمین مع الشاہد)

اسی طرح اور بے شمار مسائل میں ان حضرات نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر اہل سنت کی بے شمار روایات میں شیعیت گھسیڑ دی ہوئی ہے۔ ان روایات میں صرف چند ایک ہم نے اوپر بیان کیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ نے ابن شہاب الزہری کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

جب آپ لوگوں کو روایت بیان کریں تو اپنی رائے اور روایت میں فرق رکھا کریں تاکہ لوگوں کو آپ کی رائے اور روایت میں فرق معلوم ہو سکے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۵ صفحہ ۲۴۸)

تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہاب الزہری اندر سے رافضی تھا اور تقیہ کر کے اہل سنت کے محدثین میں شمار ہوتا تھا، لیکن حدیث اور تاریخ کی ہر وہ روایت جس کا تعلق بنو امیہ اور بنو ہاشم سے ہے، ان حضرت نے اس میں اپنے رفض کے جوہر دکھائے ہیں۔ چنانچہ مولانا پیر قمرالدین سیالوی نے ابن شہاب الزہری کے بارہ میں فدک والی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی

کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی شاہد نہیں اور یہ ابن شہاب الزہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے۔ اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔ تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف اور کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب فکر و نظر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی اس میں کیا فرق تھا؟"

(مذہب شیعہ، مولانا پیر قمر الدین سیالوی ص ۹۳، لاہور)

اب ایک ایسے راوی کے ادراج اور تفرد کی وجہ سے جو اس نے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں روایت میں یہ الفاظ داخل کئے ہیں "اخذ لنفسه" سیدنا معاویہؓ پر طعن نہیں کیا جا سکتا سیدنا معاویہؓ کی ذات ایسے لوگوں کے اس قسم کے مطاعن سے بہت بلند و بالا ہے۔



③

بیت المال کے اموال میں بے ضابطگی

بعض حضرات سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ وہ بیت المال کے اموال میں بڑی بے ضابطگیاں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل اس روایت کو بناتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے گورنر بصرہ زیاد نے الحکم بن عمروؓ کو اپنا نائب بنا کر خراسان بھیجا۔ خراسان کے علاقہ میں ان کے ذریعہ بہت فتوحات ہوئیں اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ الحکم بن عمروؓ نے غنیمت کے ان اموال کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران سیدنا معاویہؓ کی طرف سے گورنر بصرہ زیاد کو ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ علاقہ سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اور نفیس اموال ان کے لیے نکال لیے جائیں اور باقی مال کو شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا معاویہؓ کا تقسیم اموال کا یہ طریقہ بالکل غیر شرعی ہے اور کتاب وسنت کی صریح خلاف ورزی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور ایک منقطع روایت سے ایک صحابیؓ کی شخصیت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر وہ تاریخی روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن کیا جاتا ہے قابلِ رد ہے" (احکام القرآن عربی جلد ۴ ص ۲۷۴)

امام نوویؒ نے تو اس سے بھی زیادہ سخت بات فرمائی ہے کہ۔

"علماء فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے بظاہر کسی صحابیؓ پر اعتراض وارد ہوتا ہو اس کی تاویل واجب ہے۔ اور علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو"

(نووی شرح مسلم جلد ۷ ص ۲۷۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں :۔

صحابہ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں۔ وہ قطعی ہیں۔ جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیث صحیحہ میں تعارض پیدا ہو گا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ صـ۲۲۲)

حضرت شیخ الاسلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

"صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود اور ماؤل قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ۔ اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجیئے" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ صـ۲۲۶)

ایسی ہی بات شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنہ جلد ۳ صـ۲۰۹) اب اس منقطع روایت کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ پر کیسے طعن کیا جا سکتا ہے ؟

اگر اس روایت کو کچھ اہمیت دے بھی دی جائے تو بھی سیدنا معاویہؓ کی ذات پر کچھ طعن نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ وہ مال غنیمت میں سے جو کچھ بھی الحکم بن عمروؓ سے مانگ رہے تھے وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ حکومت کے بیت المال کے لیے مانگ رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں مرکزی حکومت کے لیے مانگ رہے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے صاف لکھا ہے کہ جو حکم سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو مال جمع کرنے کے لیے تحریر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں کہ :۔

یجمع کلہ من ھٰذہ الغنیمۃ لبیت المال۔

اس غنیمت سے بیت المال کے لیے مال لیا جائے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ۲۹)

ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں :-

ان یصطفی من الغنیمة لمعاویة ما فیہا من الذہب والفضة لبیت مالہ۔

(البدایة والنہایة ج ۸ ص۷)

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مال مرکزی حکومت کے بیت المال کے لیے مانگ رہے تھے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ سیدنا معاویہؓ کوئی معمولی صحابیؓ نہیں تھے۔ وہ فقیہ الامت تھے (بخاری جلد ا ص۵۳۱) بلکہ ایک روایت کے مطابق سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

لیس احد منا اعلم من معاویة۔

ہم میں معاویہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۳ ص۲۶)

اس وجہ سے وہ تقسیم مال کے مسئلہ میں لوگوں کے ساتھ نہایت درست معاملہ رکھتے تھے اور غنائم اور دوسرے اموال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرماتے تھے۔ اگر وہ غنائم اور اموال حکومت کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم نہ فرماتے جیسا کہ معترضین خیال کرتے ہیں تو اس زمانہ میں جو اکابر صحابہؓ موجود تھے جیسے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا زید بن ثابتؓ سیدنا حسین بن علیؓ سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا عقیل ابن ابی طالبؓ، سیدنا مسور بن مخرمہؓ سیدنا ضحاک بن قیسؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور سب سے بڑھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ اُم المومنین سلام اللہ علیہا ضرور اس معاملہ میں ان کی گرفت فرماتے اور اور انہیں اس معاملہ میں ضرور ٹوکتے لیکن تاریخ کی کتابوں میں ایک بھی ایسی روایت نہیں ہے کہ انہوں نے اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ پر کوئی اعتراض کیا ہو حالانکہ وہ حضرات ایسے معاملات میں خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا الحکم بن عمروؓ نے سیدنا معاویہؓ کے مال غنیمت کے بارہ میں مرکزی حکومت کو مال بھیجنے کے حکم کی تعمیل نہ کی اور ان کے حکم کے خلاف اموال غنائم میں سے خمس علیحدہ کر کے باقی مال مجاہدین میں وہیں تقسیم کر دیا۔ سیدنا معاویہؓ کو جب ان کے اس فعل کا پتہ چلا تو انہوں نے الحکم بن عمروؓ کے بارہ لوگوں سے رائے

پوچھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کے مطابق مرکز کے احکام نہ ماننے پر ان کے لیے سزا تجویز کی۔ بلکہ بعض نے تو ہاتھ پاؤں کاٹنے تک کی سزا تجویز کی۔ لیکن آپ نے ان سب لوگوں کو جو جواب دیا اس نے نہ صرف ان لوگوں کو بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ششدر کر دیا۔ آپؓ نے فرمایا:۔

"میں اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیسے کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے خط پر ترجیح دی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے پر مقدم رکھا۔ اس شخص نے نہایت اچھا کردار ادا کیا اور صحیح و درست کارکردگی کی۔

سیدنا معاویہؓ کے اس کردار سے اندازہ لگالیں کہ وہ سنت نبویؐ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے کیسے گردن جھکانے والے تھے اور معترضین کو پھر بھی ان کی ذات میں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔



(۴)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ قصاص

بعض حضرات سیدنا معاویہ رضہ پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ انہیں سیدنا عثمان رضہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق سیدنا عثمان رضہ کی اولاد اور ان کے وارثان کا تھا بلکہ شرعی طور پر اقرب اولاد کا تھا۔

معترضین کا یہ اعتراض کئی لحاظ سے غلط ہے جس کی کئی وجوہات ہیں :-

۱۔ سیدنا معاویہ رضہ اور سیدنا عثمان رضہ آپس میں نہایت قریبی تعلق دار تھے اور تیسری پشت سے دونوں کے جدِ اعلیٰ ایک تھے۔ چنانچہ دونوں کا نسب نامہ حسب ذیل ہے :-

سیدنا عثمان رضہ بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف

سیدنا معاویہ رضہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف

گویا امیہ دونوں حضرات کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں اموی تھے۔

اس تعلق کی وجہ سے بھی آپ کو قصاص عثمان رضہ کا حق حاصل تھا۔

۲۔ سیدنا عثمان رضہ اور سیدنا معاویہ رضہ اس سے بھی اور قریبی تعلق یہ تھا کہ دونوں حضرات آپس میں ایک دوسرے کے سمدھی تھے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضہ کی بیٹی رملہ بنت معاویہ رضہ سیدنا عثمان رضہ کے صاحبزادے سیدنا عمرو بن عثمان رضہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔

(تاریخ ابن عساکر، تراجم النساء تحت رملہ بنت معاویہ رضہ)

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ خاندان بنو اُمیہ میں اس وقت سیدنا معاویہ رضہ ہی عمر اور منصب و عہدہ کے لحاظ سے بزرگ ترین شخصیت تھے اس وجہ سے سیدنا عثمان رضہ کی اولاد نے انہیں قصاص کا یہ معاملہ سپرد کیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رح نے نقل کیا کہ جب ابو مسلم خولانی رضہ آپ سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آئے تو سیدنا معاویہ رضہ نے اس وقت ان سے

اپنے مطالبہ کی صداقت اور حقانیت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ فرمایا:۔

انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الیّ۔

میں سیدنا عثمانؓ کا چچا زاد بھائی ہوں اور میں اس لیے آپ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں کہ آپ کے ورثاء نے یہ معاملہ میرے سپرد کیا ہے۔

(البدایة والنہایة جلد ۸ ص۱۲۹)

اس سے صاف پتہ چلا کہ سیدنا معاویہؓ صرف اپنی طرف سے خون عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے بلکہ سیدنا عثمانؓ کی تمام اولاد اس مطالبہ میں ان کے ساتھ تھی بلکہ اصل مطالبہ تو ان کا تھا یہ چچا کے بیٹے ہونے اور خاندان بنو اُمیہ کے بزرگ ہونے کے ناطے ان کی طرف سے یہ مطالبہ کر رہے اور یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ سلیم بن قیس الہلالی شیعی نے لکھا ہے:۔

ان معاویة يطلب بدم عثمان ومعهٗ ابان بن عثمان وولد عثمان حتیٰ استمالوا اهل الشام واجتمعت كلمتهم۔

بے شک خون عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ابان بن عثمانؓ اور ان کے دوسرے صاحبزادے تھے یہاں تک کہ تمام اہل شام ان کے ساتھ ہو گئے۔ (کتاب سلیم بن قیس ص۱۵۳)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا خون عثمانؓ کے مطالبۂ قصاص کا اقدام بالکل درست اور صحیح تھا کیونکہ سیدنا عثمانؓ کے ورثاء خصوصی طور پر ان کی اولاد نے اپنی تمام تر ذمہ داری سیدنا معاویہؓ کے کاندھوں پر ڈال دی تھی کیونکہ وہ بنو اُمیہ میں اس وقت ہر لحاظ سے بڑے تھے۔ لہٰذا انہوں نے کسی شرعی قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔



۵

بسر بن ارطاۃ کے مظالم

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کے ایک جرنیل بسر بن ارطاۃ نے مختلف لوگوں پر بہت مظالم کیے اور اس سلسلہ میں یہ واقعہ ان کی داستانِ ظلم کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

سیدنا علیؓ کی طرف سے حجاز و یمن کے علاقہ میں ان کے چچازاد بھائی سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ گورنر تھے۔ فیصلۂ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کو اسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ بسر بن ارطاۃ جب اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے کئی لوگوں کو ناحق قتل کر دیا۔ سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ تو اس سے ڈر کر کوفہ چلے گئے لیکن بسر بن ارطاۃؓ نے ان کے دو صغیر السن بیٹوں کو قتل کر دیا۔ اس ظلم پر سیدنا معاویہؓ نے بسر کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ایکشن لیا۔ گویا کہ وہ اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے۔

سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ روایت کہ بسر بن ارطاۃ نے سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن بیٹوں کو قتل کر دیا۔ اکابر مؤرخین نے ان کو بسر کے حالات میں ذکر نہیں کیا۔ انھوں نے اور تو بسر کے سارے حالات کا ذکر کیا۔ لیکن بچوں کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔ اس کو سب سے پہلے طبریؒ نے ذکر کیا اور دوسرے تمام مؤرخین نے طبری کی اتباع میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور طبریؒ کے بارہ میں ہم نے لکھا کہ وہ شیعہ تھا۔ شیعہ خواہ کتنا ہی نرم کیوں نہ ہو سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اس کے جذبات کبھی بھی نرم نہ ہوں گے۔

طبری نے اس قتل کو سنہ ۴۰ھ کے واقعات کے تحت ذکر کیا ہے اور اس کی سند جو نقل کی ہے وہ عن زیاد بن عبداللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویۃ ..... ہے۔ اس عوانہ صاحب کا انتقال بقول ابن حجر سنہ ۱۵۸ھ میں ہوا جبکہ یہ واقعہ سنہ ۴۰ھ میں

ظہور پذیر ہوا۔ عوانہ ۱۴۸ سال زندہ رہا یہ ناممکن ہے۔ اور اگر اس کی عمر ۱۴۸ سال مان بھی لی جائے تو اس وقت جب بسر نے سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کے بیٹوں عبدالرحمٰن اور قثم کو قتل کیا تھا عوانہ کی عمر صرف ایک سال تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ درمیان سے ایک دو راوی غائب ہیں۔ وہ راوی کون تھے؟ کیسے تھے؟ یہ معلوم نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ابن کثیرؒ جیسے عالم نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا کہ:۔

هٰذا الخبر مشهور عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحته عندی نظر۔

(ان دو بچوں کا قتل) اگرچہ علمائے مغازی وسیر کے ہاں بہت مشہور ہے لیکن میرے نزدیک اس کی صحت محل نظر ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۳۲۲)

درایت کے لحاظ سے سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کے دونوں بچوں (عبدالرحمٰن وقثم) کا قتل صحیح اور درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا علیؓ اور سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ نے کبھی بھی ان دو بچوں کے قصاص یا دیت کا سیدنا معاویہؓ سے مطالبہ نہیں کیا۔ پھر ۴۱ھ میں جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کی اور خلافت ان کے سپرد فرما دی اس موقع پر بھی انہوں نے ان صغیرالسن بچوں کے ناحق قتل پر قصاص اور دیت طلب نہیں کی حالانکہ سیدنا معاویہؓ اس وقت سیدنا حسنؓ کی ہر شرط ماننے پر تیار تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس صلح میں سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ خود موجود تھے انہوں نے خود بھی اس وقت اس بارہ میں کوئی بات نہیں کی، حالانکہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴)

صلح کے بعد بھی ان ہاشمی حضرات کے سیدنا معاویہؓ سے بڑے اچھے تعلقات رہے یہ سب حضرات ان کے پاس عطیات اور ہدیے وصول کرنے کے لیے جاتے۔ خود سیدنا عبیداللہ بھی کئی دفعہ گئے لیکن اس معاملہ کے بارہ میں سب کی زبانیں خاموش رہیں، بلکہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے تو یوں فرمایا تھا۔

یہ ابن ہند (سیدنا معاویہؓ) کی خوبی اللہ کے لیے ہے۔ وہ بیس سال تک ہمارے

والی اور خلیفہ رہے۔ وہ خواہ منبر پر تھے یا فرشِ زمین پر انہوں نے ہمیں کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انہوں نے ہمارے ساتھ اچھے طریقے سے صلہ رحمی قائم رکھی اور ہماری ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتے رہے۔

(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۶۸)

ان سب دلائل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ کہ بسر بن ارطاۃ نے سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کے دو کمسن بچوں (عبدالرحمٰن اور قثم) کو انہوں نے ناحق قتل کر دیا، صرف سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر اس واقعہ میں حقیقت کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا تو سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کبھی بھی اپنی صاحبزادی سیدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباسؓ کو سیدنا معاویہؓ کے سگے بھتیجے سیدنا ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کے حبالۂ عقد میں نہ دے دیتے۔ اس سے ان کا ایک لڑکا قاسم بن ولید بن عتبہ بھی پیدا ہوا۔ اگر کوئی شخص ہمارے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے تو ہم تو ساری زندگی ان سے تعلقات نہ رکھیں اور خاندانِ نبوت کے لوگ (معاذ اللہ) اتنے ہی بے حمیت تھے کہ وہ ان کے ساتھ پھر نئے سرے سے دوستی کے رشتے استوار کریں۔ یہ خاندانِ نبوت کی بہت بڑی توہین ہے۔

بسر بن ارطاۃ کا یہ واقعہ جس کے بارہ میں اکابر مؤرخین نے فی صحتہ عندی نظر کہہ کر اس کو مخدوش کر دیا ہے لیکن پھر بھی طبری اور دوسرے شیعہ مؤرخین نے اس کو خوب اچھالا ہے اور سیدنا معاویہؓ کے مطاعن میں اسے بیان کیا ہے، لیکن جب اس سے بڑے بڑے مظالم سیدنا علیؓ کے گورنروں کے ہاتھوں سے ہوئے اور سیدنا علیؓ نے ان سے کوئی مؤاخذہ اور گرفت نہ کی، ان واقعات کو اس قدر کیوں نہیں اچھالا جاتا بلکہ سیدنا علیؓ کی طرف سے کیوں وکالت کے فرائض سرانجام دیے جاتے ہیں۔

تاریخ کے وہی رپورٹر جنہوں نے بسر بن ارطاۃ کی داستانِ مظالم تاریخ کے صفحات پر ثبت کی ہے وہ اس سے زیادہ سیاہ حروف میں جاریہ بن قدامہ کے ظلم کی داستان جریدۂ تاریخ پر رقم کرتے ہیں۔ یہ جاریہ بن قدامہ کون تھے؟ اور ان کو کس نے بھیجا تھا؟ مؤرخین نے یوں بیان کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا گورنر بسر بن ارطاۃ جو کہ حجاز کا موالی تھا

جب یمن پہنچا تو اس کی عبید اللہ بن عباسؓ گورنر یمن سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ عبید اللہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر کوفہ چلے گئے لیکن ان کے دو کمسن بچے عبد الرحمٰن اور قثم پیچھے رہ گئے۔ بسر نے ان دونوں کو ناحق قتل کر دیا۔ بسر کو اس جرم کی سزا دینے کے لیے سیدنا علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا۔ جاریہ جونہی نجران پہنچا۔ اس نے وہاں کے بے قصور لوگوں کو ناحق قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور نہ صرف قتل کیا بلکہ زندہ جلا ڈالا۔ یہ ناحق قتل سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کا کیا گیا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گئے (کیونکہ یہ بسر سے زیادہ ظالم ثابت ہوا) جاریہؓ نے مکہ مکرمہ تک ان کا تعاقب کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ ۳۲۲، طبری جلد ۶ صـ ۸۰، ۸۱)

جاریہ بن قدامہ کے اس ظلم و استبداد اور اس کے قتل عام کو خود شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ یعقوبی شیعہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ :۔

"بسر کے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جاریہ نے قتل کیا اور ان کو قیدی بنایا یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ تک پہنچ گیا۔"

(یعقوبی جلد ۲ صـ ۱۹۹، مروج الذہب، مسعودی شیعی جلد ۳ صـ ۳۱)

حافظ ذہبی کا قلم بھی اس کے ظلم کی داستان کو ان الفاظ میں رقم کرتا ہے کہ :۔

سیدنا علیؓ نے اس موقع پر جاریہ کو روانہ فرمایا۔ جاریہ جب یمن پہنچا تو وہ ہر اس شخص کو قتل کر دیتا اور زندہ جلا دیتا جس کو سیدنا علیؓ سے منحرف پاتا۔ اس بناء پر لوگ جاریہ بن قدامہ کو "محرق" (جلا دینے والا) کہنے لگے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ صـ ۲۱۴)

جاریہ نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ وہ قتل و غارت کرتا اور آگ کے شعلے برساتا ہوا مدینہ طیبہ تک جا پہنچا۔ یہاں ان دنوں سیدنا ابوہریرہؓ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت اور ظلم و استبداد کے بارہ میں وہ پہلے ہی سن چکے تھے، لہٰذا جب انہوں نے سنا کہ وہ مدینہ طیبہ بھی پہنچ گیا ہے تو وہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب پتہ چلا کہ ابوہریرہؓ

بھاگ گئے ہیں تو وہ کہنے لگا کہ اگر میں ابو سنور (بتی والے) کو پا لیتا تو اس کی گردن مار دیتا۔
(طبری جلد ۶ صفحہ ۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۲)

یہ مختصر داستان ہے ان مظالم کی جو آپ کے صرف ایک گورنر جاریہ بن قدامہ سے سرزد ہوئے لیکن اگر مالک الاشتر اور دوسرے کئی ایک گورنروں کی داستان ظلم بیان کی جائے تو قلم کے قدم رک رک جاتے ہیں اور سینۂ قرطاس سے چیخیں بلند ہونی شروع ہو جاتی ہیں لیکن تاریخ کے اوراق کو کھنگال لیجئے آپ کو یہی نظر آئے گا کہ سیدنا علیؓ نے ان گورنروں سے چشم پوشی ہی کی۔ اور جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر وغیرہ سے نہ کوئی باز پرس کی اور نہ انہیں کوئی سزا دی۔ لیکن معترضین کا نزلہ صرف اور صرف مظلوم معاویہؓ پر گرتا ہے اور سیدنا علیؓ کے بارہ میں ان کی زبانوں سے کچھ نہیں نکلتا۔ کیا ان معترضین کو جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر کی چیرہ دستیاں نظر نہیں آتیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کے گورنر بسر بن ارطاۃ کے تجاوزات پڑھ کر وہ اگر چیخ اٹھتے ہیں تو سیدنا علیؓ کے گورنروں جاریہ بن قدامہ اور مالک الاشتر کی چیرہ دستیوں سے بھی ان کے دل ہل جانے چاہئیں۔

یہ تو ایک الزامی جواب تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ دشمنان صحابہؓ نے اس قسم کی داستانیں صحابہ کرامؓ کو مطعون کرنے کے لیے تاریخ کے اوراق میں گھسیڑ دی ہوئی ہیں۔ ہمارا مسلک اور موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ (خواہ وہ سیدنا علیؓ ہوں یا سیدنا معاویہؓ) کا دامن ظلم کی ان داستانوں سے پاک ہے۔ اور تاریخ کی ان منقطع اور تقیہ باز راویوں کی روایات سے صحابہ کرامؓ کا دامن داغدار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انہیں بارگاہِ الوہیت سے "رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ" کی سند امتیاز مل چکی ہے۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر وہ تاریخی روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن کیا جاتا ہے وہ قابلِ رد ہے بلکہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہے۔

(احکام القرآن عربی جلد ۳ صفحہ ۲۸۴)

اصل بات یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ جھوٹا پراپیگنڈہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور باقاعدہ حکومتی سطح پر کیا گیا۔ اس بات کو صرف

ایک حوالے کے ایک واقعہ سے سمجھ جائیے ۔ ۲۱۱ھ میں المامون عباسی نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا۔ ۲۱۲ھ میں اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علیؓ تمام مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں۔ اور اس بات کی بھی منادی کرادی کہ جو شخص معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے بارہ میں خیر کے کلمات کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ (گویا کہ بتایا یہ گیا کہ اس شخص کو سرکاری بدمعاش اور بدقماش اگر موت کے گھاٹ اُتار دیں تو حکومت اس کی ذمہ دار نہ ہوگی) جب سیدنا معاویہؓ پر اس قسم کے مطاعن حکومتی سطح پر منظم طریقے سے بیان ہوں تو پھر آج اگر ہمارے ذہن مظلوم معاویہؓ کے اچھے کاموں کو بھی قبول نہ کریں تو ہم معذور ہیں۔" دمادم مست قلندر علی دا پہلا نمبر" مامون الرشید شیعی کے حکومتی آرڈیننس کی صدائے بازگشت ہے۔



۶

مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

سیدنا معاویہؓ پر بعض نام نہاد عالموں کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کی سنت کو تبدیل کر کے ایک بدعت ایجاد کی وہ یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا اور نہ مسلمان کافر کا۔

اس اعتراض کی اگر چھان پھٹک کی جائے تو اس کی نوعیت بھی نصف دیت والے اعتراض کی سی ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی عہدِ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے اور نہ صرف سیدنا معاویہؓ اس بات کے قائل ہیں کہ "مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے" بلکہ اور بھی کئی صحابہؓ اس کے قائل ہیں۔ اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ نہ تو کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا۔ لیکن اس کے مخالف مسلک رکھنے والے کو بدعت کا مرتکب گردانتا نہایت زیادتی بلکہ بد دیانتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے درمیان کئی مسائل ایسے ہیں کہ جمہور کا مسلک کچھ اور ہوتا ہے اور ایک امام کا قول کسی خاص دلیل کی بنا پر اُس جمہور کے مسلک کے خلاف ہوتا ہے لیکن آج تک کسی نے اُس پر بدعت کے مرتکب ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ان اجتہادی مسائل میں اکثر اختلاف راجح اور مرجوح کا ہوتا ہے۔ سنت اور بدعت کا نہیں ہوتا۔

چنانچہ اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔

۱۔ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؟

۲۔ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

پہلی بات ہیں سیدنا معاویہؓ سمیت سب صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن بعض صحابہؓ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے"۔ چنانچہ علامہ ابن رشد القرطبیؒ فرماتے ہیں:۔

واختلفوا فی میراث المسلم الکافر..... فذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعین وفقهاء الامصار الی انه لا یرث المسلم الکافر بهذا الاثر الثابت و ذهب معاذ بن جبل و معاویة من الصحابة و سعید بن المسیب و مسروق من التابعین و جماعة الی ان المسلم یرث الکافر۔

مسلمان کے کافر کے وارث ہونے ہیں اختلاف ہے۔ صحابہؓ تابعین اور مختلف شہروں کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اس حدیث کی وجہ سے کہ (لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم) لیکن صحابہؓ میں سے معاذ بن جبلؓ اور سیدنا معاویہؓ اور تابعین میں سے سعید بن المسیبؒ اور مسروقؒ اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۳۵۲، ۳۵۳)

علمِ وراثت کی مشہور کتاب شریفیہ شرح سراجی میں سید شریف الجرجانیؒ فرماتے ہیں:۔

فلا یرث الکافر من مسلم اجماعًا ولا المسلم من الکافر علی قول علی و یزید و عامة الصحابة والیه ذهب علماءنا والشافعی والقیاس ان یرث المسلم من الکافر ولا یرث الکافر منه والیه ذهب معاذ بن جبل ومعاویة

بن ابی سفیان والحسن ومحمد بن الحنفیۃ ومحمد بن علی بن الحسین ومسروق رحمہم اللہ۔

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا یہ اجماعی مسئلہ ہے اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا یہ مذہب علیؓ زید بن ثابتؓ اور جمہور صحابہؓ کا ہے اور ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو، معاذ بن جبلؓ معاویہؓ حسن بصریؒ، محمد بن حنفیہؒ محمد باقرؒ اور مسروقؒ کا یہی مذہب ہے۔

(شریفیہ شرح سراجی ص۱۴۱)

علامہ بدرالدین عینیؒ اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واما المسلم فھل یرث من الکافر ام لا، فقالت عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لا یرث وبہ اخذ علماؤنا والشافعی وھذا استحسان والقیاس ان یرث وھو قول معاذ بن جبل ومعاویۃ بن سفیان وبہ اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفیۃ ومحمد ابن علی بن حسین۔

اور یہ بات کہ کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، پس عام صحابہؓ فرماتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا اور اسی شی کو ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان[1] ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو اور

---

[1] استحسان ایک فقہی اصطلاح ہے۔ استحسان کہتے ہیں کہ "مجتہد ایک مسئلہ میں اس کے نظائر وامثال کے مطابق حکم نہ لگائے بلکہ ایک قوی تردید کی جانب رجوع کرے جو اشباہ و نظائر سے عدول کا تقاضا کرتی ہو" استحسان کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف چلا آرہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ استحسان کے قائل تھے اور ان کے معاصر امام مالکؒ بھی یہ کہا کرتے تھے کہ "استحسان نوّے فی صد علم ہے" امام شافعیؒ استحسان

یہی معاذ بن جبل رضؓ اور معاویہ رضؓ بن ابی سفیان کا قول ہے اور اسی کو مسروق رحؒ، اور حسن بصری رحؒ، محمد بن حنفیہ رحؒ اور محمد بن علی رضؓ بن حسین رضؓ نے اختیار کیا ہے۔

(عمدۃ القاری فی شرح البخاری جلد ۲۳ صـ۲۶۰)

سیدنا معاذ بن جبل رضؓ اور سیدنا معاویہ رضؓ بن ابی سفیان رضؓ کے ناموں کے ساتھ سیدنا عمر الفاروق رضؓ کا نام بھی اس سلسلہ میں کتابوں میں ملتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو المغنی جلد ۶ صـ۲۹۴)

ان حضرات کا یہ مسلک اس قیاس کا نتیجہ ہے جس کو ابن رشد القرطبی رحؒ نے نقل کیا۔

وشبہوذلك بنسائهم فقالوا كما يجوز لنا ان ننكح نسائهم ويجوز لنا ان ننكحهم نساءنا كذلك الارث۔

ان کو ان کی عورتوں سے شبہ ہو گیا کہ جس طرح ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم اہل کتاب (کافر) کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور اپنی عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دے سکتے ہیں، اسی طرح وراثت کا معاملہ ہے (کہ وہ ہمارے مالوں کے وارث نہیں ہو سکتے، البتہ ہم اُن کے مالوں کے وارث ہو سکتے ہیں)

(بدایۃ المجتہد جلد ۲ صـ۳۵۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے سخت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے "جس نے استحسان سے کام لیا اُس نے دین کو خود گھڑ لیا"۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتاب الام میں ایک باب ہی استحسان کے ابطال پر قائم کیا ہے

(کتاب الام جلد ۷ صـ۲۶۷)

جس میں آپ نے اپنے وہ تمام دلائل جمع فرما دیے ہیں جو استحسان کے بطلان پر آپ نے دیئے ہیں۔ آپ کے نزدیک فتویٰ یا تو اخذ بالنص ہونا چاہیئے یا حمل علی النص، لیکن ان کے نزدیک استحسان میں نہ اخذ بالنص ہوتا ہے اور نہ حمل علی النص ہے۔ لہٰذا یہ باطل ہے۔ لیکن فقہاء احناف اور موالک نے ان سب دلائل کے جوابات اپنی اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل سے دیئے ہیں ملاحظہ ہو۔

(المبسوط جلد ۱۰ صـ۱۴۵)

شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے اس بات کی تائید اور تعریف میں عبداللہ بن معقلؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ:-

اخرج ابن ابی شیبہ من طریق عبداللہ بن معقل قال ما رأیت قضاءً احسن من قضاء قضٰی بہٖ معاویۃ نرث اھل الکتاب ولا یرثونا کما یحل النکاح فیھم ولا یحل لھم وبہٖ قال مسروق وسعید بن المسیب وابراھیم النخعی واسحٰق۔

ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن معقلؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کوئی فیصلہ سیدنا معاویہؓ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوتے جیسے کہ ان کی عورتوں سے ہمیں نکاح تو جائز ہے لیکن انہیں ہماری عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی مسروقؒ سعید بن المسیبؒ، ابراہیم النخعیؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔

(فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۵۰)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں صحابہؓ اور تابعینؒ کا اختلاف ہے اور سیدنا معاویہؓ اس میں منفرد نہیں بلکہ سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ یہ الگ بات ہے ان حضرات کا یہ مسلک جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح مسلک ہے۔ اس لیے یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہونے کی وجہ سے کسی صورت بھی بدعت نہیں کہلا سکتا۔ سیدنا معاویہؓ ایک مجتہد اور فقیہ اور صاحب فتویٰ صحابی رسولؐ تھے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱، اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۹) اور مجتہد کی اجتہادی خطاء بھی اجر و ثواب کا موجب ہوا کرتی ہے۔ اور اگر معترضین اس کو بدعت کہنے پر مصر ہیں تو اس بدعت کے مرتکب نہ صرف سیدنا معاویہؓ ہی تھے بلکہ صحابہؓ میں سے سیدنا عمر الفاروقؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ اور تابعینؒ میں سے سیدنا حسینؓ کے بھائی محمد بن حنفیہؒ اور سیدنا حسینؓ کے پوتے امام محمد باقرؒ اور دوسرے کئی ایک بزرگ تھے۔

یہ ساری بحث جو گذشتہ سطور میں ہم نے کی ہے اس صورت میں ہے جب کہ ہمیں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعی سیدنا عمرؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر تابعینؒ کا مذہب تھا، لیکن کتابوں کی ورق گردانی سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اس مسلک کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے مخالفین نے یہ شئی ان کی طرف منسوب کر دی ہو آخر کیا کیا کچھ سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب نہیں ہوا؟ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اجمع اهل العلم على ان الكافر لا يرث المسلم وقال جمهور الصحابة والفقهاء لا يرث المسلم الكافر ويروى هٰذا عن ابى بكر وعمر وعثمان وعلى واسامة بن زيد وجابر رضى الله عنهم وبه قال عمرو بن عثمان وعروة والزهرى و عطاء وطاؤس والحسن وعُمر بن عبد العزيز وعمرو بن دينار والثورى وابو حنيفة و اصحابه ومالك والشافعى وعامة الفقهاء و عليه العمل وروى عن عمر ومعاذ ومعاوية رضى الله عنهم انهم ورثوا المسلم من الكافر ولم يورثو الكافر من مسلم وحكى ذٰلك عن محمد بن الحنفية وعلى بن حسين وسعيد بن المسيب ومسروق وعبد الله بن معقل والشعبى والنخعى ويحيٰى بن يعمر واسحاق وليس بموثوق به عنهم فان احمد قال ليس بين الناس اختلاف فى ان المسلم لا يرث الكافر۔

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، اور

جمہور صحابہؓ اور فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ایک کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، یہ قول ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، اسامہ بن زیدؓ اور جابر بن عبداللہ سے مروی ہے اور عمر بن عثمانؓ، عروہؓ، زہریؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، عمرو بن دینارؒ، سفیان ثوریؒ امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب امام مالک شافعیؒ اور عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے اور اسی پہ عمل ہے۔ سیدنا عمرؓ، معاذ بن جبلؓ اور معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا وہ کافر کو مسلمان کا وارث تسلیم نہیں کرتے۔ یہی بات محمد بن الحنفیہ کی (برادر سیدنا حسینؓ) علی بن الحسینؓ (امام زین العابدینؒ) سعید بن المسیبؒ، مسروقؒ، عبداللہ بن معقلؓ شعبیؒ نخعیؒ (اُستاد امام ابو حنیفہؒ) یحییٰ بن یعمرؒ اور اسحاق سے بھی مروی ہے لیکن ان حضرات کی طرف اس قول کی نسبت معتبر نہیں کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

(المغنی جلد ۷، ص ۱۶۱)

مغنی ابن قدامہ کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت غلط ہے اور اگر مغنی کی اس عبارت پہ اعتماد نہ کرتے ہوئے اس قول کی نسبت سیدنا معاویہؓ، معاذ بن جبلؓ اور سیدنا عمرؓ کی طرف صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر اُس کا جواب وہی ہے جو ہم نے گذشتہ سطور میں نقل کیا ہے۔



(۷)

اہلِ بیتِ نبویؐ سے برتاؤ

ایک اعتراض سیدنا معاویہؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اہل بیت نبویؐ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ اگر اس اعتراض کی چھان پھٹک کی جائے تو حقیقت اس کے بالکل خلاف نظر آتی ہے اور تاریخ کی قوی اور ثقہ روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بنو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا بلکہ بعض دفعہ اگر انہوں نے کوئی ناقابل برداشت بات بھی کہہ دی تو آپ نے صرف اہل بیت نبویؐ کا احترام کرتے ہوئے اُس کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ ابن طقطقی لکھتا ہے:۔

"اشراف قریش میں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمانؓ اور آلِ ابی طالب کے افراد معاویہؓ کے پاس اکثر دمشق جایا کرتے تھے۔ وہ ان سب بزرگ حضرات کو نہایت اچھے طریقے سے رکھتے اور ان کی نہایت فیاضانہ طریقے سے مہمان نوازی کرتے۔ اُن کی تمام ضروریات کو پورا کرتے۔ اس کے بدلے میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے سختی کے ساتھ گفتگو کرتے[1] اور چین بچین رہتے لیکن امیر معاویہؓ ان باتوں کو کبھی مذاق میں اُڑا دیتے اور کبھی یوں ہی ٹال دیتے

---

[1] ابن طقطقی کے اس جملہ سے ہمیں اختلاف ہے کیونکہ تاریخ کی صحیح روایات میں آتا ہے کہ تمام بنو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت سیدنا معاویہؓ کا نہایت احترام کرتے اور سیدنا معاویہؓ ان سے نہایت شفقت سے پیش آتے۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں کئی مقامات پر ہم نے مختلف روایات سے واضح کیا ہے۔

اور اُس کے جواب میں بہت قیمتی تحائف اور بڑی رقوم دیتے"۔ (الفخری ص۹۴)

یہی ابن طقطقی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ آل ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان و شرفاء آپ کے خلاف رہتے تھے لیکن آپ کی فیاضی کا ابر ہمیشہ ان پر برستا رہتا۔ (الفخری ص۵۵)

علاوہ ازیں اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے یزید کو جو وصیتیں فرمائیں اُن میں اہل بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حسینؓ بن علیؓ کے متعلق ان الفاظ میں وصیت فرمائی۔

"عراق والے حسینؓ کو تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تمہیں اُن پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ قرابت دار ہیں، اُن کا بڑا حق ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز ہیں"۔ (الفخری ص۱۰۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اپنی خلافت کے دوران سیدنا معاویہؓ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کو بیش قیمت عطیات سے نوازتے چنانچہ ایک روز اُن کو ۲۰ لاکھ درہم عطا فرمائے"۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۱۵۰)

آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو دیتے اور اُن کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ (جو سیدنا حسینؓ کے بہنوئی اور آپ کی بہن سیدہ زینبؓ کے خاوند تھے) کو بھی دیتے تھے

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص۸۲۳)

ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیئے بھی سیدنا امام حسینؓ کو بھیجے جاتے جن کو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابی مخنف ص۷)

سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف وغیرہ دیتے۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وُہ اُن کو بہت عطیات وغیرہ دیتے اور بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۱۵۰، ۱۵۱)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسنؓ کو چار لاکھ درہم دیے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو دو دو لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۷)

ایک مرتبہ سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب کو جو سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی تھے ۵۰ ہزار درہم کی ضرورت پڑی۔ آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور اپنی ضرورت ظاہر کی۔ آپ نے فوراً ۵۰ ہزار درہم اُن کو دیدیے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۳)

اگرچہ سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرنے کے بعد حضرت حسینؓ نے بھی اُن کی بیعت کر لی تھی (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴) لیکن دونوں بھائیوں کی طبیعتوں میں بہت اختلاف تھا۔ سیدنا حسنؓ بڑے سنجیدہ، مستقل مزاج اور صاحب فکر و نظر انسان تھے افتراق سے آپ کو ہمیشہ تنفر تھا، مگر اس کے مقابلہ میں سیدنا حسینؓ قدرے جذباتی تھے، اسی وجہ سے کوفہ کے سبائی فتنہ پرداز آپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے خلاف مشتعل کرتے رہتے تھے، سیدنا معاویہؓ کو ان سب باتوں کا علم تھا لیکن آپ نے سیدنا حسینؓ سے کبھی بھی تعرض نہ کیا۔

ایک مرتبہ یمن سے ایک قافلہ بہت سامال و اسباب سیدنا معاویہؓ کے پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے اُس کو چھین لیا اور اپنے اہل بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہؓ کو خط لکھ دیا۔ (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۸۱) سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسینؓ کو لکھا:۔

"میرے بھتیجے! میرے خیال میں تمہارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہ جاتے ہو۔ میرے زمانے میں تو تمہارا ایسا معاملہ درگذر کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو تمہارا ایسے معاملات میں بالکل لحاظ نہ کرے۔

(ناسخ التواریخ کتاب ۲ ص ۸۲)

سیدنا معاویہؓ امہات المومنین سلام اللہ علیہن کی خدمت بھی اپنے لیے باعث فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ کی رقم سیدہ عائشہؓ

سلام اللہ علیہا اور دوسری امہات المومنین کو بطور عطیہ پیش کی (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۶۵)

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں ایک مرتبہ آپ نے ایک لاکھ درہم ارسال کئے جن کو آپ نے اسی روز تقسیم کر دیا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ پر ۱۸ ہزار دینار قرض ہو گیا۔ اس سارے کے سارے قرض کو سیدنا معاویہؓ نے ادا کیا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں آپ نے ایک لاکھ درہم مالیتی گلوبند ارسال کیا جس کو ام المومنینؓ نے بصد خوشی قبول فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا حسنؓ بن علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے سیدنا معاویہؓ کے پاس اپنا ایک آدمی بھیجا اور آپ سے کچھ مال طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم ارسال کر دیئے۔

ایک اور مرتبہ آپؓ نے سیدنا حسنؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور ایک لاکھ عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو، ایک لاکھ عبداللہ بن عمرؓ کو اور ایک لاکھ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھیجے۔

سیدنا حسنؓ کی وفات پر سیدنا معاویہؓ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تعزیت کے لیے گئے اور سیدنا ابن عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

لا یسؤك اللہ ولا یحزنك فی الحسن۔

اللہ تعالیٰ حسنؓ کے بارہ میں آپ کو کوئی تکلیف اور غم نہ دے۔

اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا ہے۔

لا یحزننی اللہ ولا یسؤنی ما ابقی اللہ امیر المؤمنین۔

امیر المومنینؓ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، مجھے نہ تو کوئی غم ہے نہ تکلیف۔

سیدنا معاویہؓ امیر المومنینؓ نے آپ کو دس لاکھ درہم اور بہت سا بیش قیمت سامان دیا اور کہا کہ آپ اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ فرمائیں۔

(البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۶، ۱۳۸)

یہ تو اہل بیت نبوت تھے۔ آپ کا دامن عفو و بخشش تو اپنی رعایا کے ہر فرد پر سایہ فگن

تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:-

"میں اپنے نفس کو اس بات سے بچاتا ہوں کہ کوئی جرم ایسا ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے، یا کوئی خطا ایسی ہو جسے میں چھپا نہ سکوں، یا کوئی برائی ایسی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔" (طبری جلد ۶ ص ۱۸۷، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵، ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۶۲)

حضرت ابومسلم خولانیؒ ایک بہت بڑے تابعی تھے۔ سیدنا معاویہؓ ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور یہ سیدنا معاویہؓ کو نرم و گرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے، لیکن سیدنا معاویہؓ ان کی بات کا ہرگز برا نہ مناتے تھے بلکہ بڑی قدر سے اُن کی نصیحتوں کو سننے اور اُن پر عمل بھی کرتے سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ کی تنخواہیں نہ ملیں۔ اسی دوران سیدنا معاویہؓ ایک روز خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے جب خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو خطبہ کے دوران ابومسلم خولانیؒ بیچ میں بول پڑے اور کہا:-

"اے معاویہؓ! یہ مال نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا اور نہ تمہاری ماں کا۔"

سیدنا معاویہؓ نے لوگوں کو ٹھیرنے کا اشارہ کیا اور اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لا کر کہا:-

"لوگو! ابومسلمؒ نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا۔ ابومسلمؒ نے درست کہا اور میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے اور شیطان کو حق تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، اس لیے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اُسے چاہیئے کہ غسل کر لے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔"

(حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۳۰)

آپ کے اسی حلم، بردباری، اہل بیت نبوت اور رعایا سے حسن سلوک کی وجہ سے

سیدنا علیؓ کے دست راست اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

"وہ اپنے پوشیدہ اسرار کی وجہ سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اُس نے غلبہ حاصل کیا۔ اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اُسے پا لیا۔ اُس کی بردباری اور حلم اُس کے غضب پر غالب ہے اور اُس کی سخاوت اور داد و دہش اُس کے بخل پر حاوی ہے۔ قطع رحمی سے پرہیز کرتا ہے اور صلہ رحمی کا خوگر ہے آپس میں ملاتا ہے، جُدا نہیں کرتا، اس لیے اُس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔" (العقد الفرید جلد ۲ صـ ۲۳۵)

سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں آپ کا ایک اور قول شیعی مؤرخ ابن طقطقی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ما رایت احداً الیق من اعطاف معاویة بالریاسة والملک۔

میں نے معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کسی کو زیادہ لائق نہیں دیکھا۔ (الفخری صـ ۷۶)

تاریخ کی ان ثقہ شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ پر یہ الزام بھی جہالت اور تعصب پر مبنی ہے اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ اور صرف ان کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے اس اعتراض کو تراشا گیا ہے۔ خاندان رسالت سے اُن کا برتاؤ ویسا ہی تھا جیسا دوسرے صحابہ کرامؓ کا تھا۔ وہ اُن کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہ اُن کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے آپس میں کوئی بغض حسد و عناد یا بغض و تعصب نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسرے کو ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ سمجھتے تھے اور ان میں نسبی اور ایمانی رشتہ کی کڑیاں نہایت مضبوط و مستحکم تھیں۔



(۸)

سیّدنا حسنؓ کو زہر دلوانا

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے سیدنا حسنؓ کو زہر دلوا کر شہید کروا دیا تھا۔ یہ اعتراض جس قدر سنگین ہے اسی قدر کمزور اور نا قابل اعتبار بھی ہے کیونکہ تواریخ میں جو روایات اس بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ سیدنا حسنؓ کو زہر دینے سے سیدنا معاویہؓ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؓ کے مابین خلافت کے بارہ میں جو مصالحت ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ سیدنا معاویہؓ چونکہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لیے اس شرط سے انحراف کرنے کے لیے انھوں نے اپنی زندگی میں ساز باز کر کے سیدنا حسنؓ کو زہر دلوا کر شہید کروا دیا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؓ کے مابین مصالحت میں اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو سیدنا حسنؓ سے کیا پرخاش ہو سکتی تھی جس کی بناء پر وہ سیدنا حسنؓ کو زہر دلواتے، سیدنا معاویہؓ جیسا صاحب بصیرت اور صاحب زہد و تقویٰ شخص ایسا شرمناک فعل کبھی بھی نہیں کر سکتا۔

وہ مؤرخین جن کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہؓ پر اتنا گھناؤنا اور سنگین الزام لگایا جاتا ہے، وہ تو سیدنا حسنؓ کی تاریخ وفات کے بارہ میں بھی متفق نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ اُن کی وجہ وفات پر اُن کے قول کو معتبر مانا جائے۔

ابن جریر طبری شعبان سنہ ۴۱ھ لکھتے ہیں لیکن ابن اثیر سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ سنہ ۵۱ھ اور علامہ سیوطی سنہ ۴۹ھ یا ربیع الاول سنہ ۵۰ھ لکھتے ہیں[۱]

---

[۱] ابن حجر عسقلانیؒ نے سنہ ۴۹ھ، سنہ ۵۰ھ، سنہ ۵۱ھ، سنہ ۵۶ھ، سنہ ۵۸ھ اور سنہ ۵۹ھ نقل کی ہیں۔
(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

تواریخ کی کتابوں میں اس بارہ میں کوئی معتبر روایت نقل نہیں کی گئی۔ قدیم مؤرخین نے تو زہر خورانی کی روایت کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور جن مؤرخین نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے بھی بغیر کسی راوی کا نام لیے صرف "ذُکِر"، "قِیل" اور "یُقَال" وغیرہ تمریض کے صیغوں سے اس کا تذکرہ کیا ہے جو کہ ضعف روایت پر دلالت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص۲۶۶، مروج الذہب جلد ۲ ص۵۰، الاستیعاب جلد ۱ ص۱۴۴، اسد الغابہ جلد ۲ ص۱۱۵، الاصابہ جلد ۲ ص۱۳، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۳۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۴۲، ابن اثیر جلد ۳ ص۲۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص۱۸۲، ابوالفداء جلد ۱ ص۱۸۳) اور اتنے اہم واقعے کے لیے یہ تمریض کے صیغے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد، الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ وغیرہ میں جس قدر بھی روایات اس واقعے کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری بے سند ہیں اور کسی میں بھی یقین کے ساتھ سیدنا معاویہؓ کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ ان روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ سے جب اس زہر دینے والے کا نام پوچھا گیا تو انہوں نے نام بتانے سے انکار کر دیا جیسا کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ میں ابن سعد کی روایت کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:۔

فاتاہ الحسین بن علی فسألہ من سقاہ فابی ان یخبرہ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ۔

بعد ازیں سیدنا حسینؓ بن علیؓ اُن (سیدنا حسنؓ) کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کو یہ زہر کس نے دیا؟ آپ نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔ (الاصابہ)

جب زہر پینے والے نے نہیں بتایا کہ اُسے کس نے زہر دیا ہے تو بعد والے راویوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ زہر دینے والے سیدنا معاویہؓ تھے۔

یعقوبی نے شیعہ ہونے کے باوجود زہر دینے والے کا نام نہیں بتایا۔

(ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص۲۱۶)

مسعودی جس کو شیعہ حضرات اپنے شیوخ واکابرین سے شمار کرتے ہیں (ملاحظہ ہو العواصم من القواصم ص۲۴۹ تعلیقہ) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے کہ:۔

وذکران امرأته جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی سقته السّم وقد کان معاویة دس الیھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بیوی جعدۃ بنت الاشعث بن قیس الکندی نے معاویہؓ کے اشارے سے آپ کو زہر دیا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے زہر دینے کا الزام یزید بن معاویہؓ کے سر تھوپا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

توفی الحسن بالمدینة مسموماً سمته زوجته جعدہ بنت الاشعث بن قیس دس الیھا یزید بن معاویة ان تسمه۔

سیدنا حسنؓ کی وفات مدینہ طیبہ میں زہر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ اُن کو ان کی بیوی جعدۃ بنت الاشعث بن قیس نے یزید بن معاویہؓ کے اشارے سے زہر دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۱)

ابو الفداء نے یزید اور معاویہؓ دونوں کا نام لے کر معاملہ کو اور زیادہ اشتباہ میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

وتوفی الحسن من سم سقته زوجته جعدہ بنت الاشعث قیل فعلت ذلك بامر معاویة وقیل بامر یزید۔

اور سیدنا حسنؓ کی وفات زہر سے ہوئی جو ان کی اہلیہ جعدۃ بنت الاشعث نے انہیں دیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اُس نے یہ معاویہؓ کے اشارے سے دیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے دیا تھا۔

علامہ ابن جوزیؒ نے سیدنا حسنؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کسی زہر وغیرہ کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ "مرض" (بیماری) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

مرض الحسن بن علی اربعین یوماً۔

سیدنا حسنؓ بن علیؓ چالیس روز تک بیماری میں مبتلا رہے۔
(صفۃ الصفوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۲۰، تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۶)

الدمیری نے بیماری کی مدت دو ماہ لکھی ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ا صہ۶۶)

متذکرۃ الصدر عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کی نسبت سیدنا معاویہؓ کی طرف صحیح نہیں کیونکہ اگر صحیح ہوتی تو اس بارہ میں کسی شخص کا نام لیا جاتا کہ فلاں شخص نے یہ کہا ہے یا فلاں نے سیدنا حسنؓ سے سنا کہ مجھے فلاں آدمی نے زہر دیا ہے۔ "قیل" یا "ذکر" جیسے کمزور الفاظ سے اُس کو بیان کرنا اس واقعہ کے غلط ہونے کی بیّن دلیل ہے بلکہ ابن خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مؤرخ نے تو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زہر خورانی کا واقعہ "شیعہ حضرات" کا گھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

ما ینقل ان معاویة دس الیه السّم مع زوجته جعدة بنت الاشعث فهو من احادیث الشیعة وحاشا لمعاویة من ذٰلك۔

یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے اُن کی اہلیہ بنت الاشعث سے مل کر اُن کو زہر دلایا تھا۔ یہ سب شیعوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اور معاویہؓ کی ذات اس سے مبرا ہے۔ (ابن خلدون جلد ۲ صہ۱۸۲)

علامہ ذہبی اپنی تاریخ میں زہر خورانی کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

قلت هٰذا شئ لا یصح فمن الذی اطلع علیه۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور کون شخص اس پر مطلع ہوا کیونکہ سیدنا حسنؓ نے تو نام بتایا ہی نہیں) (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صہ۲۱۹)

موجودہ صدی کے نامور مؤرخ احمد شلبی زہر خورانی کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :-

ولٰکن ذٰلك الاتهام لم یثبت۔

لیکن یہ (سیدنا معاویہؓ پر) ایک اتہام ہے جو ثابت نہیں ہے۔

(التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ جلد ۲ صہ۳۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اس واقعہ کو غلط قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں :-

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حسنؓ کو معاویہؓ نے زہر دیا تھا، کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے

ثابت نہیں اور نہ ہی کوئی قوی اور صحیح روایت اس کی شہادت دیتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے جس کی گہرائی میں پہنچا جاسکتا ہے۔

(منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۵)

قریباً یہی کچھ علامہ ذہبیؒ نے "المنتقیٰ من الاعتدال فی نقض کلام الرفض والاعتزال" کے صفحہ ۲۲۶ پر بیان فرمایا ہے۔

ان دلائل قاطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کو زہر نہیں دیا گیا تھا اور اگر بالفرض دیا گیا تھا تو اس میں سیدنا معاویہؓ کا بالکل کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ یہ روایت شیعوں نے سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ شیعہ مؤرخین نے اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے اور اس پر خوب حاشیے چڑھائے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بحارالانوار ملا باقر مجلسی جلد ۱ ص ۱۷۳، ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۷، تاریخ طاہر مقدسی جلد ۶ ص ۵، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۷۵، روضۃ الصفاء جلد ۳ ص ۷، اعیان الشیعۃ جلد ۴ ص ۷، سیرت علویہ شاہ محمد علی حیدر جلد ۱ ص ۳۶۶ وغیرہم)



(۹)

استلحاقِ زیاد

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض بعض صحابہ دشمن لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے تحت شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی اور امیر زیاد کا جو طائف کی ایک سمیہ نامی لونڈی کے بطن سے تھے، نسبی طور پر اپنے ساتھ الحاق کر لیا۔ ان کا یہ فعل قانونی حیثیت سے ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔

زیاد بن ابی سفیان حارث بن کلدہ طبیب کی لونڈی سمیہ کے بیٹے تھے۔ جب سمیہ ابھی حارث بن کلدہ ہی کے پاس تھی تو حضرت ابوبکرہؓ اُس سے پیدا ہوئے۔ پھر اُس نے اُس لونڈی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی اور اس کے ہاں امیر زیاد پیدا ہوئے۔

امیر زیاد کی پیدائش کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابو سفیانؓ اپنے کسی کام سے طائف گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جاہلیت کے مروجہ نکاح کی طرح سمیہ سے نکاح کیا اور اُس سے مباشرت کی۔ اس مباشرت سے امیر زیاد پیدا ہوئے اور سمیہ نے زیاد کو ابو سفیانؓ سے منسوب کیا، خود ابو سفیانؓ نے اس بات کا اقرار کیا مگر پوشیدہ اور خفیہ طور پر۔ (ابن خلدون جلد ۳ صـ۱۴)

ابن خلدون کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد ابو سفیانؓ کی زنا کی اولاد نہیں تھے بلکہ نکاح کی اولاد تھے، لیکن وہ نکاح جاہلیت کا تھا۔ اسلام نے جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو صحیح تسلیم کیا ہے، لیکن آپؐ کی شریعت نے اب اُن تمام نکاحوں کو منسوخ کر دیا ہے چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ:-

جاہلیت میں چار قسم کے نکاح ہوا کرتے تھے۔

۱۔ ایک نکاح موجودہ طریقے کا جیسا آج کل ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا نکاح یہ کہ مرد اپنی عورت کو خود کسی دُوسرے کے پاس بھیجدیتا تھا۔ اور خود اس کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس دُوسرے شخص کا حمل اس عورت میں ظاہر ہوجاتا۔ جب حمل عیاں ہوجاتا تو پھر وہ خاوند اپنی بیوی سے مقاربت کرتا! اور یہ اس لیے کرتا کہ معلوم ہوجائے کہ یہ بیٹا کس کا ہے۔ جاہلیت میں اس نکاح کو "نکاح الاستبضاع" کہا کرتے تھے۔

۳۔ تیسری قسم کا نکاح وہ ہوتا تھا کہ دس سے کم آدمی ایک عورت سے صحبت کرتے اور جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ عورت ان تمام مردوں کو بلاتی اور جب وہ آجاتے تو وہ کسی ایک شخص سے کہہ دیتی کہ یہ تیرا بیٹا ہے تو وہ اُس شخص کا بیٹا ہوجاتا اور اُس شخص کو اس سے مجال انکار نہ ہوتی۔

۴۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ ایک عورت سے مباشرت کرتے۔ جب اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو سب اُس کے پاس جمع ہوجاتے اور قیافہ شناسوں کو بلا لیا جاتا وہ غور وفکر کرکے اس بچے کو کسی سے ملحق کردیتے اور وہ بچہ اُس شخص کا بیٹا کہلاتا تھا اور وہ شخص اس کا انکار نہ کرسکتا تھا۔"

نکاح کی یہ چاروں قسمیں بیان کرنے کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔

هدم نكاح الجاهلية كله الا نكاح الناس اليوم۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد جاہلیت کے سب نکاح باطل ہوگئے سوائے موجودہ نکاح کے۔ (بخاری جلد ۲ صـ۷۶۹)

ابن اثیرؒ نے بھی استلحاق زیاد کے واقعہ کے تحت جاہلیت کے نکاحوں کا ذکر کیا ہے آپ فرماتے ہیں:۔

ان انكحة الجاهلية كانت انواعاً لاحاجة الى ذكر جميعها وكان منها ان الجماعة يجامعون البغى فاذا حملت وولدت الحقت الولد بمن شاءت منهم فيلحقه

فلمّا جاء الاسلام حرم ھٰذا النکاح الّا انّہٗ اُقرّ کل ولد کان ینسب الی اب من ای نکاح کان من انکحتھم علی نسبہٖ ولم یفرق بین شیٔ منھا ۔

جاہلیت میں نکاح کی بہت سی قسمیں تھیں، ان سب کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اُن اقسام میں سے ایک قسم یہ تھی کہ کسی عورت سے بہت سے لوگ مقاربت کرتے۔ پھر جب وہ بچہ جنتی تو اُس بچے کو جس طرف چاہتی منسوب کر دیتی، پس وہ اُس کا بچہ قرار پاتا۔ جب اسلام آیا تو نکاح کی یہ قسم حرام ہوگئی لیکن جاہلیت کے نکاح کے جس طریقے سے بھی کوئی اپنے باپ کی طرف منسوب ہوا، اسلام کے بعد بھی اُس کو اسی نسب پر برقرار رکھا گیا اور نکاح کے ثبوت کے معاملہ میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۶)

معلوم ہوا کہ امیر زیاد ابوسفیانؓ کے نکاح کی اولاد تھے اور اس کے نسبی الحاق کا اعلان جو ۴۴ھ میں ہوا تھا وہ سیدنا معاویہؓ کی تحریک اور سیاسی اغراض کے تحت نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی تحریک خود امیر زیاد نے کی تھی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ :-

"زیاد جب کوفہ آئے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم میرا نسب معاویہؓ سے لاحق کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر جھوٹی شہادت سے ہے تو نہیں۔ اس پر وہ بصرہ آئے وہاں ایک شخص نے اس بات کی شہادت دی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے سامنے ۴۴ھ میں دس ثقہ اور جید لوگوں نے گواہی دی کہ زیاد ابوسفیانؓ کا بیٹا ہے۔ ان گواہوں میں سیدنا مالکؓ بن ربیعہ سلولی رضؓ اور سیدہ جویریہؓ بنت ابوسفیانؓ بھی تھیں۔ باقی گواہوں کے نام یہ ہیں :-

زیاد[۳] بن اسماء الحرمازی، منذر[۴] بن زبیر، مشور[۵] بن قدامہ الباہلی، ابن ابی نصر[۶] الثقفی۔ زید[۷] بن نفیل الازدی۔ شعبہ[۸] بن العلقم المازنی۔ بنو عمرو[۹] بن شیبان کا ایک شخص۔ بنو[۱۰] المصطلق کا ایک شخص۔ ان گواہوں میں منذر بن زبیر نے یہ گواہی دی تھی کہ میں نے سیدنا علیؓ کو یہ کہتے سُنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیانؓ نے یہ بات کہی تھی کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ اسی طرح کی گواہی

دُوسرے گواہوں نے بھی دی۔ (ملاحظہ ہو اصابہ جلد ۱ ص ۵۶۳، اخبار الطوال ص ۲۱۹)

ابن حجر عسقلانیؒ کے الفاظ ہیں کہ :-

شهدوا كلهم على ابى سفيان ان زياداً ابنه الا المنذر فيشهد انه سمع علياً يقول اشهد ان ابا سفيان قال ذٰلك۔

ان سب گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ زیاد ابو سفیانؓ کا بیٹا ہے سوائے منذر بن زبیر کے انہوں نے کہا کہ میں نے سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو سفیانؓ نے یہ کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔

(اصابہ جلد ۱ ص ۵۶۳)

اس پر سیدنا معاویہؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور زیاد کو اپنے ساتھ نسب میں ملحق کر لیا۔

اس کے بعد امیر زیاد بولے :-

ان كان ما شهد الشهود به حقاً فالحمد لله وان يكن باطلاً فقد جعلتهم بيني وبين الله۔

اگر ان گواہوں نے جو گواہی دی ہے وہ صحیح ہے تو الحمد للہ اور اگر یہ باطل ہے تو میں نے ان لوگوں کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمّہ دار بنا دیا ہے۔

یہ تھا وہ سارا واقعہ جس میں سیدنا معاویہؓ نے امیر زیاد کو اپنا بھائی قرار دیا اور اپنے نسب میں ان گواہوں کی شہادت پر جس میں جلیل القدر صحابی مالک بن ربیعہ السلولیؓ بھی تھے الحاق کیا۔ اصل واقعہ یہ تھا لیکن دشمنانِ صحابہؓ نے اس پر مختلف حاشیہ آرائیاں کی ہیں۔ اور زیب داستاں کے لیے اس پر ایسے ایسے ضمیمے لگائے ہیں کہ دیانت و شرافت سر نگوں ہو گئی ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے ہے تاکہ سیدنا معاویہؓ کی ذات میں کیڑے نکالے جائیں اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ زیاد کو اپنا بھائی بنانے میں سیدنا معاویہؓ کو کیا فائدہ ہُوا؟ زیاد سیدنا معاویہؓ سے بڑی شخصیت کے حامل نہیں تھے اور نہ ہی اُس میں اُن جیسی زیرکی اور دانشمندی تھی۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں وہ فارس کے

گورنر تھے۔ بیت المال کی رقم خرد برد کرنے کا ان پر الزام تھا۔ جب سیدنا معاویہؓ خلیفہ بنے تو آپ نے ۴۱ھ میں انہیں لکھا کہ آکر اپنی صفائی پیش کرو اور بیت المال کی جو رقم تم نے لے رکھی تھی وہ فوراً ادا کرو۔ اس پر زیاد نے لکھا:۔

"میرے پاس اب کوئی رقم نہیں ہے، تھوڑی سی رقم میں نے اس غرض سے پس انداز کر رکھی ہے کہ مصیبت کے وقت لوگوں کے کام آئے۔ باقی تمام مال میں نے سابق امیرالمومنین (سیدنا علیؓ) کے پاس بھیج دیا تھا"

سیدنا معاویہؓ نے اُن کو پھر لکھا:۔

"اچھا اگر یہ بات ہے تو تم ہمارے پاس آؤ ہم تمہارے معاملے پر غور و خوض کرتے ہیں۔ اگر تمہارا حساب کتاب درست ہوا تو ٹھیک اور اگر درست نہ ہوا تب بھی ہم تمہیں نہیں روکیں گے بلکہ واپس جانے کی اجازت دے دیں گے"۔

اس قدر یقین دہانی کے بعد بھی زیاد سیدنا معاویہؓ کے پاس نہ آئے۔ سیدنا معاویہؓ نے بصرہ کے گورنر بُسر بن ارطاةؓ کو اس تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ بُسرؓ نے زیاد کے تینوں بچوں عبدالرحمٰن، عبیداللہ اور عباد کو گرفتار کر لیا اور زیاد کو لکھا۔

لتقدمن امیرالمؤمنین اولاقتلن بنیك۔

یا تو تم امیرالمؤمنین (سیدنا معاویہؓ) کے پاس حاضر ہو جاؤ ورنہ میں تمہارے بچوں کو قتل کر دوں گا"۔

لیکن زیاد اس پر بھی امیرالمؤمنینؓ معاویہؓ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ زیاد کے بچوں کی گرفتاری کا سُن کر زیاد کے بھائی حضرت ابوبکرہؓ سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے کیونکہ انہوں نے سُن لیا تھا کہ:۔

فھم یقتلھم۔

بسرؓ نے اُن کو قتل کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرہؓ نے امیرالمؤمنینؓ سے زیاد کے بچوں کی رہائی کی سفارش کی۔ امیرالمؤمنین نے اُن کی سفارش پر بُسر بن ارطاةؓ کو لکھا کہ:۔

"ان بچوں کے قتل سے رک جاؤ اور انہیں چھوڑ دو۔"

جس پر بسر رضؓ نے اُن کو چھوڑ دیا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹، الکامل جلد ۳ صفحہ ۱۴، ۱۴، ۱۵،

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۲، ۲۴)

طبری ہی کی روایت میں ہے کہ سیدنا حسنؓ سے سیدنا معاویہؓ کی صلح کے بعد امیر المؤمنین

معاویہؓ نے بُسر بن ارطاۃؓ کو رجب سنہ ۴۱ھ میں بصرہ روانہ فرمایا تو:۔

زیاد متحصن بفارس۔

زیاد فارس میں قلعہ بند تھا۔ (ایضاً)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سنہ ۴۱ھ میں زمام خلافت سیدنا معاویہؓ

کے ہاتھ میں آئی تو زیاد اُس وقت ایک نہایت کس مپرسی کی حالت میں تھا بلکہ اُن پر غبن

کا الزام تھا۔ پھر گورنر بصرہ بُسر بن ارطاۃؓ نے اُس کے بچوں کو گرفتار کر لیا ہوا تھا۔ اگر سیدنا معاویہؓ

کسی سیاسی غرض سے اُس کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے تو اُس سے زیادہ اور اچھا موقع

انہیں کب مل سکتا تھا۔ وہ زیاد سے اُس وقت اپنی ہر سیاسی غرض پوری کر سکتے تھے

کیونکہ وہ خود بھی اس وقت ملزم تھا اور اُس کے بچے بھی گرفتار تھے اور گورنر بصرہ انہیں

قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ نے ایسے نازک موقع پر جب کہ زیاد کو اچھے طریقے سے بلیک میل

(Black Mail) کیا جا سکتا تھا، کوئی سیاسی فائدہ اُس سے حاصل نہیں کیا تو اس

کے بعد انہیں کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لیے اُس کا

غلط نسبی الحاق اپنے ساتھ کرتے۔ بلکہ جہاں تک میری رائے ہے یہ سیدنا معاویہؓ کا دینی

خلوص اور شریعت اسلامیہ سے محبت و اُلفت کا نتیجہ تھا کہ جب ایک ایسے آدمی

کے متعلق جس کے حسب و نسب سے صرف چند لوگ واقف تھے اور جس کے

نسب کے متعلق عام لوگوں کی رائے اچھی نہیں تھی، اُس کا اپنے نسب میں الحاق کر کے

دنیا میں اُس کو عزت والا بنا دیا۔ خدا را خود ہی غور سے سوچئے کہ اس سے سیدنا معاویہؓ

نے کون سی سیاسی اغراض حاصل کیں۔

اگر کوئی سیاسی غرض حاصل کرنا مقصود ہوتا تو کم از کم اُس وقت اس کو اپنا بھائی

بناتے جب ۴۱ھ میں اُن کی حکومت مستحکم ہو رہی تھی۔ حکومت کے مستحکم ہونے کے چار سال بعد یعنی ۴۴ھ میں اُن کا زیاد کو اپنا بھائی بنانے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ جب دس ثقہ اور جید گواہوں نے جن میں ایک اُن کی اپنی بہن سیدہ جویریہؓ بھی تھیں اس بات کی گواہی دی کہ زیاد ابو سفیانؓ کا بیٹا ہے تو انہوں نے باوجود عزت والے خاندان کا چشم و چراغ ہونے کے شریعت کے قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور نہ صرف زیاد کو اپنا بھائی بنایا بلکہ اپنی صاحبزادی کا نکاح بھی زیاد کے بیٹے محمد سے کر دیا۔ وگرنہ کہاں سیدنا معاویہؓ اور کہاں زیاد۔ ایک ذرہ بے مقدار کو آفتاب عالم تاب سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ زیاد کی تو اُس دن سے عزت شروع ہوئی۔ جب آپ نے اس کا نسبی الحاق اپنے آپ سے کیا۔ اور عوام کو پتہ چلا کہ اس کا باپ ابو سفیانؓ جیسا عالی نسب انسان ہے، لیکن سیدنا معاویہؓ تو روزِ اول ہی سے نہایت عزت و وقار والی شخصیت کے حامل تھے بلکہ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے بیان کیا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ جب استلحاق زیاد کے بارہ میں بعض لوگوں نے سیدنا معاویہؓ پر نکتہ چینی کی تو آپ نے اُس کا جواب دیا میرے خیال میں جو لوگ آج اس مسئلہ پر اُن کی مخالفت کر رہے ہیں، اُس جواب سے اُن کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ آپ نے اُن نکتہ چینوں کو فرمایا۔

اما واللہ لقد علمت العرب انی کنت اعزھا فی الجاھلیۃ وان الاسلام لم یزدنی الا عزًا وانی لم اتکثر بزیاد من قلۃ ولم اتعزز بہ من ذلۃ ولکن عرفت حقًا لہٗ فوضعتہ موضعہ۔

”خدا کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب عربوں سے زیادہ عزت والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہٰذا زیاد کا اپنے ساتھ نسبی الحاق کرنے میں میری قلت کثرت میں تبدیل نہیں ہو گئی اور نہ میں کبھی ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے میری وہ ذلت عزت میں بدل گئی ہے۔

بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جب اُس کا حق واضح ہو گیا تو میں نے زیاد کو اُس کے واقعی مقام پر کھڑا کر دیا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۳، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۴۴۲)

گویا سیدنا معاویہؓ حلفیہ طور پر یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب دس ثقہ اور جید گواہوں نے اس بات کی گواہی دے دی کہ زیاد ابوسفیانؓ کا بیٹا ہے اور منذر بن زبیرؓ نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے سیدنا علیؓ سے سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں گواہ ہوں کہ ابوسفیانؓ نے یہ کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے تو وہ شرعی طور پر مجبور ہو گئے کہ زیاد کو اپنا بھائی سمجھیں۔ چنانچہ طبری ہی نے لکھا ہے کہ ابن عامر جس نے اس استلحاق کی سخت مخالفت کی تھی۔ سیدنا معاویہؓ کے دلائل سے اتنا متاثر ہوا کہ سیدنا معاویہؓ سے اپنی اُس مخالفت کی معذرت چاہی اور آپ نے اُسے معاف کر دیا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۳) ایسے ہی دو اور شخص عبدالرحمٰن بن الحکم اور ابن مفرغ جنہوں نے اُس مسئلہ میں سیدنا معاویہؓ کی سخت مخالفت کی تھی یہاں تک کہ آپ کے حق میں ہجویہ اشعار بھی لکھے۔ جب اُن کو دلائل کے ساتھ اصل واقعہ کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کیا اور اپنے ان ہجویہ اشعار کو اشک ندامت سے دھو یا۔

ان لوگوں کے علاوہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا جو شروع میں سیدنا معاویہؓ کے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں اور زیاد کو ابن ابی سفیانؓ نہ ماننے پر تیار تھیں اور نہ لکھنے پر لیکن جب اُن کے سامنے بھی حقیقت حال واضح ہو گئی تو ابن عساکر نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا نے خود اپنے ہاتھوں سے زیاد کے نام ایک خط میں یوں لکھا کہ:۔

من عائشة ام المؤمنین الیٰ زیاد بن ابی سفیان۔

عائشہؓ مومنوں کی ماں کی طرف سے ابوسفیانؓ کے بیٹے زیاد کے نام یہ خط

زیاد کے پاس جب یہ خط پہنچا تو ابن عساکر لکھتے ہیں کہ انہوں نے خوشی و مسرت سے یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سُنایا۔ (تہذیب ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۴۱۱)

یہی وجہ تھی کہ عباسی دور میں بھی زیاد کو زیاد بن ابی سفیانؓ ہی لکھا جاتا رہا۔ چنانچہ بلاذری نے اپنی کتاب میں ابوسفیانؓ کی اولاد کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں زیاد کا نام زیاد بن ابی سفیانؓ ہی لکھا ہے۔ بلاذری تو صرف ایک مؤرخ ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی اُس کی بات

کو حجت تسلیم نہ کرے لیکن امام اہل مدینہ امام مالکؒ بن انسؓ نے اپنی کتاب موطا امام مالکؒ میں بھی زیاد کو "زیاد بن ابی سفیانؓ" لکھا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے اس فعل کو خود اُن کی حقیقی بہن سیدہ ام حبیبہ اُم المؤمنین سلام اللہ علیہا نے خلاف شریعت جانا لہٰذا انہوں نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اُس سے پردہ فرمایا۔

اوّل تو تاریخ کے اوراق بتلاتے ہیں کہ یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے اس وجہ سے کہ سیدہ اُم حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا تھا چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے۔

وفی هٰذه السنة بعد موت اُمّ حبیبة ادعٰی معاویة زیادًا۔

اور اسی سال (۴۴ھ) سیدہ اُم حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔ (الاستیعاب)

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدہ اُم حبیبہ سلام اللہ علیہا استلحاق زیاد کے وقت بقید حیات تھیں اور انہوں نے واقعی زیاد کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کیا تھا تو پھر بھی سیدنا معاویہؓ پہ کوئی اعتراض نہیں آتا۔ اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ سیدہ اُم حبیبہؓ کو یہ واقعہ تحریف کر کے سُنایا گیا ہو اور انہوں نے اس کی مزید تحقیق کرنے کی کوشش کی ہو اور اس دوران اُن کی وفات ہو گئی۔ کیونکہ یہ تو مسلّمہ بات ہے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات ۴۴ھ میں ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۸، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۰، اصابہ ترجمہ اُم المؤمنین اُم حبیبہ وغیرہم) اور اس پر بھی سب تواریخ متفق ہیں کہ استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۴ھ میں ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا قوی یقین ہے کہ وہ اس کی تحقیق کے درپے ہوں گی اسی دوران میں اُن کی وفات ہو گئی ہو گی۔

تیسری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ اُن دس گواہوں میں جن کی گواہی پر سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کیا، ایک سیدہ اُم حبیبہؓ کی بہن حضرت جویریہ بنت ابی سفیانؓ بھی تھیں۔ اُن کی گواہی کیوں قابل قبول نہیں ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ صرف دس آدمیوں نے اس بات پر گواہی کیوں دی، زیادہ نے کیوں نہیں دی؟ تو تاریخ بتاتی ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ نے اس بات کو صرف چند آدمیوں کو بتایا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ:۔

وولد زیادًا ونسبته الی ابی سفیان واقرّ لها به إلّا إنّه کان بخفیۃ۔

اور اُس (سمیّہ) کے ہاں زیاد پیدا ہوا اور اُس نے اُس کو ابوسفیانؓ کی طرف منسوب کیا اور ابوسفیانؓ نے بھی اس نسبت کا اقرار کر لیا مگر پوشیدہ طور پر

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۲)

اور ایک نسب کو ثابت کرنے کے لیے دسؔ گواہوں کی گواہی کافی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے لوگ ہی گواہی دیں۔

اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے بھی العواصم والقواصم ص ۲۳۵، ۲۴۴ پر نہایت عمدہ بحث کی ہے اہل علم اُس کو ملاحظہ فرمائیں۔



(۱۰)

حجر بن عدیؓ کا قتل

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اُن کے زمانے میں ایک زاہد و عابد صحابی حجر بن عدیؓ کو صرف اس گناہ پر قتل کر دیا گیا کہ انھوں نے امیر زیاد کو سیدنا علیؓ پر سب وشتم کرتے ہوئے ٹوکا تھا۔

اگر اس اعتراض کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کو خواہ مخواہ موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے اور اس واقعہ کی اصل حقیقت کو ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات کے پردہ میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور اگر صحیح حقیقت کا انکشاف کیا جائے تو سیدنا معاویہؓ اس الزام سے بری ثابت ہوتے ہیں لہٰذا ہم مستند روایات سے اصل واقعہ کے چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اُن سب اعتراضات کے جوابات بھی آ جائیں گے جن کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

حجر بن عدیؓ سیدنا علیؓ کے ساتھیوں اور شیعوں میں سے تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ پابندِ صوم وصلوٰۃ، زاہد و عابد مرتاض اور شب زندہ دار تھے لیکن اپنی طبیعت کی سادگی کی وجہ سے سبائیوں اور اُن فتنہ پردازوں کے دام فریب میں آ چکے تھے جو قاتلانِ عثمانؓ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصی طور پر عمرو بن الحمق جس نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا تھا وہ آپ کے خاص ساتھیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ ان کے زہد، عبادت اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اُن کو مختلف مواقع پر استعمال کرتے اور ان کی آڑ میں ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے اور خلیفۂ وقت سیدنا معاویہؓ پر سب وشتم اور الزام تراشی کرتے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

قد التفت علی حجر جماعات من شیعة علی یتولون امرہ

ویشدون علی یدہ ویسبون معاویۃ ویتبرؤن منہ ۔

اور شیعان علیؓ کی جماعتیں حجرؓ سے لپٹ گئی تھیں جو ان کے تمام امور کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ وہ جماعتیں سیدنا معاویہؓ کو سب وشتم کرتی تھیں اور اُن سے اپنی برأت کا اظہار کرتی تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۰)

یہ حجرؓ بن عدیؓ شیعان علیؓ میں سے ایک عالی قسم کے انسان تھے اور نفسیاتی طور پر نہایت جذباتی واقع ہوئے تھے۔ زہد و اتقا تو مسلم تھا لیکن جذباتی ہونے کی وجہ سے ذہنی توازن ایسا نہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؓ نے زمام خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کر دی۔ اس وقت بھی انہوں نے سیدنا حسنؓ کی سخت مخالفت کی اور اُن کو ہر ممکن طریقے سے اس نیک کام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کے بعد سیدنا حسنؓ کی سب سے پہلے حجرؓ بن عدیؓ سے ملاقات ہوئی۔

فندمہ علی ما صنع ودعاہ الی رد الحرب۔

انہوں نے سیدنا حسنؓ کو اُن کے اس فعل پر ندامت دلائی اور اُن کو سیدنا معاویہؓ سے دوبارہ جنگ کرنے کی دعوت دی۔

اس کے ساتھ ایک لمبا چوڑا جذباتی وعظ بھی پلایا کہ

اے فرزند رسول! کاش کہ جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ دیکھنے سے پہلے میں موت کی آغوش میں چلا گیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل و انصاف سے نکال کر ظلم و جور کے سپرد کر دیا ہے ہم نے اُس حق کو خیرباد کہہ دیا جس پہ ہم قائم تھے اور جس باطل سے ہم گریزاں تھے اُس میں جا گھسے ہم نے اس ذلت آمیز زندگی کو اپنے ہاتھوں قبول کیا اور اُس پستی کو اختیار کیا جو ہمارے لائق نہ تھی۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۲۰)

سیدنا حسنؓ ایک نہایت متقی انسان تھے اور انہوں نے معاملات کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کر کے ہی یہ اقدام کیا تھا۔ چنانچہ جس جس شخص نے بھی ان کے اس

فعل کی مخالفت کی آپ نے اُس کو ہر ممکن طریق سے سمجھایا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؓ نے بھی جب آپ کی اس بارہ میں مخالفت کی تو آپ نے انھیں بھی فرمایا :-

اسکت فانا اعلم بالامر منك۔

چپ رہ، میں اس بات کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔

(طبری جلد ۶ صـ۹۲، ابن اثیر جلد ۳ صـ۲۰۳)

لیکن جب انہوں نے مخالفت کی تو آپ نے فرمایا :-

"واللہ! جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تو تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی۔ بخدا میں تمہیں اس وقت تک گھر میں بند رکھوں گا جب تک میں اپنے ارادے کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا لوں۔"

(تہذیب التہذیب جلد ۲ صـ۲۹۹، علی وبنوہ لحہ احسین صـ۲۰۳)

سیدنا حسینؓ نے جب اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو فوراً اپنے موقف سے رجوع کر کے عرض کیا۔

انت اکبر ولد علی وانت خلیفته وامرنا لامرك تبع فافعل ما بدالك۔

آپ سیدنا علیؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور اُن کے خلیفہ ہیں۔

ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہٰذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجیئے۔

جس طرح سیدنا حسنؓ نے اپنے بھائی کو سمجھایا اسی طرح آپ نے حجر بن عدیؒ کے جواب میں بھی اپنے موقف کے صحیح ہونے کے دلائل بیان فرمائے۔ اور اُمت مسلمہ کی مصلحت سے اُن کو آگاہ کیا۔ لیکن حجر بن عدیؒ دلائل سے زیادہ جذبات سے کام لے رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا حسنؓ کے دلائل کو کوئی وقعت نہ دی۔ اور سیدنا حسینؓ کو اپنے جذبات سے متأثر کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ فوراً اُن کے پاس پہنچے اور اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا :-

"اے ابو عبداللہ! (سیدنا حسینؓ کی کنیت) آپ نے عزت کے عوض ذلت خریدی اور کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کیا۔ خدارا آج ہماری بات مان لیں خواہ پھر زندگی بھر نہ ماننا۔ سیدنا حسنؓ کو ان کی صلح پر چھوڑ دیں اور کوفہ اور دوسرے بلاد و امصار کے شیعوں کو اپنے پاس اکٹھے کریں اور یہ مقدمہ میرے اور میرے دوست کے سپرد کر دیں۔ ہند کے بیٹے (سیدنا معاویہؓ) کو اس وقت ہمارا پتہ چلے گا جب ہم تلواروں سے اس کے خلاف برسرِ پیکار ہوں گے۔

(اخبار الطوال صـ۲۲۰)

سیدنا حسینؓ چونکہ اپنے موقف سے رجوع کر چکے تھے اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ سیدنا حسنؓ کا موقف صحیح ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اسلام اور امت مسلمہ دونوں کے لیے فائدہ مند ہے لہٰذا انہوں نے حجر بن عدیؓ سے فرمایا:

انا قد بایعنا وعاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔

ہم نے بیعت کر لی ہے اور ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے لہٰذا بیعت کو توڑنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ (ایضاً)

یہ واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حجر بن عدیؓ شروع ہی سے سیدنا معاویہؓ اور اُن کی حکومت کے از حد مخالف تھے اور یہ مخالفت محض جذباتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو شیعانِ علیؓ میں سے شمار کرتے تھے اور سیدنا علیؓ سے اس نسبت اور تعلق کی بنا پر ہر حالت میں یہ ضروری سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہؓ کی حکومت کو الٹا جائے۔ چنانچہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے اُن کو کوفہ کے شیعانِ علیؓ بلکہ قاتلانِ عثمانؓ کی اعانت میسر ہو گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیدنا معاویہؓ جلد ا صـ۳۲۱، ۳۳۱)

کوفہ چونکہ سیدنا علیؓ کا دارالخلافہ رہ چکا تھا لہٰذا یہاں اُن کے شیعوں اور ساتھیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جو لوگ واقعی سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے انہوں نے اس وقت جب سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی اور خلافت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دے دی، سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اسلام اور

ملّت اسلامیہ کی خدمت اُسی طرح سرانجام دینا شروع کر دی جس طرح وہ اس سے قبل سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن کوفہ میں اچھی خاصی تعداد اُن لوگوں کی بھی تھی جن کا تعلق قاتلانِ عثمانؓ سے تھا اور جن میں عمرو بن الحمق اور رفاعہ بن شداد جیسے لوگ بھی شامل تھے جن میں سے اول الذکر نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کرتے وقت نیزے کے نوچرکے لگائے تھے۔

۴۱ھ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ اپنے خطبوں میں سیدنا عثمانؓ کے لیے دعائے رحمت کرتے اور قاتلانِ عثمانؓ پر جنہوں نے انہیں نہایت مظلومی کی حالت میں مدینۃ الرسولؐ میں شہید کیا تھا، لعنت کرتے۔ اس کے جواب میں حجر بن عدیؓ کہتے۔

بل ایاکم فذمم اللہ ولعن۔

قاتلانِ عثمانؓ پر نہیں بلکہ تم پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۸)

ایک دو دفعہ نہیں بلکہ حجر بن عدیؓ اور اُن کے ساتھیوں کا معمول ہی ہو چکا تھا۔

انھم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیہ مقالۃ الجور وینتقدون علی الامراء یسارعون فی الانکار علیھم ویبالغون فی ذٰلک ویتولون شیعۃ علیؓ ویتشددون فی الدین۔

یہ سیدنا عثمانؓ کی مذمت اور بدگوئی کرتے تھے اور اُن کے بارہ میں ظالمانہ باتوں کا اظہار کرتے تھے اور امراء پر نکتہ چینی اور تنقید کے نشتر چلاتے اور اُن کی ہر بات کی تردید کے درپے رہتے تھے اور اس معاملہ میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتے۔ شیعانِ علیؓ کی حمایت کرتے اور دین میں نہایت تشدد کرتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۰)

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی گورنری کے بالکل آخری ایام میں ایک روز ایسا ہوا کہ انہوں نے دورانِ خطبہ یہ فرمایا:۔

اللّٰھم ارحم عثمان بن عفان وتجاوز عنہ واجزہ باحسن عملہ فانہ عمل بکتابک واتبع سنۃ نبیک صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلّم وجمع کلمتنا وحقن دمائنا وقتل مظلومًا
اللّٰھم فارحم انصارہٗ واولیاءہٗ ومحبیہ والطالبین
بدمہٖ۔

اے اللہ! عثمانؓ بن عفان پر اپنی رحمت نازل فرما، ان سے درگزر فرما اُنھیں ان کے حسن عمل پہ جزائے خیر عطا فرما، کیونکہ اُنھوں نے تیری کتاب پر عمل کیا اور تیرے نبی کی سنت کی اتباع کی۔ انھوں نے تیرے مشن کو جمع رکھا اور ہمیں خونریزی سے بچایا اور مظلومی کی حالت میں قتل ہوئے۔ اے اللہ! پس تو اُن کے مددگاروں، ساتھیوں اور ان سے محبت کرنے والوں اور اُن کے خُون کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں پر رحم فرما۔

(طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۸)

یہ سُننا تھا کہ حجر بن عدیؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس زور سے چیخے کہ :-

سمعها کل من کان فی المسجد وخارجًا منه۔

اُن سب لوگوں نے سُنا جو مسجد کے اندر تھے اور مسجد کے باہر تھے۔

اور کہا :-

اے مغیرہؓ! تجھے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے یہ پتہ نہیں کہ تو کس سے اپنی محبّت کا اظہار کر رہا ہے تو ہماری تنخواہوں اور عطیات کے دینے کا حکم جاری کر کیونکہ وہ تو نے ہم سے روک رکھی ہیں حالانکہ تجھے اس کا کوئی حق نہیں اور تجھ سے پہلے جتنے گورنر آئے انھوں نے کبھی ایسی طمع نہیں کی تھی۔ تمہاری بڑی خواہش ہے کہ تم امیر المؤمنین (سیدنا علیؓ) کی مذمت کرو اور مجرموں (سیدنا عثمانؓ) کی تعریف اور مدح کرو۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

حجر بن عدیؓ نے جونہی یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کئے اُس میں سے دو تہائی سے زیادہ لوگ حجر کی حمایت میں کھڑے ہوگئے اور انھوں نے حجر کے ساتھ مل کر سیدنا مغیرہؓ کے خلاف بہت باتیں کیں۔ سیدنا مغیرہؓ جذبات کی رو میں بہنے والے انسان نہیں تھے، بلکہ

نہایت صاحب بصیرت، جہاں دیدہ اور زمانے کے گرم و سرد چشیدہ انسان تھے۔
انہوں نے عفوو درگزر سے کام لیا اور حجر کے اس فعل کا کوئی نوٹس نہ لیا اصحاب مشورہ
نے سمجھایا اور کہا:-

علی ماتترك هذا الرجل یقول هذه المقالة ویجتری
علیك فی سلطانك هذه الجرأة۔

آپ ایسے شخص کو کیوں چھوڑتے ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتا ہے اور آپ پہ
اور آپ کی حکومت پر اس طرح کے الزامات لگانے کی جرأت کرتا ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۰، طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

لیکن سیدنا مغیرہؓ نے اُن کے مشورے کو رد کرتے ہوئے عفوو درگزر ہی سے کام لیا
بلکہ الٹا پانچ ہزار روپیہ دے کر حجر کو راضی کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ـــــ)

۵۱ھ میں سیدنا مغیرہؓ کا انتقال ہو گیا اُن کی وفات کے بعد کوفہ بھی امیر زیاد کی گورنری
میں آ گیا۔ زیاد نے آتے ہی دیکھا کہ سبائیوں (جو اس وقت اپنے کو شیعانِ علیؓ کہتے تھے) کی
ٹولیوں کی ٹولیاں حجر بن عدیؒ کے پاس آتی ہیں جو سیدنا معاویہؓ سے بیزاری کا اظہار کرتی ہیں
اور اُن کو سب و شتم کرتی ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۰) چنانچہ جب کوفہ آتے ہی
امیر زیاد نے اپنا پہلا خطبہ دیا تو حجر بن عدیؒ نے حسب معمول اُٹھ کر وہی کچھ کرنا شروع کر دیا
جو وہ سیدنا مغیرہؓ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ مگر امیر زیاد نے کوئی تعرض نہ کیا۔ زیاد جب
بصرہ جانے لگے تو انہوں نے حجر کو اپنے ساتھ بصرہ لے جانا چاہا لیکن وہ بیماری کا بہانہ بنا کر کوفہ
ہی میں رہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۱)

بعض روایات میں آتا ہے کہ حجر نے جب زیاد کے خطبہ میں گڑبڑ پیدا کی اور سیدنا
معاویہؓ کی شان میں گستاخی کی تو زیاد نے خیر خواہی کی خاطر حجر بن عدیؒ کو تنہائی میں بلایا اور کہا:-

املك علیك لسانك ویسعك منزلك وهذا سریری
فهو مجلسك وحوائجك مقضیة لدی فاکفنی نفسك
فانی اعرف عجلتك فانشدك الله یا ابا عبدالرحمٰن

فی نفسك وایاك وھٰذہ السفلۃ وھٰؤلاء السفھاء ان یستزلوك عن رأیك فانك لو ھنت علیّ او استخففت بحقك لم اخصك بھٰذہ من نفسی ۔

اپنی زبان پر کنٹرول فرمائیے اور اپنے گھر کی تنہائی کو اپنے لیے کافی سمجھئے آپ کی نشست کے لیے میرا تخت حاضر ہے ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی ضروریات پوری کروں گا ۔ لہٰذا آپ اپنے بارے میں مجھے مطمئن فرما دیجئے، اس لیے کہ آپ کی طبیعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی سے میں بخوبی آشنا ہوں ۔ اے ابوعبدالرحمٰن! میں آپ کو حق تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ خدارا آپ ان ذلیل، کمینہ فطرت اور بے وقوف لوگوں سے اپنے آپ کو محفوظ فرمائیے یہ لوگ، کہیں ایسا نہ ہو، کہ آپ کو آپ کی رائے اور فکر سے پھسلا دیں ۔ لہٰذا اگر آپ کی قدر و قیمت میری نگاہ میں کم ہوئی یا میں نے آپ کے حقوق میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی کی تو یہ آپ کی طرف سے ہوگی میری طرف سے ہرگز ہرگز نہ ہوگی ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۸ ۔)

حجر بن عدیؓ نے امیر زیاد کی یہ نصیحت آمیز باتیں سُن کر کہا "میں سمجھ گیا" اور اپنے گھر تشریف لے آئے ۔ لیکن یہاں جب سبائی آکر اُن سے ملے تو انہوں نے اپنی کمال سادگی کی وجہ سے وہ ساری باتیں اُن سے کہہ دیں جو امیر زیاد نے اُن سے کی تھیں ۔ سبائیوں نے اُن کی یہ ساری باتیں سُن کر کہا ۔

"حضرت! اُس نے آپ کی خیر خواہی کی باتیں نہیں کیں ۔"

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱ ۔)

امیر زیاد جب کوفہ سے جانے لگے تو انہوں نے کوفہ میں سیدنا عمرو بن حریثؓ کو قائم مقام گورنر مقرر کیا ۔ سیدنا عمرو بن حریثؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے ۔ انھوں نے جب قاتلانِ عثمانؓ اور سبائیوں کی حجر بن عدی کے پاس اس اکثریت سے آمد و رفت دیکھی تو ایک قاصد کے ذریعہ حجر بن عدی کو یہ کہلا بھیجا :-

"اے ابو عبدالرحمٰن! آپ تو امیر زیاد سے اپنے متعلق یہ عہد کر چکے ہیں پھر یہ (فتنہ پرداز) جماعت آپ کے پیچھے سایہ کی طرح کیوں لگی رہتی ہے"

لیکن حجرؓ نے غیر تسلی بخش جواب دیا۔ اس پر سیدنا عمرو بن حریثؓ نے امیر زیاد کو بصرہ میں ان سب حالات کی اطلاع دے دی اور کہلا بھیجا کہ حجرؓ کی کارروائیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں لہٰذا اگر کوفہ کو بچانا چاہتے ہو تو جلدی کوفہ واپس آجاؤ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۱۸، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۳)

ایک روز ایسا بھی ہوا کہ سیدنا عمرو بن الحریثؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے تو حجرؓ نے خطبہ کے دوران اُن کو کنکریاں ماریں۔ امیر زیاد کو اس کی اطلاع بھی بصرہ میں مل گئی۔ چنانچہ طبری کا بیان ہے:۔

فبلغہ ان حجرًا تجتمع الیہ شیعۃ علی ویظھرون لعن معاویۃ والبرأۃ منہ وانھم حصبوا عمرو بن حریث۔

ان کو خبر پہنچی کہ حجرؓ کے گرد شیعان علیؓ جمع ہو رہے ہیں جو معاویہؓ پر لعن طعن کرتے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے عمرو بن حریث پر سنگ باری کی ہے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۱، ابن اثیر، جلد ۳ صفحہ ۲۳، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷)

زیاد کوفہ کے متعلق یہ سب خبریں سُن کر فوراً واپس کوفہ پہنچے آتے ہی انہوں نے مشہور صحابی سیدنا عدی بن حاتمؓ، سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ، سیدنا خالد بن عرفطہ الازدی اور دوسرے شرفائے کوفہ کو بلایا اور اُن سے کہا کہ حجر کی یہ کارروائیاں ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے مترادف ہیں لہٰذا آپ انہیں سمجھائیں کہ وہ ان فتنہ پردازوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ یہ سب حضرات خیر خواہی اور نیک جذبہ کے تحت حجرؓ کے پاس گئے اور اُن کو سمجھایا لیکن حجرؓ نے اُن کی سب باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی یہاں تک کہ اُن کا ایک اونٹ ایک کونہ میں کھڑا تھا اُس کی طرف اشارہ کر کے اپنے خادم سے کہا "لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ" سیدنا عدی بن حاتمؓ نے یہ سُن کر ذرا جلالی انداز میں فرمایا۔

أمجنون انت، لكلمك وانت تقول، أعلفت البكر۔

"کیا تم پاگل ہو، میں تم سے مخاطب ہو کر بات کر رہا ہوں اور تم رہبے تو بھی سے) کہتے ہو کہ لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ"

اس کے بعد سیدنا عدی بن حاتمؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

ماکنت اظن هٰذا البائس بلغ به الضعف کل ما أری۔

مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ ضعف کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔

اپنے اس مشن میں ناکام ہو کر یہ سب حضرات واپس امیر زیاد کے پاس آگئے اور حجر بن عدی کی کچھ باتیں امیر زیاد کو بتا دیں لیکن کچھ مصلحت کے تقاضے کے تحت پوشیدہ رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ حجر سے درگزر ہی کی جائے اور اس کے ساتھ سختی کی بجائے نرمی کا معاملہ کیا جائے۔

امیر زیاد کو حجر کی باتیں سن کر بہت غصّہ آیا۔

(البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صـ۵۳، طبقات ابن سعد جلد ۸ صـ۲۱۹)

اس کے بعد زیاد نے ایک خطبۂ جمعہ دیا۔ مسجد میں حجر اور اُس کے ساتھی موجود تھے۔ امیر زیاد نے اس میں ظلم وبغاوت کے انجام سے متنبہ کیا اور کہا کہ "ان لوگوں نے مجھے اپنے حق میں بے ضرر پایا تو جری ہو گئے۔ اگر یہ سیدھے نہ ہوئے تو اُن کا علاج اسی دوا سے کروں گا جو ان کے لائق ہے نیز کہا:۔

مَا انا بشيء ان لم امنع باحة الكوفة من حجر وادعه نكالا لمن بعده۔

اگر میں کوفہ کی سرزمین کو حجر سے پاک نہ کر دوں اور اس کو آنے والوں کے لیے عبرت کا سامان نہ بنا دوں تو پھر میں بھی کوئی شے نہیں ہوں۔

(طبری جلد ۴ صـ۱۹۰، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صـ۵۱، ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۸۷)

اس کے بعد امیر زیاد نے کہا کہ "امیر المؤمنین (سیدنا معاویہؓ) کا یہ حق ہے" اس پر حجر نے

فاخذ حجر كفا حصباء فحصبه وقال كذبت عليك لعنة الله۔

مٹھی بھر کر کنکریاں زیاد کو ماریں اور کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم پر اللہ کی لعنت ہو۔

زیاد نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خطبہ ختم کر کے منبر سے اُترے نماز پڑھائی اور گورنر ہاؤس چلے گئے اور حجر کو وہاں طلب کیا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۱)

حسین بن عبداللہ الہمدانی اُسے بلانے گئے تو حجر کے ساتھیوں نے کہا:۔

لا یاتیہ ولا کرامۃ۔

یہ اُن کے پاس نہیں جائیں گے اور نہ ہی ہمارے نزدیک اُن کی کوئی عزت و تکریم ہے۔

"انھوں نے واپس آکر سپرنٹنڈنٹ پولیس شداد بن الہیثم الہلالی کو اطلاع دی تو انھوں نے ایک جماعت ساتھ کر دی۔ یہ سب حجر کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ امیر کے پاس چلئے تو انھوں نے

فسبونا وشتمونا۔

انھوں نے ہمیں گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔

انھوں نے واپس آکر امیر زیاد کو خبر دی تو انھوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس شداد بن الہیثم کو حجر کے لانے کے لیے بھیجا اور قبائلی سردار بھی بطور امداد ان کے ساتھ کر دیئے۔

(طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۱)

کوتوال شہر شداد بن الہیثم نے حجر بن عدی کو امیر کے پاس چلنے کے لیے کہا۔ حجر اکیلے نہیں تھے بلکہ اُن کے ساتھ حامیوں کی ایک اچھی خاصی جماعت تھی۔ انھوں نے جواب دیا۔

لا ولا نعمۃ عین لا نجیبہ۔

ہم پلک جھپکنے تک بھی امیر کا حکم نہیں مانیں گے۔

اس پر فریقین میں لڑائی ہوئی جس میں پتھروں اور لاٹھیوں کا آزادانہ استعمال ہوا۔

ابن کثیر رح لکھتے ہیں:۔

فکان بینہم قتال بالحجارۃ والعصی فعجزوا عنہ۔

ان کے درمیان پتھروں اور لاٹھیوں سے لڑائی اور سرکاری فوج حجر کے مقابلہ

میں عاجز اور ناکام رہی (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱، طبری جلد ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲
طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۹)

اس لڑائی میں حجر کا ایک ساتھی عمرو بن الحمق فرار ہو گیا۔ حجر کے ایک ساتھی ابوالعمرطہ نے سرکاری فوج کے ایک فرد یزید بن طریف کے سر پر تلوار سے حملہ کیا گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ طبری کے الفاظ ہیں کہ:۔

کان ذٰلک السیف اول سیف ضرب بہ فی الکوفۃ فی اختلاف بین الناس۔

یہ پہلی تلوار تھی جو کوفہ میں اختلاف کے وقت چلی۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۹۲)

آخر حجر فرار ہو کر روپوش ہو گئے۔ زیاد نے محمد بن الاشعث کو ایک لشکر دے کر ان کی تلاش میں بھیجا جو برابر اُن کی تلاش کرتے رہے۔ آخر کار حجر نے خود ہی اپنے آپ کو اس شرط پر گرفتاری کے لیے پیش کر دیا کہ:۔

"مجھے امان دی جائے اور معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔"

امیر زیاد نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ حجر جب زیاد کے سامنے پیش ہوئے تو زیاد نے انہیں قید میں ڈال دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"اگر مجھے امانت کا خیال نہ ہوتا تو یہ شخص کبھی بھی اپنی جان بچا کر نہ جا سکتا۔"

زیاد نے حجر کو دس روز قید میں رکھا۔ حجر کے ساتھی جو ان سبائیوں کے سرغنہ تھے وہ تو بھاگ گئے تھے لہٰذا اب زیاد نے حجر کے ساتھیوں کی تلاش شروع کی۔ عمرو بن الحمق اور رفاعہ بن شداد موصل بھاگ گئے۔ عمرو بن الحمق کو گرفتار کر کے موصل کے حاکم کے پاس پیش کیا گیا۔ انہوں نے سیدنا معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ سیدنا معاویہؓ نے جواب میں لکھا کہ:۔

"اس نے سیدنا عثمانؓ کو نیزے کے نو چرکے دیئے تھے ہم اس پر کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتے۔ اسے بھی نیزے کے نو چرکے لگائیں جائیں۔"

چنانچہ اُسے نیزے کے نو چرکے لگائے گئے۔ وہ پہلے یا دوسرے چرکے ہی سے راہی ملک عدم ہو گیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۹۷)

امیر زیاد نے معاویہؓ کو کوفہ کے ان سب حالات سے مطلع کر دیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے لکھا تھا کہ حجر بن عدی اور دُوسرے سبائی سرغنوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ امیر زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے بارہ ساتھیوں کا کیس تیار کیا اور اس پر مکمل شہادتیں قلم بند کر کے بھیجیں۔

حجر بن عدی اور اُن کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بعد کوفہ کے چاروں رئیسوں سیدنا عمرو بن الحریثؓ[۱]، سیدنا خالد بن عرفطہؓ، سیدنا قیس بن ولیدؓ اور سیدنا ابوبردہؓ[۳] بن ابی موسیٰ الاشعری کو بلایا اور انہیں کہا۔

اشهدوا على حجر بما رأيتم منه۔

تم نے حجر کے متعلق جو کچھ دیکھا ہے اُس کی شہادت دو۔

---

[۱] سیدنا عمرو بن الحریثؓ کبار صحابہ میں سے تھے۔ علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپ سے سماعت بھی فرمائی ہے وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمروؓ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ (الاستیعاب ... ، حافظ ابن حجرؒ نے بھی ان کے کبار صحابہ میں ہونے کو لکھا ہے تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ...) [۲] ابن حجرؒ نے ان کو صحابی لکھا ہے تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ...، اصابہ جلد ۱ صفحہ ۴۰۹) صحابی ہونا ہی ایک ایسی فضیلت ہے جو ہر فضیلت پر حاوی ہے۔ [۳] مشہور صحابی سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کے صاحبزادے تھے۔ نام عامر یا حارث اور کنیت ابو بردہؓ تھی (تہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۱۸) ان کے والد سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ چونکہ خود ایک بلند پایہ صحابی اور صاحب علم و فضل تھے لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے تحصیل علم کے لیے انہیں سیدنا عبداللہ بن سلام جو کہ ایک بلند پایہ عالم تھے، کے پاس بھیجا۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں اُن کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا۔ بھتیجے! تم لوگ ایک تجارتی مقام پر رہتے ہو اس لیے اس بات کا خیال رکھنا کہ جب کسی پر تمہارا کوئی مال ہو تو وہ اگر تم کو گھاس کا ایک گٹھا بھی دے تو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا کیونکہ وہ ربا (سود) ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۸۷) سیدنا عبداللہ بن سلام کی تعلیم و تربیت اور دوسرے

ان چاروں رئیسوں نے بالاتفاق درج ذیل شہادت قلمبند کروائی :۔

"حجر نے اپنے گرد بہت سی جماعتیں جمع کر لی ہیں اور خلیفہ رسیدنا معاویہؓ) کو کھلم کھلا گالیاں دیتا ہے اور امیرالمؤمنین کے خلاف جنگ کرنے پر لوگوں کو اُکساتا ہے اُس کا خیال ہے کہ خلافت کا سوائے آل ابی طالب کے اور کوئی مستحق نہیں ہے اس کے ساتھی اس کے اصحاب کے سرغنہ ہیں اُن کی رائے اور عمل بھی حجر ہی کے طرح ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرات کے فیض صحبت سے وہ مقام حاصل کیا کہ علامہ ذہبیؒ کو ان کے بارہ میں یہ لکھنا پڑا :۔

ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الفقیہ الائمۃ الاثبات۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۸۷)

اور ابن سعدؒ نے انہیں "ثقہ کثیر الحدیث" کے القاب سے نوازا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۱۸، تہذیب الاسماء جلد ا ق ۲ ص۱۷۹)

دامن علمی کی اسی وسعت کی وجہ سے قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسند قضا پر متمکن ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۱۸، شذرات الذہب جلد ا ص۱۲۶) ان کے بعد ان کے صاحبزادے اس مسند پر ان کے جانشین بنے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۱۸۷)

اپنے والد ابو موسیٰ اشعریؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا حذیفہ بن یمانؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عروہ بن زبیرؓ، سیدنا مغیرہؓ اور دوسرے کئی جلیل القدر حضرات سے احادیث روایات کیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۱۸)

اخلاق وعمل میں یگانہ روزگار تھے، یزید بن مہلب جس وقت خراسان کا گورنر تھا، اُس نے آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کو مملکت کا عہدہ پیش کیا، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۸۳)

۱۰۴ھ میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ (ابن سعد جلد ۵ ص۱۸۷)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ نے لکھا۔

ان حجر بن عدی خلع الطاعۃ وفارق الجماعۃ ولعن الخلیفۃ ودعا الی الحرب والفتنۃ وجمع الیہ الجموع یدعوھم الی نکث البیعۃ وخلع امیر المؤمنین معاویۃ۔

حجر بن عدی باغی ہو گیا ہے اور جماعت سے مفارقت اختیار کر لی ہے، خلیفہ پر لعنت کرتا ہے، لوگوں کو جنگ اور فتنہ کی دعوت دیتا ہے اور اس کے گرد مختلف قسم کے جتھے جمع ہو گئے ہیں جن کو وہ بیعت توڑنے کی دعوت دیتا ہے اور امیر المؤمنین معاویہؓ کو چھوڑ دینے کی تحریک کرتا ہے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۰)

ان چاروں کے علاوہ وائل بن حجرؓ[1]، کثیر بن شہابؓ، عامر بن مسعودؓ، محرز بن حارثہؓ

---

[1] وائل بن حجرؓ حضر موت کے رئیس تھے اور ان کے والد حضر موت کے سلاطین تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۹)

فتح مکہ کے بعد جب اسلام قبول کرنے کے لیے مختلف اطراف و اکناف سے لوگ وفود کی شکل میں مدینہ طیبہ آنے شروع ہوئے تو آپ بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ وارد مدینہ ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آنے سے قبل صحابہؓ کو ان کی آمد کی خوشخبری سنائی کہ وائل بن حجرؓ جو سلاطین حضر موت کی اولاد میں سے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مطیع و فرمانبردار بن کر اور دُور دراز کی مسافت طے کر کے آرہے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو۔

رحب بہ وادناہ من نفسہ وقرب مجلسہ وبسط لہ رداءہ فاجلسہ علیہ مع نفسہ۔

آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے قریب کیا اور قریب بلا کر اپنی چادر بچھائی۔ اور انہیں اپنے ساتھ اُس پر بٹھایا۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

ابن حجر عسقلانیؒ نے ابو نعیم الاصبہانی کے حوالے سے نقل کیا کہ:۔

عبیداللہ بن مسلم الحضرمی وغیرہ اصحاب رسولؐ نے بھی حجر بن عدی کے خلاف شہادت دی۔ ان کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے صاحبزادوں اور جلیل القدر تابعین نے بھی اسی قسم کی شہادت دی جن میں حضرت طلحہؓ کے تینوں صاحبزادے، موسیٰ بن طلحہؓ، اسحاق بن طلحہؓ اور اسماعیل بن طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت منذرؓ اور سیدنا ولید بن عقبہؓ کے بھائی سیدنا عمارہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واصعدہ معہ علی المنبر۔

آپ نے اُن کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹)

پھر آپ نے اُن کے لیے اور اُن کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

قبول اسلام کے بعد جب وائلؓ واپس جانے لگے تو آپ نے انہیں حضرموت میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی اور اُن کے لیے ایک خط مہاجر بن امیہ اور دوسرا حضرموت کے سرداروں اور رئیسوں کے نام لکھ دیا۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ واپس جا رہے تھے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو کچھ دُور تک مشایعت کے لیے ساتھ بھیجا۔ وائل سوار تھے اور سیدنا معاویہؓ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا، اور ریت کی شدید تپش کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کے پاؤں جھلسے جا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی۔ یہ چونکہ ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے اور دماغ میں رئیسیت کی رعونت کے کچھ اثرات باقی تھے لہٰذا سیدنا معاویہؓ سے فرمایا۔

خاموش! تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

لیکن ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ ان کی سواری کے ساتھ چل رہے تھے تو سیدنا وائل نے خود پیش کش کی کہ آپ میرے پیچھے بیٹھ جائیے لیکن سیدنا معاویہؓ نے کہا۔

لست من اراد ف الملوک۔

میں بادشاہوں کے پیچھے بیٹھنے والا نہیں ہوں۔

رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ گواہوں پر شہادتیں حاصل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ امیر زیاد نے مختار بن ابی عبید اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضؓ کے صاحبزادے عروہؒ کو بھی گواہی دینے کے لیے بلایا لیکن انہوں نے بعض وجوہات کی بناء پر گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کا نام گواہوں کی فہرست میں نہ لکھا گیا۔ اور نہ ہی اُن پر کسی قسم کی کوئی سختی کی گئی۔ (طبری جلد ۴ صـــ ۲۰۱)

کل ستر حضرات نے شہادت دی جو خاندانی نجابت اور دینی شرافت کے لحاظ سے کوفہ میں مشہور و معروف تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ زیاد نے شہادت دینے کے لیے یہ خاص شرط لگائی تھی کہ صرف انہی کی شہادت لی جائے جو دینی شرافت اور خاندانی نجابت کے اعتبار سے معروف ہوں۔ (طبری جلد ۴ صـــ ۲۰۱)

ان سب شہادتوں کے ساتھ امیر زیاد نے بحیثیت گورنر کوفہ و بصرہ درج ذیل رپورٹ امیر المومنین سیدنا معاویہ رضؓ کو پیش کی:

اما بعد! فان الله قد احسن عند امیر المومنین البلاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سیدنا معاویہ رضؓ کے عہدِ خلافت میں آپ ان کے پاس گئے۔ سیدنا معاویہ رضؓ نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور نہایت عزت و تکریم کی اور اپنا وہ واقعہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔
کیا اچھا ہوتا کہ میں اس دن انہیں اپنے آگے بٹھاتا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صـــ ۱۰۹)

واپسی پر سیدنا معاویہ رضؓ نے کچھ نقدی دینی چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ سیدنا معاویہ رضؓ نے جاگیر پیش کی اُس کو قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں کسی اور حاجت مند کو دے دیا۔

(الاستیعاب جلد ۲ صـــ ۶۲۵)

سیدنا معاویہ رضؓ ابن ابی سفیان رضؓ کے عہدِ خلافت ہی میں وفات پائی۔
(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صـــ ۱۰۹؛ اصابہ جلد ۶ صـــ ۳۱۲)

فکادلہٗ عدوہٗ وکفاہ مؤنۃ من بغی علیہ ان طواغیت من
ھٰذہ الترابیۃ السبائیۃ رأسھم حجر بن عدی خالفوا
امیرالمؤمنین وفارقوا جماعۃ المسلمین ونصبوالنا
الحرب فاظھرنا اللہ علیھم وامکننا منھم وقد دعوت
خیار اھل المصر واشرافھم وذوی السن والدین منھم
فشھدوا علیھم بما رأو وعملوا وقد بعثت بھم الیٰ
امیرالمؤمنین وکتبت شھادۃ صلحاء اھل المصر و
خیارھم فی اسفل کتابی ھٰذا۔

بے شک امیرالمؤمنین کے دشمنوں نے جو فتنہ اُن کے خلاف اٹھایا حق تعالیٰ نے اس سے انہیں محفوظ فرمالیا اور جن لوگوں نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اللہ ان سے امن کے لیے کافی ہے۔ بے شک اس ذلیل سبائی پارٹی کے اشرار نے جن کا سرغنہ حجر بن عدی ہے امیرالمؤمنین کی مخالفت کی ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ و تشتت پیدا کیا ہے اور ہمارے خلاف جنگ و جدل کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا فرمایا اور اُن کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دیئے۔ میں نے کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں اور عمر رسیدہ اور دین دار حضرات کو دعوت دی انہوں نے جو کچھ دیکھا اُس کے مطابق اپنی شہادتیں قلمبند کروائی ہیں۔ میں ان کو امیرالمؤمنین کے پاس بھیج رہا ہوں اور کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں نے جو شہادتیں دی ہیں وہ میں اپنے اس خط کے نیچے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۲)

امیر زیاد نے اپنی یہ رپورٹ بمعہ ستر شہادتوں اور حجر بن عدی اور اُن کے ۱۲ ساتھیوں سمیت دو جلیل القدر صحابۂ رسول ؐ سیدنا وائل بن حجر رضؓ اور سیدنا کثیر بن شہاب رضؓ کے ہاتھ سیدنا امیرالمؤمنین معاویہ رضؓ کی خدمت میں دمشق بھیجدی۔

سیدنا معاویہ رضؓ نے اس ساری رپورٹ کو ان سب شہادتوں سمیت بغور ملاحظہ فرمایا۔

ان لوگوں کی خلاف ملک وملت کارروائیوں سے وہ پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ اب اس خط کے ساتھ جلیل القدر صحابہؓ، تابعینؒ اور صلحائے اُمت کی شہادتوں نے تمام قضیہ کو امیر المؤمنین کو واضح کر دیا۔ لیکن اپنے فطری حلم کی وجہ سے امیر المؤمنین نے امیر زیاد گورنر کوفہ کو حسب ذیل خط لکھا۔

اما بعد! فقد فهمت ما اقتصصت به من امر حجر و اصحابه وشهادة من قبلك عليهم فنظرت فى ذٰلك فاحيانا ارى قتلهم افضل من تركهم واحيانا ارى العفو عنهم افضل من قتلهم۔ والسلام!

حجر اور اُن کے ساتھیوں کے بارہ میں جو کچھ واقعات تم نے لکھے ہیں اُن کو میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ تم نے جو شہادتیں بھیجی ہیں اُن سے بھی میں آشنا ہو گیا ہوں۔ میں اس معاملہ پر غور و خوض کر رہا ہوں کبھی سوچتا ہوں کہ ان کا قتل ان کے چھوڑنے سے افضل ہے اور کبھی سوچتا ہوں کہ عفو و درگزر کرنا قتل کی نسبت افضل ہے۔ والسلام

امیر زیاد نے سیدنا معاویہؓ کے خط کا درج ذیل جواب دیا۔

"جو لوگ حجر اور اُن کے ساتھیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اُن کی شہادتوں کے بعد مجھے انتہائی تعجب ہے کہ اُن کے بارہ میں آپ کی دو رائیں ہیں۔

فان كانت لك حاجة فى هذا المصر فلا تردن حجرا واصحابه الىّ۔

اگر آپ کو اس شہر (کوفہ) کی ضرورت ہے تو حجر اور اُس کے ساتھیوں کو میری طرف واپس نہ بھیجیے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۳)

اس پر سیدنا معاویہؓ نے حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل کا حکم صادر فرما دیا۔ یہ لوگ رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ صبح کو جب سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں اور اصحاب نے اُن سے پوچھا کہ تم رات لمبی نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے ہو۔

فاخبرونا ما قولكم فى عثمان قالوا هو اول من جار فى الحكم

وعمل بغیر الحق۔

ہمیں بتاؤ کہ عثمانؓ کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے حکومت میں ظلم وجور کیا اور حق کے خلاف عمل کیا۔

(طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۵)

سیدنا معاویہؓ کے اصحاب اُن کا یہ جواب سُن کر کہنے لگے۔

"پھر تو امیر المؤمنین معاویہؓ تمہیں بخوبی جانتے ہیں"

جب امیر زیاد نے حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کو پابجولاں سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق روانہ کیا، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے عبدالرحمٰن بن الحارث کو سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حجر کو رہا کر دیں۔ ادھر سیدنا معاویہؓ نے معاملہ کی نوعیت اور شہادتوں کے مطالعہ کے بعد حکم صادر فرمایا کہ ان کو "عذراء" مضافات دمشق لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ جب سیدنا معاویہؓ کے پاس ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا حجر کی رہائی کے بارہ میں پیغام پہنچا تو انہوں نے فوراً ایک قاصد کو اُن کی رہائی کا حکم دے کر بھیجا لیکن اس قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر اور اُس کے چھ ساتھی قتل کئے جا چکے تھے تاہم باقیوں کو رہا کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۱۹، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۵۴)

طبری نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر سیدنا معاویہؓ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی ملاقات ہوئی۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:۔

"معاویہؓ! تم حجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کرنے کے بارہ میں اللہ سے نہ ڈرے"

آپ نے اُم المؤمنین کو جواب میں کہا:۔

لست انا قتلتھم، انما قتلھم من شھد علیھم۔

میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اُن لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے جنہوں نے اُن کے خلاف شہادت دی ہے۔

(طبری جلد ۴ صفحہ ۲۰۸، استیعاب ترجمہ حجر بن عدی)

یہ تھی اصل حقیقتِ حال حجر بن عدی کے قتل کی جس کو سیدنا معاویہؓ کے مخالفین اُچھالتے ہیں اور سیدنا معاویہؓ پر مختلف قسم کی الزام تراشیاں کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ

"سیدنا معاویہؓ نے ایک صحابی رسول کو قتل کر دیا" حالانکہ حجر بن عدی کے بارہ میں محدثین کی صحیح رائے یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں تھے۔ امام بخاریؒ، امام ابن ابی حاتمؒ، ابو حاتمؒ، خلیفہ بن خیاطؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے امام ابو احمد عسکریؒ کا قول نقل فرمایا ہے:۔

اکثر المحدثین لا یصححون له صحبته ۔

اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کو صحیح نہیں سمجھتے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۰، اصابہ جلد ۱ ص ۳۱۳)

لیکن بالفرض انہیں صحابی مان بھی لیا جائے تو کیا صحابی اگر کوئی جرم کرے تو اُسے معاف کر دیا جائے گا؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ماعز اسلمیؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہ پر حد جاری نہیں فرمائی تھی؟ لہذا اگر ماعز اسلمیؓ کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا جا سکتا ہے حالانکہ اُن کے صحابی رسول ہونے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں تو حجر بن عدی کو بغاوت کے جرم میں قتل کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ کیونکہ وہ اپنی سادگی کی وجہ سے سبائیوں کے ہتھے چڑھ کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ملک میں بدنظمی پیدا کر کے اطاعت امیر کے اسلامی جذبے کو فنا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اگر اس جرم میں حکومت نے انہیں سزا دی تو حکومت کو مطعون کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ مزید یہ کہ سیدنا مغیرہؓ اور امیر زیاد اُن کو اس سے قبل کئی بار زبانی فہمائش کر چکے تھے۔

دُوسرے حجر کا یہ فعل اگر انفرادی حیثیت میں ہوتا تو شاید اُس کو برداشت کر لیا جاتا۔ لیکن وہ تو باقاعدہ سبائیوں کے رئیس اور سرغنہ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور سیدنا معاویہؓ اور ان کی حکومت کے خلاف سازش کرتے تھے اور لوگوں کو اُن کے خلاف اُبھارتے اور مشتعل کرتے تھے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۴) پھر جب امیر زیاد نے اُن کو بلانے کے لیے سپاہیوں کو بھیجا تو انہوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ اُلٹے سپاہیوں اور کوتوال شہر

شداد بن الہیثم پر پتھروں اور ڈنڈوں سے حملہ کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱) جو ایک قسم کی بغاوت اور امور مملکت میں فتنہ پیدا کرنا تھا۔ اور فتنے کے متعلق خود قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ (سورۃ آیت)

اور فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا مغیرہؓ بن شعبہؓ اور گورنر کوفہ امیر زیاد سیدنا علیؓ کو منبر پر سب وشتم کیا کرتے تھے اور حجر اس فعل شنیع پر اُن کو برسر عام ٹوکتے تھے۔ یہ شئی زیاد کو پسند نہ آئی اور اُس نے اُن کو قتل کروا دیا۔ اگر اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ ایک، تو اس لیے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ایک صحابی رسولؐ ہونے کی حیثیت سے معاذاللہ اس قدر گھٹیا اور پست اخلاق کے مالک نہیں تھے کہ دامادِ رسولؐ اور محبِ رسولؐ کو مسجد میں منبر پر بیٹھ کر سب وشتم کریں اور نہ ہی امیر زیاد جن کی اخلاقی تربیت سیدنا علیؓ جیسے معلمِ اخلاق کی آغوش میں ہوئی تھی، اس قسم کا رذیل فعل کر سکتے تھے۔ دوسرے جو گالیاں اُن کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اُن میں حضرت علیؓ کا نام تک نہیں اور نہ ہی وہ حقیقت میں گالیاں ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔

فلما کان اوّل خطبۃ خطبہا زیاد بالکوفۃ ذکرها فی اٰخرها فضل عثمانؓ وذم من قتله او اعان علیٰ قتله فقام حجر۔

جب زیاد نے کوفہ میں اپنا پہلا خطبہ دیا تو اس کے آخر میں سیدنا عثمانؓ کی فضیلت بیان کی اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جنہوں نے عثمانؓ کو قتل کیا یا ان کے قتل پر اعانت کی۔ پس حجر کھڑے ہو گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱)

طبری نے نقل کیا ہے۔

ذکر عثمان واصحابه فقرظهم وذکر قتلته ولعنهم فقال حجر۔

اُس نے سیدنا عثمانؓ اور اُن کے اصحاب کا ذکر کیا اور اُن کی تعریف کی اور اُن

کے قاتلوں کا ذکر کیا اور اُن پر لعنت بھیجی تو حجر کھڑے ہو گئے۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۹۰)
علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے۔
وترحم علی عثمان ولعن قاتلیہ وقال حجر۔
اُس نے عثمانؓ پر رحمت بھیجی اور اُن کے قاتلوں پر لعنت۔ پس حجر نے کہا:۔
(ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۳)

اسی طرح کے الفاظ ابن اثیرؒ نے الکامل میں اور مروج الذہب میں مسعودی نے اور دیگر مؤرخین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ مقام غور ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی فضیلت بیان کرنا اور ان کے قاتلوں کی مذمت کرنا اور ان لوگوں کی مذمت کرنا جنہوں نے اس معاملہ میں قاتلوں کی امداد کی۔ سبّ وشتم میں شمار ہوتا ہے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ گالیاں ہیں تو اس میں سیدنا علیؓ کا نام کہاں سے آ گیا؟ کیا سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کے قاتل تھے؟ یا انہوں نے قتل عثمانؓ پر قاتلوں کی اعانت کی تھی یا اُن کے قتل میں اُن کا کوئی ہاتھ تھا؟ ہرگز نہیں اور اگر ایسی باتیں کرنا سیدنا علیؓ کو سب وشتم کرنا ہے تو پھر سیدنا علیؓ نے خود بھی اپنے آپ کو گالیاں دی ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص ۲۰۰، ص ۲۰۷، ابن عساکر جلد ۷ ص ۸۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب وشتم نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کلمات سیدنا علیؓ کو گالیاں دینا ہے وہ ایک تو خود سیدنا علیؓ کو سب وشتم کرنے والا سمجھتا ہے، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے۔

دوسرے سیدنا علیؓ کو قاتلانِ عثمانؓ یا اُن کے ساتھیوں میں سے سمجھتا ہے اور سیدنا علیؓ اس سے بھی بری ہیں۔

تیسرے اگر کسی مستحق لعنت پر لعنت کرنا سب وشتم کرنا ہے تو پھر معاذاللہ اس سے ذاتِ نبوت پر بھی حرف آتا ہے بلکہ ذاتِ خداوندی بھی اس سے ملوث ہوتی ہے، کیونکہ قرآن اور احادیث نبویہ میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے لعنت کے مستحقین پر لعنت بھیجی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر اس چیز کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ

اور امیر زیاد اپنے خطبوں میں برسر منبر سیدنا علیؓ پر سب وشتم کرتے تھے تو اُن کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کا یہ کون سا اسلامی طریقہ ہے کہ مسجد میں کھڑے ہو کر ان کو یہ نقط سُنائی جائیں اور سب وشتم کیا جائے اور مزید برآں یہ کہ اُن پر کنکر مارے جائیں بلکہ اپنے حُسنِ اخلاق اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ اُن کو اس فعل شنیع سے روکا جاتا ہے۔

پانچویں چیز اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مؤرخین نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حجر بن عدی اور اُن کے ساتھی سیدنا معاویہؓ کو سب وشتم کیا کرتے تھے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے نہ کہ سیدنا مغیرہؓ اور امیر زیاد سیدنا علیؓ پر سب وشتم کرتے تھے، چنانچہ ابن کثیرؒ حجر بن عدی اور اُن کے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ویسبون معاویة ویتبرؤن منه۔

وہ معاویہؓ کو سب وشتم کرتے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے۔

(البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۵۰)

علامہ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں:۔

فبلغه ان حجرًا یجتمع الیه شیعة علیٍّ ویظهرون لعن معاویة والبرأة منه وانهم حصبوا عمرو بن حریث۔

امیر زیاد کو پتہ چلا کہ حجر کے پاس شیعانِ علیؓ جمع ہوتے ہیں اور سیدنا معاویہؓ پر کھلم کھلا لعنت بھیجتے ہیں اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے قائم مقام گورنر کوفہ عمرو بن حریث کو پتھر بھی مارے ہیں۔

قریباً یہی الفاظ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک جلد ۴ ص ۱۹۰ اور علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۸۷ پر اور ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۵۱ پر نقل کئے ہیں:۔

پھر کوتوال شہر شداد بن الہثیم نے جب حسین بن عبداللہ الہمدانی کو چند آدمیوں کے ساتھ حجر کو بلانے کے لیے بھیجا ہے تو طبری کے الفاظ ہیں کہ:۔

فسبونا وشتمونا۔

حجر اور اُن کے ساتھیوں نے ہمیں سب و شتم کیا اور بُرا بھلا کہا۔

چھٹی چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر واقعی حجر بن عدیؓ مظلوم شہید کئے گئے تو اُن کے قتل کا الزام سیدنا معاویہؓ کو کیوں دیا جاتا ہے، الزام اگر دینا ہے تو امیر زیاد کو دیا جائے یا اُن ستر گواہوں کو دیا جائے جنہوں نے گواہی دی کہ حجرؓ اور اُن کے ساتھی باغی ہیں۔ اب اگر گواہوں نے غلط گواہی دی تو اس کا گناہ گواہوں پر ہے یا غلط گواہ بھیجنے والے پر نہ کہ فیصلہ کرنیوالے پر۔ چنانچہ حجر بن عدیؓ کے قتل کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے جب سیدنا معاویہؓ سے فرمایا۔

یا معاویۃ! مَا خشیت اللہ فی قتل حجر واصحابہ۔

اے معاویہؓ! تمہیں حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتے وقت خدا کا خوف نہ آیا۔

تو جواب میں سیدنا معاویہؓ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کیا۔

لست انا قتلتھم انما قتلھم من شھد علیھم۔

میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اُن لوگوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے اُن کے خلاف شہادت دی ہے۔ (طبری جلد ۴ صـ ۲۰۸)

سیدنا معاویہؓ نے تو ستر شاہدوں کی شہادت پر جو امیر زیاد نے قلمبند کر کے انہیں بھیجی تھی جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ، عالی مرتبت تابعینؒ اور عظیم الشان صلحائے اُمت تھے، ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اب اگر گواہوں کی شہادتیں غلط اور خلاف حقیقت تھیں اس کا گناہ اُن پر ہے۔ سیدنا معاویہؓ تو اس سے بری الذمہ ہیں۔

ساتویں چیز یہ کہ اگر واقعی حجر بن عدیؓ مظلوم شہید ہوئے اور سیدنا معاویہؓ نے اُن کو مظلوم شہید کیا تو قاتل اور مقتول دونوں اب حق تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہاں حق و باطل اور ظالم و مظلوم کے درمیان امتیاز ہو جائے گا ہمیں ان امور میں اُلجھنے کی

کیا ضرورت ہے اور صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کا کیا حق ہے؟ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ حجر بن عدیؓ کے قتل کے بعد ایک دفعہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے سیدنا معاویہؓ سے پوچھا کہ:۔

این ذھب عنك حلمك یا معاویة حین قتلت حجرًا۔

اے معاویہؓ! جب تم نے حجر کو قتل کیا تو اُس وقت تمہارا حلم اور تمہاری بردباری کہاں گئی تھی؟

آپ نے ام المومنین سلام اللہ علیہا کے جواب میں کہا:۔

"اماں! آپ کے ساتھ میرے سلوک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے"

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:۔

انك بی لبار۔

میرے ساتھ تو تم بہت اچھا سلوک کرنیوالے اور میری اطاعت کرنیوالے ہو۔

سیدنا معاویہؓ نے کہا:۔

یکفینی ھذا عند اللہ وغدا لی ولحجر موقف بین یدی اللہ عزوجل۔

مجھے اللہ کے ہاں یہی کافی ہے۔ کل مجھے اور حجر کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

ایک اور روایت میں جواب کے الفاظ یوں مروی ہیں:۔

فدعینی وحجرًا حتی نلتقی عند ربنا۔

آپ میرے اور حجر کے معاملہ کو رہنے دیں یہاں تک کہ ہم دونوں بارگاہ ایزدی میں ملیں۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۳، ۵۵، الاستیعاب جلد ۱ ص ۳۵۶)

علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا معاویہؓ کا یہ جواب بھی نقل فرمایا ہے۔

یا ام المؤمنین انی رأیت فی قتلھم صلاحًا للامة وفی بقائھم فسادًا للأمة۔

اے اُم المؤمنین! میں نے اُس کے قتل میں اُمت محمدیہ کی بہتری اور اُس کے چھوڑنے میں اُمت کی خرابی دیکھی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۵)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

یا اُم المومنین! انی وجدت قتل رجل فی صلاح الناس خیر من استحیائہ فی فسادھم۔

اُم المؤمنین! میں نے لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کا قتل اُس کی زندگی سے بہتر سمجھا جس سے لوگوں میں فتنہ اور فساد برپا ہو۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۵)

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک شخص جب فتنہ و فساد برپا کرتا ہے تو پھر اُس کے فتنہ و فساد کی وجہ سے بعض دفعہ لاکھوں انسان قتل ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں بیان فرمایا:۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔

فتنہ و فساد قتل سے بھی شدید تر ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے قاصد سیدنا عبدالرحمٰن بن حارث نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ کیا آپ نے حجر بن عدیؓ کو قتل کر دیا تو جواب میں آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

قتلہٗ احب الیّ من ان اقاتل معہٗ مأتہ الف ۔

اُس اکیلے کا قتل میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں (بعد میں) اُس کی وجہ سے ایک لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتاروں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۴)

گویا کہ حجر بن عدیؓ اور اُس کے چند ساتھیوں کو قتل کر کے سیدنا معاویہؓ نے اُمت کے کئی لاکھ انسانوں کو قتل سے بچا لیا۔ وگرنہ حجر اور اُس کے چند ساتھیوں کی سازش اگر

کامیاب ہو جاتی تو نہیں معلوم جمل و صفین کی طرح پھر کتنی زبردست جنگوں میں اُمت کو مبتلا ہونا پڑتا اور اُس کے نتیجہ میں کتنے لاکھ نفوس میدان جنگ میں کام آتے اور کتنے سالوں تک اُمت اطمینان کی حالت کو ترستی رہتی۔ ہم تو ابھی تک جمل اور صفین کی جنگوں کے پیدا کردہ فتنے کو فرو نہیں کر سکے اگر خدانخواستہ پھر فتنہ کھڑا ہو جاتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُمت کا اس میں کس قدر جسمانی اور روحانی نقصان ہوتا۔ سیدنا معاویہؓ کا اُمت مسلّمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس طریقے سے اُمت کو فتنہ و فساد کی مہلک آگ سے بچا لیا۔

---

(۱۱)

سیدنا علیؓ پر سبّ وشتم

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں ایک نہایت مکروہ بدعت شروع کی کہ وہ خود اور اُن کے تمام گورنر اپنے خطبوں میں برسرِ عام سیدنا علیؓ پر سب وشتم کرتے یہاں تک کہ مسجدِ نبویؐ کے منبر پر بھی آپ پر سب وشتم کی بوچھاڑ ہوتی۔

یہ اعتراض بھی ایسا ہے جو جعلی اور موضوع روایات پر مبنی ہے کیونکہ بنو اُمیہ کے عمال اور سربراہان کے امیج (Image) کو خراب کرنے کے لیے دشمنانِ اسلام نے جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، اس قسم کی روایات وضع کی ہوئی ہیں، صحابہؓ جن کو حق تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا ہے اُن سے اس قسم کے اخلاق کا مظاہرہ محال و ناممکن ہے۔ پھر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (الحجرات آیت ۸)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان سے تمہارے دلوں کو مزین کر دیا اور کفر، فسوق اور عصیان کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے احسان سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:۔

ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اُن تمام احکام کی محبت ہو یعنی فرائض اور

اور مستحبات دونوں کی محبت ہو) اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر کی ہو گی۔ اور بعض مرتبہ صرف فسوق اور عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق وعصیان سے بھی نفرت کرے۔" (کتاب الایمان ص۱۷۰)

سبّ وشتم ان معنوں میں جن معنوں میں دشمنانِ صحابہؓ مراد لیتے ہیں "فسق" ہے کیونکہ حدیث میں صاف الفاظ میں مرقوم ہے:۔

سباب المسلم فسوق۔

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (بخاری)

اب اگر سبّ وشتم اپنے حقیقی معنوں میں ہے تو وہ تو "فسق" ہے اور قرآن صاف الفاظ میں صحابہؓ سے "فسوق" کی نفی کر رہا ہے۔ اب یا تو قرآن کو صحیح مان لیں یا اُن روایات کو صحیح مان لیں جن کے راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ جیسے کٹر شیعی اور ہشام بن الکلبی جیسے رافضی (لسان المیزان جلد ۶ ص۱۶۹، المنتقی ص۲۱) ہیں اور جنہوں نے صحابہؓ کی جو قرآن وحدیث کے اولین راوی ہیں، پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ہزاروں جعلی روائتیں گھڑ لی ہیں اور مؤرخین نے اُن کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

سیدنا معاویہؓ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ سردار قریش سیدنا ابوسفیانؓ کے فرزند ارجمند اور یزید بن ابی سفیانؓ اور اُم المؤمنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی ایسے والد کے چشم وچراغ تھے جس کی سیادت سارے عرب میں مسلّم تھی۔ اُس والدہ کے بیٹے تھے جس نے فتح مکہ کے روز جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی۔ اور زنا نہ کرنے کے متعلق فرمایا تو ہندؓ والدہ سیدنا معاویہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے؟" اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر کہ "کسی پر بہتان نہ لگانا" ہندہؓ نے عرض کیا:۔

واللہ ان اتیان البھتان لقبیح وما تأمرنا الا بالرشد

ومکارم الاخلاق۔

خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی برا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور مکارم اخلاق کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۳۱۶، کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۹۶)

ایسی بلند ہمت اور اعلیٰ اخلاق کی مالکہ عورت کا ایک عظیم الشان بیٹا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خاص دعاؤں سے نوازا ہو۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۰، کنز العمال جلد ۷ ص ۸۷)

کیا داماد رسول ﷺ پر سب وشتم کر سکتا ہے یا اپنے عمال کو سب وشتم کا حکم دے سکتا ہے؟

یہ صرف دشمنان صحابہؓ نے صحابہؓ کو بدنام کرنے کے لیے ایسی روایات گھڑی ہوئی ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

بخاری میں ایک روایت ہے جس سے سب وشتم کا پتہ چلتا ہے جس کو یار لوگوں نے گالی کے معنوں میں لیا ہے۔

ان رجلاً جاء الی سھل بن سعد فقال ھٰذا فلان لامیر المدینۃ یدعو علیاً عند المنبر قال فیقول ماذا قال یقول لہ ابو تراب فضحک وقال واللہ ما سماہ الا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما کان لہ اسم احب الیہ منہ۔

ایک شخص سیدنا سہلؓ کے پاس آیا اور بولا کہ امیر مدینہ منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ کو سب کرتا ہے۔ حضرت سہلؓ نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ انہیں "ابوتراب" کہتا ہے سیدنا سہلؓ ہنس پڑے اور فرمایا، خدا کی قسم اس نام سے تو انہیں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے زیادہ پیارا نام کوئی اور نہ تھا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا سہل بن سعدؓ سے یہ کہا گیا کہ :۔

ان امیر المدینة یرید ان یبعث الیك تسب علیاً عند المنبر، قال کیف اقول، قال تقول ابو تراب۔

امیر مدینہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ سے سیدنا علیؓ پر برسر منبر سب کروانا چاہتا ہے۔ آپ نے کہا کیا کہوں؟ کہا کہ آپ انہیں ابوتراب کہیں۔

سیدنا سہل بن سعدؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ بخدا یہ نام تو آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا ہوا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے پیارا اور کوئی نام ہی نہیں تھا۔

(الاستیعاب جلد ۳ ص۵۴، فتح الباری جلد ۷ ص۵۹)

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی سیدنا علیؓ کو اُن کے اس لقب سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھا، پکارتا تو سبائی جن کی ایک اچھی خاصی تعداد شہادت عثمانؓ کے بعد سیدنا علیؓ کے گرد جمع ہو گئی تھی اور بظاہر دوست بباطن دشمن، کے روپ میں اُن کے خلاف بھی زہر پھیلا رہی تھی، اُس شخص کو بدنام کرنا شروع کر دیتے کہ دیکھو فلاں شخص سیدنا علیؓ کو سب وشتم کر رہا ہے۔ اور سب وشتم کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ اُن کو اس لقب سے یاد کیا جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھا یعنی "ابوتراب" آپ تاریخ کی کتابوں کنگال جائیے آپ کو سب وشتم کی اس کے علاوہ اور کوئی حقیقت نظر نہیں آئے گی۔ ابومخنف لوط بن یحییٰ اور ابن الکلبی اور اُن کے متبعین یہ تو نقل کریں گے کہ "سیدنا معاویہؓ اور اُن کے گورنر سیدنا علیؓ پر سب وشتم کرتے" لیکن جب اُن سے سب وشتم کی حقیقت پوچھی جاتی ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ اُن کو خطبوں میں "ابوتراب" کہا جاتا۔ اصل میں "ابوتراب" کہنے والا سیدنا علیؓ کو سب وشتم نہیں کر رہا بلکہ "ابوتراب" کو سب وشتم سمجھنے والا دراصل سیدنا علیؓ کو سب وشتم کر رہا ہے۔

بعض حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں صحیح مسلم کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ :۔

امیر معاویة بن ابی سفیان سعداً فقال ما منعك ان تسب

اباتراب، فقال اما ماذکرت ثلاثاً قالھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلن اسبہ..... الخ

سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا، پھر کہا آپ کو کس شی نے روکا ہے کہ آپ ابو تراب (سیدنا علیؓ) پر "سب" کریں انہوں نے جواباً کہا کہ جب میں ان تین ارشادات کو یاد کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علیؓ کے متعلق فرماتے تھے تو میں ہرگز اُن پر "سب" نہیں کرسکتا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

اس روایت کے محدثین نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶)

لیکن اس حدیث میں "سب" کا مطلب گالی نہیں بلکہ اختلاف رائے اور غلطی پر ٹوکنا ہے کیونکہ "سب" کے معنی ہر جگہ گالی دینا نہیں ہوتا۔ اگرچہ بُرا بھلا کہنے اور گالی دینے کو بھی عربی زبان میں "سب" کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے سفر میں صحابہؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو تو۔

فلا یمس من مائھا شیئاً حتّٰی اٰتی۔

میرے پہنچنے سے پہلے اُس کے پانی کو کوئی نہ چھوئے۔

اتفاقاً دو رفقاء قافلے سے آگے نکل کر چشمہ پر پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے پانی پی لیا۔ آپؐ کو ان کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو استعمال کیا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

فسبّھما النبیّ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو "سب" فرمایا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو گالی گلوچ کیا یا اُن پر سب وشتم کی بوچھاڑ کردی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ آپؓ نے اُن دونوں کی غلطی پہ اُن کو ٹوکا یا ان کے اس کام سے اختلاف فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ "سب" کا ہر جگہ معنی گالی ہی نہیں ہوتا بلکہ "اختلاف رائے کرنا" اور "غلطی پہ ٹوکنا" بھی ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اور دوسرے اکابر بنو اُمیّہ کو بدنام کرنے کی خاطر ایسی روائتیں وضع کی گئیں ورنہ سیدنا معاویہؓ نہ تو سیدنا علیؓ کے مخالف اور دشمن تھے کہ ان پر سب وشتم کرتے اور نہ کم ظرف تھے کہ سیدنا علیؓ کے فضائل اور مناقب کا اعتراف نہ کرتے۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں تمام لوگوں کے سامنے سیدنا علیؓ کے اپنے سے افضل اور بہتر ہونے کا اعتراف فرمایا:۔

لن یاتیکم من بعدی الا من انا خیر منه کما ان من قبلی کان خیر منی۔

میرے بعد تمہارے پاس جو (خلیفہ) بھی آئے گا میں اُس سے بہتر ہوں گا جس طرح مجھ سے پہلے جتنے خلفاء تھے۔ مجھ سے بہتر تھے۔ (ابن اثیر جلد ۴ ص ۲)

روایات میں آتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کا اکثر ذکر کرکے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدائی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علیؓ کی یاد آئی۔ فرمایا ضرار سیدنا علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب ومحترم کی یاد میں اپنے قلب کو غمناک کریں، لیکن سیدنا معاویہؓ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا، لہذا آپ نے اصرار فرمایا۔ آپ کے اصرار سے متاثر ہوکر ضرار نے آپ کی شخصیت... کا ایسا نقشہ کھینچا جو شنیدنی ہے۔ کہا۔

"حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے۔ نپی تُلی بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ سراپا علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موجزن تھا۔ دنیا اور اُس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ متنفر تھا۔ رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا۔ آخرت کے لیے بہت فکرمند بلکہ ہر

وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے یک قلم خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا ہم ہی کی طرح رہتے تھے۔ کچھ امتیاز نہیں تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم اُن سے، وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رُعب و داب اور آپ کی ہیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے۔ متدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے، اُن کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل وانصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کاروانِ شب رخت سفر باندھنے کو ہے۔ چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغ سحر کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیے مارگزیدہ اور عاشق خواب، تادیدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں۔ اے دُنیا! اے فریب دینے والی دُنیا! یہ فریب کسی اور کو دے، تو مجھ سے اپنی چاہت اور انسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اُوپر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ میں کبھی بھی تیری طرف آنے کا نہیں۔ تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل، لیکن راستہ اور سفر طویل اور زادِ راہ بالکل حقیر و قصیر ہے۔"

یہ سُنتا تھا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سیدنا معاویہؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں تھیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

رحم اللہ ابا الحسن، کان واللہ کذلک، کان واللہ کذلک۔

اللہ تعالیٰ ابو الحسن (سیدنا علیؓ) پر رحم فرمائے۔ واللہ! وہ ایسے ہی تھے وہ ایسے ہی تھے۔ (الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۴۴، روضۃ النظرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

سیدنا علیؓ کے سیاسی فکر سے اختلاف ہونے کے باوجود آپ اُن کے تقویٰ فضل و کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت اور علم و حکمت کے معترف تھے۔ چنانچہ جب آپ کو سیدنا علیؓ کی شہادت جانکاہ کی خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ فاختہ بنت قرظہؓ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً اُٹھ بیٹھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس کے بعد رونا شروع کر دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا:

اُتبکیہ وقد قاتلتہ۔

آپ اُن پر آنسو بہا رہے ہیں حالانکہ آپ اُن سے لڑ چکے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقہ والعلم۔

تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و فضل اور فقہ میں فقید المثال تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۳۰)

سیدنا علیؓ پر معاویہؓ کا سب و شتم کرنا اور اپنے گورنروں کو اس کی تلقین کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ جب کہ آپ کسی کے منہ سے سیدنا علیؓ کے خلاف کوئی بات بھی سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بسر بن ارطاۃؓ نے سیدنا معاویہؓ اور سیدنا زید بن عمر الخطابؓ کی موجودگی میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں کوئی نازیبا کلمہ کہدیا۔ سیدنا معاویہؓ نے اس پر ابن ارطاۃؓ کو زجر و توبیخ کی اور فرمایا:

تشتم علیاً وھو جدہ۔

تم علیؓ کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ وہ ان کے نانا ہیں[1]۔

(ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵، طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۸)

---

[1] زید بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہما سیدنا عمر امیر المومنینؓ کے صاحبزادے اور سیدنا علیؓ کے

یہ روایت اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ سیدنا معاویہؓ نہ تو خود اور نہ ہی ان کے گورنر سیدنا علیؓ کو اپنے خطبات میں سبّ وشتم کرتے تھے، کیونکہ جب ایک خاص مجلس میں سیدنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نواسے تھے۔ کیونکہ سیدنا علیؓ کی صاحبزادی سیدہ اُم کلثومؓ جو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں، سیدنا عمرؓ کے نکاح میں تھیں۔ اس لحاظ سے سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ بعض جاہل حضرات اپنے گروہی تعصب کی وجہ سے اس نکاح کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعہ سُنّی دونوں مذاہب کی معتبر کتابیں اس نکاح کی ناقابل تردید شہادت دیتی ہیں۔ اور کوئی صاحب علم اس بات کی جرأت نہیں کرسکتا کہ سیدنا عمرؓ کی سیدنا علیؓ سے اس رشتہ داری کا انکار کرسکے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے معتبر کتاب فروع کافی میں ہے کہ امام جعفر الصادقؒ سے کسی نے اس نکاح کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

ان ذالك فرج غصبناه۔

یہ ایک رشتہ تھا جو ہم سے چھین لیا گیا۔ (فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

۲۔ اسی کافی میں ایک اور مقام پر آتا ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؒ سے پوچھا گیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ اپنی عدت کے ایام اپنے گھر میں گزارے یا جہاں چاہے گزار سکتی ہے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے۔ اس لیے کہ جب سیدنا عمرؓ فوت ہوئے تو سیدنا علیؓ اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے گھر لے گئے۔

(فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۱، تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۳۸، الاستبصار جلد ۳ صفحہ ۱۸۶)

۳۔ سیدنا جعفر صادقؒ اپنے ابا سیدنا محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ام کلثومؓ بنت علیؓ اور اُن کا صاحبزادہ سیدنا زید بن عمرؓ بن الخطاب ایک ہی گھڑی میں فوت ہوئے۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان دونوں میں پہلے کون فوت ہوا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہ بن سکے اور ان دونوں پر نماز جنازہ اکٹھی پڑھی گئی۔ (تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۳۸۰)

۴۔ مُلا باقر مجلسی جو شیعہ مذہب کے خاتم المحدثین کہے جاتے ہیں ایک مقام پر ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

معاویہؓ نے اپنے خاص رفیق سیدنا بسر بن ارطاۃؓ کو جب انہوں نے کسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی شان میں کوئی نازیبا سا لفظ کہا، ڈانٹ دیا اور سیدنا علیؓ کے نواسے اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے کے جذبات کا احترام فرمایا تو ایسا شخص بر سرِ عام اس فعل کا کیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ام کلثوم فھی التی تزوجھا عمر بن الخطاب۔

یہ وہی ام کلثومؓ ہیں جن سے عمر بن الخطابؓ نے نکاح کیا تھا۔

(بحار الانوار ص ۶۲۱، باب احوال اولادہ وازدواجہ وامہات اولادہ)

۵۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب میں محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

محمد بن جعفر بعد از موت عمر بن خطاب بشرفِ مصاہرت حضرت امیر المومنین مشرف گشتہ ام کلثوم راکہ باعدم کفات از روئے اکراہ در حبالۂ عمر بود تزویج نمود۔

محمد بن جعفر نے سیدنا عمرؓ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ امیر المومنین کے داماد ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ام کلثومؓ کو جو کفو کے نہ ہونے کی وجہ سے جبری طور پر حضرت عمرؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں نکاح کیا۔ (مجالس المومنین ص ۱۹۵)

۶۔ انہی ام کلثومؓ سے سیدنا عمرؓ کی ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی جس کا نام "رقیہ" تھا۔ ان رقیہ بنت عمرؓ کا نکاح ابراہیم بن نعیم نحام عدوی سے ہوا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

ابراھیم بن نعیم نحام عدوی کانت عندہٗ رقیۃ بنت عمر وامّھا ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب۔

ابراہیم بن نعیم نحام عدوی اُن کے نکاح میں رقیہ بنت عمرؓ تھیں جن کی والدہ ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب تھیں۔ (کتاب المحبر ص ۵۴)

(تفصیل کیلئے دیکھئے مجالس المومنین ص ۱۹۵، ۲۸۲، ص ۸۷، تہذیب الاحکام ص ۲۳۸، مرآۃ العقول ص ۴۴۸، ص ۱۹، اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ ص ۲۰۴، کتاب المحبر ص ۴۳۷)

اہل السنت والجماعت کی حدیث اور تاریخ کی ہر کتاب میں اس نکاح کا تذکرہ مذکور ہے۔

ارتکاب کرسکتا ہے اور تمام اہل بیت نبوت کے جذبات کو اس طرح کیسے مجروح کرسکتا ہے؟

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت بھی فراہم کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؓ اور ان کے خاندان سے بہت محبت تھی اور آپ اُن کی بہت تعظیم و توقیر فرمایا کرتے تھے مختلف قسم کے ہدیے اور تحائف ان کی خدمت میں ارسال فرماتے اور وہ بصد خوشی و مسرت، اُن ہدیوں کو قبول فرماتے۔

ا ۔ آپ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارات فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۴۱)

ب ۔ آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو دیتے اور اُن کے بیٹے یزید بیس لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو دیتے اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ (جو سیدنا حسینؓ کے بہنوئی اور آپ کی بہن سیدہ زینبؓ کے خاوند تھے) کو دیتے تھے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲۳)

ج ۔ ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا حسینؓ کو دیتے جو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷)

د ۔ سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف وغیرہ دیتے۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ ان کو بہت عطیات وغیرہ دیتے اور وہ بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۰، ۱۵۱)

اب اندازہ فرمائیے کہ جو شخص سیدنا علیؓ کے صاحبزادوں اور اُن کے قرابتداروں کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتا ہے اور ان کو مختلف عطیوں اور تحائف سے نوازتا ہے اس کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود سیدنا علیؓ پر برسر منبر رسولؐ سب و شتم کرتا ہوگا؟ اور اگر بقول ان کذاب رپورٹروں کے سیدنا معاویہؓ ایسا کرتے تھے تو ان صاحبزادوں اور سیدنا علیؓ کے دیگر قرابت داروں کی حمیت و غیرت کو کیا ہوگیا تھا کہ وہ پھر بھی ان کے ہدیوں اور تحائف

کو قبول کرتے بلکہ خود یہ ہدیے اور تحائف لینے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق جاتے اصل بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اور اُن کے گورنر سب وشتم کے فعل قبیح کے مرتکب ہوتے تھے اور نہ ہی سیدنا علیؓ کے قرابت دار غیرت وحمیّت سے عاری تھے۔ یہ دراصل سبائیوں کی بنائی ہوئی روایات ہیں جو بنواُمیّہ کو بدنام کرنے اور عوام کے دل سے اُن کی عزت و توقیر نکالنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔ اگر سبائی راویوں کی روایات پر ہی اعتماد کرکے صحابہؓ کو مطعون کرنا مقصود ہے تو اُن کی وضع کردہ روایات سے تو سیدنا علیؓ کا دامن بھی نہیں بچا۔ سیدنا معاویہؓ پر تو انہوں نے صرف یہی الزام عائد کیا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کو "ابوتراب" کہتے تھے اور یہ سب وشتم تھا لیکن روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکری اور حامی سیدنا معاویہؓ کو بُرا بھلا کہتے آپ نے اُن لوگوں کو اس فعل قبیح سے باز کرنے کے لیے ایک گشتی مراسلہ (Circular) تمام شہروں میں ارسال فرمایا جس سے لوگوں کو سیدنا معاویہؓ کے مقام سے آشنا فرمایا اور اُن کی دینی منقبت اور علو مرتبت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ اُس گشتی مراسلہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

وکان بدأ امرنا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللّٰہ والتصدیق برسولہٖ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براءۃ۔

اور ابتداء ہمارے واقعات کی اس طرح ہوئی کہ ہم ہیں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی اسلام کے بارہ میں دعوت بھی ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ان باتوں میں ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور اُن کا معاملہ ایک ہے۔ اختلاف صرف شہادتِ عثمانؓ کے بارہ میں ہے اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ (نہج البلاغت جلد ۲ ص ۱۱۵)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمروؓ ابن العاصؓ اور اُن کے دوسرے ساتھیوں پر سب وشتم اور لعن طعن کرتے تھے بلکہ نمازوں میں بھی اُن پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ تحکیم کے فیصلے کے بعد ابن عباسؓ اور شریح بن ہانیؓ سیدنا علیؓ کے پاس آ گئے۔ اب اُن کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ نماز فجر میں یہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ ابوالاعور السلمیؓ، حبیبؓ، عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولیدؓ، ضحاک بن قیسؓ اور ولیدؓ پہ نام لے کر لعنتیں بھیجتے۔ (طبری جلد ۶ صـ۴۰، ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۶۸، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ۲۸۳، ابن خلدون جلد ۲ صـ۱۱۷)

طبری کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو الفاجر بن الفاجر اور الفاجر بن الکافر کہا۔ (طبری جلد ۶ صـ۵۸)

ابو حنیفہ الدینوری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدیؒ اور عمرو بن الحمق سیدنا معاویہؓ کو سب وشتم کرتے اور دوسروں کو سب وشتم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اہل شام پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو کہلا بھیجا کہ وہ ایسی باتوں سے فوراً اپنی زبان کو روکیں۔ دونوں سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا امیرالمومنین! کیا ہم حق پہ اور اہل شام باطل پر نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ ربّ کعبہ کی قسم، درست ہے انہوں نے کہا پھر آپ ہمیں انہیں گالیاں دینے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ ایسا کہا کرو کہ اے اللہ! اُن کے اور ہمارے درمیان خونریزی کو بند فرما اور ہمارے درمیان صلح وآشتی اور الفت ومحبت پیدا فرما اور اُن کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستہ پہ ڈال حتیٰ کہ یہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔ (اخبار الطوال صـ۱۶۵)

علامہ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ صفین کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا:

اَللّٰھُمَّ الْعَنْ اَھْلَ الشَّامِ۔

اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما۔

سیدنا علیؓ نے جب یہ سُنا تو فرمایا:۔

لاتسبّ اهل الشام فان بها الابدال فان بها الابدال فانّ بها الابدال ۔

اہل شام کو سب وشتم مت کرو۔ کیوں وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۰)

ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نے صفین میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا :۔

فان معاویۃ وعمرو وابن العاص وابن ابی معیط و حبیب بن مسلمہ وابن ابی سرح والضحاک بن قیس لیسوا باصحاب دین ولاقرآن وانا اعرف بهم منكم قد صحبتهم اطفالاً وصحبتهم رجالاً فكانوا شر اطفال وشر رجال ۔

یہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابن ابی معیطؓ، حبیبؓ بن مسلمہؓ، ابن ابی سرحؓ، ضحاک بن قیسؓ دین اور قرآن سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں بچپن میں بھی ان کے ساتھ رہا اور جب یہ جوان ہوئے اُس وقت بھی ان کے ساتھ رہا یہ بچے تھے تو بدترین تھے اور مرد تھے تو بدترین تھے۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۸، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۱، ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۱۶، طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۷۲)

طبری ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ایک وفد سے فرمایا :۔

"معاویہؓ وہ ہیں جن کے لیے حق تعالیٰ نے دین میں کوئی فضیلت نہیں رکھی ہے اور نہ اسلام میں ان کا کوئی قابل ستائش کارنامہ ہے۔ وہ خود بھی طلقاء میں سے ہیں اور اُن کے والد ابوسفیانؓ بھی طلقاء میں سے تھے۔ احزاب میں سے ہیں (جو جنگ خندق میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے تھے یہ) اور ان کے والد

اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہمیشہ دشمن رہے۔ یہاں تک کہ اسلام کو بادل نخواستہ قبول کیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۴)

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ کوفہ سیدنا علیؓ کا دارالخلافہ رہ چکا تھا اور ان کے حامیوں کی تعداد یہاں کافی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:۔

یسبون معاویة ویتبرءون منه۔

یہ لوگ سیدنا معاویہؓ پر سب و شتم کرتے تھے اور اُن سے اپنی برأت کا اظہار کرتے تھے۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۰)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ:۔

جب سیدنا علیؓ کوفہ تشریف لائے تو اُن کے حامی اور ساتھی سیدنا عثمانؓ کی بدگوئی کرنے لگے۔ بنو الارقم نے کہا کہ:۔

لا نقیم ببلد یشتم فیه عثمان۔

ہم ایسے شہر میں نہیں رہ سکتے جہاں سیدنا عثمانؓ کو گالی گلوچ دی جاتی ہو۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

فخرجوا الی الجزیرة فنزلوا الرها وشهدوا مع معاویة الصفین۔

وہ جزیرہ کی طرف چلے گئے اور رہا کے مقام پر مقیم ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھ جنگِ صفین میں سیدنا علیؓ کے مقابل صف آرا ہوئے۔

(المحبر ص ۲۹۵)

یہی وجہ تھی کہ جنگ صفین کے موقع پر بھی سیدنا علیؓ کے سپاہی سیدنا معاویہؓ اور اہل شام کو سب و شتم کرتے۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

انی اکره لکم ان تکونوا سبابین۔

میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم سب و شتم کرنے والے بنو۔

(نہج البلاغۃ ص ۳۹۸)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب و شتم سیدنا معاویہؓ کی طرف سے شروع نہیں کی گئی تھی، بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ہوئی تھی اور سیدنا معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں کی طرف سے سب و شتم کی جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کچھ جوابی کارروائی کے طور پر تھا۔ اور مؤرخانہ نقطہ نظر سے بھی سیدنا علیؓ کی طرف سے "تلاعن" اور "سب و شتم" کی جو روایات مروی ہیں وہ اُن روایات سے زیادہ قوی ہیں۔ جو سیدنا معاویہؓ سے مروی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ سیدنا علیؓ اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ کسی پر لعن طعن اور سب و شتم کرتے تھے۔ ہاں سیدنا علیؓ کے لشکر کے وہ لوگ جو سبائی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا مقصدِ زندگی ہی صحابہؓ کی مخالفت کرنا تھا۔ وہ ضرور اس فعلِ قبیح کے مرتکب ہوتے تھے، لیکن سیدنا علیؓ ان کو بار بار سمجھاتے اور اس فعل سے باز رکھتے جیسا کہ روایات میں آتا ہے، لیکن یہ دونوں جلیل القدر صحابہؓ اس "تلاعن" اور "سب و شتم" سے بالکل بری تھے۔ اور ان کی طرف اس فعل کی نسبت اُن کی توہین ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہیں وہ کذب و افتراء کا پلندہ ہیں۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن عربیؒ ان جیسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

هذا كله كذب صراح، ما جرى منه حرف قط، وانما هو شئ اخترعته المبتدعة ووضعته التاريخة للملوك فتوارثه اهل المجانة والجهارة بمعاصي الله والبدع۔

یہ سب صریح کذب ہے ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ ان واقعات کو صرف اہل بدعت نے نقل کیا ہے اور اُن لوگوں نے ان کو وضع کیا ہے جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنوں اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں اس قسم کی روایات کو نسلاً بعد نسل روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

(العواصم من القواصم ص۱۷۷)

علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ:۔

ان هذه الآثار المروية في مساويهم منها ما هو كذب و

ومنها ما قد زید فیہ ونقص وغیر وجهه۔

(اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ) جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی برائیاں ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے کچھ تو سراپا کذب ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان میں کمی اور زیادتی (دشمنانِ صحابہؓ نے) کردی ہے۔

یہ روایات تو سراپا کذب اور موضوع ہیں اور لوط بن یحییٰ، ہشام اور مجالد بن سعید وغیرہ راویوں کی ٹکسال کی وضع کردہ ہیں کیونکہ ان لوگوں نے سیدنا معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، یزید، مروان اور دیگر بنو اُمیہ کے اکابر کے متعلق حدیث و تاریخ کی بے شمار روایات وضع کی ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین لکھتے ہیں کہ:۔

ومن ذلك الاحادیث فی ذم معاویة وذم عمرو بن العاص وذم بنی اُمیة ومدح المنصور والسفاح وکذا ذم یزید والولید ومروان بن الحکم۔

ان موضوعات میں سے وہ احادیث (بھی موضوع ہیں) جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنو اُمیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں جو احادیث مروی ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔ (موضوعات کبیر صـ ۱۶۹)

لیکن اگر ان روایات کو جن میں سب و شتم کی نسبت سیدنا معاویہؓ کی طرف کی جاتی ہے صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اُن کی تاویل کرنا ہوگی اس وجہ سے کہ محدثین نے لکھا ہے:۔

قال العلماء الاحادیث الواردة التی فی ظاهرها دخل علی صحابی یجب تاویلها، قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الا ما یمکن تاویله۔

علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو، ان کی تاویل واجب ہے اور علماء کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکے۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ صـ ۲۷۸)

علمائے اہل سنت نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ کوئی شخص صحابہؓ کے بارہ میں کسی روایت کو کسی کتاب میں دیکھ یا سُن لینے سے اپنے دل میں اُن کے خلاف غلط قسم کے خیالات پیدا نہ کرے کیونکہ صحابہؓ کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جس کی تربیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی اور وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری دنیا سے افضل ہیں۔ دُوسرے اُن کی شان میں جو آیاتِ قرآنی وارد ہیں وہ قطعی ہیں اور جو احادیث صحیحہ وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں لیکن ان کی اسانید نہایت قوی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر صحابہؓ کے بارہ میں بعض جُہلاء کے کذب و افترا کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فکذب وبُهت وافتراء عظيم يلزم منه خطاء كبير من تخوين الصحابة ..... وكل مؤمن بالله ورسوله يتحقق ان دين الاسلام هو الحق يعلم بطلان هٰذا الافتراء لان الصحابة كانوا خير الخلق بعد الانبياء وهم خير القرون هٰذه الامة التي هي اشرف الامم بنص القرآن واجماع السلف والخلف في الدنيا والاٰخرة ولله الحمد۔

یہ صریح جھوٹ، بہتان اور افتراء عظیم ہے اس سے ایک بہت بڑی خطا صحابہؓ کرامؓ کی خیانت کی لازم آتی ہے اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہر شخص حقانیت اسلام کا قائل ہے اور وہ اس افتراء کے باطل ہونے سے بخوبی آشنا ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور وہ اس اُمت کے خیر القرون ہیں جو قرآنی نص اور سلف و خلف کے اجماع سے دنیا و آخرت میں تمام اُمتوں سے اشرف اور بزرگ ہے۔ والحمد للہ۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۲۴)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

فلاسفہ کے یہ اقوال تاریخ وسیرت وغیرہ کی مرسل، مقطوع روایات میں سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ جب ایسی چیز ہے تو صحابہؓ کے محاسن و فضائل جو کتاب وسنت اور تواتر سے ثابت ہیں، ان کا رد ایسی روایات سے، قطعاً جائز نہیں جن میں سے بعض منقطع ہیں، بعض محرّف ہیں اور بعض ایسی ہیں جن سے معلومات قطعیہ پر جرح وقدح جائز نہیں کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کرسکتا اور ہم یقین کے ساتھ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے اور دلائل عقلیہ بھی ان منقولات متواترہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

أن الصحابة رضي الله عنهم أفضل الخلق بعد الأنبياء فلا يقدح في هذا أمور مشكوك فيها فكيف إذا علم بطلانها۔

اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اس لیے اُن کے بارہ میں مشکوک اور محرف باتوں سے جرح قدح جائز نہیں چہ جائیکہ باطل روایات سے۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

اس کے متعلق ایک مثال ذہن میں رکھئے۔ صحیح مسلم (جس کا درجہ صحیح بخاری جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے، کے بعد دوسرا ہے) میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عباسؓ کا اپنے بھتیجے سیدنا علیؓ سے کسی بات پر کچھ تنازعہ ہوگیا۔ آپ، سیدنا علیؓ کو لے کر امیر المومنین عمر الفاروقؓ کے پاس تشریف لائے اور سیدنا علیؓ سے متعلق سیدنا عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

اقض بيني وبين هذا الكاذب الآثم الغادر الخائن۔

میرے اور اس جھوٹے مجرم، دھوکہ باز اور خیانت کرنے والے کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۰)

اب جو لوگ سیدنا معاویہؓ پر سیدنا علیؓ کو سب وشتم کرنے کا الزام دیتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ وہ سیدنا معاویہؓ پر الزام دینے سے قبل سیدنا عباسؓ پر الزام دیں جنہوں نے ایک

ہی سانس میں سیدنا علیؓ کو چار غیر شایان شان القاب دیئے یعنی ° الکاذب^1، الآثم^2، الغادر^3 اور الخائن^4 یہ سب وشتم سیدنا امیر المؤمنین عمر الفاروقؓ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ پر کیا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ نے تو صرف "ابوتراب" کہا تھا جس کو "گالی" کا نام دے دیا گیا۔ اب اگر حضرت معاویہؓ ملزم ہیں تو حضرت عباسؓ اُن سے زیادہ ملزم ہیں لیکن ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کے متعلق ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کی اور نہ ایسی زبان انہیں زیب ہی دیتی تھی۔ حضرت عباسؓ نہایت شستہ مزاج اور پاکیزہ زبان انسان تھے۔ وہ ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اگرچہ سیدنا علیؓ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے اُن کے لیے بمنزلہ بیٹے کے تھے لیکن وہ سیدنا علیؓ کے بلند اور ارفع مقام سے بخوبی آشنا تھے۔ لہٰذا سیدنا علیؓ کی اعلیٰ مرتبت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ سیدنا عباسؓ ایسی زبان استعمال نہ کریں۔ لہٰذا اگرچہ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے لیکن ہم اس کی تاویل کریں گے اور اگر تاویل ممکن نہ ہوگی تو اس روایت کو محرّف۔ یا موضوع مانیں گے۔ کیونکہ صحابہؓ کی شان ایسی چیزوں سے بہت بلند ہے جن کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس خیال کی تائید میں علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :-

قال القاضی عیاض قال المازری ھٰذا اللفظ الذی وقع لا یلیق ظاھرہ بالعباس وحاش لعلیؓ ان یکون فیہ بعض ھٰذہ الاوصاف فضلاً عن کلھا ولنا نقطع بالعصمة الا النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولمن شھد لہٗ بھا لکنا مامورون بحسن الظن بالصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین ونفی کل رذیلة عنھم اذا انسدت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا قال وقد حمل ھٰذا المعنی بعض الناس علی ان ازال ھٰذا اللفظ من نسختہٖ تورعاً عن اثبات مثل ھٰذا ولعلّہٗ

لوھم علی رواۃ۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مازری کا قول یہ ہے کہ اس روایت میں جو الفاظ وارد ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ سیدنا عباسؓ کی شان کے شایان نہیں اور سیدنا علیؓ بھی اس بات سے پاک اور مبرا ہیں کہ ان میں ان اوصاف میں سے بعض ہی ہوں چہ جائیکہ وہ سارے اوصاف موجود ہوں جو اس روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ گو ہم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ہی کے قائل ہیں لیکن ہمیں اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور تمام اخلاق رذیلہ کی اُن سے نفی کریں لہٰذا جب اس حدیث کی تاویل کے سارے راستے مسدود ہو جائیں گے۔ تو پھر ہم اس کے راویوں کو کاذب قرار دیں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ اسی وجہ سے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۹۰)

یہ تو ایک مثال پیش کی ہے ورنہ آپ حدیث کی کتابوں کی ان سب روایات کے متعلق محدثین کی یہی رائے پائیں گے کہ اوّل تو انہوں نے ایسی حدیثوں کی تاویل کی لیکن جب کوئی تاویل نہ ہو سکی تو پھر انہوں نے ان احادیث کے راویوں کو کذاب کہا اور اُس حدیث کو موضوع یا محرف قرار دیا۔ جب حدیث کی یہ حالت ہے تو تاریخ جس میں اکثر روایات تو بلا سند ہیں اس کے بارہ میں تو اور احتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ تو عام صحابہؓ کے متعلق ہے لیکن سیدنا معاویہؓ کے متعلق تو ایسی باتوں کے بارہ میں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اُن کے متعلق تو اُن کے زمانہ ہی میں سبائیوں نے غلط پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد نمایاں ہو گئے ہیں۔ آپؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

كيف لا ولا ازال ارى رجلاً من العرب قائماً على رأسى
يلقح لى كلاماً يلزمنى جوابه فان اصبت لم احمد وان

اخطأت سارت بہا البرد۔

کیوں نہ ہو؟ ہروقت کوئی نہ کوئی عربی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا رہتا ہے جس کا جواب دینا مجھ پر لازم ہو جاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو میری تعریف نہیں کی جاتی اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو اُسے اونٹنیاں ساری دُنیا میں لے اُڑتی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)

لہٰذا سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ہر وہ روایت جس میں اُن کی تنقیص کی ہو گی یا اُن کی طرف کوئی ایسا فعل منسوب کیا ہو گا جو اُن کے شایان شان نہ ہو تو اول تو اُس کے راوی کذاب ہوں گے اور وہ روایت موضوع ہو گی اور اگر وہ روایت ثقہ راویوں سے مروی ہو گی تو اُس کی ایسی تاویل کی جائے گی جس سے اُن کی ذات پر کوئی حرف نہ آئے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ سیدنا معاویہؓ پر سیدنا علیؓ کو سب وشتم کرنا اور اپنے گورنروں کو ایسا کرنے کا حکم دینا سراسر غلط ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہے اُن کے راوی کذاب اور دشمنانِ صحابہؓ میں سے ہیں اور انہوں نے ایک خاص سازش کے تحت ایسی روایات کو وضع کیا ہے۔

۲۔ ان روایات میں سے اگر کوئی روایت ثقہ راویوں سے مروی ہے تو اُس میں "سب" سے مراد صرف یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے انہیں کسی پرائیویٹ مجلس میں "ابوتراب" کے لقب سے پکارا جس کو "گالی" سمجھ لیا گیا یا اگر کبھی اپنی رائے کے اختلاف کا اظہار کیا تو اُس کو "سب وشتم" کا عنوان دے دیا گیا۔

۳۔ لیکن اگر کوئی شخص روایات کو بھی صحیح مانتا ہے اور اُن کی تاویل بھی نہیں کرتا تو پھر اُس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سبّ وشتم کی یہ رسم سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کی تھی بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علیؓ اور اُن کے ساتھیوں نے کی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مختلف روایات سے واضح کیا گیا ہے۔ اور پھر صحیح مسلم کی اُس روایت کو بھی صحیح ماننا پڑے گا جس میں سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو چار نازیبا کلمات سے نوازا جو کہ سب وشتم کے نہایت مکروہ الفاظ ہیں۔

(۱۲)

شہادتِ عمّار بن یاسرؓ

بعض لوگ سیدنا معاویہؓ کو باطل پر ثابت کرنے کے لیے ایک حدیث کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

عن عکرمة ان ابن عباس قال له ولعلی بن عبد الله ائتینا اباسعید فاسمعا من حدیثه فاتیناه وهو واخوه فی حائط لهما یسقیانه فلمّا رأنا جاء فاحتبیٰ وجلس فقال لنا ننقل لبنةً لبنةً وکان عمّار ینقل لبنتین لبنتین فمرّ به النبی صلی الله علیه واٰله وسلم ومسح عن رأسه الغبار فقال ویح عمّار تقتله الفئة الباغیة عمّار یدعوهم إلی الله ویدعونهم الی النار۔

سیدنا عکرمہؓ سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے اُن سے اور اپنے فرزند سیدنا علیؓ بن عبداللہؓ سے فرمایا۔ تم دونوں سیدنا ابی سعید الخدریؓ کے پاس جاؤ اور اُن کی باتیں سنو۔ ہم دونوں اُن کے پاس گئے۔ اُس وقت وہ اور اُن کے بھائی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ تشریف لے آئے اور ٹانگوں کے گرد کپڑا لپیٹ کر بیٹھ گئے۔ پھر گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا (مسجد نبوی کے لیے) ہم ایک ایک اینٹ اُٹھا رہے تھے اور سیدنا عمّارؓ دو دو اینٹیں اُٹھاتے تھے۔ اتنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُدھر سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اُن کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا! عمّار کے کیا کہنے اس کو باغیوں کی ایک ٹولی قتل کرے گی۔ عمّار تو انہیں اللہ کی

طرف بلا رہا ہوگا اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دیتی ہوگی۔

(بخاری جلد ۱ صـ ۶۴، ۳۹۴)

مسند احمد میں بھی یہ حدیث کئی مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد جلد ۹ حدیث نمبر ۶۴۹۹۔۔ ۶۵۰۰، جلد ۱۰ حدیث نمبر ۶۵۳۸)

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ "فئۃ باغیہ" اور اہل باطل میں سے تھے۔ حالانکہ احادیث وتاریخ سے اُن کا یہ دعوے غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نہ تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمّار کو قتل کیا تھا اور نہ ہی وہ باغی گروہ میں سے تھے۔ یہ سب نتائج بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث نہ تو روایتاً صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ صـ ۳۸۷، تطہیر الجنان صـ ۳۵) اور نہ ہی درایتاً۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً:۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ صحابہؓ جو اُس وقت غیر جانبدار تھے یا سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صفین میں شامل تھے۔ فوراً سیدنا علیؓ کے ساتھ مل جاتے۔ کیونکہ صحابۂ رسولؐ کی جماعت ایسی جماعت نہیں تھی جس طرح کہ آجکل کی جماعتیں ہوتی ہیں جن میں دھڑے بندیاں اور تعصب کی بڑی بڑی خلیجیں حائل ہوتی ہیں اور ان میں سے اگر ایک جماعت خواہ کیسی ہی حق بات کہے دوسری جماعت اپنی جانبدارانہ پالیسی سے سرمو انحراف نہیں کرتی۔ بلکہ صحابہ کی جماعت ایک ایسی پاکیزہ اور حق پرست جماعت تھی جو ہر وقت حق کی متلاشی رہتی اور جونہی کسی معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اُن کے کانوں میں پہنچتا وہ فوراً اُس کو قبول کرتی خواہ دنیوی طور پر اُنہیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑتا۔ حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، لیکن ایک چھوٹی سی مثال سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ

کَرِیْمٌ ۝ (سورۃ الحدید آیت ۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اُس کے لیے بہترین اجر ہے۔

تو سیدنا ابو الدحداح رضؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا حق تعالیٰ ہم سے قرض چاہتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، اے ابو الدحداح رضؓ! انہوں نے عرض کی، یارسول اللہؐ! ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے اپنے ہاتھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ لے کر کہا کہ "میں نے آپؐ کو اپنا باغ قرض دے دیا"۔ سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اُس باغ میں چھ سو درخت تھے۔ اسی میں اُن کا گھر بھی تھا اور وہیں اُن کے بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا: "دحداح کی ماں! نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولیں، آپ نے نفع اور فائدے کا سودا کیا ہے، دحداحؓ کے ابا! اور اُسی وقت اپنا سامان اور بچے لے کر باغ سے نکل گئیں۔ (ابن ابی حاتم ص۲۲۶)

جو لوگ اسلام کی ایک ایک بات کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے یہ بھلا کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے سیدنا عمار بن یاسرؓ کو سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل دیکھیں اور پھر انہیں صفین کی جنگ میں شہید ہوتے بھی دیکھیں لیکن اس کے باوجود وہ سیدنا معاویہؓ کا ساتھ چھوڑ کر سیدنا علیؓ کا ساتھ نہ دیں۔ اور اُن پر حق ظاہر نہ ہو۔ اور وہ برابر غیر جانبداری کی زندگی بسر کریں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھی اور کئی جلیل القدر صحابیؓ غیر جانبداری کی زندگی گزار رہے تھے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی آپس کی جنگوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات ان پر مشتبہ تھے اور اُن کی اشتباہت کی وجہ سے ان کا اجتہاد بھی مختلف تھا۔ لہٰذا اُن کی تین قسمیں ہو گئیں۔ قسم اوّل وہ صحابہؓ تھے جن کو اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ

علم ہوا کہ حق اس طرف ہے اور ان کا مخالف باغی ہے۔ لہٰذا اُن پر حق والی جانب کی نصرت و امداد ضروری ہے اور اُن کے باغی سے قتال واجب دوسری قسم اس کے برعکس تھی:۔

وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية وتحيروا فيها ولم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين فاعتزلوا الفريقين وكان هذا الاعتزال هو الواجب في حقهم لانه لا يحل الاقدام على قتال مسلم حتى يظهر انه مستحق لذالك ولو ظهر لهؤلاء رجحان احد الطرفين وان الحق معه لما جاز لهم التأخر عن نصرته في قتال البغاة عليه فكلهم معذورون رضي الله عنهم۔

اور تیسری قسم اُن صحابہ کرام رضؓ کی تھی جن پر حق مشتبہ تھا اور وہ اس بارہ میں متحیر تھے کہ کیا کیا جائے اور اُن پر دونوں طرفوں میں سے کسی طرف کی ترجیح ظاہر نہیں ہوئی تھی لہٰذا وہ دونوں فریقوں سے الگ اور علیحدہ رہے اور ان کا دونوں سے الگ رہنا اُن کے لیے ضروری تھا کیونکہ اُن کے لیے کسی مسلمان کے قتال کا اقدام جائز نہیں تھا جب تک کہ اُن پر اُس کا مستحق ہونا ظاہر ہو جائے۔ اگر اُن پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ حق اس طرف ہے تو اُن کے لیے اُس کے باغیوں کے خلاف قتال میں نصرت و امداد سے اعراض برتنا جائز نہ تھا پس وہ سب معذور ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ (نووی جلد ۲ صـ ۲۷۲)

اسی شی کو علامہ نوویؒ نے ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

كانت القضايا مشتبهة حتى ان الجماعة من الصحابة تحيروا فيها فاعتزلوا الطائفتين ولم يقاتلوا ولو تيقنوا الصواب لم يتاخروا عن مساعدته۔

حق ان پر مشتبہ تھا کہ صحابہ کرام رضؓ کی ایک جماعت اس معاملہ میں حیران تھی

لہٰذا وہ دونوں گروہوں (سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ) سے الگ رہے اور وہ اس قتال میں شریک نہ ہوئے۔ اگر وہ (سیدنا علیؓ ہی کی طرف) حق وصواب یقین کرتے تو اُن کی نصرت اور امداد سے ہرگز پیچھے نہ رہتے۔

(نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰)

نہ صرف وہ لوگ جو ان دونوں فریقوں سے الگ تھے۔ اس قسم کے خیال کے حامل تھے بلکہ سیدنا علیؓ کے ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کا یہ خیال تھا کہ اس معاملہ میں راہ صواب واضح اور صاف نہیں ہے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا یہ قول نہایت جلی حروف میں مرقوم ہے۔

"ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے مابین جو معاملہ درپیش ہے اس میں جانب ترجیح واضح نہیں بلکہ مشتبہ ہے۔ خدا کی قسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طریقہ کو اختیار فرماتے تھے اس کی صداقت اور اُس کے حق ہونے کا انہیں علم ہوتا تھا، یہاں تک کہ یہ معاملہ پیش آگیا۔ اس میں ان کی قوت فیصلہ جواب دے گئی اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس معاملہ میں انہیں پیش قدمی کرنی چاہیئے یا پیچھے رہنا چاہیئے۔"

وہ غیر صحابی جو سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر فریق مخالف سے لڑ رہے تھے اُن پر بھی راہ حق مشتبہ اور غیر واضح تھی۔ وہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ سیدنا علیؓ حق پر ہیں، یا سیدنا معاویہؓ؟ اور ایک کشمکش میں تھے۔ اور سیدنا علیؓ کا ساتھ دینے کے باوجود جنگ میں نہایت بددل تھے۔ چنانچہ جنگ کے دوران سیدنا علیؓ کے لشکر کا ایک آدمی جس کے ہاتھ میں ایک قبیلے کا عَلم بھی تھا، وہ یہ کہتا تھا:۔

"اے اللہ! تو نے ہمیں جہالت اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کی صراطِ مستقیم نصیب فرمائی، لیکن آج ہم پھر ابتلاء اور آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ حق کیا ہے، ہم ریب اور شک میں مبتلا ہیں۔"

(کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۶)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ پر حق ظاہر نہیں تھا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا عمار بن یاسرؓ کو میدان جنگ میں سیدنا علیؓ کے لشکر میں دیکھ کر ہی تمام صحابہؓ اُن کے ساتھ تعاون کرتے اور سیدنا معاویہؓ یکہ و تنہا رہ جاتے بلکہ خود سیدنا معاویہؓ بھی اپنے موقف سے دستبردار ہو کر سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا عمران بن حصینؓ، سیدنا ابو بکرہؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا ابو الدرداءؓ سیدنا ابو امامہ الباہلیؓ، سیدنا ابو مسعودؓ وغیرہم جلیل القدر صحابہ کبھی بھی سیدنا علیؓ سے تعاون کرنے سے پیچھے نہ رہتے۔

ثانیاً: قتل عثمانؓ کے بعد جمل اور صفین کی جنگوں کے موقع پر متعدد مرتبہ جانبین کے نمائندے صلح کے لیے آپس میں ملے لیکن کسی نے بھی فریق مخالف کو یہ بات بطور دلیل اور حجت کے پیش نہ کی کہ سیدنا علیؓ راہِ حق پر ہیں اور اُن کا موقف بالکل صحیح ہے کیوں کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ اُن کے لشکر میں شامل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس جنگ میں شہید ہو جائیں۔ تاریخ کی کتابیں ایسی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ثالثاً: اگر واقعی یہ حدیث صحابہ کرامؓ میں مشہور و معروف تھی اور سیدنا عمار بن یاسرؓ کا قتل اس بات کی بیّن اور واضح دلیل تھا کہ جس گروہ میں وہ شامل ہو کر جامِ شہادت نوش فرمائیں گے وہ گروہ حق پر ہوگا اور دوسرا باغی تو اس نص صریح کے ہوتے ہوئے سیدنا علیؓ نے جنگ بندی قبول کر کے قرآن حکیم کا خلاف کیوں کیا؟ کیونکہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الحجرات: ۹)

اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے

پر زیادتی کرتا ہے یعنی ایک دوسرے پر چڑھا چلا جاتا ہے تو تم سب لڑو اُس گروہ سے جو چڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ پھر آیا تو ملاپ کرادو ان دونوں میں برابر اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیدنا علیؓ کا جنگ بندی پر رضامند ہو جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ سیدنا معاویہؓ کو باطل پر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ ان کو باغی اور باطل پر سمجھتے تو وہ کبھی بھی جنگ بندی کو قبول نہ فرماتے۔

تاریخ کی کتابوں میں بعض موضوع روایات میں آتا ہے سیدنا علیؓ نے جنگ بندی کی مخالفت کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو سختی سے روکا تھا کہ وہ جنگ بند نہ کریں؟ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ مخالفت اس آیتِ کریمہ کے تحت کی تھی یا اس کی وجہ کچھ اور تھی؟ اور اس وقت جب سیدنا معاویہؓ کے لشکر نے قرآنِ حکیم کو نیزوں پہ اُٹھایا تھا تو کیا انہوں نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہم نے اپنی بغاوت سے رجوع کر لیا ہے۔ لہٰذا تم اب ہمارے ساتھ صلح کر لو۔

طبری، مسعودی اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچسو قرآن نیزوں پہ اُٹھائے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس شئی کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپ نے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو۔ یہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ یہ عمرو بن العاصؓ یہ ابن ابی معیط، یہ حبیب بن مسلمہؓ یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاک بن قیسؓ۔

لیسوا باصحاب دین ولا قرآن انا اعرف بهم منكم و صحبتهم اطفالاً ورجالاً فكانوا شر اطفال وشر رجال ويحكم والله! ما رفعوها انهم يقرؤها ولا يعلمون بما فيها وما رفعوها الا خديعة ودهاء ومكيدة۔

ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انہیں تم سب سے زیادہ

جانتا ہوں۔ میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گزاری اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں۔ وائے ہے تم پر۔ بخدا انہوں نے (صدق دل سے) ان کو نہیں اٹھایا۔ یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں اور اب جو انہوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے یہ محض دھوکہ دہی، مکاری اور عیاری کے لیے ہے۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۸، ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۶۱، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۱۶، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۷۲)

اس روایت اور ان جیسی دوسری موضوع روایات میں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؓ جنگ بندی پر بالکل راضی نہیں تھے، کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ اب تو ان لوگوں کا باغی ہونا ظاہر و باہر ہے لہٰذا جنگ بندی اُس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ یہ اپنے موقف سے بالکلیہ رجوع نہ کر لیں۔ پھر آپ کا تحکیم کو مان لینا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ سیدنا علیؓ اپنے کو یقینی طور پر حق پر نہیں سمجھتے تھے؟ اگر وہ اپنے کو یقینی طور پر حق پر سمجھتے تو اس ثالثی کو کبھی بھی قبول نہ کرتے کیونکہ ثالثی صرف اور صرف اسی وقت قبول کی جاتی ہے جب آپس میں دو دست وگریبان جماعتوں کے پاس ایسے دلائل موجود ہوں جن سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوتا ہو کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون؟ اور دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل کی رُو سے اپنے آپ کو حق اور صواب پر سمجھتے ہوں۔ سیدنا علیؓ کا ثالثوں کو قبول کر لینا ہی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خود سیدنا علیؓ اور دوسرے سب صحابہؓ اس معاملہ میں حیران و سرگردان تھے کہ کس کو حق پر سمجھا جائے اور انہوں نے اپنے اپنے دلائل کی رُو سے جس گروہ کو حق پر سمجھا اُس کا ساتھ دیا اور جو صحابہ دونوں طرف کے قوی دلائل کی رُو سے ترجیح کی کسی جانب کا فیصلہ نہ کر سکے وہ بالکل غیر جانبدار رہے اور اپنے کو جنگ و قتال کی دھول سے ملوث نہ ہونے دیا اور مختلف علاقوں میں کئی سال تک اپنی غیر جانبدارانہ زندگی کے دن گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ ۴۱ھ میں سیدنا معاویہؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ساری اُمت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان صحابہؓ نے بھی اُن کی بیعت فرمالی۔

(جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے) اور وہ سال "عام الجماعۃ" کے نام سے موسوم ہوا۔

رابعاً سیدنا حسنؓ کا سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانا ہمارے دعویٰ کی مزید تائید کرتا ہے، کیونکہ اگر سیدنا عمارؓ کی شہادت نے حق و باطل کو واضح کر دیا تھا تو صاف ظاہر تھا کہ سیدنا معاویہؓ اپنے موقف کے لحاظ سے باطل پر تھے اور سیدنا حسنؓ کا باطل کے حق میں دست بردار ہونا خود باطل ہے۔ پھر اس بارہ میں کسی شخص نے سیدنا حسنؓ کو یہ نہ کہا کہ سیدنا عمارؓ کی شہادت سے چونکہ حق واضح ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہؓ باطل پر ہیں لہٰذا آپ کو اُن کے حق میں خلافت جیسے پاکیزہ منصب سے دستبردار نہیں ہونا چاہئیے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی مکمل شہادت دیتے ہیں کہ کسی شخص نے سیدنا عمارؓ کی شہادت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا۔ تاریخ میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا حسینؓ اور چند لوگوں نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں دست برداری پر سیدنا حسنؓ کی مخالفت کی لیکن اس مخالفت کے اسباب اور تھے۔ شہادت عمارؓ کا سبب اور وجہ اُن میں سے کسی نے پیش نہیں کی تھی۔

(ملاحظہ ہو طبری، ابن اثیر، اخبار الطوال، تاریخ الخلفاء، ابن ابی الحدید وغیرہم)

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن اصحاب سے مروی ہے اُن میں چار حضرات (سیدنا عثمانؓ، سیدنا حذیفہ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا ابو رافعؓ) تو جنگ صفین سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ چار حضرات سیدنا ابوہریرہؓ سیدنا ابو سعید خدریؓ، سیدنا ابو ایوب انصاریؓ۔ سیدہ ام سلمہ سلام اللہ علیہا جنگ صفین کے موقع پر زندہ تو تھے لیکن غیر جانبدار رہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ کبھی بھی غیر جانبدار نہ رہتے بلکہ ضرور سیدنا علیؓ کا ساتھ دیتے کیونکہ یہ محال اور ناممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ حق و باطل کی جنگ میں حق کا ساتھ نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں۔ باقی پانچ حضرات میں سے تین سیدنا خزیمہ بن ثابتؓ، سیدنا ابو قتادہؓ اور سیدنا ابو الیسرؓ جنگ صفین کے موقع پر یقیناً سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے اور باقی دو حضرات عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ وہ تین صحابہ جنہوں نے سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا تھا، کسی صحیح

حدیث میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس حدیث کو مدار بنا کر آپ کا ساتھ دیا ہو۔ یا انہوں نے شہادت عمارؓ کے بعد اس حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے صحابہؓ میں پرچار کیا ہو کہ سیدنا علیؓ حدیث شہادت عمارؓ کی رو سے چونکہ حق پر ہیں لہٰذا تم اُن کا ساتھ دو یا انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا معاویہؓ یا اُن کے گروہ کو "الفیئۃ الباغیہ" (باغی گروہ) کہا ہو[1]۔

---

[1] صحیح حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات حق پر تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ
لاتقوم الساعۃ حتّٰی تقتل فئتان عظیمتان یقتل بینہما مقتلۃ عظیمۃ ودعواھما واحدۃ۔
قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں لڑائی نہ ہو، ان کے مابین سخت جنگ وقتال ہوگا اور ان دونوں جماعتوں کا "دعویٰ" ایک ہوگا۔
(بخاری جلد ۲ صـ ۱۰۲۵، صـ ۱۰۵۴)
حق وباطل کا مدار دعویٰ اور دعوت پر ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک تھا تو پھر ہمارا ذہن یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان میں ایک جماعت حق پر ہو اور دوسری صریحاً باطل پر۔ اس حدیث کی مزید تائید سیدنا علیؓ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو نہج البلاغہ میں ان الفاظ سے درج ہے اور اس خط کو آپ نے اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں لکھ کر بھیجا اور جو کچھ اہل صفین اور اُن کے درمیان پیش آیا اُس کو اس الفاظ میں بیان فرمایا:
وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحدٌ ونبیا واحدٌ ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولانستزیدھم فی الایمان باللّٰہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا، الامر واحدٌ الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء"۔
اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر

اگر اس حدیث کو سند اور متن بارِ روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس حدیث کا معنیٰ وہ نہیں ہے جو مخالفین صحابہ بیان کرتے ہیں کیونکہ اگر اس کا یہ معنیٰ بیان کیا جائے تو نہ صرف سیدنا معاویہؓ پر اس حدیث کی زد پڑتی ہے بلکہ سیدنا علیؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عقیلؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا سعد بن

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک۔ نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسالۃ میں اُن سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خون عثمانؓ کے بارہ میں ہمارا اور اُن کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔
(نہج البلاغہ ص ۵۴۳)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کی "دعوت فی الاسلام" ایک ہی تھی لہٰذا دونوں حق پر تھے، کسی ایک کا باطل پر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شاید یہی وجہ تھی کہ متقدمین کے نزدیک سیدنا علیؓ کو حق پر سمجھنا اور اُن کے مخالف سیدنا معاویہؓ کو خطا پر سمجھنا تشیع کہلاتا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیاً کان مصیباً فی حروبہ وان مخالفہ مخطی مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما۔

متقدمین کے نزدیک سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کو فضیلت دینا اور جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق وصواب پر ہونے اور آپ کے مخالف کے خطاء پر ہونے کا اعتقاد رکھنا تشیع ہے باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔ (تہذیب التہذیب جلد ا ص ۹۴)

معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ کو حق پر اور سیدنا معاویہؓ کو خطاء پر سمجھنا بعد کے دور کی ذہنی ایجاد ہے جب اہل سنت والجماعت کے ذہن شیعی پراپیگنڈہ سے متاثر ہوئے۔

ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم جلیل القدر صحابہؓ کے دامن بھی داغدار ہوتے ہیں۔
لہٰذا اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے ہمیں "الفئتہ الباغیہ" (باغی گروہ) کا تشخص کرنا پڑے گا کہ وہ کون سا گروہ تھا۔ اور تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ باغی گروہ سیدنا معاویہؓ کا گروہ نہ تھا بلکہ سیدنا علیؓ کی فوج میں شامل شدہ وُہ خاص افراد تھے جنہوں نے پہلے:۔

۱۔ سلطنت اسلامیہ میں ایک خاص یہودی اور ایرانی سازش کے تحت خلیفۃ المسلمین کے خلاف غلط پراپیگنڈہ کیا۔
۲۔ پھر دن دہاڑے امیر المومنینؓ کو مدینہ طیبہ میں شہید کیا۔
۳۔ پھر جلد ہی غیر اسلامی طریقے سے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنی پناہ کی ایک راہ ڈھونڈھی۔ حالانکہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو ایسی بیعت سے روکا تھا۔[1]

---

[1] تاریخ میں مرقوم ہے کہ شہادتِ عثمان کے تیسرے روز سبائی سیدنا علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں حالاں کہ آپ اُس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے۔ آپ نے فرمایا جلدی نہ کرو، عمرالفاروقؓ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے مشورہ کی وصیّت فرمائی تھی لہٰذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو، وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔ یہ بات سُن کر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علیؓ کے پاس آئے۔ اس وقت مالک الاشتر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اُس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۴۵۵)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشتر (جو سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کرنا چاہی تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو بڑی سختی سے منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ

فانك واللہ ان تہضت مع ھٰؤلاء الیوم لیحملنك الناس

۴۔ پھر اُن کو سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عائشہ ام المومنین سلام اللہ علیہا کے مقابلہ میں لے آئے۔

۵۔ پھر جب سیدنا قعقاع بن عمروؓ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر تیار ہو گئے تو انھوں نے صبح ہونے سے قبل ہی اندھیرے منہ دونوں لشکروں پر حملہ کر دیا جو جنگ جمل کی صورت میں نمودار ہوا[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دم عثمان غدًا۔

بخدا! اگر آج آپ ان (باغیوں) کے ساتھ (خلافت کے لیے) اُٹھ کھڑے ہوئے تو کل لوگ آپ پر قتل عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔

لیکن سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہؓ بن عباسؓ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

(طبری جلد ۳ صفحہ ۴۶۱، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)

بعض روایات میں سیدنا حسنؓ بن علیؓ کا منع کرنا بھی آتا ہے، لیکن آپ نے اُن کی بات بھی نہ مانی تھی اور جلدی میں باغیوں سے اپنی خلافت کی بیعت لے لی جس کا آپ کو ساری عمر افسوس رہا۔ (ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، صفحہ ۱۹۳، صفحہ ۲۳۴)

[1] جنگ جمل میں جب دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے تھیں تو آپس میں صلح کی گفتگو جاری ہوئی سیدنا قعقاعؓ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ:

وعولوا جمیعًا علی الصلح وباتوا بخیر لیلۃ لم یبیتوا بمثلھا للعافیۃ وبات الذین اثاروا امر عثمان بشر لیلۃ باتوھا قط۔

سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسی چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسی اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے، لیکن وہ لوگ جنھوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی اور اُن کو شہید کیا تھا، انھوں نے اس سے بدترین رات پہلے کبھی نہیں گزاری تھی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۳۹، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۳، طبری جلد ۴ صفحہ ۴۸۸)

۶۔ پھر انہوں نے سیدنا علیؓ سے مدینۃ الرسول ایسا چھڑوایا کہ پھر اب تک وہ اسلامی دارالخلافہ نہ بن سکا۔[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صلح کی اس صورت کو دیکھ کر سبائی پریشان ہوگئے اور کہنے لگے۔

رأی الناس فینا واللہ واحدٌ وان یصطلحوا مع علی فعلی دمائنا۔

بخدا! ہم لوگوں کے بارہ میں ان سب کی رائے ایک ہے ان میں اگر باہم صلح ہوگئی تو وہ ہمارے خون ہی پر ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تجویز سوچی کہ:۔

اذا التقی الناس غداً فانشبوا القتال ولا تفرغوهم للنظر۔

کل جب دونوں آپس میں ملیں تو چپکے سے جنگ کی آگ بھڑکا دی جائے اور انہیں غور و فکر کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ ۲۳۹ ، ابن اثیر جلد ۳ صـ ۱۲۳)

اس طریقہ سے اُس شر پسند اور دین دشمن گروہ نے ان دونوں طالبانِ حق کو آپس میں لڑوا دیا حالانکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑنے پر راضی نہ تھے۔

[۱] سیدنا علیؓ جب مدینہ طیبہ کو اس سبائیوں کی مجبوری کی وجہ سے چھوڑنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن سلامؓ نے آپ کی اس بارہ میں سخت مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا:۔

یا امیر المؤمنین! لا یخرج منہا فواللہ لئن خرجت منہا لا ترجع الیہا ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابداً۔

اے امیر المؤمنینؓ! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلیں۔ بخدا! اگر آپ مدینہ کو چھوڑ گئے تو پھر نہ تو آپ کبھی اس کی طرف لوٹیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کی حکومت پھر کبھی مدینہ میں آئے گی۔

اس پر سبائیوں نے سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کو سب و شتم کیا، لیکن سیدنا علیؓ نے فرمایا:۔

ان کو چھوڑ دو یہ اصحابِ رسولؐ میں سے بہت اچھے آدمی ہیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ ۲۳۳ ، طبری جلد ۳ صـ ۴۷۲ ، ابن اثیر جلد ۳ صـ ـــ)

۷۔ پھر سیدنا علیؓ سے بنو اُمیہ کے تمام گورنروں کو بغیر چارج شیٹ کے یکقلم معزول کروا دیا تاکہ ان کو مملکت کے ہر صوبہ میں اسلام دشمن کارروائیوں کی کھلی چھٹی مل جائے اور کوئی اُن کے راستہ میں خلل انداز نہ ہو[1]

۸۔ پھر سیدنا علیؓ کو سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ میں صفین کے میدان میں لے آئے اور نہ صرف عمار بن یاسرؓ بلکہ دوسرے کئی ایک مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ بعد ازیں سیدنا علیؓ کو شہید کیا اور کوفہ میں سیدنا حسینؓ کو بلا کر میدان کربلا میں شہید کیا۔ یہ لوگ نہ صرف سیدنا عمار بن یاسرؓ کے قاتل تھے بلکہ سیدنا عثمانؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا علیؓ اور

---

[1] سیدنا علیؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سیدنا عثمانؓ کے مقرر کردہ قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے زیادہ تر اپنے خاندان کے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر مقرر فرما دیئے یمن میں عبید اللہ بن عباسؓ مدینہ طیبہ پر تمام بن عباسؓ، مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ، عراق پر عبداللہ بن عباسؓ خراسان پر اپنے بھانجے اور داماد جعدہ بن ہبیرہؓ، مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ اور فوج کا سپریم کمانڈر اور چیف آف سٹاف اپنے حقیقی فرزند ارجمند محمد بن الحنفیہؓ کو مقرر فرمایا۔ یہ سب نوجوان تھے اور ناتجربہ کار بھی۔

(ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ۲۲۷، ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۰۳، صـ۱۷۷، اخبار الطوال صـ۱۵۳، منہاج السنۃ جلد ۳ صـ۱۷۳، ۱۷۵، صـ۱۸۷، ۱۸۹)

عثمانی گورنروں کی تبدیلی اور اپنے قریبی لوگوں کو گورنر بنانے کی تجویز انہی ذہنوں کی پیداوار تھی۔ اور اس سے سیدنا علیؓ کی حکومت کا اندرونی نظم و نسق بہت جلدی خراب ہو گیا جو سیدنا علیؓ کی خلافت کے زوال پذیر ہونے کا ایک خاص سبب بنا۔ پھر مالک الاشتر جو سبائی سرغنہ تھا، کو بھی مصر کا گورنر بنا دیا گیا اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اُس نے سیدنا علیؓ کو سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ پر لا کر صفین کے میدان میں کھڑا کر دیا جس میں کافی لوگوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جن میں ایک سیدنا عمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ گویا کہ ان سب پاکیزہ حضرات کو میدان جنگ میں لانے والے یہی سبائی، پھر ان کو شہید کرنے والے بھی یہی ناہنجار تھے۔

آخر میں سیدنا حسینؓ بھی انہی دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں :۔

الذین قاموا علی عثمان وانکروا علیہ اشیاء اعتذر عن فعلھا ثم کانوا مع علی ثم خرجوا بعد ذلك علی علی ۔

یہ (سبائی) وہ لوگ ہیں جو سیدنا عثمانؓ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اُن کے ذمہ وہ گناہ تھوپ دیئے جن کا آپ کو علم بھی نہیں تھا۔ پھر اُن کی شہادت کے بعد) سیدنا علیؓ کے ساتھ مل گئے۔ آخر کار اُن سے بھی خروج کیا۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۳۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان الفاظ میں اس دین دشمن عناصر کو عریاں کیا ہے فرماتے ہیں۔

اختلفوا اکاذیب وابتدعوا آراء فاسدۃ لیفسدوا بھا دین الاسلام ویستزلوا بھا من لیسوا باولی الاحلام فسعوا فی قتل عثمان وھو اول الفتن ثم ترددوا الی علی لاحبًا فیہ ولا فی اھل البیت لکن لیقیموا سلوق الفتنۃ بین المسلمین ثم ھؤلاء الذین سعوا معہ منھم من کفر بعد ذلك وقاتلہ کما فعلت الخوارج وسیفھم اول سیف سل علی الجماعۃ ومنھم من اظھر الطعن علی الخلفاء الثلاثۃ کما فعلت الرافضۃ ۔

انہوں نے غلط سلط اور جھوٹی روائتیں گھڑیں اور فاسد خیالات ایجاد کئے تاکہ ان سے دین اسلام میں فتنہ و فساد برپا کریں اور جن کی عقل ماری گئی ہے اُن کو صراط مستقیم سے بھٹکائیں۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کے قتل میں بھرپور کوشش اور سعی کی اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا۔ پھر یہ لوگ سیدنا علیؓ کے پاس جمع ہو گئے اس وجہ سے نہیں کہ انہیں سیدنا علیؓ یا اُن کے اہل بیت سے کوئی محبت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ کی شاہراہ کھولیں

پھر انہیں لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر جدوجہد کی (اور جمل اور صفین کی جنگیں بھی لڑیں) پھر اس کے بعد انہی میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تکفیر کی اور آپ سے جنگ وجدل کیا جیسا کہ خوارج نے کیا اور اُن کی تلوار سب سے پہلی تلوار تھی جو مسلمانوں کی جماعت پر بے نیام ہوئی اور اُن ہی میں سے کچھ لوگوں نے خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ) پر زبان طعن دراز کی جیسا کہ روافض نے کیا۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ صـ ۲۴۳)

تاریخ کی روایات اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ سبائیوں کی اچھی خاصی تعداد آپ کے لشکر میں موجود تھی اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے پہلے سیدنا عثمانؓ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اور بعد میں جنگ جمل میں سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کو شہید کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جنگ صفین میں جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا علیؓ نے سیدنا جریرؓ[1] بن عبداللہ البجلیؓ کو قاصد بنا کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا تاکہ فریقین کے درمیان صلح کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ سیدنا جریرؓ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشتر نے جو سبائی گروہ کا سرغنہ تھا اعتراض کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:-

---

[1] جریر بن عبداللہ البجلیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قریباً پانچ چھ ماہ قبل مسلمان ہوئے۔ روایات میں ہے کہ جب یہ اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا جریر! کیسے آنا ہوا۔ عرض کیا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے۔ آپ نے اُن کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:-

اذا جاء کریم قوم فاکرموہ۔

جب کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت و تکریم کرو۔

(اصابہ جلد ۱ صـ ۲۴۲)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر فرض نمازوں کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، مسلمانوں کی خیر خواہی، انسانوں پر رحم کرنا اور حق تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنے کی تاکید فرمائی۔
(مسند احمد جلد ۴ صـ ۳۵۸)

لاتفعل فان هواه مع معاویةؓ۔

ان کو نہ بھیجیں کیونکہ ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔

لیکن سیدنا علیؓ نے اشتر کی بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو خط دے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجدیا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ مہاجرین وانصار نے میری بیعت کرلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اور لوگوں کو خاموش کرنے کی خدمت آپ کے سپرد تھی (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۵۸) بعد ازاں ذوا لخلیفہ کے صنم کدہ کو منہدم کرنے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ جس کو آپ نے پورا کیا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۴) حضورؐ کے انتقال کے وقت آپ یمن میں تھے۔ اور کئی دن بعد آپ کو اطلاع ملی۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۵)

عہد صدیقی میں اپنی زندگی خاموشی سے گزاری۔ البتہ عہد فاروقی میں عراق کی فوج کشی میں واقعۂ جسر میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس کے بعد جنگ یرموک اور دوسری کئی ایک اہم جنگوں میں حصہ لیا اور دشمن سے اپنی بہادری کا لوہا منوایا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۱۱۹)

عہد عثمانی میں آپ ہمدان کے گورنر تھے۔ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں بہت کوشش کی کہ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا علیؓ کی کشیدگی ختم ہو جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جنگ جمل اور صفین میں سے کسی میں شرکت نہ کی اور اپنی زندگی قرقیسیا کے گوشۂ عافیت میں گزاری۔ آخر ۵۴ھ میں وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۷۳)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی بڑی پذیرائی تھی۔ آپ بڑی شفقت کے ساتھ اُن سے پیش آتے۔ بلکہ بعض مرتبہ اُن کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔ (تہذیب الکمال صفحہ [illegible]) غائبانہ اُن کا نہایت اچھے طریقے سے ذکر فرماتے۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا۔ تو مدینہ سے باہر سواری بٹھا کر کپڑا رکھنے کا تھیلا کھولا اور حلہ پہن کر داخل ہوا۔ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے میری طرف اشارہ کیا۔ سیدنا عبداللہؓ کے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ آپ نے دوران خطبہ فرمایا تھا کہ اس دروازہ سے تمہارے پاس یمن کا ایک بہترین شخص داخل ہوگا جس کے چہرہ پر بادشاہی کے آثار ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی اس عزت افزائی پر میں

ہے۔ لہذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق روسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لئے بلایا اور اُن کو وہ خط سُنا کر مشورہ طلب کیا۔ ان سب نے جو جواب دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ ہی نے اُس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قالوا ان یبایعوا حتٰی یقتل قتلۃ عثمان او ان یسلم الیھم قتلۃ عثمان۔

انہوں نے اُس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ قاتلانِ عثمانؓ کو (قصاص میں) قتل نہ کیا جائے یا اُن کو ان کے سپرد کر دیا جائے (تاکہ اگر سیدنا علیؓ قاتلانِ عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہیں کر سکتے تو وہ خود قتل کریں)

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے دیکھا کہ لوگ امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے۔

"سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے شام میں جو کچھ دیکھا اُس کی پُوری رپُورٹ سیدنا علیؓ کو پیش کر دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کے بارہ میں معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۶۱) اللہ تعالیٰ نے انہیں حسین و جمیل بنایا تھا کہ سیدنا عمر الفاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اُمت اسلامیہ کے یوسف ہیں۔ (تہذیب الکمال صفحہ ۱۶) نیز ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائیں تم زمانہ جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہوئے (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۷۳)

شہادت میں ہاتھ ہے۔ اور انہوں نے اُن کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے"

سیدنا جریر بن عبداللہؓ کے منہ سے یہ واقعات سُن کر مالک الاشتر لال پیلا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں اگر آپ مجھ کو قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی ۔ لیکن سیدنا جریرؓ نے کہا "بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ بھیجتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلانِ عثمانؓ میں سے ہو" اس پر مالک الاشتر نے کچھ اُلٹا سا جواب دیا جس پر سیدنا جریرؓ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قرقیسا میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کو اپنی اس بات چیت سے متعلق مطلع کر دیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ ۲۵۳، ابن الاثیر جلد ۳ صـ ۱۴۱، ۱۴۲)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک ایسا عنصر شامل تھا جس کا قاتلانِ عثمانؓ سے تعلق تھا یا وہ خود قاتلانِ عثمانؓ تھے ۔ اور وہ ہر معاملہ میں اپنی سر توڑ کوشش کرتے کہ دونوں فریقوں میں کہیں صلح نہ ہو جائے کیونکہ صلح کی صورت میں اُن کی خیر نہیں تھی۔

اس روایت سے زیادہ واضح ایک اور روایت ابن کثیرؒ ہی نے نقل کی ہے کہ جنگ صفین موقع پر اصحاب رسولؐ کی یہ خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ باہمی جنگ و قتال ختم ہو جائے چنانچہ دو درد دل رکھنے والے صحابہؓ سیدنا ابو درداءؓ[1] اور سیدنا ابو امامہؓ[2] الباہلی نے سیدنا معاویہؓ سے مل کر کہا ۔

---

[1] سیدنا ابو الدرداءؓ کا اصلی نام عویمر تھا۔ کنیت ابو درداءؓ تھی آپ انصار قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲ سنہ ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ غزوہ بدر میں چونکہ مسلمان نہ ہوئے تھے لہذا شرکت نہ فرمائی۔ غزوہ اُحد میں شرکت فرمائی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "عویمر کس قدر اچھے شاہسوار ہیں" اُحد کے بعد پھر ہر غزوہ میں شریک ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتقال کے بعد مدینہ کو چھوڑ دیا اور شام کے دارالخلافہ دمشق

"معاویہؓ! آپ سیدنا علیؓ سے کس بناء پر لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم وہ آپ سے زیادہ قدیم الاسلام اور اقرب الی الرسول ہیں اور خلافت کے بھی آپ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں سکونت اختیار کر لی کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا تھا کہ "فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا۔ (مسند احمد جلد ۵ ص ۱۹۹) دمشق میں آپ کا وقت زیادہ تر درس و تدریس میں گزرتا سیدنا عمرؓ نے شام کے سفر میں یزید بن ابی سفیانؓ، عمرو بن العاصؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکانوں پر جا کر دیکھا تو شام کی خصوصیات اور تکلفات کا رنگ روغن چڑھا ہوا تھا۔ لیکن جب ان کے در دولت پر گئے تو اس کشور دین و ملت کے تاجدار کو بغیر زینت و آرائش کے ایک تنگ و تاریک مکان میں کمبل اوڑھے ہوئے پایا۔ سیدنا عمرؓ کی آنکھوں میں ان کو دیکھ کر آنسو آگئے۔ پوچھا، ابو الدرداءؓ! اس قدر عسرت کی زندگی گزارنے کا کیا مطلب؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ ہم کو اس قدر ساز و سامان رکھنا چاہیئے جس قدر ایک مسافر کے لیے درکار ہے، لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا سے کیا ہو گئے" اس جملہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۷۸)

سیدنا عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں سیدنا معاویہؓ نے خود فرمائش کر کے ان کو دمشق کا قاضی مقرر کروایا اور سیدنا معاویہؓ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو ان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے جاتے (الاستیعاب صفحہ) آخر ۳۲ھ میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔

علم و فضل میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ سیدنا ابو ذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ اُن سے فرمایا تھا کہ "زمین کے اُوپر اور آسمان کے نیچے آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں" قرآن و سُنت کے بہت بڑے عالم اور تفسیر قرآن کے بہت بڑے ماہر تھے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۷۹ ہے جن میں سے ۳ بخاری میں اور آٹھ مسلم میں مندرج ہیں۔

۲ھ سیدنا ابو امامہ الباہلیؓ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو بیعتِ رضوان میں حق تعالیٰ کی رضا کا تمغہ ملا تھا اور اسی موقع پر آپؐ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ "تم مجھ سے ہو اور میں تم میں سے ہوں" (اصابہ جلد ۳ ص ۲۴۱) ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کے اپنے قبیلہ میں دعوت

مستحق ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں تو سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے لڑ رہا ہوں اور انہوں نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے آپ دونوں حضرات سیدنا علیؓ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیں۔

ثم انا اول من بایعه من اهل الشام۔

پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص ہوں گا جو آپ کی بیعت کروں گا۔

وہ دونوں سیدنا علیؓ کے پاس گئے اور سیدنا معاویہؓ کی یہ بات سنائی۔ علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ :

فخرج خلق کثیر فقالوا کلنا قتلة عثمان ۔

اُن کے لشکر سے بہت لوگ باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ ہم سب قاتلانِ عثمانؓ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسلام کے لیے بھیجا۔ اہل قبیلہ ان کی دعوتِ اسلام سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ بڑی تکلیفیں دیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور حق تعالیٰ نے ان کی شبانہ روز کوششوں کو بارآور کیا اور سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۴۲، اصابہ جلد ۳ ص ۲۴۱)

عہدِ علوی میں پہلے سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جنگ صفین میں بھی سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا پھر شام میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی اور ۸۶ھ میں ۱۰۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس زمانے میں عبدالملکؒ بن مروانؓ سریر آرائے خلافت تھے۔

اللہ تعالیٰ نے علم و فضل سے نوازا تھا۔ جہاں کہیں دو چار آدمی مل جاتے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سُناتے گویا احادیث نبویؐ کی تبلیغ و اشاعت ان کا خاص مشغلہ تھا لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دین کے جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچے تم لوگ ہم سے سُن کر انہیں دوسروں تک پہنچاؤ۔ (ابن سعد جلد ۷ ص ۱۳۲) ان کی روایتوں کی تعداد ۲۵۰ ہے ان میں سے ۵ بخاری میں اور ۳ مسلم میں ہیں۔

(تہذیب الکمال ص ۱۶۴)

جن کا جی چاہے وہ ہم سے جنگ کرے۔ سیدنا علیؓ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا۔

هٰؤلاءِ الّذين تريان۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔

اس پر یہ دونوں حضرات نا اُمید اور مایوس ہو گئے اور انہوں نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا بلکہ غیر جانبدار رہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۹۵)

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو قاتلانِ عثمانؓ تھے۔ کیونکہ وہ ایک نہایت گہری سازش کے تحت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور دوست کے روپ میں دشمن کا پارٹ ادا کر رہے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد اول

ابو حنیفہ الدینوری نے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک عابد و شب زندہ دار بزرگ سیدنا ابو مسلم الخولانیؒ چند مسلمانوں کی معیت میں سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ:

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علیؓ سے برسرِ پیکار ہونا چاہتے ہیں۔ آپ کو اُن سے برابری کی کیسے جرأت ہوئی؟ حالانکہ آپ اسلام لانے میں ان سے بعد کے لوگوں میں سے ہیں۔

آپ نے جواب دیا کہ

"میں فضیلت میں ان کی برابری کا ہرگز دعویدار نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اور اگر سیدنا علیؓ قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم ان سے قصاص لے لیں گے اور پھر ان کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔"

ابو مسلم الخولانیؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور اُمت کے لیے ایک درد تھا وہ اس معاملہ کو خونریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے، لہٰذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ سب مطالبات مجھے لکھ دیں۔ میں خود سیدنا علیؓ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے

آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو مسلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو مسلم الخولانیؒ کے ہاتھ سیدنا علیؓ کو روانہ کیا۔ آپ نے لکھا:۔

اما بعد! سیدنا عثمانؓ امیر المومنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کئے گئے۔ آپ اُن کے گھر کا شور و غل اور آہ و بکا سنتے رہے لیکن اپنے قول و عمل سے اُس کا کوئی مداوا نہ کیا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ آپ اگر اخلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو اُن کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں۔ ہمارے کانوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتلِ عثمانؓ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو قاتلانِ عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں (اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے) اور اے علیؓ! آپ یقین رکھئے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی ہم بحر و بر سے قاتلانِ عثمانؓ کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔

ابو مسلم الخولانیؒ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؓ کی خدمت میں پہنچے۔ خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیئے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیں کیوں کہ وہ مظلوم شہید کئے گئے ہیں لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ اور آپ کے مخالفین کے

ساتھ ہم تو آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے "

آپ نے ابو مسلم الخولانیؓ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سنیں۔ آپ نے اس روز تو ابو مسلمؓ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دیں گے۔ دوسرے روز ابو مسلمؓ جامع مسجد کوفہ میں جب آپ سے ملنے کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح آدمی یہ نعرے لگا رہے ہیں۔

کلنا قتلۃ عثمان۔

ہم سب قاتلانِ عثمانؓ ہیں۔

یہ دیکھ کر ابو مسلمؓ نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے اور انھوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔ بعد ازیں سیدنا علیؓ نے زبانی ابو مسلمؓ سے کہا کہ قاتلوں کو آپ لوگوں کے حوالے کرنا میرے امکان سے باہر ہے، لہذا میں مجبور ہوں۔ (اخبار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴ ملخصاً)

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد سبائیوں اور قاتلانِ عثمانؓ کی تھی۔ جنھوں نے اُن کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ اور ان کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق چلاتے تھے۔ چنانچہ ایک شیعی محقق ملا عبد الرزاق لاہجی نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:-

"خلافت او بعد از ثلاثہ خلافتے نہ بود کہ دراں خلافت عمل بہ مقتضائے علم او تواند کرد"

اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے بعد اُن کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے۔ (گوہر مراد ص ۱۲۵)

یہاں تک بات بڑھ گئی تھی کہ جب کبھی آپ ان کی مرضی کے خلاف رائے دیتے تو یہ دشمنانِ اسلام آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیتے۔ چنانچہ جب سیدنا علیؓ نے مملکت اسلامیہ میں اپنے عزیز و اقارب کو گورنر مقرر فرمایا۔ تو ان سبائیوں نے اس چیز کو اپنے لیے خطرہ کا باعث سمجھا اور مالک الاشتر جو اس گروہ کا سردار تھا، سیدنا علیؓ سے مغضبناک

ہو کر کہنے لگا۔

علیٰ ما قتلنا الشیخ اذن۔

پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا تھا؟

(طبری جلد ۵ صـ۱۹۴)

پھر ہر مشکل وقت میں ان لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جب سیدنا علیؓ کو ان کی ضرورت پڑتی یہ کوئی نہ کوئی عذر لنگ تراش کر پہلوتہی کر جاتے۔ چنانچہ خوارج کی جنگ کے فوراً بعد آپ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس کندی نے سیدنا علیؓ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ:۔

"ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی انیاں خراب ہو گئی ہیں، لہٰذا آپ ہمیں اب گھر جانے دیجئے"

(ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۷۶، اخبار الطوال صـ۲۱۱)

یعنی امیر المؤمنینؓ کو فوج کی مدد کی ضرورت ہے اور فوج بہانے تراش کر رخصت پر جانا چاہتی ہے۔ اس سے زیادہ اور بے وفائی کیا ہو گی؟ ان لوگوں کی اسی طرح کی بیوفائیوں اور فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر آپ نے ایک دفعہ منبر پر حلفیہ بیان فرمایا۔

"بخدا سوگند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھا لے۔ پھر فرمایا خداوندا! تُو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں۔ خداوندا! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اُس شخص کے ہاتھ مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں[1]۔

(جلاء العیون از ملا باقر مجلسی باب ۳ فصل ۲ صـ۲۳۹)

---

[1] تاریخ روضۃ الصفا کے مؤلف لکھتے ہیں کہ امیر المومنینؓ کی یہ دعا آخر قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوا۔

وازدیہ کوفیاں رسید آنچہ رسید

اور اُس سے کوفیوں کو جو سزا ملی وہ ملی۔

تاریخ میں حجاج کے ذمہ جو قتل لگائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ان ہی کوفیوں اور دشمنانِ اسلام کے ہیں جنہوں نے دوستی کے روپ میں دشمنی کا کام انجام دیا۔

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارہ میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا :۔

"اگر موسم گرما میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو کہ بڑی سخت گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکیوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصّہ سے تم نے بھر دیا اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے "

(حلیۃ المتقین ملا باقر مجلسی باب ۱۴ فصل ۱۲ صـ ۳۶۲)

چنانچہ جب ان لوگوں نے آپ کو زیادہ تنگ کیا تو ایک روز آپ کے منہ سے یہ الفاظ بھی نکل گئے۔ فرمایا :۔

قاتلکم اللّٰہ لقد ملاءتم قلبی قیحًا وشحنتم صدری غیظًا ۔

اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے ۔ (نہج البلاغت صـ ۴۷)

ایک روز آپ بہت کبیدہ خاطر تھے اور اپنے ان ساتھیوں اور لشکریوں کا جنہوں نے پہلے تو جنگِ جمل اور جنگ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، ان الفاظ میں شکوہ فرمایا :۔

وقد زعمت قریش ان ابن ابی طالب شجاع ولکن لاعلم لہٗ بالحروب، تربت ایدیھم وھل فیھم اشد مراسًا لھا منّی؟ لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین وھا انا ذا قد اربیت علیٰ نیف وستّین ولکن لا رای لمن لا یُطاع ۔

قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی علوم و فنون سے ناآشنا

اور نابلد ہے۔ خاک آلود ہوں اُن کے ہاتھ، کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ میں تو جنگوں میں اُس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے اُس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ (مروج الذہب جلد ۲ صـ۶۲، اخبار الطوال صـ۲۱۲، کتاب الاغانی جلد ۱۵ صـ۴۳، حلیۃ المتقین باب ۱۴، فصل ۲۱ صـ۳۶۲)

مؤرخین اسلام نے ان کے خصائل کے کچھ واقعات اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک خصلت اُن کی یہ تھی کہ:۔

"سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا۔ شام کا کوئی شخص اس سے اس بارہ کچھ نہ دریافت کرتا۔ لیکن جب سیدنا علیؓ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ سیدنا ابن عباسؓ (جو سیدنا علیؓ کے معتمد خاص تھے) کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المومنین سیدنا علیؓ نے آپ کو کیا لکھا ہے؟ اگر آپ اُن سے خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی اٹکل پچو لڑایا کرتے کہ ہماری رائے میں امیر المومنینؓ نے فلاں فلاں بات لکھی ہو گی۔ اس پر سیدنا عبداللہؓ اُن سے فرمایا کرتے تمہیں کبھی عقل بھی آئے گی؟ لیکن کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا معاویہؓ کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا۔ نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سنائی دیتا ہے۔ مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اٹکل پچو مارا کرتے ہو۔"

(ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۶۷، اخبار الطوال صـ۱۹۷، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ صـ۷۱)

ان کی یہ باتیں جب سیدنا علیؓ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ ان کو اچھی طرح ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر رض (بن ارطاۃ) اب یمن پہنچ گئے ہیں۔ واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آجائیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو، اور وہ اپنے امام کے تابعدار اور فرماں بردار ہیں۔ تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں۔ تم زمین میں فساد برپا کرتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں؟ میں نے فلاں کو بھیجا۔ اس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا۔ فلاں کو بھیجا۔ اُس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہ رض کو بھیجدیا۔ میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پیالے پر امین بناؤں تو وہ اُسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔"

پھر بڑے دلگیر اور پژمردہ ہو کر ان لوگوں کے بارہ میں حق تعالیٰ سے یوں دعا کرتے:-

اللّٰھم سئمتھم وسئمونی وکرھتھم وکرھونی اللّٰھم فارحھم منی وارحنی منھم۔

اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں۔ اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۳۲۵)

بعض اوقات اپنے شیعوں اور نام نہاد ساتھیوں کی انہیں غداریوں اور فتنہ انگیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ رض بڑی حسرت سے فرمایا کرتے:-

واللہ! ان معاویۃ صارفنی بکم صرف الدینار بالدرھم فاخذ منی عشرا منکم واعطانی رجلا منھم۔

بخدا! میری دلی آرزو ہے کہ معاویہ رض مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کئے جاتے ہیں، مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی دیدیں۔

(نہج البلاغت جلد ۲ ص ۳۵۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے بھی سیدنا علی رض کے گروہ کے ان سپاہیوں کے بارہ میں ایسا ہی

لکھا ہے اور سیدنا علیؓ کی ان کے مقابلہ میں بے بسی کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

وکان علیاً عاجزاً عن قهر الظلمة من العسکرین ولم تکن اعوانه یوافقونه علیٰ ما یأمر به واعوان معاویة یوافقونه۔

سیدنا علیؓ اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز اور مجبور تھے اور ان کے ساتھی ان کے ساتھ کسی کام میں موافقت اور تعاون نہیں کرتے تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھی اُن کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔

(منهاج السنة جلد ۲ صـ ۲۰۲)

ان سب حوالجات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر کی اچھی خاصی تعداد اُن لوگوں کی تھی جو قاتلانِ عثمانؓ میں سے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد وحید ہی اسلام میں رخنہ اندازی اور فتنہ انگیزی تھا اور جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو تاخت و تاراج اور اہل اسلام سے اپنی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہی جنگِ جمل میں مسلمانوں کے دو گروہوں کو آپس میں لڑایا تھا کیونکہ ان دونوں کو لڑا کر ہی وہ اپنے آپ کا تحفظ کر سکتے تھے۔

رأی الناس فینا والله واحد وان یصطلحوا مع علی فعلی دمائنا۔

ہم لوگوں کے بارہ میں ان کی رائے ایک ہے۔ ان میں اگر آپس میں صلح ہوئی تو وہ ہمارے خون پر ہوگی۔

(البدایة والنهایة جلد ۷ صـ ۲۳۹، طبری جلد ۳ صـ ۴۸۸، ابن اثیر جلد ۳ صـ ۱۲۳)

بعض علماء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:۔

یا عمار! لا یقتلك اصحابی تقتلك الفئة الباغیة۔

اے عمار! تم کو میرے اصحاب قتل نہ کریں گے بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔

(وفا الوفاء)

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی اور جماعت تھی اور سیدنا معاویہؓ کا صحابی ہونا قطعی اور یقینی ہے لہذا ان کو قاتل عمارؓ کہنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ سیدنا علیؓ کو قاتل عثمانؓ کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اُس وقت بالاتفاق وہ بلوائی اور سبائی تھے جو سیدنا عثمانؓ کے قاتل تھے (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) پس وہی گروہ قاتل عمارؓ تھا۔

(براۃ عثمان مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص ۶۲)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمارؓ نے جنگِ صفین میں شرکت ہی نہیں فرمائی بلکہ وہ سیدنا عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں انکوائری کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے تھے اُس وقت انہیں سبائی گروہ نے شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:۔

واستبطاء الناس عمارًا حتّٰی ظنوا قد اغتیل۔

عمارؓ کو لوگوں نے روک لیا تھا یہاں تک کہ اہل مدینہ نے یقین کر لیا کہ وہ دھوکہ سے قتل کر دیئے گئے ہیں۔

(طبری جلد ۳ ص ۳۷۹، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان لمحمد بن یحییٰ ص ۸۹)

بہر حال سیدنا عمار بن یاسرؓ مصر میں شہید کئے گئے ہوں یا صفین میں۔ سیدنا معاویہؓ کا ان کی شہادت میں کوئی دخل نہیں تھا، کیونکہ وہ باغی نہ تھے وہ سیدنا عثمانؓ کے ناحق خون کے قصاص کے طالب تھے، جن کے بارہ میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آیت قرآنی

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْرًا۔ (   )

اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اُس کے وارث کے لیے مضبوط حق رکھا ہے۔ پس وہ (وارث) مارنے میں (یعنی بدلہ لینے وقت) زیادتی نہ کرے۔ بلاشک وہی مظفر و منصور رہے گا۔

کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر سیدنا علیؓ نے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہ لیا تو اُن

کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ مظفر و منصور ہوں گے۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۴۳۴، براۃ عثمان ص ۶۳)

المختصر اُن کو قتل کرنے والے وہ سبائی اور باغی تھے جنہوں نے خلیفۂ برحق سیدنا عثمانؓ بن عفان کو شہید کر کے اُمت میں فتنہ برپا کیا تھا اور مسلمانوں کے خون سے جمل اور صفین میں اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ وہ تھے "الفئۃ الباغیۃ" اور سیدنا معاویہؓ اور اُن کے ساتھی تو "فئۃ عظیمۃ" تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا۔

اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّد ولعلَّ اللہ ان یصلح بہ بین فِئَتَیْنِ عظیمتین من المسلمین ۰

میرا یہ بیٹا (سیدنا حسنؓ) سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۷۳، جلد ۲ ص ۵۳۰، ص ۱۰۵۶، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۷، ۲۶، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۱، ۲۱۲)

یہ مصالحت سیدنا حسنؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے گروہوں میں کروائی تھی۔ جیسا کہ محدثین نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا مصداق سیدنا معاویہؓ کو کسی صورت نہیں بنایا جا سکتا اور نہ اس حدیث کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ پر زبان طعن دراز کی جا سکتی ہے۔



۱۳

یزید کی ولی عہدی

٭سیدنا معاویہؓ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو اصحابِ رسولؐ میں نہایت بلند مقام کے حامل تھے۔ یہ تحریک پیش کی کہ امیرالمومنینؓ اپنی حیاتِ مستعار ہی میں ولی عہدی کا انتظام فرما جائیں، کیونکہ حالات کی کروٹیں یہ بتا رہی تھیں کہ آسمانِ خلافت پر بڑے گہرے بادل چھانے والے ہیں۔ چنانچہ ولی عہدی کی تحریک پیش کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی امیر یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "امیرالمومنین! شہادتِ عثمانؓ کے بعد کی خونریزی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تاکہ آپ کے آنکھیں بند کرنے کے بعد اہل اسلام کے پاس ایک سہارا موجود ہو اور امت اختلاف اور فتنہ و فساد کی آگ کی لپیٹ میں نہ آئے"۔

سیدنا معاویہؓ کاتبِ وحی اور محبوبِ رسول ہونے کے ساتھ حالات کا بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کرنیوالے تھے۔ وہ ایک صاف بصیرت بزرگ اور سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے۔ اس لیے وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے اہل اسلام متفق و متحد نہ ہوں وہ اگرچہ سمجھ رہے تھے کہ سیدنا مغیرہؓ کی تجویز بالکل صحیح ہے اور حالات کی کروٹیں بھی یہی بتلا رہی ہیں کہ اُمت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، لیکن وہ سب کچھ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا مغیرہؓ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کرسکتا جب تک تمام ولایتوں اور صوبوں کے نمائندے اور اربابِ حل و عقد مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ یہ جواب سُن کر واپس کوفہ تشریف لے گئے۔

یہ بیان بعض مؤرخین کا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے معزولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولی عہدی

کی تجویز پیش کی تھی، انہوں نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں ایک واقعہ بتانے کے لیے نقل تو کر دیا، لیکن یہ نہ سوچا کہ سیدنا مغیرہؓ کی وفات تو ۵۰ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولیعہدی کا معاملہ ۵۶ھ[1] میں پیش آیا۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ ص ۲۲۴) وہ اپنی وفات کے ۶ سال بعد یعنی ۵۶ھ میں اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے کیسے تشریف لائے تھے؟ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں ۵۰ھ کے واقعات میں اُن کی وفات کا ذکر یاں الفاظ میں کیا ہے:

فلم یزل امیرها حتیٰ مات فی هٰذه السنة علی المشهور قال محمد بن سعد وغیره وقال الخطیب اجمع الناس علیٰ ذٰلك۔

یعنی آپ کوفہ کے آخر وقت تک امیر رہے یہاں تک کہ ۵۰ھ میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہوگئی۔ محمد بن سعد وغیرہ کا یہی قول ہے اور خطیب نے کہا ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۴۸)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے سن وفات کے بارہ میں یُوں لکھتے ہیں:

قال ابو عبید القاسم بن سلام توفی سنة تسع و اربعین وهو امیرها وقال ابن سعد وابوحسان الزیادی وغیر واحد مات سنة خمسین ونقل الخطیب الاجماع من اهل العلم علیٰ ذٰلك وقال ابن عبد البر مات سنة احدی وخمسین، قلت انما حکی ابن عبد البر ذٰلك بصیغة التمریض بعد ان جزم فی موضعین من ترجمته انهٗ مات سنة خمسین۔

ابو عبید القاسم بن سلام کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی جب وہ کوفہ

---

[1] مسعودی نے ولی عہدی کا معاملہ ۵۹ھ کا بتایا ہے، لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح ۵۶ھ ہے۔

کے امیر تھے اور ابن سعد اور ابو حسان الزیادی اور دوسرے بے شمار حضرات فرماتے ہیں کہ وہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور خطیب نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ انہوں نے ۵۱ھ میں انتقال فرمایا میں (ابن حجر عسقلانی) کہتا ہوں کہ ابن عبد البر نے اس کو تمریض کے صیغہ سے ذکر کیا ہے جب کہ انہوں نے ان کے ترجمہ میں دو دفعہ قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۶۳، طبری جلد ۴ ص ۱۷۴)

علامہ ابن قتیبہ نے ان کا سن وفات ۵۱ھ نقل کیا ہے۔

(کتاب المعارف ص ۲۵۹)

اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ہی نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی تب بھی آپ پر یہ الزام بالکل غلط ہے کہ آپ نے اپنی گورنری کو قائم رکھنے کیلئے یہ حیلہ اختیار کیا تھا۔ یا یہ کہنا کہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ سراپا اتہام اور خلافِ حقیقت بات ہے، کیونکہ تاریخ کے صفحات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا مغیرہؓ خود اپنے آخری ایام میں گورنری کے بار دوش سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ مصر تھے کہ اُن کی خدمات سے

---

[1] سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جن کو بعض جاہل اور نادان یزید کی ولی عہدی میں مورد الزام گردانتے ہیں کس مرتبہ کے انسان تھے۔ اکثر لوگ اس سے ناآشنا ہیں۔ اور بعض جاہل لوگ ان غلط سلط روایات کی بنا پر ان کی شان میں نازیبا قسم کے الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے بعض نام نہاد مفکرین بھی ان کی شان میں دریدہ دہن ہو گئے ہیں۔ لہذا اجمالی طور پر ان کے بعض محامد و فضائل درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ا ص ۲۵۶)

۶ھ میں غزوہ حدیبیہ میں شرکت فرمائی۔ اور بیعت رضوان میں شرکت کے سبب

فائدہ اٹھایا جائے۔ اس لیے ان کا استعفیٰ منظور نہ کیا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے امیرالمومنین معاویہؓ کی خدمت میں لکھا کہ :۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "رضی اللہ عنہ" کی سند فضیلت، حاصل کی۔ کیونکہ اس بیعت کے شرکاء کے لیے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (الفتح : ۱۸)

اللہ راضی ہوا اُن مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور اُن کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی عطا فرما دی۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا :۔

قَدْ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔

(الاستیعاب جلد ۱ صـ۲۵۰ـ)

صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کا نمائندہ عروہ بن مسعود ثقفی گفتگو کے لیے آیا تو عرب کے عام قاعدہ کے مطابق وہ گفتگو کے دوران جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اس وقت تلوار سونتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے کھڑے تھے۔

کان واقفًا یوم الصلح علیٰ رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم بالسیف صلتًا۔

صلح حدیبیہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے تلوار سونتے کھڑے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ۴۸ـ)

اما بعد! فانی قد کبرت سنی ودق عظمی وشنفت لی قریش فان رأیت ان تعزلنی فاعزلنی ـ

میری عمر بڑی ہو چکی ہے ۔ ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہیں ۔ قریش مجھ سے بغض رکھنے لگے ہیں ۔ اگر آپ مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجئے ۔

(طبری جلد ۵ ص ۲۳۱)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ کو عروہ بن مسعود ثقفی کا یہ ایک انداز گفتگو بہت ناگوار گذرتا تھا ۔ اور جب وہ ریش مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتا تو یہ غصہ سے اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ کی طرف لے جاتے آخر ضبط نہ ہو سکا تو عروہ ثقفی کو ڈانٹ کر فرمایا " اپنا ہاتھ قابو میں رکھو "۔

طائف کے صنم خانہ کو منہدم کرنے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان رضی کو بھیجا تو سیدنا مغیرہؓ کو بھی اُن کی معاونت کے لیے ساتھ بھیجا ۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۴۷)

آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے موقع پر موجود تھے ۔ جب صحابہ کرامؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر میں اُتار کر باہر نکلے تو آپ نے جان بوجھ کر اپنی انگوٹھی قبر مبارک میں گرا دی ۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ خود قبر میں اُتر کر انگوٹھی نکال لیجئے ۔ چنانچہ یہ قبر مبارک میں اُترے آپ کے مبارک قدموں کو چھوا اور کہا مٹی گراؤ ۔ جب تھوڑی مٹی ڈالی جا چکی تھی تو باہر نکلے اور ذات نبویؐ سے سب سے آخر میں جُدا ہونے کا شرف حاصل کیا ۔ فخر یہ فرمایا کرتے تھے کہ " میں تم سب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخری جُدا ہونے والا ہوں " (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۷/۷۸)

سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مختلف لوگوں کے پاس سفیر بن کر گئے چنانچہ جنگ قادسیہ میں رستم ایرانی کے پاس اور جنگ نہاوند میں مردان شاہ کے پاس سفیر بن کر گئے اور اسلامی لشکر کے مطالبات کو بڑے بہترین انداز میں پیش کیا گیا جس سے اسلام اور مسلمانوں کی ہیبت ایرانیوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ۔ سیدنا عمرؓ نے پہلے بصرہ کا اور پھر کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا ۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں بھی بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ۔

سیدنا مغیرہؓ عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عرب کے مدبر ترین اور " دھاۃ " میں

معلوم ہوا کہ تاریخ کی یہ روایت دو وجہ سے غلط ہے۔

اوّل :- سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا انتقال ۵۰ھ میں یا ۵۱ھ میں ہو گیا تھا۔ جب کہ یزید کی ولی عہدی کی تحریک ۵۶ھ میں ہوئی۔

دوم :- اگر یہ مان لیا جائے کہ یزید کی تحریک ولی عہدی کے وقت سیدنا مغیرہؓ زندہ تھے اور انہوں نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا تو یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ نہ تو سیدنا معاویہؓ سیدنا مغیرہؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی سیدنا مغیرہؓ اپنی معزولی سے ڈرتے تھے بلکہ انہوں نے خود استعفیٰ پیش کیا تھا جس کو منظور نہ کیا گیا۔

بہرحال ولی عہدی کی تجویز سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے پیش کی یا کسی اور نے یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی۔ واقعات کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ آپ ماضی میں امت مسلمہ کی باہمی خانہ جنگی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ وہ اپنے انتقال سے قبل کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جمل و صفین کی طرح اُمت کی تلواریں پھر بے نیام نہ ہوں[1]۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) شمار ہوتے تھے۔ اپنی اس غیر معمولی بصیرت اور عقل و رائے کی وجہ سے "مغیرۃ الرائے" کہلاتے تھے۔ (اصابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہؓ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے قبیصہ بن جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا۔ وہ تدبیر و سیاست کے آدمی تھے۔ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاکی کے گزرنا مشکل ہو تو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ آٹھوں دروازوں سے گزر جاتے ہیں (تہذیب التہذیب، جلد ۱ ص ۲۰۲)

آپ صرف سیاسی شخصیت ہی نہ تھے بلکہ علمی حیثیت سے بھی آپ کا ایک اہم مقام تھا۔ آپ کی ۱۳۳ احادیث نبویہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں ۹ بخاری و مسلم دونوں میں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال ص ۳۸۵) آپ کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے۔

[1] آپ نے ایک مرتبہ سیدنا عبداللہؓ بن عمرؓ سے کہا تھا۔

انی خفت ان اذر الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ

گویا یہ آپ کی امت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی، لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے اُمت کے ارباب حلّ و عقد کے سپرد یہ معاملہ کرنا چاہیئے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا، کیوں کہ اب ارباب حلّ و عقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب کہ مدینہ طیبہ مرکز خلافت تھا خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے ارباب حلّ و عقد کے ذمہ تھی۔ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں جب مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو مرکز خلافت بنایا گیا۔ تو نصب امام کی تمام تر ذمہ داری کوفہ کے اہل الحل و العقد پر تھی۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ کو کوفہ کے ارباب حلّ و عقد ہی نے خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور بعد میں دوسرے صوبوں کے ارباب حلّ و عقد نے بیعت کی۔ اب جب کہ سیدنا معاویہؓ کے عہد میں دمشق مرکزِ خلافت بنا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے ارباب حل و عقد کی رائے ہی سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہؓ نے بڑی وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب تک تمام صوبوں اور ولایتوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اُس وقت تک میں اُسے نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکت اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفود مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو سبائی تحریک کا مرکز تھا، وہاں سے بھی احنف بن قیسؓ کی زیر قیادت ایک وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا (مروج الذہب جلد ۳ صفحہ ۳۶) اہل عراق ہی نے یزید ابن معاویہؓ کا نام تجویز کیا تھا۔ مخالف اور موافق دونوں قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالف و موافق دلائل پیش کیے۔ لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے کان میں کہیں سے بھنک پڑی تھی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالف ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیس لہا راع۔

مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۸۰)

کے باشندے بھی متفق نہ ہوں، میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا۔
چنانچہ اُس کے لیے آپ نے سیدنا مروان گورنر مدینہ کو لکھا کہ:

"اب ضعیفی و ناتوانی نے مجھے آلیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں مجھے اندیشہ ہے کہیں میرے بعد پھر اُمت تشتت و افتراق اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے۔ لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں ارباب حلّ و عقد کے مشورے سے کسی کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کر جاؤں اس معاملہ میں آپ کا مشورہ ضروری ہے۔ اس بات کو مدینہ طیبہ کے ارباب حلّ و عقد پر پیش کرو۔ باہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھیں"

سیدنا مروان نے مدینہ طیبہ کے اکابر کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید بن معاویہؓ کا ذکر چھیڑا۔ پورے اجتماع میں سے صرف سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہی[1]۔ جس سے سیدنا مروان کو غصہ آگیا۔ اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے

---

[1] بخاری نے تو جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی وہ بات نقل نہیں کی جو انہوں نے اس اجتماع میں فرمائی، لیکن خضری، مسعودی اور طبری وغیرہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مروان کی یہ بات سُن کر سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے کہا تھا کہ یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہؓ دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس اجتماع میں معمولی قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ اگر سیدنا معاویہؓ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تھے تو اجتماع میں موجود سب حضرات سیدنا عبدالرحمٰنؓ کی تائید کرتے، لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سے سوائے سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا یزید کی ولی عہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی۔ اور اگر تھی تو عشرہ مبشرہ کے صحابہؓ اصحاب بدر اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی۔ بلکہ الٹا یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً

گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۱۵) باقی خضری، مسعودی، طبری اور ابن اثیر وغیرہم نے جو باتیں لکھی ہیں وہ روایت اور درایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمٰنؓ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور چبھتی ہوئی بات کہی تھی جس سے سیدنا مروان کو غصہ آ گیا۔

ہمارے خیال میں بخاری کی اس روایت میں بھی راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ کی طرف جو بیان منسوب ہے کہ انہوں نے اُٹھ کر سیدنا مروانؓ کی تجویز پر اعتراض کیا۔ غلط ہے کیونکہ روایات بتاتی ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا (طبری جلد ۴ ص ۲۲۴) بلکہ مسعودی نے تو ۵۹ھ لکھا ہے (مروج الذہب جلد ۳ ص ۳۶، ۳۷) اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ ۵۳ھ میں اس دارفانی سے انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں۔

ماة فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل بقُرْبِ مَكَّةَ۔

سیدنا عبدالرحمٰنؓ کی ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک وفات ہو گئی۔

(المعارف ص ۲۶)

امام ابو عبداللہ محمد النیشاپوری صاحب ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مات عبدالرحمٰن بن ابی بکر فجاءة وكنيته ابو عبد الله وما ت سنة ثلاث وخمسين۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہو گئے۔ ان کی کنیت، ابو عبداللہ تھی اور سن وفات ۵۳ھ تھا۔ (مستدرک جلد ۳ ص ۴۷۵)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

توفی عبدالرحمٰن بحبشی وهو اثنی عشر میلاً من مكة فحمل الى مكة فدفن بها وقال ابن سعد وغير واحد كان ذلك سنة ثلاث وخمسين۔

سیدنا معاویہؓ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اُٹھنا بھی بہت تھا۔ لہٰذا آپ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذاتِ خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہؓ نے خود اس معاملہ کو اس کے سارے مالہ وماعلیہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالات حاضرہ اور مصالح اُمت کے پیش نظر اس تجویز کو منظور کر لیا۔ غرض اس طرح باہمی گفت وشنید اور مشاورت سے یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے لیئے نامزدگی ہوئی اور پوری اُمت اور سب ارباب حل وعقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے اُن کے سامنے پیش کی تھی[1] اور اس معاملہ میں یزید بن معاویہؓ کو یہ شرف

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سیدنا عبدالرحمٰنؓ کی وفات حبشی کے مقام پر جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ہوئی ہے۔ اُن کی لاش کو مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور بہت سے دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُن کی وفات ۵۳ سنہ ھ میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۷)

لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے اعتراض کیا تھا وہ اعتراض وہ نہ تھا جس کو سیدنا عبدالرحمٰنؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

[1] ابن اثیر وغیرہ اور ان کی اتباع میں موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین نے یہاں بڑی بے سروپا باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا۔ (۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (۲) عبداللہ بن عمرؓ (۳) عبداللہ بن عباسؓ (۴) سیدنا حسین بن علیؓ (۵) عبداللہ بن زبیرؓ۔ سیدنا معاویہؓ نے جب خود مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ پانچوں حضرات مدینہ سے باہر امیر المؤمنینؓ سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ یہ سارے حضرات مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ امیر المؤمنین وہاں ان کے پیچھے مکہ پہنچے پہلے ان سب کو حسن خلق، خاطر ومدارات اور طرح طرح کی نوازشات سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ جب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مخالفت کی تو تلوار اور

خاص حاصل ہے۔ کہ جیسا استصواب رائے ان کی خلافت پر ہوا۔ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔[1]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سختی سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب ایک ہی دھمکی سے خاموش ہو گئے۔ اندرون خانہ ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر آکر یہ اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے یہ سنتے ہی سب نے بیعت کر لی۔ بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۵۱، ۲۵۲) قاضی ابو بکر ابن العربی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم ص ۲۱۹، ۲۲۵ پر اور علامہ محب الدین الخطیب نے اس کتاب کے حواشی میں ان سب روایت پر بڑی عالمانہ تنقید کی ہے اور ان کا غلط ہونا واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کئے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہؓ کے کیریکٹر ہی پر حملہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے بزرگوں کی "جرأت ایمانی" اور "حق گوئی" کا سارا تانا بانا بھی اُمت کے سامنے بکھیر دیا کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھمکی ہی سے ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہو گئے۔ اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔

لم یتکلموا شیئاً حذر القتل۔

(الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۲۰۰)

انہوں نے موت کے ڈر سے کوئی بات نہ کی۔

صاف ظاہر ہے کہ نہ یہ بزرگ ایسے پست ہمت تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ ایسے بد اخلاق تھے یہ سارے واقعات دراصل دشمنانِ صحابہ اور دشمنانِ اسلام نے وضع کر کے مسلمانوں کے قلوب میں صحابہ کرامؓ کی عزت و ناموس اور محبت و عقیدت کو کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور آجکل کے بعض جاہل مجتہد اور نادان مفکر انہیں روایات کو پیش کر کے خلافت و ملوکیت پر کتابیں لکھ مارتے ہیں۔

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید ..... الخ

حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے

یہ اجتماعات جو یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہوئے ایک ایسی تاریخی حقیقت ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا اور بعض جاہل اور دین دشمن لوگ ان اجتماعات میں کیڑے نکالتے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) گوشے گوشے سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس وفود آئے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۸۰)

گویا یزید بن معاویہؓ کی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے کی اور اس اہتمام سے یہ بیعت منعقد ہوئی کہ کسی ماقبل خلیفہ کی بیعت آج تک اس اہتمام سے نہیں ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اس لیے تھا۔ کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو خلوص نیت، مسلمانوں کی خیرخواہی، اس کی اہلیت اور حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ صرف محبت پدری کے تحت یہ سب کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اس دعا سے ملتا ہے جو آپ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت کے خاتمہ پر مانگی تھی۔ آپ نے کہا تھا۔

اللّٰھم ان کنت عھدت لیزید لما رأیت من فضلہ فبلغہ ما أملت واعنہ وان کنت انما حملنی حب الوالد لولدہ وانہ لیس لما صنعت بہ اھلاً فاقبضہ قبل ان یبلغ لذالك۔

اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اُس کے فضل وکمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنایا ہے تو اُسے اُس عظیم مرتبہ اور مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے اُس کے لیے امید کی ہے اور اس کی (اپنے فضل وکرم سے) امداد واعانت فرما اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور درحقیقت وہ اس منصب جلیلہ کا اہل نہیں ہے تو اس کے اس منصب خلافت تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی موت دے دے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص۲۶۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے آپ کی اس دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

اللّٰھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذالك فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم

ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کرکے یہ رائے لی گئی تھی۔ اگر سختی اور درشتی ہی سے لوگوں کو ساتھ لگانا تھا تو اجتماعات کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جا سکتا تھا۔ یہ اجتماعات منعقد کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا فائدہ؟ پھر وہ لوگ جن کو امت مسلمہ صحابہؓ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھمکی سے کلمۂ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آ کر باطل کو حق اور حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدر و حنین کے مجاہد اور اُحد و احزاب کے شاہسوار، وہ عشرہ مبشرہ کے سند یافتہ اور بیعت رضوان کے تمغہ یافتہ کیا معاذ اللہ سیدنا معاویہؓ کی صرف ایک دھمکی سے ڈر جانے والے تھے۔ اور کیا یہ اتنے بزدل اور ڈرپوک ہو چکے تھے کہ سیدنا معاویہؓ منبر پر بیٹھ کر ان کی موجودگی میں کہہ دیں کہ یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، یہ عبداللہ بن عباسؓ، یہ عبداللہ بن عمرؓ، یہ عبداللہ بن[1] زبیرؓ اور یہ حسین بن علیؓ متفقہ طور پر یزید کی ولی عہدی کے حق میں ہیں بلکہ بیعت کر چکے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) له ما وليته -

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی اور خلافت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اور اگر میں نے صرف محبت پدری کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایۂ تکمیل تک نہ پہنچانا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۸۰)

---

[1] عبداللہ بن زبیرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی سیدنا زبیر بن العوامؓ کے صاحبزادے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زبیرؓ کو حواری رسول کا خطاب مرحمت فرمایا تھا (بخاری جلد ا ص۵۲۷) سیدنا عبداللہ کی والدہ ماجدہ سیدہ اسماءؓ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی حقیقی بہن اور سیدنا ابوبکرؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ ۲ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں مہاجرین کے ہاں پیدا ہونے والے یہ سب سے پہلے بچے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۲۱۳) آٹھ سال کی عمر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی (مستدرک حاکم جلد ۳ ص۵۴۷) اپنے والد ماجد کی طرح بچپن ہی سے بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ چنانچہ سن شعور کے بعد

اور یہ سب موت کے ڈر سے دم بخود بیٹھے رہیں اور اتنی بات بھی اپنی زبان سے نہ کہہ سکیں کہ امیر المومنین یہ بات غلط ہے اور ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مختلف جہات میں شریک ہوئے۔ طرابلس وغیرہ انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۸۰،۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۱۴) جنگ یرموک میں شرکت فرمائی اور اس خطبہ میں بھی شامل تھے جو سیدنا امیر المومنین عمر الفاروق رض نے جابیہ کے مقام پر دیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۱۳)

جنگ جمل میں آپ سیدنا علی رض کے خلاف اپنی خالہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور بقول ابن حجر اس قدر بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے۔

(اصابہ جلد ۴ صفحہ ۷۰)

سنہ ۶۴ھ میں یزید بن معاویہ رض کی وفات کے بعد آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ اگرچہ آپ پہلے ہی یزید کی خلافت سے خوش نہ تھے اور آپ امت مسلمہ میں تنہا شخصیت ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۴۱) حالانکہ سیدنا حسین بن علی رض بھی یزید کی بیعت پر راضی تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد   کتاب الشافی از شریف المرتضیٰ شیعی صفحہ ۱۷۴) یزید بن معاویہ رض کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں، کیونکہ اُمتِ یزید کی خلافت پر مجتمع تھی، لیکن اُس کی وفات کے بعد جب آپ نے دعویٰ خلافت کیا تو اُس وقت کے اساطین امت نے ان کی خلافت کو بازیچۂ اطفال سے زیادہ حیثیت نہ دی۔ چنانچہ سیدنا محمد بن الحنفیہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رض اور سیدنا عبداللہ بن عباس رض وغیرہ نے باوجود ان کے اصرار کے ان کی بیعت نہ کی۔

سنہ ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شکست کھائی اور شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔ مدت خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک ۹ برس۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۱۳)

اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رض کو ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا لیکن پھر بھی اس

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات ان لوگوں کی وضع کردہ ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور صحابہ رسولؐ کی ذرہ برابر بھی محبت اور عقیدت نہیں تھی۔ انہوں نے صرف اسلام دشمنی کے لیے ان روایتوں کو گھڑا ہے۔ ورنہ ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کو عادل قرار دینا اور دوسری طرف ان کے کیریکٹر اور اخلاق میں کیڑے نکالنا تضاد بیانی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اور قرآن وحدیث کی نصوص صحیحہ پر تاریخ کی غلط، خلافِ حقیقت اور واہی تباہی روایات سے خط تنسیخ کھینچنا ہے جو کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی نصوص صحیحہ صریحہ صحابہ کرامؓ کو اللہ ربّ العزت کی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا کرتی ہیں اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) کے القابات سے سرفراز کرتی ہیں، اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی اور اپنی خواہشات کی پیروی میں کرتے تھے، ان کے دامن

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) عرصہ میں آپ نے خانہ کعبہ کو بنیادِ ابراہیمی پر تعمیر کروایا اور حطیم کا حصہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کھلا تھا اُس کو بھی عمارت میں شامل کر دیا۔ اور یمن کے بادشاہ ابرہہ اشرم کے کنیسہ کو توڑ کر اُس کے پتھر اور عمارتی سامان کو بیت اللہ کی تعمیر میں صرف کیا۔ (مروج الذہب جلد ۳ ص ۹۱)

آپ زہد وتقویٰ کا پیکر تھے نماز بالکل ایسی پڑھتے جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۹) رکوع وسجود میں ایک عجیب وغریب کیفیت اور استغراق ہوتا تھا۔ (اصابہ جلد ۴ ص ۷، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۲) قیام میں ایک بے جان ستون معلوم ہوتے تھے (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۸۹) سنت کے بڑی سختی سے پابند تھے اور جرأت وحق گوئی کی اپنی مثال آپ تھے۔

حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد اپنی خالہ سیدہ عائشہؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ سے مستفید ہوئے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی ۳۳ روایات مروی ہیں۔ تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳) فقہ میں مدینہ کے صاحب علم وافتاء صحابہ میں سے شمار ہوتے تھے اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۲) سیدنا ابن عباسؓ ان کی قرأت کے معترف تھے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۷۳)

عفت و رضا کو جھوٹے الزامات سے داغدار کرتا ہے۔ اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و سُنت کی ان نصوص سے ٹکرائے گی، ناقابل اعتبار ٹھہرائی جائے گی اور ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربیؒ ان تاریخی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں :۔

والناس اذا لم یجدوا عیبًا لاحد وغلبهم الحسد علیه وعداوتهم له احدثوا له عیوبًا فاقبلوا الوصیة ولا تلتفتوا الا الیٰ ما صح من الاخبار واجتنبوا ـــــ کما ذکرت لکم ــــ اهل التواریخ، فانهم ذکروا عن السلف اخبارًا صحیحة یسیرة لیتوسلوا بذلك الیٰ روایة الاباطیل، فیقذفوا ــــ کما قدمنا ــــ فی قلوب الناس مالا یرضاه و لیتحصروا السلف و یهونوا الدین، وهو اعز من ذلك، وهم اکرم منا فرضی الله عن جمیعهم۔

لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں پاتے اور ان کو اس پر حسد اور عداوت ہوتی ہے تو اُس کے بارہ میں طرح طرح کے عیوب تراشتے رہتے ہیں۔ لہٰذا تم اس وصیت کو قبول کرو اور سوائے صحیح روایات کے اور کسی طرف توجہ نہ کرو۔ جیسا کہ میں نے تمہیں کہا ہے کہ اہل تاریخ سے بچو کیوں کہ اُن کا شیوہ ہے کہ وہ سلف کے بارہ میں پہلے چند صحیح روایات ذکر کرتے ہیں تاکہ اُن کی آڑ میں باطل اور غلط روایات کو فروغ دے سکیں۔ یہ مؤرخین لوگوں کے قلوب میں ایسی باتیں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اسلاف کی تذلیل و تحقیر اور دین کی توہین کرتے ہیں حالانکہ دین اس سے بہت زیادہ عزت والا اور اسلاف اس سے کہیں زیادہ قابل احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔

(العواصم من القواصم صـ ۲۴۴)

قاضی ابوبکرؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

انما ذکرت لکم ھٰذا لتحترزوا من الخلق وخاصة من المفسرین والمؤرخین واھل الادب بانھم اھل جھالة بحرمات الدین اوعلیٰ بدعة مصرین، فلا تبالوا بما رووا ولا تقبلوا روایة الا عن ائمة الحدیث۔

یہ باتیں میں نے اس لیے ذکر کی ہیں تاکہ تم لوگوں سے اعتراض کرو، بالخصوص مفسرین مؤرخین اور اہل ادب سے۔ یہ لوگ دین کی حرمتوں سے ناآشنا اور بدعات پر اصرار کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی بیان کردہ روایات کی بالکل پرواہ نہ کرو اور ائمہ حدیث کے سوا اور کسی شخص کی روایات کو ہرگز قبول نہ کرو۔

(ایضاً ص ۲۴۷، ۲۴۸)

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

قال العلماء الاحادیث الواردة فی ظاھرھا دخل علیٰ صحابی یجب تأویلھا قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الا ما یمکن تأویله۔

علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو اُس کی تاویل واجب اور ضروری ہے اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہوسکتی ہو۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ بعض مصنفین کی کتابوں پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ان لوگوں کی بیان کردہ روایات تاریخ وسیر کی روایات کی قبیل اور جنس سے ہیں جن میں مرسل ومقطوع اور صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے تو صحابہ کرامؓ کے محامد ومحاسن اور فضائل ومناقب جو کتاب وسنت اور روایات متواترہ سے ثابت ہیں، ان کا رد منقطع، محرف اور ایسی روایات سے جن سے یقینی اور قطعی روایات پر جرح وقدح نہیں ہوسکتی، نہیں ہوسکتا کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوسکتا، ہمارا الیقین ہے ان چیزوں پر جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع

سلف سے ثابت ہیں۔ نیز ان منقولات متواترہ کی دلائل عقلیہ سے بھی تائید و تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین مخلوق ہیں۔ لہٰذا اُن کے بارہ میں مشکوک باتوں سے جرح و قدح نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ باطل اور سراپا کذب روایات سے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ صے ۲۰۹)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تاریخ کی اسی قسم کی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ اُن کے متعلق وارد ہیں ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تاریخ کی روایات اُن کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا۔ تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعا فرمانا: "اللّٰھمّ اجعله هاديًا مهديًا۔

(اے اللہ! تو معاویہؓ کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے) یا حضرت ابن عباسؓ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط کی جائے گی ——— ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آکر ان کے مقامات اور اُس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں، مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ صے ۲۴۲)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلامؒ مؤرخین کی روایات کا تار و پود ان الفاظ میں بکھیرتے ہیں:۔

"یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سر و پا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و ثمین سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہو یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدیدؒ ہوں یا ابن سعد۔

"ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماؤل قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ "

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۶)

علامہ ابن کثیرؒ اس بارہ میں کتاب و سنت سے ثابت شدہ حقائق کے خلاف تاریخ کی روایت قابل قبول نہیں ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

"بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے جو مجہول راویوں سے صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف جو روایات نقل کی ہیں، وہ ناقلین کے منہ پہ ماری جائیں گی۔ صحابہؓ سے حسن ظن اس بات کا متقضی ہے کہ ان روافض اور غبی الذہن قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے، جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف مستقیم اور سقیم اور کمزور اور مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں "

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۴۷)

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی ہر بات ہدایت پر مبنی اور موجب نجات اور حجت قاطعہ ہے اور سیدنا معاویہؓ چونکہ خلیفہ راشد ہیں، اس وجہ سے ان کا یہ فعل خلافِ شریعت نہیں بلکہ شریعت کے عین مطابق اور اُمت کے لیے حجت ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خلفائے راشدین کی اطاعت و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافًا کثیرًا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۹، مسند احمد
جلد ۲ ص ۲۷، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۵)

سیدنا معاویہؓ سے قبل پانچ خلفائے راشدین گزرے تھے، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان ذوالنورینؓ، سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا حسنؓ ابن علیؓ۔ ان پانچوں خلفاء کے تقرر میں الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا۔ قریش کہہ رہے تھے :۔

منا امیر و منکم امیر۔

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک آپ میں سے۔

(بخاری جلد ۱ ص ــــ، الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۷، العواصم من القواصم ص ۴ تعلیقہ)

اسی ہنگامے میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ پورے اجتماع نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو سیدنا ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا۔ چنانچہ اپنے وصیت نامہ میں لکھا :۔

انی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب۔

میں عمر بن الخطابؓ کو تم پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

(الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۱۹، العواصم من القواصم ص ۵۱)

سیدنا عمرؓ جب زخمی ہوئے تو آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرما جائیں جس طرح صدیق اکبرؓ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :۔

کس کو جانشینی کے لیے منتخب کروں؟ اگر آج ابوعبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو اُن کو جانشین مقرر کر جاتا۔ اگر میرا رب مجھ کو اس بارہ میں پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے رسول کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ "ابوعبیدہؓ اس امت کے امین ہیں، یا اگر ابوحذیفہ کے مولی سالمؓ زندہ ہوتے تو انھیں خلیفہ نامزد کر جاتا اگر میرا رب اس بارہ میں مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی کو فرماتے سنا تھا کہ

"سالمؓ حق تعالیٰ سے بہت محبت رکھنے والے ہیں" کسی نے کہا کہ اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کو نامزد کر جائیں۔ فرمایا کہ میں ایسے شخص کو کیسے خلیفہ نامزد کر جاؤں جو اپنی عورت کو طلاق دینے میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا ہمیں تمہارے معاملات کی کوئی خواہش نہیں۔ میں نے اس کو کچھ اچھا نہیں پایا کہ اپنے گھر میں سے کسی اور کے لیے بھی اس کی تمنا اور خواہش کروں۔ اگر یہ حکومت کوئی اچھی چیز تھی تو اس کا مزہ ہم نے چکھ لیا اور اگر یہ کوئی بُری چیز تھی تو عمرؓ کے خاندان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کل کو حق تعالیٰ کے سامنے صرف ایک ہی آدمی سے حساب لیا جائے۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۵، الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۲۳، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۶۸، ۱۶۹)

بعض روایات میں آپ نے معاذ بن جبلؓ اور خالد بن ولیدؓ کا بھی نام لیا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر جاتا۔ لیکن چونکہ آج وہ حضرات زندہ نہیں ہیں۔ لہٰذا میں ایسے چھے آدمیوں کو تم پر نامزد کر کے جاتا ہوں جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاتے وقت راضی تھے۔

۱۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ
۲۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ
۳۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ
۴۔ سیدنا طلحہ بن عبداللہؓ
۵۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ
۶۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ

آپ نے فرمایا کہ خلیفہ ان چھ ہی میں سے ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے نزدیک خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے ناجائز نہ تھی بلکہ آپ اسے اچھا سمجھتے تھے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ آج اگر فلاں فلاں حضرات میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اُسے نامزد کر جاتا۔ اگر خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے ناجائز ہوتی تو سیدنا عمر فاروقؓ جیسا انسان صاف اور واضح طور پر یہ کہہ دیتا کہ میں خلیفہ کیسے نامزد کر کے جاؤں جبکہ نامزدگی اسلام میں جائز ہی نہیں۔ لیکن آپ نے ایسا جواب نہیں دیا۔ بلکہ چھ آدمیوں کی ایک کونسل بنا دی جو کہ دوسرے لفظوں میں ایک قسم کی نامزدگی ہی تھی، کیونکہ آپ نے شرط یہ لگا دی تھی کہ خلیفہ

چنانچہ انہی چھے میں سے سیدنا عثمانؓ کو اس کونسل نے خلیفہ مقرر کیا جس کو سیدنا عمرؓ نامزد کر گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ بھی سیدنا عمرؓ کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔ سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد باغیوں کے گروہ کے لیڈر اشتر نخعی نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۲۶) گویا سیدنا علیؓ کی خلافت بھی درحقیقت ایک قسم کی نامزد خلافت تھی۔ کیونکہ اس میں نہ تو ارباب حلّ وعقد سے کوئی مشورہ کیا گیا اور نہ ہی ارباب حلّ وعقد نے آپ سے بیعت کی۔[1]

---

[1] سیدنا علیؓ کی بیعت کے سلسلہ میں بہت لوگوں کو غلط فہمی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ شاید سیدنا علیؓ کی بیعت خلافت ارباب حلّ وعقد کے باہمی مشورہ سے ہوئی تھی۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ارباب حلّ وعقد سے اس بارہ میں کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ باغیوں نے خود آپس ہی میں پلان بنا کر سیدنا علیؓ کو خلیفہ نامزد کر لیا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے المناک حادثہ کے بعد مسلمان تو اسی فکر میں تھے کہ اس ساری سازش کے پس منظر اور نہ منظر میں کون کون سے عناصر کام کر رہے ہیں۔ پورے شہر کے نظم ونسق پر غافقی بن حرب (باغیوں کے سرغنیل) کا قبضہ تھا۔ باغی اس سے قبل کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوں اور امیرالمومنین سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا انہیں مزہ چکھائیں۔ یہ چاہتے تھے کہ اپنی مرضی کے مطابق کسی شخص کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ باغیوں میں مصر، کوفہ اور بصرہ کے لوگ شامل تھے اور تینوں گروہ امر خلافت میں مختلف تھے۔ مصر کے باغی سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے پر بضد تھے، کوفے کے شرپسند سیدنا زبیر بن العوامؓ کو اور بصرہ کے باغی عناصر سیدنا طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، لیکن ان تینوں حضرات نے ان حالات میں خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے بھی خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ ان سب حضرات کے انکار سے یہ لوگ بےحد پریشان ہوئے۔ یہ اس کام کو نامکمل اور ادھورا چھوڑ کر واپس نہیں جانا چاہتے تھے، کیونکہ اس میں ان کو اپنی عافیت اور خیریت معلوم نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ سب پھر سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ وہ منصب خلافت کو قبول فرمالیں۔ آپ انکار کر رہے تھے کہ باغیوں کے سرگروہ اشتر نخعی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت خلافت کر لی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۲۶)

سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص ۲۵۰ جلد ۷ ص ۳۲۳، جلد ۸ ص ۱۴۹، بیہقی جلد ۸ ص ۱۴۹) لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنانا۔ اب زمامِ خلافت سیدنا حسنؓ کے پاس آئی ہے اور تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؓ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا ہے۔ اور شیعہ حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطاء سے مبرا ہوتا ہے۔ اب سیدنا حسنؓ نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا (جیسا کہ اس کتاب کی جلد اوّل میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) حالانکہ آپؓ کے تمام ماننے والوں اور اعوان و انصار نے اس بارہ میں آپ کی شدید مخالفت کی۔ خود آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد اوّل ص ۲۹۶ تا ۳۰۲) لیکن آپ نے کسی کی نہ سُنی اور خود خلافت سے دست بردار ہو کر سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔ یہ بھی دراصل نامزدگی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نامزدگی جائز بلکہ مستحسن ہے۔

ان پانچ خلفائے راشدین کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔

۱- اہل الحل والعقد کی باہمی مشاورت سے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سلسلہ میں شوریٰ نہیں ہوئی اور نہ ہی ارباب حل و عقد نے کوئی فیصلہ کیا چنانچہ اشتر نخعی اور اس کے ساتھی سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے سیدنا طلحہؓ کے پاس گئے اور اُن سے سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا شوریٰ نے جمع ہو کر سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا یہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہی وجہ تھی سیدنا علیؓ کی خلافت کی آئینی حیثیت آخر وقت تک زیر بحث رہی۔ اور مملکت اسلامیہ کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے سیدنا علیؓ کی بیعت نہ کی۔ اور بقول علامہ ابن کثیرؒ مصر کے صرف ایک شہر کے دس ہزار افراد نے سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۱۳)

شام کے پورے صوبے نے آپ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔

۲۔ خلیفہ کی نامزدگی سے۔

اور ان دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ سے منتخب شدہ خلیفہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابو بکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں۔ اور سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے پوری اُمت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے یزید کو صحیح خلیفہ نہیں مانا جاتا؟ بلکہ سیدنا معاویہؓ کو بھی اعتراضات واہیہ کا ہدف بنایا جاتا ہے لیکن اسلام کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو بالکل نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام صوبوں سے ارباب حل وعقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر فرمایا[1]۔ ہو سکتا ہے ایک دو نے مخالفت بھی کی ہو (حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی) لیکن اگر سیدنا علیؓ اہل الحل والعقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کے باوجود یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے۔ معاویہؓ اہل تھے اور یزید اہل نہیں تھا۔ یہ اعتراض بھی سراسر غلط ہے۔ آخر اہلیت ہے کیا چیز؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے مابین عدل و انصاف اور ان کی مصالح پر نگاہ رکھنے کا۔ اُن کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاق عالم میں ان کی دعوت کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں۔ بہادری میں "فتی العرب" (عرب کا بہادر) کا لقب حاصل کیا ہوا تھا (ہسٹری آف عربز از پروفیسر ہٹی ص ۲۰۱) علم و فضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا۔ جو اُن کی ذات میں نہ ہو۔ نیکو کاری اتنی کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بھی معترف ہیں۔ چنانچہ عامر بن مسعود جمحی

---

[1] جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب قاصد سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ہم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گئے وہ بھی اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان بچھ چکا تھا، لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔

فقلنا لهٗ یا ابن عباس جاء البرید بموتِ معاویة فوجم طویلاً ثم قال اللّٰهم اوسع لمعاویةُ اما واللہ ماکان مثل من قبله ولا یأتی بعده مثلهٗ وان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم و بیعتکم۔

ہم نے ان سے کہا، اے ابن عباسؓ! قاصد معاویہؓ کے انتقال کی خبر لے کر آیا ہے اس پر وہ کافی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا، اے اللہ! معاویہؓ کے لیے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے، بخدا وہ پہلوں کی طرح نہیں تھے اور ان کے بعد ان جیسا کوئی نہیں آئے گا۔ اور بلاشبہ یزید ان کے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔ لہٰذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت اُسے دے دو۔[1]

(انساب الاشراف بلاذری الجزء الرابع قسم ثانی ص۴۔ الامامة والسیاسة جلد ۱ ص ۲۱۳)

صاحب الامامة والسیاسة نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں

---

[1] اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو یزید کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں تھا بھی تو وہ لوگوں سے بھی کہتے تھے کہ تم یزید کی بیعت کر لو اور اس کی اطاعت سے اپنے دامن کو نہ کھینچو۔ اور وہ یزید کی صالحیت اور قابلیت بلکہ اہلیت کے بھی معترف تھے اور شاید اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ نے خود بھی ان کی بیعت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ ص ۲۵۴، ابن اثیر جلد ۴ ص ۸، البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۱۴۸) حالانکہ یہی ابن عباسؓ ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا تو چونکہ حجاز و عراق میں ان کے معتقدین کی ایک کثیر تعداد تھی، اس لیے عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی لیکن آپ نے بیعت کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ (اسد الغابة جلد ۳ ص ۱۹۵)

نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر سن کر حسب ذیل الفاظ میں اظہار افسوس فرمایا:۔

جبل تزعزع ثم مال بکلکلہ اما واللہ ما کان کمن کان قبلہ ولما یکن بعدہ مثلہ واللہ ان ابنہ لخیر اھلہ۔

وہ ایک پہاڑ تھا جو ہلا پھر سینے کے بل آرہا۔کیا واقعی ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے پہلوں جیسا نہیں تھا اور اب تک ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی نہیں ہوا۔ بخدا! ان کا بیٹا (یزید) اُن کے گھرانے میں سب سے بہتر ہے۔

(الامامت والسیاست جلد ۱ صـ ۲۱۳)

علم وفضل میں یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سیدنا حسنؓ بن علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور اس مجلس میں یزید بن معاویہؒ بھی آکر بیٹھ گئے۔جب یزید اُٹھ کر چلے گئے تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

اذا ذھب بنو حرب ذھب علماء الناس۔

جب بنو حرب اُٹھ گئے تو لوگوں کے صاحب علم اُٹھ جائیں گے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۲۲۸)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سنہ ۴۰ھ میں سیدنا علیؓ کے پاس ان کی شکایت کی گئی کہ انہوں نے بیت المال میں کچھ روپیہ خُرد بُرد کیا ہے۔ آپ اس زمانہ میں سیدنا علیؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔سیدنا علیؓ نے اس شکایت کرنیوالے کی شکایت پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ سے جواب طلبی کی اور لکھا کہ:

"مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے"

آپ کو اس بات پر بہت غصہ آیا کہ امیر المومنینؓ نے میری دیانت اور امانت کو مشکوک سمجھا ہے۔چنانچہ آپ نے بصرہ کی گورنری سے استعفیٰ دیدیا اور مکہ المکرمہ تشریف لے گئے۔

(ابن اثیر جلد ۳ صـ ۱۹۴، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ ۳۲۲)

گویا ایسے محتاط آدمی کا یزید کی بیعت کرنے کی لوگوں کو ترغیب دینا یزید کی اہلیت کے لیے ایک حجت قاطعہ ہے۔

اتباعِ سنّت اور نیکی کی لگن اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسینؓ کے بھائی اور سیدنا علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؓ کی گواہی کافی ہے۔ جب عبداللہ بن الزبیرؓ کے داعی عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہؓ[1] کی خدمت میں آئے

---

[1] محمد بن حنفیہؒ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے تھے اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام خولہ تھا جو بنی حنیفہ کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت کے آخر میں پیدا ہوئے یعنی ۲۱ سنہ ھ یا ۲۲ سنہ ھ میں۔ (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۵۰) آپ نہایت بہادر اور شجاع تھے، چنانچہ جنگ جمل میں جب کہ اُن کی عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ علوی فوج کے علمبردار تھے اور جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے جس سے سیدنا علیؓ نہایت متاثر ہوئے۔ جنگ صفین میں بھی آپ شروع سے لے کر آخر تک اپنے والدِ محترم کے ساتھ تھے۔ اور کئی نازک موقعوں پر سیدنا علیؓ کی حفاظت کی۔ (اخبار الطوال صفحہ ۱۸۴)

سیدنا علیؓ نے اپنی شہادت کے وقت اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو ان کے بارہ میں خاص وصیت فرمائی کہ وہ تمہارے حقیقی بھائی کی مانند ہیں اور تمہارے والد کے بیٹے ہیں۔ لہذا ان کو ہمیشہ یاد رکھنا کیونکہ تمہارے باپ ان سے محبت کرتے تھے۔ اسی طرح کی وصیت ان کو بھی فرمائی کہ ان دونوں بھائیوں کی عزت و توقیر کرنا ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۹)

سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ نے باپ کی اس وصیت پر پورا پورا عمل فرمایا اور ہر موقع پر محمد بن حنفیہؒ سے شفقت آمیز سلوک کیا۔ سیدنا حسنؓ نے اپنے انتقال کے موقع پر سیدنا حسینؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں محمد بن حنفیہؒ کے بارہ میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں پھر سیدنا محمد بن حنفیہؒ سے فرمایا کہ تم کو بھی میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت اپنے بھائی حسینؓ کی مدد کرنا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۳۵)

سیدنا محمد بن حنفیہؒ نے سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کی ان وصیتوں پر دل و جان سے عمل کیا اور ہر نازک موقع پر ایک مخلص اور غمگسار بھائی کی طرح اُن کی مدد بھی کی اور مفید مشورے بھی دیئے۔ سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بھی آپ نے سیدنا حسینؓ کو بڑے مفید

اور ان کو یزید کی بیعت توڑنے کو کہا تو سیدنا محمد بن الحنفیہؓ نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ حضرت آپ اس کی بیعت کیوں نہیں توڑتے، حالانکہ یزید

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مشورے دیئے۔ کچھ مشوروں پر سیدنا حسینؓ نے عمل بھی کیا، لیکن کوفہ جانے کے معاملہ میں محمد بن الحنفیہؓ نے اپنے بھائی سے اختلاف کیا۔ اس معاملہ میں آپ اکیلے نہ تھے بلکہ سیدنا علیؓ کے پندرہ صاحبزادوں میں سے جو اس وقت زندہ تھے گیارہ نے آپ کے ساتھ کوفہ جانے سے انکار کر دیا۔ ان میں ایک محمد بن الحنفیہؓ بھی تھے۔ سیدنا حسینؓ انکے علم و فضل اور شجاعت و بہادری کے بہت قائل تھے۔ لہذا آپ نے ان پر ساتھ چلنے کے لیے بہت زور ڈالا اور یہاں تک کہا کہ اگر آپ ساتھ نہیں چلتے تو اپنے بچوں ہی کو میرے ساتھ چلنے کی اجازت دیں لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا حسینؓ کے اس موقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے) (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۶۵)

امیر یزید کے عہد خلافت میں آپ نے ان کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی ہوئی تھی جس طرح عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے کی تھی۔ اور سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد جب عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے لوگوں کو یزید کے خلاف بغاوت پر اُکسایا تو انہوں نے انکا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے محمد بن حنفیہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کو اپنی بیعت کے بارے میں بہت زور دیا لیکن تینوں حضرات نے ان کی بیعت نہ کی عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کے بعد جب عبدالملک بن مروانؒ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حجاج بن یوسف کے ہاتھ پر اُن کی بیعت کی اور عبدالملک کو ایک خط اس بارہ میں تحریر فرمایا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، محمد بن علیؓ کی جانب سے عبدالملک بن مروان خدا کے بندے کی طرف :-

اما بعد! اس وقت جب اُمت میں خلیفہ کے بارہ میں اختلاف رُونما تھا تو میں لوگوں سے کنارہ کش رہا اب جب کہ خلافت آپ کو مل گئی ہے اور تمام مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے تو میں بھی اس جماعت میں شامل ہوتا ہوں اور اس بھلائی اور نیکی کے کام میں جس میں سب مسلمان داخل ہوئے ہیں میں بھی داخل ہوتا ہوں میں نے حجاج کے ہاتھوں پر آپ کی بیعت کر لی ہے اور اب یہ تحریری بیعت آپ کو بھیج رہا ہوں کیوں کہ

شراب پیتا ہے۔ نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا حسینؓ کے بھائی اور سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہؓ نے فرمایا:۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۲)

اس کے جواب میں عبدالملک نے بہت محبت آمیز خط لکھا اور یقین دلایا کہ جب تک زندہ رہوں گا آپ کی عزیزداری کا پورا لحاظ رکھوں گا اور آپ کی اعانت و امداد سے کبھی دست کش نہیں ہوں گا۔ چند سالوں کے بعد آپ امیرالمومنین عبدالملک کے پاس گئے۔ عبدالملک نے نہایت تپاک اور خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا اور اُن کی بہت پذیرائی کی۔ آپ نے وہاں ایک ماہ سے زیادہ قیام فرمایا۔ ایک دن خلوت میں عبدالملک سے اپنے قرض کا تذکرہ کیا۔ عبدالملک نے ادائگی کا وعدہ کیا۔ بعد میں آپ نے اپنی کچھ اور ضروریات بھی پیش کیں اور ان کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے خواص اور اپنے غلاموں کے وظائف مقرر کئے جانے کی درخواست کی جو منظور کرلی گئی۔ بعد میں آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۳) یہاں ۸۱ھ میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ علم و فضل میں ایک بلند مقام کے مالک تھے۔ علامہ ابن حیان فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان میں فاضل ترین آدمی تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۵۵) علامہ خیرالدین زرکلی نے ان کا اپنا ایک قول نقل کیا ہے کہ:۔

الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منہما۔

حسنؓ اور حسینؓ مجھ سے افضل ہیں لیکن علم میں میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔

(الاعلام جلد ۷ ص ۱۸۲)

صاحب عمدہ المطالب فرماتے ہیں:۔

کان محمد بن الحنفیۃ احد رجال الدھر فی العلم والزھد والعبادۃ والشجاعۃ وھو افضل ولد علی بن

مَارأیت منه مَا تذکرون و قد حضرته و اقمت عنده فرایته مواظباً علی الصلوٰة متحریًا للخیر یسأل عن الفقه ملازمًا للسنة ۔

جو کچھ تم کہتے ہو وہ باتیں میں یزید میں نہیں دیکھتا۔ میں وہاں اقامت پذیر رہا ہوں۔ میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، دینی مسائل پر گفتگو کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۳۳،۲۳۲)

عبداللہ بن مطیع اور اُن کے ساتھی کہنے لگے، حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے کے لیے کرتا ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ اُسے مجھ سے کیا خوف اور لالچ تھا جو میرے سامنے اس طرح کرتا تم جو اُس کی شراب نوشی کی بات کرتے ہو کیا اُس نے تمہیں دکھا کر پی تھی۔ اگر تمہیں دکھا کر پی تو تم بھی اس گناہ میں اُس کے ساتھ شریک ہو۔ اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تھی تو جس شی کا تمہیں علم نہیں اُس کے متعلق تمہیں شہادت دینی جائز نہیں۔ وہ بولے حضرت! اگرچہ ہم نے اس

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابی طالب بعد الحسن والحسین ۔

محمد بن الحنفیہؓ علم، زہد، عبادت اور شجاعت وبہادری میں اپنے زمانے میں ایک بلند ترین شخصیت تھی اور سیدنا علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے حسنؓ اور حسینؓ کے بعد سب سے افضل تھے۔ (عمدۃ المطالب فی انساب آلِ ابی طالب ص ۳۵۲)

اسی طرح کے تعریفی کلمات قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھے ہیں۔

علم حدیث میں سیدنا علیؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عمار بن یاسرؓ، سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ وغیرہم سے استفادہ کیا تھا۔ بعض محدثین کے نزدیک سیدنا علیؓ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۵۴)

کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات ہے سچی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شہادت دینوالوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا۔ وہ تو فرماتا ہے اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (یہاں جو گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ دیں الزخرف : ۸۶) اور میں تمہاری کسی بات میں تمہارا شریک نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا، شاید آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے تو آئیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہارے مقصد کے لیے جنگ کرنا جائز ہی نہیں سمجھتا نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ کسی کا متبوع ہو کر وہ کہنے لگے۔ آپ اس سے قبل اپنے والد کے ساتھ مل کر جو جنگ کر چکے ہیں ؟ آپ نے فرمایا تم میرے باپ جیسا کوئی شخص اور جن سے انہوں نے جنگ کی تھی، ان جیسے لوگ تو لا کر دکھاؤ۔ پھر میں بھی تمہارے ساتھ مل کر جنگ کر لوں گا، وہ بولے اگر آپ شریک جنگ نہیں ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرمادیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر جنگ کریں آپ نے جواباً فرمایا اگر انہیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ و قتال پر آمادہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا، سبحان اللہ ! کیا میں لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں ایس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہوں گا۔ وہ بولے، ہم آپ کو مجبور کریں گے۔ آپ نے فرمایا "پھر میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دوں گا اور کہوں گا کہ لوگو اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۳ صـ ۹۶، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۲۱۸، ۲۳۳،

انساب الاشراف جلد ۳ صـ ۱۱۸)

محمد بن الحنفیہؒ خاندان اہل بیت کے ایک ممتاز فرد کی یہ شہادت یزید کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے اور یہ واقعہ ہے بھی واقعۂ کربلا کے بعد کا۔ جو اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ یزید بن معاویہؓ کی اپنے معاصرین کے قلوب میں کس قدر محبت و عظمت تھی اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے واقعہ کربلا میں یزید کا کوئی دخل نہیں تھا ورنہ سیدنا حسینؓ کے بھائی محمد بن الحنفیہؒ یزید کے خلاف کرنیوالوں کو یہ جواب نہ دیتے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ سیدنا عبداللہ[1] بن عمرؓ کا صحیح مسلم جیسی معتبر کتاب میں درج ہے۔

---

[1] سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا عمر بن الخطاب کے صاحبزادے تھے۔ غزوہ اُحد میں جو ۳ھ میں پیش آیا ان کی عمر ۱۴ برس کی تھی۔ جب سیدنا عمرؓ مشرف باسلام ہوئے اُس وقت سیدنا عبداللہؓ کی عمر ۵ سال کی تھی۔ گویا بچپن ہی سے اسلامی ماحول میں پرورش پائی۔ سب سے پہلے جنگ خندق میں شریک جہاد ہونے کی اجازت ملی کیونکہ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں کم سن ہونے کی وجہ سے شرکت کی اجازت بارگاہ رسالت سے نہ مل سکی۔ بیعتِ رضوان اور فتح مکہ میں بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا اور فتح مکہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا (بخاری جلد ا ص ــــــ) غزوۂ حُنین، محاصرۂ طائف، حجۃ الوداع، غزوۂ تبوک غرضیکہ ہر معرکہ میں شرکت فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پا بر کاب رہے۔ عہد فاروقی میں بھی کافی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد بعض لوگوں نے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۴ ق اول ص ۱۱۱)۔ سیدنا علیؓ کی خلافت میں آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہیئے (فتح الباری جلد ۵ ص ۱۰۸) سیدنا معاویہؓ جب ۴۱ھ میں خلیفہ ہوئے تو سیدنا عبداللہؓ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی کیونکہ سب لوگوں نے بلا اختلاف اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ بعد میں یزید کی خلافت کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اُن کے ہاتھ پر بھی بیعت فرمائی، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا:۔

ان اجمع النّاس علیٰ بیعتہ بایعتہ۔

اگر لوگ اُس کی بیعت پر اکٹھے ہو جائیں گے تو میں بھی اُس (یزید) کی بیعت کرلوں گا

(القلقشندی جلد ۱ ص ۱۱۷)

چنانچہ جب جمہور نے یزید کی بیعت کر لی تو آپ نے بھی بیعت کر لی۔ یزید کی وفات کے

کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ یزید بن معاویہؓ کی بیعت میں کس قدر مخلص اور اس کی بیعت توڑنے والوں کے کس قدر مخالف تھے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مطیع اور عبداللہ بن حنظلہ یزید کے خلاف بغاوت کرنیوالوں کی قیادت کر رہے تھے۔ سیدنا عبداللہؓ کو جب اس بات کا پتہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ عراق، حجاز اور یمن کے لوگوں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ان کے دعوائے خلافت کو بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے (طبقات ابن سعد قسم اول تذکرہ ابن عمرؓ) مروانؓ کے بعد جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اُن کے پاس تحریری بیعت نامہ بھیجا جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۶۹) آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاص عقیدت اور محبت تھی۔ فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت اور دین کیلئے خود ان کی اپنی کدوکاوش نے اُن کو قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ میں بحر بے پایاں بنا دیا تھا۔ آپ علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵)

سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، مگر عمرؓ اور ان کے فرزند ارجمند عبداللہ ذرہ برابر نہیں بدلے۔ چنانچہ آپ کے خادم اور شاگرد نافع فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس زمانہ میں عبداللہ بن عمرؓ ہوتے تو ان کو آثار نبوی کی اس شدت سے پیروی اور اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ مجنون ہیں (ابن سعد جلد ۴ ص ۱۰۶)

۷۴ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ مختلف روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کا سبب حجاج بن یوسف بنا لیکن یہ سب روائتیں پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہیں آپ کو مدینہ طیبہ میں وفات پانے کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ جب آپ کی حالت خراب ہوگئی تو دعا فرماتے تھے کہ خدایا! مجھ کو مکہ میں نہ موت دے۔ (ابن سعد جلد ۴ ص ۱۳۶) اور اپنے صاحبزادہ سالم کو وصیت کی کہ اگر میں مکہ ہی میں انتقال کر جاؤں تو مجھے حدود حرم سے باہر دفن کرنا کیونکہ جس سرزمین سے ہجرت کی ہے پھر اسی میں دفن ہوتے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ چند روز کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا "حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی اور "فخ" کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

چلا تو آپ فوراً عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے وہ انہیں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے ابو عبدالرحمٰن (سیدنا ابن عمر رضؓ کی کنیت) کے لیے مسند بچھاؤ۔ آپ نے فرمایا میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ایک حدیث سنانے کے لیے آیا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ حدیث بیان فرمائی:۔

یقول من خلع یدہ من طاعۃٍ لقی اللہ یوم القیامۃ لاحجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص عہد اطاعت کو توڑ دے، وہ قیامت کے روز اللہ رب العزت سے اس حال میں ملے گا کہ اُس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اُس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

صحیح بخاری میں بھی اسی قسم کی ایک روایت سیدنا عبداللہ بن عمر رضؓ کے بارہ میں مروی ہے۔ کہ عبداللہ بن زبیر رضؓ کے کہنے پر جب مدینہ کے لوگوں نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ دی تو اس وقت سیدنا عبداللہ بن عمر رضؓ نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے اس اقدام کی شدید مخالفت کی اور آپ نے اپنے اہل وعیال اور خاندان والوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:۔

ینصب لکل غادر لواءٌ یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھٰذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدراً اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم احداً منکم خلعہ ولا تابع فی ھٰذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔

قیامت کے روز ہر عہد توڑنے والے کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ ہم نے اس شخص (یزید بن معاویہؓ) کی بیعت اللہ اور اس کے رسولؐ کے

نام پر کی ہے اور میں اس سے زیادہ بد عہدی اور کوئی نہیں سمجھتا کہ ایک شخص اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کسی کی بیعت کرے اور پھر اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو۔ اور سُنو اگر مجھے تم میں سے کسی کے بارہ میں یہ پتہ چلا کہ اُس نے اس (یزید) کی بیعت توڑ دی ہے یا بیعت توڑنے والوں کے پیچھے لگ گیا ہے تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳)

اُس زمانہ میں یہ معاملہ صرف عبداللہ بن عمرؓ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ اہل بیت النبوۃ کے تمام لوگ یزید کی بیعت پر قائم رہے اور بیعت توڑنے والوں کی برابر مخالفت کرتے رہے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

كان عبد الله بن عمر بن الخطاب وجماعات اهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع احدًا بعد بيعة ليزيد ...... ولم يخرج احد من آل ابى طالب ولا بنى عبد المطلب ايام الحرة -

سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ اور اہل بیت نبوۃ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت کو نہیں توڑا تھا اور نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت کی۔ آلِ ابی طالب (سیدنا علیؓ کا خاندان) اور نہ ہی بنو عبد المطلب میں سے کسی نے ایامِ حرہ میں یزید کے خلاف خروج کیا۔[1]

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳)

---

[1] ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے یزید کی بیعت کی ہوئی تھی اور یہ بیعت جبری بیعت نہیں تھی بلکہ یزید کو صحیح معنوں میں امیر المومنین سمجھ کر بیعت کی گئی تھی یہی وجہ تھی کہ جب ایامِ حرہ میں کچھ لوگوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں کے ورغلانے پر یزید کی بیعت توڑی تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور خاندان ابی طالب، بنو عبد المطلب اور خاندان نبوت کے دوسرے افراد نے لوگوں کی بیعت توڑنے سے روکا بھی اور خود بھی اس بیعت پر قائم رہے حالانکہ اُس

ان روایات کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ہر قابل تعریف خصلت یزید میں پائی جاتی تھی، شجاعت، جانبازی، حسن المعاشرت، نظم مملکت میں صاحب الرائے غرض کہ علم و عمل کی ہر خوبی اس کی ذات میں پائی جاتی تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام للذہبیؒ جلد ۲ ص ۹۳)

اگر یہ سب صفات و خصائل پائے جانے کے باوجود بھی یزید اہلیت سے محروم تھا تو پھر میں کہوں گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہ تھی۔ لیکن صحیح اور درست بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں یزید سے زیادہ کاروبار حکومت چلانے کی اہلیت ہو اس لیے کہ اس وقت صحابہؓ یا ان کی اولاد میں جتنے لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبار مملکت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید بن معاویہؓ ماہر تھے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق متواتر سات سال تک بازنطینی حکومت کے خلاف بحری و بری سرگرمیوں میں آپ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ کریم النفس، حلیم الطبع، انتظامی امور میں فکری اور ذہنی خوبیوں کے حامل غرضیکہ ایک حکومت کو چلانے کے لیے ایک شخص میں جس قدر خوبیاں اور صفات ہونی چاہئیں وہ سب یزید بن معاویہؓ میں موجود تھیں۔ خاندانی نجابت، ذہنی اور عملی شرافت

حاشیہ صفحہ گزشتہ) وقت اُن کے لیے بیعت توڑنے کا سنہری موقع تھا۔ لیکن انھوں نے دلی خلوص سے چونکہ بیعت کی ہوئی تھی لہٰذا شدت سے لوگوں کو یزید کی بیعت توڑنے سے روکا خود سیدنا حسینؓ بھی یزید کی بیعت کرنے پر رضامند ہو گئے تھے جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اور شیعی عالم علامہ شریف المرتضیٰ نے لکھا ہے کہ میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ نے عمرو بن سعد کے سامنے جو تین شرائط پیش کی تھیں اُن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ :۔

اوان اضع یدی علیٰ ید یزید فھو ابن عمی لیریٰ فی رایہ ۔

یا (میری یہ شرط قبول کر لو کہ) میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیتا ہوں جبکہ وہ میرا چچا زاد بھائی ہے وہ میرے بارہ میں اپنی رائے خود قائم کرے گا۔ (کتاب الشافی ص ۱۷۴)

ان واقعات کی تفصیل کے لیے میری کتاب "واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل" کا مطالعہ کریں ۔

آپ کی خاص صفات میں سے تھیں وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے پیدا ہوئے آنکھ کھولی ہی تھی تو باپ کو شام جیسے سرحدی اور متمدن صوبے کا والی اور گورنر پایا۔ خود باپ میں سیادت اور قیادت کی صفات سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ تھیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵)

باپ نے حسن تربیت سے وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں لیکن اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے صاحبزادے جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ ان میں سیادت اور قیادت کی اس قدر خوبیاں جمع نہیں تھیں۔ حکومت کے لیے زہد و اتقاء کی اتنی ضرورت نہیں (اگرچہ خلیفۂ وقت میں زہد و اتقاء کا پایا جانا بھی ضروری ہے) جتنی انتظامیہ امور میں صلاحیت اور عزم و شجاعت دانائی و حکمت کی ضرورت اور اہلیت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ اُمت میں سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ زہدان شب زندہ دار، صائم الدہر اور سنت نبوی کے متبع موجود تھے، لیکن کاروبار حکومت چلانے کے لیے جو خوبیاں اللہ رب العزت نے ان میں ودیعت فرمائی تھیں، وہ نہ تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے زاہد شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت میں، نہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے ترجمان القرآن میں اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں پڑھنے والے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں۔ نہ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جیسے "امین الامۃ" اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے "سیف من سیوف اللہ" میں تھیں۔ کاروبار حکومت میں "اشد فی امر اللہ" کی ضرورت ہے۔ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ افضل صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے، لیکن کاروبار حکومت چلانے کے لیے جن صفات کی ضرورت تھی وہ اور کسی میں نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کاروبار حکومت ان کے سپرد کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن میں عشرہ مبشرہ کے لوگ بھی شامل تھے اور بیعت عقبہ اور بیعت رضوان کے سند یافتہ بھی بے چون و چرا ان کی بیعت فرمائی، اور کسی نے ان پر معمولی سا اعتراض بھی نہ کیا۔ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس حیثیت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ دوسرے لفظوں میں آپ نے خلیفہ کی صفات ضروریہ کا اظہار فرمایا آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"یا ایھا الناس ما انا بخیرکم وان منکم لمن ھو خیر منی"

عبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عمرو وغیرھما من
الافاضل ولکن عسیٰ ان اکون انفعکم ولایۃً وانکاکم
فی عدوکم وادرکم حلبًا۔

اے لوگو! میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبداللہ بن عمرؓ اور
عبداللہ بن عمروؓ جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں، لیکن اُمید ہے کہ میں حکومت
چلانے کے اعتبار سے ان سب سے زیادہ تمہارے لیے سُودمند ثابت ہوں گا! اور
تمہارے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے زیادہ نفع بخش
ثابت ہوں گا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۴)

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات ہیں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب
تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ کا زہد و تقویٰ ہی کس قدر بلند مقام
ہے کہ خود جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوات والتحیات ارشاد فرماتے ہیں کہ "میری اُمت
میں ابوذر غفاریؓ میں عیسیٰ ابن مریمؑ جیسا زہد ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۸ ص ۱۸۷) اور یہ زہد کوئی
چند روزہ نہیں تھا بلکہ شروع سے اخیر تک ایک ہی طرح کا رہا (اصابہ جلد ۷ ص ۶۲) زمانہ
جاہلیت ہی میں بتوں کی پوجا سے بیزار تھے، خدا پرست تھے، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے
پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی اطلاع دی اُن کے الفاظ یہ تھے کہ
"ابوذرؓ! مکہ میں ایک شخص تمہاری طرح لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۶۳)

علم کا یہ حال ہے کہ سیدنا علیؓ جیسے علم وعمل کے مجمع البحرین آپ کے بارہ میں فرمایا
کرتے تھے کہ "ابوذرؓ" نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے
اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵)

سیدنا عمرؓ جیسے اشد فی امر اللہ" آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ "ابوذرؓ کا علم عبداللہ
بن مسعودؓ کے برابر ہے۔" (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۱۵)

اور وہ خود اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر شی کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کنکری کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔"

(مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۶۳)

لیکن یہی ابوذرؓ ایک مرتبہ امارت کی خواہش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "ابوذر! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس بار کے متحمل نہیں ہوسکتے جس سے قیامت کے روز سوائے ندامت اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۷۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ابوذرؓ! اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اُسے قبول نہ کرنا۔"

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ یزید اگرچہ زہد و اتقاء میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ، سیدنا حسینؓ ابن علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم سے کم تھا، لیکن حکمرانی اور جہانبانی کے کمالات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھے۔ کیونکہ بچپن ہی سے امارت اور قیادت کے سائے میں تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں بھی سرگرم عمل رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اُس کو قبول کر لیا[1]۔ اور صحابہؓ کی کثیر تعداد نے جو حجاز، شام، بصرہ اور کوفہ میں تھی نہ از خود یزید کے خلاف خروج کیا اور نہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ حالانکہ اس زمانہ میں اور صحابہؓ کو چھوڑ کر خود اہل بیت نبوت کے گھر کے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی تھی، لیکن سیدنا

---

[1] یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے بالاتفاق منعقد ہونے کے بارہ میں علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:۔

"یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ تھے اور اجماع اور اتفاق کے مقابلہ میں شاذونادر اختلاف کو کوئی وقعت نہیں ہوتی۔"

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۴)

حسینؓ کا کسی نے ساتھ نہ دیا نہ ہی آپ کے چچا عبداللہ بن عباسؓ نے اور نہ ہی آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہؒ نے اور نہ ہی دیگر دس بھائیوں نے چنانچہ "اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفا میں لکھا ہے۔

وقد کان فی ذٰلک العصر کثیرٌ من الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرۃ والکوفۃ ومصر وکلھم لم یخرج علی یزید ولا وخدہٗ ولا مع الحسین۔

اس زمانہ میں کثیر التعداد صحابہؓ حجاز، کوفہ، بصرہ اور مصر میں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی یزید بن معاویہؒ کے خلاف خروج نہ کیا نہ تو از خود اور نہ سیدنا حسینؓ کی معیت میں۔ (اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء صـ۱۴)

ہاں اس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو جہانبانی اور امور مملکت کے اصولوں سے بخوبی واقف اور آشنا تھے۔ وہ تھے فاتح ایران سیدنا سعد[1] بن ابی وقاصؓ، لیکن وہ ان دنوں

---

[1] سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے جس کا اقرار کئی دفعہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صـ۲۹۱) اسلام میں قریباً آٹھویں مسلمان ہیں ابتداء اسلام میں جب کہ وہ چند صحابہؓ کے ساتھ ایک گھاٹی میں مصروف عبادت تھے، ایک کافر نے اسلام کا مذاق اڑایا۔ آپ کو جوش آگیا اور اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اُس بے ایمان کے سر پر ماری اور اُس کا سر پھاڑ دیا۔ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی (اسد الغابہ جلد ۲ صـ۲۹۱) غزوۂ بدر سے لے کر فتح مکہ تک تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوۂ اُحد میں جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے نرغہ میں آگئے تو آپؐ اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر سیدنا سعدؓ کو دیتے اور فرماتے "یا سعد ارم فداک ابی وامی" (اے سعدؓ! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں) فتح مکہ کے بعد غزوہ طائف اور تبوک میں بھی شرکت فرمائی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں بیمار ہو گئے۔ آپ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ پوچھا سعدؓ! کیوں روتے ہو۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سرزمین کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں چھوڑا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی۔ آپ نے صحت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی

اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان کی نامزدگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بشارت کے طور پر فرمایا اے سعدؓ تم اس وقت تک ہرگز نہیں مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچ لے (صحیح مسلم کتاب الوصیتہ) یہ پیشگوئی آپ کے حق میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ عجمی اقوام کو آپ کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچا اور ملت اسلام مستفید ہوئی۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں وہ وہ کارنامے دکھائے کہ آج تک دنیا انگشت بدندان ہے ایک قلیل مدت میں کسریٰ کی ساری سلطنت کو اسلامی حکومت میں مدغم کر لیا اور اس کی فوج کو قادسیہ اور دیگر جنگوں میں ایسی شکست فاش دی کہ ایرانی سلطنت تہس نہس ہو کر رہ گئی۔ کسریٰ کے پایۂ تخت مدائن پر قبضہ کر لیا اور تمام مال و اسباب مالِ غنیمت بنا کر مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے ان کی خدمات جلیلہ کی وجہ سے ان کو مفتوحہ علاقہ کا گورنر بنا دیا۔ آپ نے اس منصب کو بھی اچھے طریقے سے نبھایا۔ اسی اثنا میں آپ نے سیدنا عمرؓ کے فرمان کے مطابق کوفہ کو آباد کیا۔ آپ نے فوج اور دیگر انتظامی امور میں گراں قدر اصلاحات کیں۔

سیدنا عمرؓ نے وفات کے وقت خلافت کے لیے جن چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا۔ ان میں ایک سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے اور فرمایا تھا کہ اگر یہ خلیفہ منتخب نہ ہو سکیں پھر بھی ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں بھی کوفہ کے والی مقرر ہوئے لیکن ۳ سال کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے معزول ہو گئے۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں میں آپ نے بالکل کسی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ گوشہ نشین رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب کہ آپ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آپ کے صاحبزادے عمر بن سعدؓ نے آپ سے کہا "کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ حکومت کے لیے اپنی اپنی قسمت آزمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ خاموش! میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے

اس سلسلہ میں ایک سوال اور پیدا کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں ولی عہدی اور نامزدگی نہیں اور اگر ہے تو کیا بیٹے کو ولی عہدی یا خلافت کے لیے نامزد کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے پہلے حصے کہ

"اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں"

کا جواب مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے "مقدمہ" میں دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُسی کو نقل کر دیا جائے اور وہ یہ ہے۔

"امام ولی اُمت ہوتا ہے اور اُس کا امین بھی جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنیوالے ہوتے ہیں اس کا انتظام بھی حسب طاقت زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً امت کی غور و پرداخت کے لیے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر اُمت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اُس پر تھا اور شریعت میں اجماع اُمت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہؓ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے چھے صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑا اور اُن کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کر لیں۔ ان صحابہؓ نے مسئلہ انتخاب کو

حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ اللہ تعالیٰ مستغنی اور پرہیزگار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔" (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)

۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔ وصیت کے مطابق کفن میں وہی اُونی کپڑا استعمال کیا گیا جو غزوہ بدر کے روز جسم پر تھا۔

علم و فضل میں ایک خاص مقام حاصل تھا اور تحصیل علم میں حجاب یا شرم دامن گیر نہیں ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے پیار اور محبت سے ان کی تشفی فرماتے تھے۔

ایک دوسرے پر ڈالا۔ آخر اس انتخاب کا سہرا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سر بندھا۔ آپ نے غور و فکر کر کے مسلمانوں کی دلی منشا معلوم کی تو سب کا دل حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی طرف جھکا ہوا پایا۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تو حضرت عثمانؓ کے پیش آمدہ معاملات میں اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر اتباع شیخین کو لازم سمجھتے تھے لہذا حضرت عثمانؓ کی خلافت سب کو تسلیم ہوئی اور وہ خلیفہ مان لیے گئے اور اُن کی اطاعت واجب سمجھ لی گئی۔ اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اُس میں وہ سب صحابہؓ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی جانتے تھے۔ اور یہ بات معلوم ہو ہی گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لیے حجت مانا گیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

علامہ قاضی ابویعلی الحنبلیؒ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے اس معاملہ (ولی عہدی) میں ارباب حلّ و عقد کی موجودگی ضروری نہیں، اس لیے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور سیدنا عمرؓ نے چھ صحابہؓ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حلّ و عقد کی موجودگی کو ضروری نہ سمجھا۔ اس کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ولی عہد بنانے کا مطلب اس کو خلیفہ بنانا نہیں، ورنہ ایک ہی وقت میں دو خلفاء کا اجتماع لازم آئے گا جو کسی صورت جائز نہیں۔ اور جب یہ خلافت کا عہد نہیں ہے تو ارباب حلّ و عقد کی موجودگی کوئی ضروری نہیں۔ ہاں جس نے ولی عہد بنایا ہے اس کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۹)

علامہ ابن حزمؒ نے تو صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ نصب خلافت کے لیے

اسلام میں سب سے بہترین طریقہ نامزدگی ہی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت ساری خرابیوں کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں :۔

فوجدنا عقد الامامة يصح بوجوه اولها واصحها ان يعهد الامام الميت الى انسان يختاره اماما بعد موته وسواء فعل ذالك فى صحته او فى مرضه او عند موته اذ لا نص ولا اجماع على المنع من عهد هٰذه الوجوه كما فعل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بابى بكر وكما فعل ابو بكر بعمر وكما فعل سليمان بن عبد الملك بعمر بن عبد العزيز وهٰذا هو الوجه الذى نختاره ونكره غيره لما فى هٰذا الوجه من اتصال الامامة وانتظام امر الاسلام واهله ورفع ما يتخوف من الاختلاف والشغب مما يتوقع فى غيره من بقاء الامة فوضى ومن انتشار الامر وارتفاع النفوس وحدوث الاطماع ۔

پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے ہوسکتا ہے ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے اس نامزدگی میں برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کرتے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے اس کی کسی صورت میں بھی عدم جواز اور منع نہیں ہے اور اسی طریقے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو نامزد کیا تھا اور ابوبکرؓ نے عمر بن الخطابؓ کو اور سلیمان بن عبد الملکؒ نے عمر بن عبد العزیزؒ کو نامزد کیا تھا اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں اور اس کے سوا دوسری صورتوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں خلافت کا

اتصال اور اسلام اور اہلِ اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے، لیکن اس کے برعکس دوسری تمام صورتوں میں اختلاف اور شور وشغب کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے اور انارکی، امورِ شرعیہ میں انتشار لوگوں کے اُٹھ جانے اور ان کے اندر خلافت کے لیے حرص وطمع کے جذبات پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔

(الفصل فی الملل والنحل جلد ۴ صفحہ ۱۶۹)

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ "بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟" اس کا جواب بھی مؤرخِ اسلام علامہ ابن خلدون المغربیؒ ہی سے سُنیے۔ علامہ فرماتے ہیں:۔

"اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کرسکتے اور اس معاملہ میں اس کو متہم نہیں کرسکتے، کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور ومعاملات میں قابلِ اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہو ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیئے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کو اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعثِ اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دُور ہے۔ خصوصاً جب کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ وفساد سے تحفظ کے لیے یہ کہا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی اُمیّہ کے اربابِ حلّ وعقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حجت تھا اور پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا اُمت میں اتفاق واتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیشِ نظر تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بنو اُمیّہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ اہلِ حلّ وعقد عموماً بنی اُمیّہ میں سے تھے اور بنو اُمیّہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہوسکتے تھے اور وہ قریش

اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پناہی پر رکھتے تھے۔ خود بھی باشوکت تھے اور دوسروں پر بھی با اثر انہیں نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے ان بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول[۱] کو مسند حکومت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کی بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے ورنہ اس کے سوا حضرت معاویہؓ کے بارہ میں اور کیا کہا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبویؐ کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارہ میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید برآں اکابر صحابہؓ کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر بدظنی اور بدگمانی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جاسکتا، نہ تو صحابہؓ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے نہ معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے۔ ان بزرگوں کی عدالت -

---

۱۔ مفضول کی امامت کے جواز میں تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے۔ صرف جاحظ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے لیکن جاحظ کا یہ اختلاف کچھ بھی مضر نہیں ہے (الاحکام السلطانیہ از قاضی ابوالحسن الماوردی ص۵) جمہور فقہا اور متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضول کی امامت بالکل جائز ہے۔ اور افضل کو اس کی بیعت کرنا صحیح ہے اور افضل کا وجود مفضول کی امامت کے مانع نہیں بشرطیکہ مفضول میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ابن حزم اندلسی کی کتاب "الامامۃ المفاضلۃ" جو کہ ان کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" کی جلد چہارم میں درج ہے ص۱۶۳، ۱۶۷ طبع مصر، نیز علامہ ابوبکر الباقلانی کی کتاب "التمہید" ص۲۳۱ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ نیز ملاحظہ ہو المسائرہ لابن الہمام ص۱۳۶، ۱۳۷، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص۷)

ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالا ہے یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تھا تو وہ عبداللہ بن زبیر رض تھے مگر اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں کیں شاذ و نادر اختلاف کی ظاہر ہے کہ کوئی وقعت حاصل نہیں ؂

(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۴۴، ۱۴۱)

حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ سیدنا معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرما دیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصر خلافت یک قلم منہدم ہو جاتا اس کے لیے ایک مرتبہ پھر علامہ ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی۔ کیونکہ بنو اُمیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو اُمیہ خود ان پر پلٹ پڑتے گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسنِ ظن ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا، وگرنہ اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ کے بارے میں کوئی اور خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرنا ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

چند صفحات کے بعد علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:۔

"لہٰذا اگر امیر معاویہؓ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسند خلافت پر لاتے تو ان کی خلافت کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملتِ اسلامیہ جس اختلاف کا [illegible]تی وہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

مشہور مؤرخ علامہ محمد الخضری اس بارہ میں اپنے خیالات ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنو اُمیہ میں محدود کر دینا اصلاح اُمت کے لیے ضروری اور ناگزیر تھا۔ تاکہ اُمت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے، کیونکہ حلقۂ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے۔ اتنے ہی اُمیدوار بھی زیادہ

ہوتے ہیں اور جہاں اُمیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف ہونا ایک لازمی امر ہے۔" (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۵۰۲)

بات دراصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا پہلے یہ خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمرؓ کی طرح چھے اشخاص کو نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک شخص کو ارباب حل و عقد یا لوگوں کی اکثریت اپنی پسند سے منتخب کر لے گی۔ اس کام کے لیے ان کے ذہن میں جو لوگ تھے اُن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ سیدنا سعید بن العاصؓ ۲۔ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ[1]

۳۔ سیدنا حسنؓ بن علیؓ ۴۔ سیدنا مروان بن الحکمؓ

۵۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ۶۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۵)

لیکن ابن کثیرؒ ہی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سے سیدنا حسنؓ بن علیؓ کو اپنا ولی عہد بنانے کے لیے تھا، کیونکہ وہ ایک صلح پسند

---

[1] عبداللہ بن عامرؓ ۸ھ یا ۹ھ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۷۲) یہ سیدنا عثمانؓ بن عفان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دُعا فرمائی اور فرمایا یہ "مستقی" یعنی سیراب کرنے والا ہوگا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۹) سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں ۲۹ھ میں یہ ۲۵ سال کی عمر میں بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ اور کئی شہروں کو فتح کیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۷۳، استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۷) جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور جنگِ صفین میں ان کا کوئی نمایاں کردار تاریخ کی کتابوں میں نظر نہیں آتا لیکن تھے سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے۔ اور فیصلۂ تحکیم کے گواہوں میں سے تھے۔ سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے جو صلح کی تھی اس کی شرائط بھی انہوں نے ہی سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجی تھیں۔ جو منظور ہوگئیں (اخبار الطوال ص ۲۳) چنانچہ سیدنا معاویہؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو پھر تین سال کے لیے بصرہ اور عراق کے گورنر مقرر ہوئے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲)

اور اُمت مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے اور ملتِ اسلامیہ میں نظم وضبط اور یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے خواہاں تھے۔ اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بابت فرمایا تھا۔

ان ابنی ھذا سیدٌ و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۷۳، جلد ۲ ص ۵۳۰، ص ۱۰۵۶، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۱، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۱، ۲۱۲)

لیکن جب سیدنا حسنؓ بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنو اُمیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیدنا معاویہؓ جیسے راشد، بردبار، حلیم الطبع، وسیع الظرف اور یہ اعظم افریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بڑے صاحبِ ثروت اور متمول انسان تھے لیکن ساتھ ہی اتنے ہی فیاض بھی تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:۔

کان احد الاجود الممدوحین۔

عرب کے مشہور ممدوح فیاضوں میں سے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ "مسقی" ہونے کی دُعا فرمائی تھی لہٰذا انہوں نے عرب کی خشک سرزمین میں بکثرت پانی رواں کرکے اُسے سرسبز و شاداب بنایا۔ حاجیوں کے لیے بڑے بڑے حوض بنوا کر ان میں نہروں کے ذریعے پانی اُتارا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲) چنانچہ لکھا ہے:۔

ولہ آبار فی الارض کثیرۃ۔

بہت سے حوض اور کنوئیں بنوائے۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۹)

۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ طیبہ میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۷۴)

اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

کان معاویۃ لما صالح الحسن عہد للحسن بالامر من بعدہ فلما مات الحسن قوی امر یزید عند معاویۃ ورأی انہ لذالک اھلاً وذلک من شدۃ محبۃ الوالد لولدہ ولما کان یتوسم فیہ من النجابۃ الدینویۃ وسیما اولاد الملوک ومعرفتھم بالحروب وترتیب الملک والقیام بأبھتہ وکان ظن ان لا یقوم احد من ابناء الصحابۃ فی ھذا المعنی ولھذا قال لعبد اللہ بن عمر فیما خطبہ بہ انی خفت ان اذر الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ لیس لھا راع۔

جب سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے مصالحت کی تو آپ نے سیدنا حسنؓ ہی کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ کا یزید کی طرف رجحان قوی ہو گیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے، اور آپ کی رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس لیے بھی تھی کہ وہ یزید میں دنیوی شرافت اور شاہزادوں کی سی خصوصیات، جنگی فنون سے آشنائی سلطنت کا نظم وضبط اور اس کی ذمہ داری کے بار دوش سے سبکدوش ہونے کی اہلیت دیکھتے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی اولاد میں سے کوئی اس بارہ میں بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رعیت (پبلک) کو بکریوں کے ایک منتشر اور پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی (چرواہا) نہ ہو)

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۰)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ولی عہدی کے بارہ میں جو کچھ کیا وہ بالکل درست اور صحیح کیا اور مصلحت وقت اور ملکی حالات کا بھی یہی تقاضا تھا۔ اسی وجہ

علمائے اہل سنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست مانا ہے۔

(منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۴۰، جمہرۃ الانساب ص۱۰۳)

اور اس کو ان بارہ خلفاء میں سے مانا ہے جن کے زمانہ میں اسلام چہار دانگ عالم میں عزیز و محترم رہا۔ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری ص۱۸۴، فتح الباری جلد ۳ ص۱۸۲، شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۵۵۳)

اور یزید پر فسق و فجور کے اتہامات سراسر غلط ہیں، یہ سب چیزیں کچھ تو سبائی تحریک کے درکروں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ بن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو کم کرنے کے لیے پھیلائیں جیسا کہ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جاچکا ہے اور پھر بعد کے راویوں نے نہلے پہ دہلے کا کام کیا اور ایسی ایسی غلط باتیں مشہور کیں کہ شرافت و انسانیت منہ ڈھانکتی پھرتی ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب الاغانی جلد ۳ ص۶۱)

لیکن کسی نے بھی ان کی ان برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں، کسی عینی شاہد سے بیان نہیں کیا جیسا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے داعی عبداللہ بن مطیع وغیرہ امیر یزید پر شراب پینے کا الزام لگایا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم کی بنا پر نہیں بلکہ سُنی سُنائی باتوں سے۔

(ملاحظہ ہو انساب الاشراف جلد ۴ ص۲۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۲۳۳)

یزید کے نیک سیرت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ جیسے عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن بُسر المازنیؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عتیک انصاریؓ، مالک بن ربیعہؓ، ثابت بن ضحاکؓ، عبداللہ بن سعد بن خیثمہ انصاریؓ، ابوقتادہ انصاریؓ، ابوامامہ الباہلیؓ، رافع بن خدیجؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، عثمان بن حنیف انصاریؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، ابوسعید الخدریؓ، سلمہ بن اکوعؓ، معقل بن یسارؓ، بریدہ بن الحصیب الاسلمیؓ، عبداللہ بن ابی اوفی اسلمیؓ، نوفل بن معاویہؓ، عوف بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ، عدی بن حاتمؓ، نعمان بن بشیرؓ، معاویہ بن خدیجؓ، مسور بن مخرمہؓ، عبداللہ بن حنظلہؓ، معقل بن سنانؓ، جابر بن سمرہؓ، مالک بن حویرثؓ، عبدالمطلب بن ربیعہؓ، عقبہ بن عامر الجہنیؓ، عبداللہ بن سائب المخزومیؓ

عمر بن ابی سلمہ رضؓ، عبید اللہ بن عباسؓ وغیرہم نے اُن کی بیعت کی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار ہی ہوتا جو تواریخ کے سبائی راویوں اور ان کی روایات سے ظاہر ہے، جو خود فسق و فجور اور کذب و افتراء کی زندگی بسر کرتے تھے تو جلیل القدر صحابہؓ کی اتنی کثیر تعداد کبھی بھی ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرتی اور کبھی بھی ان کو قرون مشہود لہا بالخیر میں مسلمانوں کا امام اور خلیفہ نہ ہونے دیتی اور حبر الامت سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ اور سیدنا حسینؓ کے بھائی سیدنا محمد بن الحنفیہؒ کبھی بھی اُن کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی اتباع کرنے والا پابند صلوٰۃ اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ (ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۱۸، ص ۲۳۳، الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۲۱۳)

اور سیدنا حسینؓ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی اور سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر طیارؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بن جعفر طیارؓ اپنی صاحبزادی ام محمد کا نکاح کبھی بھی یزید بن معاویہؓ سے نہ کرتے۔ (جمہرۃ الانساب ص ۶۲)

اور خود سیدنا حسینؓ ان کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شمولیت نہ فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، ہسٹری آف دی سیرسنز از امیر علی ص ۴۸، تاریخ زوال روما الکبریٰ ص ۲۸۶)

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کے بہت سے اقوال سنداً پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا:

اذا مرض احدکم مرضاً فیشفی ثم تماثل فلینظر الیٰ افضل عمل عندہٗ فلیلزمہ ولینظر الیٰ اسوأ عمل عندہٗ فلیدعہٗ۔

جب کوئی تم میں سے بیمار پڑے اور پھر صحت یاب ہو جائے تو اُسے غور کرنا چاہیئے کہ اُس نے کون سا عمل کیا ہے۔ چاہیئے کہ وہ اُس کو لازم جانے اور یہ بھی دیکھے کہ اُس نے کون سا بُرا عمل کیا ہے پس اس کو چھوڑ دے۔

(العواصم من القواصم ص ۲۳۳)

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن عربیؒ فرماتے ہیں :۔

"یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیر یزید کی بہت قدر و منزلت تھی یہاں تک کہ انہوں نے ان کو زہاد صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی اقتداء کی جاتی ہے اور اُن کے نصائح و مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور انہوں نے تابعین کے تذکرہ سے پہلے صحابہؓ کے زمرے کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۳)

اس کے بعد قاضی ابن العربیؒ فرماتے ہیں :۔

فاین ھذا من ذکر المؤرخین لہ فی الخمر و انواع الفجور الا تستحون ۔

پس کہاں ہیں اس کے سامنے شراب اور فسق و فجور کے اتہامات جن کو مؤرخین نے (اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کیا ان لوگوں کو (ایسی غلط باتیں کہتے) شرم نہیں آتی ؟

(العواصم من القواصم ص ۲۳۳)

نیکی اور صالحیت کا یہی جذبہ تھا جو آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا کہ حکومت کا نشہ بھی ان کو اس راستہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا[1]۔ سیدنا الفاروق الاعظمؓ کی حکومت کے حالات اور خدمتِ خلق کا جذبہ آپ نے اپنے معاصرین سے سُنا تھا۔ آپ کے دل میں خواہش تھی کہ اگر کبھی زمام خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی آئیڈیل (Ideal) جیسی عادلانہ اور صالحانہ حکومت چلاؤں گا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا (سیدنا معاویہؓ اور یزید) دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا معاویہؓ نے بیٹے سے پوچھا، بیٹا! اگر تمہیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال بیٹے کے قلب کی انتہاہ گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے تھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع

---

[1] امیر یزید کے کردار اور فضائل و محاسن کے لیے ہماری کتاب "واقعہ کربلا اور اس کے اسباب و عوامل" کا مطالعہ فرمائیں۔ م۔ ا۔ ظ۔

کا جذبہ ہے یا ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کا۔ باپ کا یہ سوال سُن کر بیٹے نے فوراً جواب دیا۔

كنت والله يا ابتا عاملاً فيهم عمل عمر بن الخطاب۔

ابا! خدا کی قسم، میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے (ملت اسلامیہ کے ساتھ) کیا تھا۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا۔

سبحان الله يا بُنيّ والله لقد جهدت على سيرة عثمان بن عفان فما اطقتها، فكيف بك وسيرة عُمر۔

اے میرے بیٹے! سبحان اللہ، بخدا میں نے عثمان بن عفانؓ کی اتباع کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا، پس کہاں تم اور کہاں سیدنا عمرؓ کی سیرت کی اتباع اور پیروی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۲۲۹)

یہ جواب امیر یزید کی صفائی قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کی پُرزور تردید کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے، نماز نہ پڑھنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے اتہامات لگاتے ہیں۔

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے امیر یزید کو جو اپنا ولی عہد نامزد کیا وہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے بالکل صحیح اور درست تھا۔ اور جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ نہ صرف سیدنا معاویہؓ کی تغلیط کرتے ہیں بلکہ ان سب صحابہ کرامؓ پر بھی معترض ہیں جنہوں نے یزید کو اپنا امیر المومنین سمجھا اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ اور خود سیدنا حسینؓ کی بھی تکذیب کرتے ہیں جنہوں نے آخر وقت میں امیر یزید کے ہاتھ پہ بیعت خلافت کی رضامندی کا اظہار کیا۔

(ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـــــ)

اور یزید کے اخلاق و عادات و اطوار میں جو کیڑے نکالے جاتے ہیں اور اس پر شراب نوشی اور فسق و فجور کے جو اتہامات لگائے جاتے ہیں وہ از سر تا پا غلط ہیں۔



(۱۴)

خلافتِ راشدہ

بعض حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت ایسی ہی تھی جیسا کہ ہم نے
اس کتاب کی جلد اول میں بیان کی ہے تو پھر ان کی خلافت "خلافت راشدہ" ہونی چاہیئے اور وہ
خلیفہ راشد ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت واقعی "خلافت راشدہ" تھی اور
وہ خود خلیفہ راشد تھے۔ اس دعوے کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کتاب اللہ، سنت رسول
اللہ اور اسلامی تاریخ سے دلائل موجود ہیں، باقی رہا یہ اعتراض کہ جمہور علماء نے انہیں خلفائے
راشدین میں سے کیوں شمار نہیں کیا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ تدوین تاریخ کے وقت سے
لے کر اُن کی مقدس ذات کے بارہ میں اس قدر غلط پراپیگنڈہ کیا گیا اور عام ذہن کو اُن کے محامد
مناقب کو غلط اور جھوٹی روایات کے گرد وغبار کے نیچے دبا دیا گیا۔ ان کی خوبیوں کو برائیاں
اور مناقب کو مثالب بنا کر تاریخ کے صفحات کے فریم میں آویزاں کیا گیا اور عوام کو یہ باور
کرانے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے برسر اقتدار آکر "خلافت راشدہ" کے نظام کو ملوکیت اور
جاہلیت کے نظام میں تبدیل کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کے فرزند ارجمند یزید کے دور خلافت
میں شہادت حسینؓ کا جو جانگداز واقعہ کوفہ کے سبائیوں اور شیعانِ علیؓ کی وجہ سے پیش
آیا اور اس کی تمام تر ذمہ داری ایک خاص پراپیگنڈہ کے تحت یزید بن معاویہؓ کے سر منڈھ دی
گئی اس سے بھی سیدنا معاویہؓ کی شہرت اور نیک نامی، بدنامی کی دبیز تہوں کے نیچے دب گئی۔ بہر حال
کتابوں سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح آج ہمارے ذہنوں میں یہ ٹھونسا جاتا ہے کہ سیدنا علیؓ
اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی چپقلش میں حق اور صواب سیدنا علیؓ کے ساتھ تھا اور سیدنا معاویہؓ راہ
خطاء پر تھے، یہ عقیدہ متقدمین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں
بزرگ راہِ صواب پر تھے۔ کیونکہ دونوں کا موقف اپنے اپنے مقام پر صحیح تھا۔ اور اس کے خلاف

اعتقاد رکھنا یعنی سیدنا علیؓ کو راہِ صواب پر اور سیدنا معاویہؓ کو راہِ خطا پر سمجھنا "تشیع" تھا۔
چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیّ علی عثمان وان علیًّا کان مصیبًا فی حروبه وان مخالفه مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما۔

متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ سے افضل تھے اور جنگوں میں سیدنا علیؓ راہِ صواب پر تھے اور آپ کے مخالفین (سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی) راہِ خطا پر تھے، تشیع کہلاتا تھا۔ باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۴)

آج اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ الفاظ آپ کو ملیں گے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں اور تنازعات میں سیدنا علیؓ حق پر تھے اور جناب معاویہؓ خطا پر۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جب مسند اقتدار بنو عباس آل بویہ اور دوسرے ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کا تعلق شیعانِ علیؓ سے تھا تو انہوں نے تاریخ کی جھوٹی اور سراپا کذب روایات کے زور پر یہ عقیدہ ایجاد کر دیا کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں میں اول الذکر راہِ حق پر تھے اور ثانی الذکر راہِ خطا پر۔ اس عقیدہ کی ترویج میں علامہ تفتازانی، علامہ سیوطی جیسے کئی بزرگوں کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت اگر "راشدہ" ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت "راشدہ" نہ ہو اور جو حضرات ان دونوں خلافتوں کے درمیان "راشدہ" اور "غیر راشدہ" کا فرق ظاہر کرتے ہیں ان کے دلائل کسی معقول ذہن کو بالکل متاثر نہیں کر سکتے کیونکہ "خلافت غیر راشدہ" کا مارکہ لگانے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقدس دامن پر جن دھبوں کو نمایاں کیا جاتا ہے تاریخ کی خود دبیز وہی دھبے سیدنا علیؓ کے دامن پر بھی بتاتی ہے پھر ذہن اس بات کو قبول کرنے سے یکقلم اِبا کرتا ہے کہ ایک بزرگ صحابی کی خلافت کو "راشدہ" تسلیم کیا جائے

اور دوسرے بزرگ کی خلافت کو "غیر راشدہ" اور اس کے ساتھ ذہن فوراً اس بات کو اخذ کرتا ہے کہ اس قسم کے بے دلیل دعوے کے پیچھے ضرور کوئی سازشی ہاتھ ہے جس سے اُمت کے ساتھ اس قسم کی سازش ہوئی ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے اسمائے گرامی کے ساتھ "امام" بطور سابقہ اور "علیہ السلام" بطور لاحقہ کے شیعہ ازم کا ایک ایسا پراپیگنڈہ ہے جس سے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں اور آج یہ لفظ اُن کی کتابوں میں جابجا ملتا ہے۔ حالانکہ "امامت" کا یہ تصور جس کے تحت حضرات حسنینؓ کو "امام" کہا جاتا ہے خالص شیعہ تصور ہے اور اہل سنت کے ہاں ایسی امامت کا کوئی جواز نہیں[1] یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں "امام ابوبکرؓ" امام

---

[1] شیعہ حضرات کے نزدیک امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کے ہیں چنانچہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں لکھا ہے۔

"ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کی ہیں۔ رسولوں کی طرح امام بھی بطن مادر ہی سے امام پیدا ہوتا ہے۔" (عقائد الشیعہ ص ۳۴، سید ظفر حسن)

شیعہ حضرات کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں:۔

"اجماع علمائے امامیہ منعقد است برآنکہ امام معصوم است از جمیع گناہاں صغیرہ وکبیرہ از اول عمر تا آخر عمر عمداً خواہ سہواً۔

شیعہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام اول عمر سے آخر عمر تک صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ عمداً ہوں یا سہواً۔

(حیات القلوب جلد ۳ ص ۱۶)

یہی ملا باقر مجلسی امامت کے بارہ میں یہاں تک لکھتے ہیں۔

مرتبہ امامت بالاتر از مرتبۂ پیغمبر ہست

امامت کا مرتبہ پیغمبری کے مرتبہ سے بلند اور اونچا ہے۔

(حیات القلوب جلد ۳ ص ۳)

عمرؓ وغیرہ کے الفاظ نہیں لکھنے دوسرے "علیہ السلام" کا لفظ اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے۔ انبیاء کی ذوات کے علاوہ غیر نبی کے لیے اس کا استعمال جائز

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک اور کتاب میں لکھا ہے:۔

"اکثر علمائے شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیرؓ و دیگر تمام ائمہ طاہرین جمیع انبیاء سے افضل ہیں" (حق الیقین ص۸۵)

جمیع انبیاء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ سے فرمایا:۔

"تمہیں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں دی ہیں جو مجھے بھی نہیں دیں۔ اوّل[۱] یہ کہ جیسی تمہاری بیوی فاطمہؓ ہے ویسی میری نہیں۔ دوم[۲] تمہارے نطفہ سے جیسے بیٹے ہیں ویسے میرے نطفہ سے نہیں۔ سوم[۳] جیسی تمہاری ساس خدیجہؓ ہے ویسی میری نہیں۔ چہارم[۴] مجھ جیسا تمہارا خسر ہے حالانکہ میرا خسر نہیں ہے۔ (بحار الانوار جلد ۵ ص۵۱۱)

پھر ائمہ کی جانب وہ وہ چیزیں منسوب کیں جو انبیاء علیہم السلام کو بھی تفویض نہیں کی گئیں بلکہ خاصۂ خداوندی ہیں مثلاً:۔

"ائمہ جس شے کو چاہتے ہیں حلال کرتے اور جس شے کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں"

(اصول کافی ص۲۷۸)

"ائمہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کو کب انتقال کرنا ہے"

(اصول کافی ص۲۳۶)

"وہ ماکان و مایکون کا علم جانتے ہیں اور اُن پر کوئی شی مخفی نہیں ہوتی"

(اصول کافی ص۱۹۵)

"اُن کے پاس اپنے شیعوں کے نام مع ولدیت لکھے ہوتے ہیں"

(اصول کافی ص۱۳۶)

"وہ اللہ کی آنکھیں، اس کا ہاتھ، اس کا دروازہ، اس کی زبان ہوتے ہیں"

(اصول کافی ص۸۴)

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ جو ساری امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں اُن کے لیے بھی "علیہ السلام" کا لفظ اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اور تو اور سیدنا صدیق اکبرؓ جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق "افضل البشر بعد الانبیاء" ہیں اہل سنت کی کتابوں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) شیعہ حضرات نے اپنے ایک ماہنامہ میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"اگر جناب مولا علیؑ نہ ہوتے تو جناب رسول خدا پیدا نہ ہوسکتے، اور جناب رسول خداؐ پیدا نہ ہوتے تو "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" زمین و آسمان پیدا نہ ہوتے، لہذا علیؑ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔"

(ماہنامہ معارف اسلام، لاہور، بابت ستمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۸)

اسی رسالہ کی ایک اور اشاعت میں ملا باقر مجلسی کے حوالہ سے سیدنا علیؓ کا ایک فرمان نقل کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامت کے بارہ میں ان حضرات کا کیا عقیدہ ہے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:۔

"میں خدا کے اسمائے حسنیٰ، امثال علیا اور آیاتِ کبریٰ ہوں اور میں ہی جنت کا اور دوزخ کا مالک ہوں۔ میں اہل جنت کو جنت میں داخل کروں گا اور اہل نار کو جہنم میں ڈالوں گا۔ میں ہی اہل جنت کی ترویج کروں گا اور میرے ہی ذمہ اہل جہنم کو عذاب کرنا ہے اور میری ہی طرف ساری مخلوق کی بازگشت ہوگی۔ اور میں ہی مرکز ہوں اور میری ہی طرف ہر ایک شی بعد قضائے الٰہی رجوع کرتی ہے اور میرے ہی ذمہ ساری مخلوق کا حساب ہے۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت کے وقت احتجاج اور اتمام حجت کیا اور میں ہی روزِ قیامت ان کا شاہد ہوں۔ اور میں ہی وہ ہوں جس کے پاس کل مخلوق کی موت اور مصائب اور فیصلہ جات کا علم ہے اور جملہ آیات و معجزات و کتب انبیاء علیہم السلام میرے سپرد کی گئی ہیں۔ اور ان کا محافظ ہوں۔ اور میں لاٹھی والا اور نشان والا ہوں۔ اور میں ہی ہوں جس کے لیے بادل، گرج، بجلی، تاریکیاں، روشنیاں، ہوائیں، پہاڑ، سمندر، ستارے سورج اور چاند مسخر کر دیئے گئے ہیں اور میں ہی وہ ہوں جس کو خدا نے اپنا نام، اپنا

میں ان کے نام کے ساتھ بھی کبھی "علیہ السلام" کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ یہ بات اس چیز کی غمازی کرتی ہے کہ شیعی پراپیگنڈے نے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت کو غیر شعوری طور پر کچھ چیزوں کے بارہ میں متاثر کیا ہوا تھا۔ جن میں ایک چیز سیدنا معاویہؓ کی خلافت کا مسئلہ بھی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) کلمہ، اپنی حکمت، اپنی فہم عطائی فرمائی ہے۔

(ماہنامہ معارف اسلام بابت ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۲ء ص ۶۱، ۶۲)

ایک اور بزرگ سیدنا علیؓ کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

قربان جائیں اس مظہر العجائب والغرائب اسد اللہ الغالبؑ کے کہ جب اُس نے تورات موسیٰ میں ظہور فرمایا تو خدا کا منہ اور خدا کا کلام بن گیا۔ جب وہ زبور میں جلوہ افروز ہوا تو تحمید و تمجید کا لباس اوڑھ کر لحن داؤدیؑ بن گیا۔ جب اس کی تجلیات غزل الغزلات میں ظاہر ہوئیں تو تقدیس و عبودیت کی دعاؤں میں سلیمانؑ کا لحن بن گیا۔ جب وہ انجیل عیسیٰؑ میں نوربار ہوا تو مددگار اور طفل معصوم بن گیا جب وہ صحیفۂ یوحنا میں ضیا پوش ہوا تو اسپ سفید پر سوار ہو کر شیر کی آواز میں آیات حمد پڑھنے لگا۔ جب وہ قرآن مجید میں روشن ہوا تو جگہ جگہ اس کا ذکر، جگہ جگہ اس کی فضیلت، جگہ جگہ اس کی مدحت، جگہ جگہ اُس کی شجاعت، جگہ جگہ اس کی کرامت، کبھی وہ یَدُ اللّٰہِ کی صورت میں خدا کا ہاتھ، کبھی وہ لِسَانَ صِدْقًا نَّبِیًّا کی صورت میں رسولوں کی سچی زبان۔

(معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء ص ۹۱)

یہ بے مثال و بے نظیر امام اول زرتشت کے ژند و پاژند میں پہنچا تو شعلۂ جوالہ کی صورت میں، جین مت میں گیا تو شانتی اور اہنسا کی صورت میں شاستروں میں سروپ دکھایا تو پرم آتما کی صورت میں، گیانوں میں قدم رکھا تو مہابلی کی صورت میں۔ گیتا میں جلوہ ریز ہوا تو نارائن کی صورت میں۔ رامائن میں ضوفشاں ہوا تو مہاتم کی صورت میں، اور دیوتاؤں کو نظر آیا تو سنگھ کی صورت میں۔ سنگھ۔ شیر۔ اسد۔ لائن۔ اسی شیر کی، اسی سنگھ کی ہزارہا سال سے مندروں، شودواروں میں پرستش کی جا رہی ہے۔ کرشن جی کو جب چودہ معصوموں کے

پھر تاریخ کی تدوین بنو عباس کے دور میں ہوئی جنہوں نے حکومت بنو اُمیہ سے چھینی تھی اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ایک گروہ جب کسی دوسرے گروہ سے حکومت چھینتا ہے تو وہ اپنے استحقاق کو (Genuine) ثابت کرنے کے لیے سابقہ حکومت میں کیڑے نکالتا ہے، اس کی خوبیوں کو بُرائیوں میں، مناقب کو مثالب میں اور فضائل کو معائب میں ظاہر کرنے کے لیے اپنے پراپیگنڈہ کی پوری مشینری کو دن رات کام پر لگائے رکھتا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب کو اُن سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کر سکے اور اُن کی ہمدردیوں کا کانٹا اُدھر سے موڑ کر اپنی طرف کر سکے۔ چنانچہ بنو عباس نے حکومت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بنو اُمیہ کو قتل اور سولی سے نیست و نابود کیا وہاں علمی انداز میں اُن کے خلاف ایسا پراپیگنڈہ بھی کیا کہ آج تک عوام اور خواص کے قلوب میں بنو امیہ کے لیے ہمدردی اور رحم کا کوئی جذبہ اور گوشہ پیدا نہ ہو سکا بلکہ ان کے متعلق نفرت اور حقارت کے جذبات کو تقویت ملتی رہی اور شاید آئندہ بھی ان کے متعلق ایسے ہی حقارت آمیز جذبات لوگوں کے سینوں میں پنپتے رہیں۔ چنانچہ مصر کے ایک فاضل اور محقق علامہ محب الدین الخطیبؒ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

انّ التاریخ الاسلامی لم یبدأ تدوینہ الا بعد زوال بنی اُمیّۃ وقیام دول لا یسرّ رجالھا التحدث بمفاخر ذٰلک الماضی ومحاسن اھلہ فتولّی تدوین تاریخ الاسلام ثلاث طوائف۔

طائفۃ کانت تنشد العیش والجدۃ من التقرّب الی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) چودہ صفاتی رُوپ نظر آتے تھے تو ایک روپ میں سنگھ یعنی شیر بھی دکھائی دیتا تھا۔
(معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۹۲)

آپ ان عبارتوں سے اندازہ لگا لیں کہ امامت کے متعلق شیعہ حضرات کا کیا عقیدہ ہے اہل سُنت والجماعت کے ہاں ان معنوں میں کسی کو امام کے لفظ سے نہیں پکارا جاتا۔ مسئلہ امامت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "اسلام کا تصور نبوت"۔

میغضی بنی اُمیۃ بما تکتبہ وتؤلفہ۔

تاریخ اسلامی کی تدوین بنو اُمیہ کے زوال کے بعد شروع ہوئی اور ان حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں ہوئی جن کا برسراقتدار طبقہ اپنے اس ماضی کے مفاخر اور اس وقت کے ارباب اقتدار کے محاسن سے خوش نہیں تھے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو اُمیہ کے بغض اور مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر اُن کے دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔

(العواصم من القواصم ص ۱۷۷ تعلیقہ)

اسی طرح کے خیالات ندوہ کے فاضل شاہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمائے ہیں کہ:۔

"بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی یہ سب بنو اُمیہ کے سخت دشمن تھے۔ اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لیے ایسی بہت سی غلط روائتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں، کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق وتنقید جس سے افسانہ وحقائق میں پورا امتیاز ہوسکے، مشکل تھی، گو بہت سی بے سروپا روائتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہوگئیں لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے۔ حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے اُن میں داخل ہوگئے۔"

(سیرۃ الصحابہ جلد ۶ ص ۹۳)

اس سیاسی اور گروہی پراپیگنڈہ کا بنو امیہ پر جو اثر ہوا وہ عیاں ہے، ہر زمانہ کے لوگوں کے ذہن اس سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے۔ چنانچہ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ کے مؤلف کا یہ بیان بھی ہمارے اس دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے جو اُس نے ۳۵۱ھ کا وہ واقعہ لکھا ہے جسے کو پڑھ کر اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

فقد كان اهل بغداد قبل الدولة البويهية على مذهب اهل السنة والجماعة ويفضّلون الشيخين ابا بكر وعمر على سائرهم ولا يقدحون فى معاوية ولا غير فى سلف المسلمين فلما جارت هذه الدولة وهى متشيعة غالية نما مذهب الشيعة ببغداد ووجدله من قوة الحكومة انصالاً فقد كتب على مساجد بغداد ۳۵۱ ھ ما صورته:-

لعن الله معاوية بن ابى سفيان ولعن من غصب فاطمة رضى الله عنها فدكاً ومن منع ان يدفن الحسن عند قبر جده عليه السلام ومن نفى اباذر الغفارى ومن اخرج العباس من الشورى۔

آل بویہ کی حکومت کے قیام سے قبل بغداد کے لوگ مذہب اہل سنت والجماعت پر تھے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کو سب صحابہؓ پر فضیلت دیتے تھے اور معاویہؓ کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی گزرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی برائی کرتے تھے، لیکن جب یہ فرقہ پرست غالی حکومت آئی تو بغداد میں مذہب شیعہ پروان چڑھا اور اقتدار کے بل بوتے پر اس کے انصار و اعوان پیدا کئے گئے اور ۳۵۱ھ میں بغداد کی تمام مساجد پر عبارت لکھوائی گئی۔

خدا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ پر لعنت کرے۔

اور اس پر لعنت کرے جس نے فاطمہؓ کے فدک کا حصہ غصب کرلیا (مراد ابوبکرؓ تھے) اور اس پر لعنت کرے جس نے حسنؓ کو اس کے نانا جان کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ (مراد مروانؓ تھے)

اور اس پر لعنت کرے جس نے ابوذر غفاریؓ کو شہر بدر کیا۔ (مراد عثمانؓ تھے)

نیز اس پر لعنت ہو جس نے عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کردیا۔ (مراد عمرؓ تھے)

یہ کس نے کیا؟ اور کس کے ایما پر ہُوا۔ تاریخ اس کے نام کو چھپاتی نہیں۔ وہ معزالدولہ[1] تھا۔ جو اُمت کے ان پاکبازوں کی تنقیص اور رسوائی پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ جس کے مذہب

---

[1] معزالدولہ وہ شخص تھا جس نے دسویں محرّم کو سیدنا حسینؓ کا یوم شہادت منانے کی بدعت سیئہ کی بنیاد رکھی اور اس بات کا حکم دیا کہ اس دن کو ماتم کا دن منانا چاہیئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

فی عاشر المحرم من ہٰذہ السنۃ امر معزالدولۃ بن بویہ قبحہ اللہ ان تغلق الاسواق وان یلبس النساء المسوح من الشعر وان یخرجن فی الاسواق حاسرات عن وجوھھن، ناشرات شعورھن یلطمن وجوھھن ینحن علی الحسین بن علی بن ابی طالب۔

یعنی اس سال (۳۵۲ھ) کے محرّم کی دسویں تاریخ کو معزالدولہ بن بویہ نے حکم دیا کہ بازاروں کو بند رکھا جائے اور عورتیں کھردرے بالوں کے کپڑے پہنیں اور بازاروں میں ننگے منہ، بکھرے بال، منہ پر طمانچے مارتے ہوئے اور حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کا نوحہ کرتی ہوئی نکلیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۱ ص ۱۴۳)

یہ چیز صرف ابن کثیرؒ ہی نے نہیں لکھی بلکہ شیعہ مؤرخ امیر علی نے بھی اس کا اقرار کیا ہے لکھا ہے :۔

"معزالدولہ اگرچہ علم و ادب اور فنون کا مربّی اور سرپرست تھا لیکن اپنی فطرت کے لحاظ سے نہایت ظالم تھا اور اسی نے سانحہ کربلا کی یاد میں دسویں محرم کو ماتم کا دن منانا شروع کیا تھا"

(شارٹ ہسٹری آو سیرسنز انگریزی ص ۲۰۳ لندن)

غیر مسلم مؤرخ پروفیسر ہٹی نے ہسٹری آف دی عربز انگریزی ص ۴۷۱ اور ڈاکٹر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۵۰، ۵۱ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ گویا کہ اس نے حکومت کے بل بوتے پر شیعہ مذہب کی آبیاری کی اور اپنے مذہب میں طرح طرح کی بدعات کو جنم دیا جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب آلِ بویہ کا تسلّط کم ہوا، تو علامہ ابو بکر ابن عربیؒ نے اپنی آنکھوں سے

نے اُس کے کوزۂ ذہن میں یہ بات ڈالی تھی کہ اسلام کے ان محسنوں کے احسانات کے تصور کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کھرچ کر مٹا دو تاکہ کوئی ان کے لیے کلمۂ خیر نہ کہہ سکے، لیکن بتایا جاتا ہے کہ صحابہؓ کے متوالوں نے رات کے وقت ان مکروہ اور غلیظ الفاظ کو کھرچ کر مٹا دیا۔

معزالدولہ دوبارہ یہ حرکت کر کے صحابہؓ کے بارہ میں اپنے خبث باطن کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ اس کے وزیر ابو محمد المہلبی نے اُس کو مشورہ دیا کہ پہلی عبارت کا اعادہ نہ کیا جائے بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ لکھ دیئے جائیں، گویا زہر کو شکر چڑھا (Sugar Coated) کر اہل السنّت کو نگلوایا جائے تاکہ اُن کو زہر کا احساس نہ ہو۔ وہ الفاظ یہ تھے :۔

لعن اللہ الظالمین لآلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر ظلم کرنیوالوں پر لعنت کرے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس مرتبہ جن پر لعنت کی گئی اُن کا نام تو ظاہر نہ کیا گیا لیکن

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیکھا کہ دارالخلافت بغداد میں عباسی حکومت نے صحابہ کرامؓ اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اپنے جذبات کا جو اظہار کیا وہ شنیدنی ہے۔ علامہ ابن عربی لکھتے ہیں :۔

وھذہ مدینۃ السّلام دارالخلافۃ بنی عباس وبینھم و بین بنی اُمیّۃ ما لا یخفیٰ علی الناس مکتوب علی ابواب مساجدھا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر ثمّ عمر ثمّ عثمان ثمّ علی ثمّ معاویۃ خال المؤمنین۔

اور یہ مدینۃ السلام (بغداد) ہے بنو عباس کا دارالخلافہ۔ اُن کے اور بنو اُمیہ کے مابین جو (سیاسی چپقلش) ہے وہ لوگوں پر پوشیدہ نہیں۔ اُن کی مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہترین شخص ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر مومنوں کے ماموں سیدنا معاویہؓ (ماموں اس لحاظ سے کہ آپ ام المومنین سیدہ اُمّ حبیبہ سلام اللہ علیہا کے سگے بھائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔

(العواصم من القواصم صفحہ ۲۱۳)

سیدنا معاویہؓ کا نام اب کی دفعہ بھی بغداد کی مسجدوں پر لعنت کے ساتھ لکھوا دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

ولا یذکر فی اللعن الا معاویۃ۔

اور لعنت میں کسی کا نام نہ ذکر کیا جائے مگر سیدنا معاویہؓ کا کیا گیا۔

یہ سب کچھ خلیفۂ بغداد کے ہوتے ہوئے اُس کے ایک وزیر معز الدولہ الدیلمی نے کیا اور خلیفۂ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے مذہب کے اساطین کی توہین برداشت کرتا رہا کیونکہ

والخلیفۃ کان محکومًا علیہ لایقدر علی المنع۔

خلیفۂ بغداد بے دست و پا تھا اور معز الدولہ کو اس حرکت شنیعہ سے روکنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔

معز الدولہ الدیلمی نے جب ظاہری طور پر سیدنا معاویہؓ کے خلاف اپنے بغض اور عداوت کا اس طرح اظہار کیا تو اُس نے زیر زمین اہل سنت کے مذہب کو برباد کرنے کا کیا کیا حربہ اختیار نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اہل تشیع نے اس قسم کی زیر زمین علمی سرگرمیاں اپنے مذہب کی تعمیر اور مذہب اہل السنت والجماعت کی تخریب کے لیے ہمیشہ جاری رکھی ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۱۲، ۱۳ پر ہم نے اس بارہ میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد ہمیشہ اس اس قسم کے ظالم لوگوں کی تیغ ستم کا تختۂ مشق بنتے رہے۔ ظالموں نے ان کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کئی اقوال منسوب کر دیئے جن میں ان کی قدح اور برائی پائی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر دشمنانِ معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ایک قول منسوب کر دیا کہ آپؐ نے فرمایا :۔

اذا رأیتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ[1]۔

جب تم معاویہؓ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کر دو۔

---

[1] اس حدیث پر ابن حجر مکی نے بڑی اچھی بحث کی ہے اور امام ذہبیؒ کا قول نقل فرمایا ہے اَنّہٗ کذب

چنانچہ علامہ حافظ مقدسیؒ نے اس حدیث کو موضوع اور جھوٹی قرار دیتے ہوئے اس کے ایک راوی عباد بن یعقوب الرواجنی کے بارہ میں لکھا ہے :۔

وهو من غلاة الرّوافض وترك الرواية عن عباد جماعة من الحفاظ ۔

وہ غالی رافضی تھا اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس سے روایت کرنا ترک کردیا ہے ۔

(تذکرۃ الموضوعات ص۲۸، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص۴۰۷)

درایت بھی بتاتی ہے کہ یہ حدیث رافضیوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اگر واقعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ کبھی بھی منبر رسولؐ پر کھڑے نہ ہو سکتے اور دنیا دیکھتی کہ پہلے ہی خطبہ میں معاویہؓ کا سر تن سے جدا ہو جاتا ۔ اور اگر حضورؐ نے ایسا فرمایا ہوتا تو جناب علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ بن علیؓ کبھی بھی اُن کے سپرد خلافت کی ذمہ داری کر کے خود گوشۂ تنہائی میں نہ جا بیٹھتے ۔ چنانچہ خود شیعی مؤرخ ملا باقر مجلسی نے اعتراف کیا ہے کہ :۔

صالحه على ان يسلم عليه ولاية امير المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسول الله وسيرة الخلفاء الصالحين ۔

سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے مصالحت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) موضوع لا اصل لهٗ — کہ یہ جھوٹی اور موضوع ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں) ملاحظہ ہو تطہیر الجنان ص۱۹ ۔ یہ روایت دراصل یہ تھی جو سیدنا جابرؓ نے نقل کی ہے کہ :۔

اذا رأيتم معاوية على منبرى فاقبلوه فانه امين مأمون

(رواه الخطيب والحاكم)

اور خلفائے راشدین کی سنت کے مطابق امور مملکت کو چلائیں گے۔

(بحار الانوار جلد۔ ا ص ۱۲۴، جلاء العیون ص ۳۱۵، فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳)

نہ صرف خلافت ہی سپرد کی بلکہ دونوں بھائیوں سیدنا حسینؓ اور سیدنا حسنؓ نے تمام لوگوں کے سامنے اس خلیفۂ راشد کی بیعت بھی فرمائی۔ اس کا اعتراف بھی مشہور مؤرخ شیعی ملّا باقر مجلسی نے کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا جعفر الصادقؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ الانصاریؓ جب شام تشریف لائے تو۔

فاذن لهم معاوية اعدّ لهم الخطباء فقال يا حسن قم فبايع ثم قال للحسين قم فبايع فقام فبايع۔

سیدنا معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت دی اور اُن کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا اور سیدنا حسنؓ سے کہا کہ اُٹھیے اور بیعت فرمائیے۔ وہ کھڑے ہوئے اور (مجمع عام کے سامنے) بیعت فرمائی۔ پھر سیدنا حسینؓ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیے چنانچہ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر بیعت فرمائی۔

(بحار الانوار جلد۔ ا ص ۱۲۴)

یہ تو صرف ایک روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی سینکڑوں روایات بنو اُمیہ خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کے بارے میں گھڑی گئیں۔ اور اُن کی پوزیشن کو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نگاہ میں بھی مخدوش کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے نہایت غور و فکر کے بعد موضوعات کی فہرست میں ان تمام روایات کو درج کر دیا جن میں سیدنا معاویہؓ اور بنو اُمیہ کے دوسرے خلفاء کی مذمت اور بُرائی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مشہور محدث اور فقیہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں،۔

ومن ذلك الاحاديث في ذم معاوية وذم عمرو بن العاص وذم بني أمية ومدح المنصور والسفاح وكذا ذم يزيد والوليد ومروان بن الحكم۔

اور وہ احادیث بھی موضوعات میں سے ہیں جن میں معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور

دیگر بنو امیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح (عباسی خلفاء) کی تعریف پائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان[1] بن الحکم کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوعات میں سے ہیں۔
(الموضوعات الکبیر ص ۱۶۹، ۱۷۰، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف لابن قیم ص ۱۱۷)

---

[1] سیدنا مروانؓ بن الحکم خلیفۂ ثالث سیدنا عثمانؓ بن عفان کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ آمنہ بنت علقمہ بن صفوان الکنانی تھیں ان کی کنیت ام عثمان تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۹۱) آپ کے والد فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ مروانؓ اس وقت بچے تھے۔ کیونکہ سیدنا مروانؓ ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۹۱) اس لحاظ سے فتح مکہ کے وقت آپ کی عمر قریباً چھ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت ۸ سال۔
بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا مروانؓ کے والد حکم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض ناشائستہ حرکت کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے نکال کر طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن یہ روایات روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ کیونکہ ایسے اہم واقعہ کو کسی صحابی رسولؐ نے نقل نہیں کیا اور نہ ہی معتبر تاریخ میں اس کا کوئی اتا پتا ملتا ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو استیعاب) اور علامہ بلاذری نے جو سند اس واقعہ کی نقل کی ہے۔ اس میں کذاب اور مجہول راوی ہیں اور ایسے راوی بھی ہیں جنہوں نے بنو امیہ کی مخالفت میں ادھار کھایا ہوا ہے (ملاحظہ ہو انساب الاشراف جلد ۵ ص ۲۷) اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس واقعہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"اکثر اہل علم نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کی سند بھی کوئی نہیں۔"
(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

محققین نے لکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے طائف گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے انہیں جلا وطن نہیں کیا تھا۔ بنو امیہ اور اُن کے افراد کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے ایسی روائتیں گھڑی ہیں، ورنہ بنو امیہ کا مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک نہایت اعلیٰ و ارفع تھا۔ (ملاحظہ ہو

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ بنو عباسؓ کے خلفاء کی مدح اور تعریف میں اور اُن سے سابق خلفاء بنی اُمیہ کی مذمت اور قدح میں احادیث وضع کرنے کے لیے دشمنانِ صحابہؓ اور وضاعین کا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سیدنا معاویہؓ۔ شخصیت اور کردار جلد ۱ ص ــــــ)

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا مروانؓ کے والد حکم کے لیے بدعا کی تھی، لیکن شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی بھی تردید کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ابن السکن کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

انہٗ لم یثبت دعاء النبی علیہ السلام علی الحکم۔

حکم پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا ثابت نہیں ہے۔ (اصابہ)

سیدنا مروانؓ صغار صحابہؓ میں سے تھے اور صحابہؓ کے اُس زمرہ میں شامل تھے جس میں سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، سیدنا مسور بن مخرمہؓ اور سیدنا عبداللہ بن عامرؓ شامل تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:۔

وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہٗ ولد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اکثر لوگوں کے نزدیک وہ صحابی ہیں کیونکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۷)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو صحابہؓ کی اس قسم میں ثابت کیا ہے جنہیں سماع کا شرف تو حاصل نہیں البتہ رویت کا شرف حاصل ہے (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ص ۴۴۳) علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھا ہے کہ "ان کی رویت کی نفی ممکن نہیں ہے" (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

جنگ جمل اور جنگ صفین میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اور سیدنا معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ انہی کے تیر سے شہید ہوئے۔ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۴۱)

سیدنا مروانؓ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں:۔

کا ایک ادارہ (Institution) قائم کیا گیا تھا جو عباسی خلفاء کی تعریفیں اور بنو امیّہ کی مذمت کر کے عباسیوں کی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے۔ تاریخ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) وکان مروان من سادات قریش وفضلائها۔
مروانؓ قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۷)

شاید اسی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ اس منصب پر کئی سال تک فائز رہے۔ اس زمانہ میں آپ کے خاندان نبوت سے بڑے اچھے تعلقات رہے، چنانچہ آپ کے دو صاحبزادے عبدالملک بن مروان اور معاویہ بن مروان سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۶۹، جمہرۃ الانساب ص ۸۰) اس عرصہ میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ آپ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔

ان الحسن والحسین کان یصلیان خلف مروان ولا یعیدانها ویعتدان بها۔

بے شک سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے انہیں لوٹاتے نہیں تھے بلکہ صحیح سمجھتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۸، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۳۱۵)

خاندان نبوت کے مابین باہمی محبت اور مودّت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا علیؓ زین العابدینؒ کے بارہ میں لکھا ہے:

واحبّهم الی مروان وابنه عبدالملک۔

وہ مروان اور ان کے بیٹے عبدالملک کے ہاں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۶)

ایک مرتبہ سیدنا زین العابدینؒ نے سیدنا مروانؓ سے ایک لاکھ کی رقم بطور قرض حسنہ لی جو وہ ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ سیدنا مروانؓ نے اپنے بیٹے عبدالملک کو وصیّت فرمائی کہ وہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۴)

اسلامی کی تدوین بھی چونکہ اسی دور میں ہوئی لہذا جان بوجھ کر بنو اُمیہ کے محاسن کو معائب میں اور ان کے فضائل کو ردّ اُمل بنا کر ظاہر کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کی ان کتابوں کی روشنی میں لوگوں کی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ تمام پیش آمدہ مسائل میں صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور ان کی متفقہ رائے پر عمل فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۲۵۸)

سیدنا معاویہؓ کو ان کے زہد و تقویٰ، پابندی شریعت اور تفقہ فی الدین پر بہت اعتماد تھا چنانچہ شروع میں آپ سیدنا عمرؓ کی طرح چھے آدمیوں کی ایک کونسل مقرر کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ ان کی وفات کے بعد ارباب حل و عقد ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۸۵) ان میں ایک سیدنا مروانؓ بھی تھے اور آپ کے ریمارکس ان کے بارہ میں یہ تھے۔

القاری لکتاب اللہ، الفقیہ فی دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ۔

یہ کتاب اللہ کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود کے قائم کرنے میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۸۵، سیر اعلام النبلا جلد ۳ صـ ۳۱۵)

آپ کا خود اپنا دعویٰ تھا کہ "میں نے کبھی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

(انساب الاشراف جلد ۵ صـ ۱۲۵)

ان کے اس دعویٰ کو کبھی کسی نے چیلنج نہیں کیا۔

آپ نے سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا عبدالرحمن بن الاسود اور سیدہ بسرۃ بنت صفوان سے احادیث روایت کی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی آپ کی کچھ روایتیں احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں لیکن محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا سماع ثابت نہیں۔ آپ سے آپ کے بیٹے عبدالملک، سہل بن سعد الساعدی، سعید بن المسیب علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ مجاہد، ابوسفیان وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صـ ۹۱)

علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے۔

رلئے سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے بارہ میں اچھی نہ رہی اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اہل السنت والجماعت کا وہی عقیدہ ہو گیا جس کا ذکر ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب جلد ا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اخرج اهل الصحاح عدة احاديث من مروان وله قول مع اهل الفتيا۔

اہل صحاح نے اُن کی کئی احادیث کی تخریج کی ہے اور وہ اہل فتویٰ میں سے ہیں۔

(العواصم من القواصم ص۱۱ حاشیہ)

امام مالکؒ نے ان کے کئی فیصلے اور فتاویٰ اپنے مؤطا میں نقل فرمائے ہیں جو ان کی جلالت علمی اور فقاہت پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ کی انہی علمی اور فکری قابلیتوں کی وجہ سے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ بن عفان نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں اپنا پرسنل اسسٹنٹ مقرر فرمایا۔ یہ سیدنا عثمانؓ کے داماد بھی تھے اور چچازاد بھائی بھی، لیکن ہمارے ارباب تواریخ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سیکرٹری شپ کے زمانہ میں سیدنا عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کیا۔ حالانکہ یہ بات ازسرتاپا غلط ہے۔ سیدنا عثمانؓ اکثر خود فیصلے کرتے تھے اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے صرف سیدنا مروان کو املا کرا دیتے تھے۔ سیدنا مروان پالیسی بنانے والے نہیں تھے سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں آپ پر فتنہ برپا کرنے کا سب سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے والیٔ مصر کے نام خط میں لکھا تھا کہ جب حامل خط آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قتل کر دیں۔ حالانکہ آپ نے لکھا تھا کہ "جس وقت حامل مکتوب ہذا آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قبول کیجئیو" اس کو "قبول کیجئیو" کے مفہوم کو انہوں نے فاقبلوه کے لفظ سے تعبیر کیا تھا لیکن فتنہ پردازوں نے اس کو فاقتلوه یعنی "قتل کر دیجئیو" بنا دیا۔ اور جان بوجھ کر اس کو فتنہ کا نکتہ آغاز بنا دیا۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۱۵۱)

حالانکہ وہ ایک سازش تھی جو صرف سیدنا عثمانؓ کے خلاف نہ تھی بلکہ پورے دین اسلام کے خلاف تھی۔ سیدنا مروان کو بھی اس سازش کا ہدف بنایا گیا اور آج تک بنایا جا رہا ہے۔ آپ کے خلاف اور بھی بہت سی غلط روایتیں نقل کی جاتی ہیں، لیکن محققین کے نزدیک وہ پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ نے اہل بیت نبوی کو ایذا دینے، سیدنا علیؓ کو ہر جمعہ منبر مدینہ پر کھڑے ہو کر سب و شتم کرنے

صـ٩۴ـ میں کیا ہے جس کا حوالہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے ۔ اس عقیدے کی آبیاری اُن لوگوں نے بھی کی جنہوں نے جعلی طور پر اہل السنت والجماعت کا لبادہ اوڑھ کر مختلف کتابیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی اعانت کے بارہ روایات کے متعلق صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے :۔

لم یصح عنہ شیٔ من ذٰلک کما ستعلمہ مما سأذکرہ ان کل ما فیہ نحو ذٰلک فی سندہ علۃ ولھٰذا روی لہ البخاری وغیرہ ولم یخرجہ المحدثون ولو صح عنہ شیٔ من ذٰلک لنقلہ الحفاظ وتکلموا علیہ ۔

ان میں سے کوئی شئی بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمہیں پتہ چلے گا ۔ اور جن روایات میں ایسی باتیں مرقوم ہیں ان کی سند معلول ہے ۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ اپنی صحیح میں ان کی روایات نقل کی ہیں ۔ اور محدثین نے ایسی روایات کی تخریج نہیں کی ۔ اور یہ روایات صحیح ہوتیں تو حفاظ حدیث ان کو نقل کرتے اور ان پر کلام کرتے ۔ (تطہیر الجنان صـ٢٦ـ)

قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے سیدنا مروان کے بارہ میں اپنی جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ شنید نی ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

مروان رجل عدل من کبار الامۃ عند الصحابۃ والتابعین وفقھاء المسلمین ۔

مروان ایک عادل انسان تھا اور صحابہؓ، تابعین اور فقہائے مسلمین کے نزدیک امت کے بڑے آدمیوں میں سے تھا ۔ (العواصم من القواصم صـ٨٩ـ)

الغرض مروان علم وعمل، زہد وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے اور ان پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ غلط ہیں ۔ اگر وہ صحیح ہوتے تو اس زمانہ کے اہل علم وفضل اور کبار صحابہ اور تابعین ضرور اس کا تذکرہ کرتے بلکہ سیدنا مروان کے خلاف برملا لوگوں میں پرچار کرتے، لیکن ایسا نہیں ہے ۔

آپ کی وفات رمضان المبارک ٦۵ھ میں واقع ہوئی ۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ٦٣ سال تھی اور مدت خلافت ٩ ماہ ۔

لکھیں جن میں سیدنا معاویہؓ اور بنو اُمیہ کے دُوسرے خلفاء کے بارہ میں مسلمانوں کے اعتقاد کو مخدوش کرنے کے لیے یہی موضوعات گھسیڑ دیں اور اس انداز میں ان کو بیان کیا کہ اچھے اچھے لوگوں نے اُن کی کتابوں کو بنیاد بنا کر بنو اُمیہ کے بارہ میں اپنے اعتقاد کی عمارت تعمیر کی۔ مثال کے طور پر محمد بن جریر الطبری جو کہ بنو عباس کے دورِ حکومت کی پیداوار ہے۔ یہ تاریخ، حدیث اور تفسیر میں یکتائی روزگار تھا لیکن تھا رافضی۔ اُس نے قرآن حکیم کی تفسیر اور تاریخ اسلام پر دو ضخیم و لحیم کتابیں لکھیں۔ اور ان میں زیادہ تر مسائل تو اہل السنت والجماعت کے نقطۂ نظر کے مطابق لکھے لیکن درمیان میں اہل السنت کے اذہان کو زہر آلود (Poisoned) کرنے کے لیے کچھ ایسی باتیں بھی لکھ دیں تاکہ غیر شعوری پر مسلمان قبول کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اہل السنت والجماعت کے علماء کی آراء ابن جریر الطبری کے بارہ میں مختلف ہو گئیں بعض علماء اسے اکابر اہل سنت میں سے شمار کر کے اس کی ہر بات کو بطور دلیل پیش کرنے لگے اور یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ

لا تسمعوا المؤرخ کلاماً الا للطبری۔

طبری کے سوا اور کسی مؤرخ کی بات نہ سُنو۔ (العواصم من القواصم ص ۲۴۸)

لیکن محققین اور تہہ تک پہنچنے والے بزرگوں نے اُس کی کتابوں کا مطالعہ کر کے فوراً کہہ دیا۔

کان یضع للروافض۔

وہ رافضیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۰)

اگرچہ بعض حضرات نے محدث احمد بن علی سلیمانیؒ کے اس قول کو ابن جریر الطبری کے بارہ میں بدگمانی پر محمول کیا، لیکن پھر خود اقرار کرنا پڑا کہ

ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا۔

(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۰، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۵)

ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ،۔

ابوجعفر الطبری وھو امام من الائمۃ الامامیۃ۔

ابوجعفر الطبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے۔

(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۰)

اب اندازہ فرمائیں کہ جو شخص خم غدیر جیسے خالص شیعی واقعہ پہ دو ضخیم جلدیں مرتب کرے وضو میں جوازِ مسح رجلین (پاؤں پر مسح کرنے) کا قائل ہو اور ان کا دھونا واجب اور ضروری نہ سمجھتا ہو اور اپنی تاریخ الامم والملوک جلد ۱۳ کے صفحہ ۴۲ کی سطر ۲۵ پر سیدنا معاویہؓ پر لعنت بھیجے پھر اسی جلد کے صفحہ ۲۹ سطر ۱ پر معاویہ بن ابی سفیانؓ اور یزید بن معاویہؓ دونوں پر لعنت بھیجے۔ وہ شخص اہل سنت وجماعت کا امام ہو سکتا ہے؟ اہل سنت تو سیدنا معاویہؓ کو صحابیٔ رسولؐ اور ایک جلیل القدر خلیفۂ رسول تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابن جریر الطبری کی زندگی ہی میں اکثر لوگ اس کے شیعی فکر کی وجہ سے مخالف ہو گئے اور اُس کے رفض ہی کی وجہ سے وفات کے وقت اُس کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اُس کو گھر کی چار دیواری ہی میں دفن کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۶)

اس کے علاوہ اُس نے اپنی کتاب میں تقریباً ۹۰ فیصد روایات کذاب اور رافضی راویوں کی درج کیں تاکہ لوگوں کے جذبات کو صحابہ رسول کے خلاف برانگیختہ کیا جائے[1]۔ ان راویوں میں ابو مخنف لوط بن یحیٰی کی روایات سب سے زیادہ تعداد میں ہیں جس کے متعلق محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا، کذاب تھا اور اُس کی روایات قابلِ اعتماد نہیں۔

(ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۲۸۶، لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۴۹۲، میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۶۰، تاج العروس شرح القاموس جز ۶ فصل ۵ صفحہ ۱۰۵)

ابو مخنف لوط بن یحیٰی کے علاوہ محمد بن السائب الکلبی اور اس کے بیٹے ہشام کی روایات بھی کثرت سے اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں جن میں صحابہ رسول کو ہدفِ طعن وتنقید بنایا گیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں راویوں کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ وہ کذاب تھے اور ناقابلِ اعتماد

(ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۶ صفحہ ۱۹۶، میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۵۶)

---

[1] علامہ ابن کثیر نقل فرماتے ہیں۔

"ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ طیبہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتال کرنے پر اُکسایا گیا تھا"

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۱۷۵)

یہ تو صرف ایک طبری کا ذکر ہے لیکن تاریخ الاسلام میں ایسے کئی لوگ ہیں جنہوں نے اندرون خانہ مذہب اہل سنت کے عقائد کے خلاف رفض اور تشیع کے عقائد کی تشہیر کی اور بزرگ اور سادہ لوح اکابر نے اُن کو اپنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

ایسی روائتیں جن سے صحابہؓ کی ذوات مخدوش ہوتی تھیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بعد والے مؤرخین اُن کو اپنی کتابوں میں درج نہ کرتے بلکہ اُن پر تنقید کے تیر چلا کر ان کو مجروح کرتے لیکن یہ نظریہ کہ چونکہ فلاں بڑے نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لہذا ہم بھی اُس کو نقل کردیتے ہیں، اسی طرح متاخرین متقدمین کی تقریباً سب روایتوں کو بغیر تنقید کی چھلنی میں چھانے اسی طرح اپنی کتابوں میں نقل کرتے آئے اور آج تک نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور پھر انہی روائتوں پر اپنے عقائد کا استنباط کرتے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ باوجود اپنی محدثانہ شان کے صرف اس اکابر پرستی کی وجہ سے اپنی کتاب کو ایسی روایتوں سے پاک نہ رکھ سکے چنانچہ خود لکھتے ہیں :-

وللشیعة والرافضة فی صفة مصرع الحسین کذب کثیر واخبار باطلة وفیما ذکرنا کفایة وفی بعض اوردناہ نظر ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمة ذکرہ ماسقتہ واکثرہ من روایة ابی مخنف لوط بن یحیٰی وقد کان شیعیاً و ھو ضعیف الحدیث عند الائمة ۔

سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بارہ میں شیعہ اور رافضیوں کی بہت زیادہ جھوٹی اور

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

ھٰذا کذب علی الصحابة ۔

یہ صحابہؓ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔

اس طرح کی بے شمار روایات نقل کر کے صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اکسایا گیا ہے۔ جو کہ خالص اہل رفض کا کام ہے۔

باطل خبریں ہیں ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور اُن میں سے بعض حصہ
محل نظر ہے۔ اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ وحفاظ اُس کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی
اُس کو ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر روایات ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ
شیعہ ہے اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۰۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ سمجھتے بوجھتے کہ فلاں روایت غلط ہے پھر بھی اُس کو صرف اس
وجہ سے نقل کر دینا کہ فلاں امام اور بزرگ نے نقل کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی معقول بات نہیں
ہے اور اسی چیز کا سہارا لے کر آج کئی نام نہاد مفکر مختلف مضامین اور کتابیں لکھ کر صحابہ کرامؓ کے
متعلق اُمت کے صحیح اعتقادات میں کتر دبیونت کی کوشش کر رہے ہیں۔ غلط چیز غلط ہی ہے خواہ
اس کو کتنا بڑا امام یا محدث نقل کرے اور صحیح چیز صحیح ہی ہے خواہ وہ کسی چھوٹی سی کتاب ہی
میں کیوں نہ ہو۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے بارہ میں اگر قرآن وسنت
اور تاریخ اسلام کی صحیح روایات کی روشنی میں کوئی نتیجہ نکالا جائے تو وہ یہی نکلتا ہے کہ ان کی
خلافت "خلافتِ راشدہ" تھی، لیکن اگر وہ مخصوص شرطیں ہی لگائی جائیں جو کہ ہمارے بعض لوگوں
نے سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو "غیر راشدہ" ثابت کرنے کے لیے لگائی ہیں تو پھر خلافتِ راشدہ
خلفائے اربعہ میں مخصوص ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ پھر "خلافت راشدہ" کا دور سیدنا عثمانؓ کی شہادت
کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ کو یہ لکھنا پڑا کہ

بموت حضرت عثمانؓ خلافت خاصہ منقطع گشت واکثر احادیث بہمیں مضمون
وارد شدہ

سیدنا عثمانؓ کی وفات سے خلافت خاصہ منقطع ہوگئی اور اکثر حدیثیں اسی مضمون کی
وارد ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الخفاء مقصد اول ص ۱۶۱)

یعنی اس لحاظ سے سیدنا علیؓ کی خلافت بھی "خلافت راشدہ" نہیں رہتی۔ اور اگر وہ شرائط
ذرا ڈھیلی کر دی جائیں تو پھر سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کی خلافتیں "خلافت راشدہ" شمار

ہو سکتی ہیں۔ لہذا قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ چار خلفاء میں محصور نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کریں تو بیسیوں آیات صحابہؓ کے تقدس اور اُن کے رشد و ہدایت کے مینار ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے ہم چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ صحابہ کرامؓ کا علو مرتبت اور اُن کی عظمت معلوم ہو سکے کیونکہ خلافت راشدہ کا تعلق خلیفہ کے راشد ہونے پر موقوف ہے۔ خلیفہ اگر راشد ہے تو اس کی خلافت "خلافت راشدہ" ہے اور خلیفہ اگر خود راشد نہیں تو اس کی خلافت بھی "خلافت راشدہ" نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ قرآن حکیم میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۔

تم ایک بہترین اُمت ہو جو لوگوں کیلئے اس لیے بھیجی گئی ہو تاکہ انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

تمام محدثین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کا صحیح مصداق صحابہ کرامؓ ہیں کیونکہ انہیں کے بارہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں حضرات صحابہؓ کو تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور افضل قرار دیا۔ لہذا جب اصحاب رسولؐ ساری اُمت سے افضل و اعلیٰ ہیں تو ان کا دور اور ان کی حکومت بھی اُن کے بعد آنیوالوں کی حکومتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں حق تعالیٰ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) پہلے اور مقدم ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی

ہوا اور وہ سب اُس (اللہ) سے راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ (التوبہ : ۱۰۰)

• اس آیت میں حق سبحانہ، وتعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ پھر صحابہ کرامؓ کے دو طبقے بیان فرمائے ایک طبقہ "السابقون الاولون" کا اور دوسرا بعد میں ایمان لانے والوں کا۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا اور جنت کی عطا کا وعدہ کیا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

"السابقون الاولون" سے کون صحابہؓ مراد ہیں اس بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ہمارے خیال میں سب سے زیادہ صحیح قول اس بارہ میں یہ ہے کہ جو لوگ بیعت رضوان میں جو ۶ھ میں ہوئی، شامل تھے وہ "السابقون الاولون" میں شامل ہیں اور جو لوگ بیعتِ رضوان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے وہ "والذین اتبعوہم باحسان" میں شامل ہیں۔ اس آیت میں صاف لفظوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہؓ کی جماعت میں داخل ہو گیا اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ مل گیا اور اللہ رب العزت اس کو آخرت میں جنت کی دوامی زندگی عطا فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا خاتمہ اور انجام نیک اور بخیر ہوا، کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے تحت انہیں رضا کا مژدہ سنایا۔ اور اللہ کی رضا اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ لوگ اپنے انجام کے لحاظ سے حالتِ صالحہ پر تھے کیونکہ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے پھر اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ :-

من رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً انشاء اللہ تعالیٰ

جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے پھر انشاء اللہ تعالیٰ اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔ (الاستیعاب جلد ۱ ص ــــــ)

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پہ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے مقام عظمت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ

الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

لیکن اللہ جل شانہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کردیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین بنا دیا، اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (الحجرات:)

یہ خوش خبری حق تعالیٰ نے چند صحابہ کرامؓ کو نہیں دی بلکہ بلا استثناء سب صحابہؓ کو دی اور اس آیت میں تمام صحابہؓ کے لیے تین باتیں بیان فرمائیں :۔

۱۔ ایمان کو اُن کے لیے محبوب بنا دیا۔

۲۔ ایمان کو ان کے دلوں میں مزین فرما دیا۔

۳۔ کفر، فسوق اور عصیان کو ان کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک بڑے پتے کی بات ارشاد فرمائی ہے فرمایا :۔

یہاں ایمان میں فرائض، مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی اور اس کے مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اُس کے تمام احکام کی محبت ہو۔ اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہو گی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت رکھے۔ یہ تین الفاظ اس لیے رکھے گئے ہیں کہ ہر فسق و عصیان کفر نہیں اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔

(کتاب الایمان ص۱۷)

اس آیت کے آخر میں تمام صحابہؓ کے متعلق فرمایا کہ :۔

أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝

یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ کہاں کی منطق اور کہاں کی سوچ ہے کہ حق تعالیٰ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو "راشدین" کہہ رہے ہیں اور "راشد" اس کو کہتے ہیں جو رشد و ہدایت سے مالا مال ہوا اور ہم بعض صحابہ کو غیر راشد ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ بخاری میں ابن عباسؓ نے سیدنا معاویہؓ کے متعلق ایک شکایت کے سلسلہ میں فرمایا کہ:-

انّهٗ قد صحب رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔

(لہٰذا اُن پر یہ اعتراض غلط ہے)

(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، الاصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲)

اور قرآن کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہؓ "راشدین" میں سے ہیں لیکن ہم ایک ہی بات کی رٹ لگا رہے ہیں کہ سیدنا علیؓ تک تو تمام صحابہؓ "راشدین" تھے اس وجہ سے اُن کی خلافت بھی "خلافت راشدہ" تھی لیکن سیدنا علیؓ کے بعد والے لوگ صحابی ہونے کے باوجود راشد نہ تھے لہٰذا ان کی خلافت بھی "خلافت راشدہ" نہ ہوئی؟

سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو "خلافت راشدہ" نہ سمجھنے والوں کی بات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ سب صحابہؓ کو راشد نہیں سمجھتے حالانکہ قرآن حکیم انہیں صاف لفظوں میں "راشدین" کہہ رہا ہے لیکن ہم قرآن کے خلاف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی سمجھتے ہوئے غیر راشد بھی سمجھتے ہیں اور فسوق و عصیان میں ملوث بھی۔ یہ قرآن حکیم کے معانی کے ساتھ زیادتی ہے۔

قرآن حکیم کے بعد اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر نگاہ ڈالیں تو بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا اور پھر اس کے بعد تابعین کا زمانہ اور پھر اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیریت کی خبر دی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجیئ اقوام تسبق شهادة احدهم یمینه

ویمینه شهادته۔

بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، بعد ازیں وہ اُن کے بعد آئیں گے، پھر جو ان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔

(مسلم جلد ۲ ص ۳۰۹، ترمذی جلد ۲ ص ۴۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا۔

ای الناس خیر، قال القرن الذی انا فیه۔ ثم الثانی ثم الثالث۔

سب سے اچھے لوگ کون سے ہیں؟ فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۳۱۰)

ان تین زمانوں کے بارہ میں محدثین میں کچھ اختلاف ہے، لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ نوویؒ نے فرمائی ہے۔

والصحیح ان قرنه صلی الله علیه وآله وسلم والصحابة والثانی التابعون والثالث تابعوهم۔

صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور صحابہؓ کا زمانہ ہے۔ دوسرا تابعین کا اور تیسرا تبع تابعین کا۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۹)

شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرن سے مراد صحابہؓ کا زمانہ ہے۔

(فتح الباری جلد ۱ ص ۴۴)

صحابہؓ کے زمانہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں سب سے بہتر زمانہ قرار دیا۔ اس کی وجہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

وخیر القرون القرن الذین شاهدوه مؤمنین به وبما یقول اذ کانوا اعرف الناس بالفرق بین الحق الذی

جاء بہ وبین ما یخالفہ واعظم محبتہ لما جاء بہ و بغضاً لما خالفہ واعظم جہاداً علیہ فکانوا افضل ممن بعدھم فی العلم والدین والجہاد اکمل علماً بالحق و بالباطل واعظم محبتہ للحق و بغضاً للباطل واصبر علی متابعۃ الحق واحتمال الاذی فیہ۔

ان تینوں دوروں میں بہترین دور ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جمالِ جہاں آرا کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے[1]۔ یہی لوگ حق و باطل میں فرق کو سب سے اچھا جاننے والے، حق کے سب سے زیادہ ماننے والے، حق کے سب سے زیادہ شیدا اور فریفتہ، باطل کے سب سے زیادہ بَیری اور دشمن، حق کی خاطر سب سے زیادہ جان کھپانے والے ہیں۔ بعد میں آنے والوں کے مقابلہ میں علم و دیانت، سرفروشی و حق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال میں سب سے پیش پیش ہیں۔" (النبوات ص ۸۵)

نواب صدیق حسن خاںؒ نے لکھا ہے کہ

"یہی صدر اول اور سلف صالح ہیں۔ ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے، ان ہی پر دین کی زندگی میں اعتماد کیا جا سکتا ہے، دینی زندگی کے سارے احوال، اعمال، اخلاق اور احکام میں یہی لوگ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۲۲)

---

[1] امام بخاریؒ نے صحابی کی تعریف یہ کی ہے کہ :۔

من صحب النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اورآہ من المسلمین فھو من اصحابہ۔

جس نے جناب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت یا دید کا شرف بحالت ایمان حاصل کیا وہ صحابی ہے۔

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ نے بھی "قرن" سے مراد یہی لیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

واعدل الاقوال قول صاحب المحکم ھو القدر المتوسط من اعمار اھل کل زمن، والمراد بقرنہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی ھذا الحدیث الصحابۃ واٰخر من مات منھم علی الاطلاق بلا اختلاف ابوالطفیل عامر بن واثلۃ اللیثی کما جزم بہ مسلم فی صحیحہ وکان موتہ سنۃ ماٗتہ علی الصحیح۔

ان سب اقوال میں سب سے معتدل قول صاحب المحکم کا ہے کہ قرن سے مراد ہر زمانے کی عمریں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرن سے مراد اس حدیث میں صحابہؓ کا زمانہ ہے۔ اور صحابہؓ میں سے بلا اختلاف سب سے آخر میں جس کا انتقال ہوا وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی صحابیٔ رسول ہیں، جیساکہ صحیح مسلم میں جزم اور یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی [1]

(الصواعق المحرقہ۔ ص ۲۱۲)

اس حدیث کی رُو سے صحابہ کرامؓ کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں صحیح روایت ۱۱۰ھ کی ہے اور اس کی تائید ایک حدیث نبویؐ سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا تھا :-

عَلیٰ رأس ماٗتہ سنۃ لایبقی علیٰ وجہ الارض ممن ھو علیھا الیوم احد۔

جو لوگ آج زمین پر رہ رہے ہیں (یعنی آپ کے صحابہؓ) ان میں سے سو سال کے بعد کوئی زمین پر زندہ نہ رہے گا۔

(الصواعق المحرقہ۔ ص ۲۱۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۰)

نے اس کو اپنا زمانہ قرار دیا ہے۔ اور صحابہؓ میں سب سے آخری صحابی ابوالطفیلؓ نے جو جنگ اُحد کے روز پیدا ہوئے۔

مات سنة عشر و مائة۔

سنہ ۱۱۰ھ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

(تقریب التہذیب ص ۱۸۷)

اس لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد پورے سو سال تک کا دور صحابہؓ کا دور تھا جو کہ سب سے بہتر اور سب سے افضل دور تھا۔ اسی دور میں یعنی سنہ ۴۱ھ میں سیدنا معاویہؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور تمام اُمت جن میں صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد شامل تھی، بلکہ ان میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سیدنا ارقم بن ابی ارقمؓ جابر بن عبداللہ انصاری کعب بن عمرو انصاریؓ، سیدنا ربیعہ بن عباد الدئلیؓ سیدنا اسامہ بن زیدؓ سیدنا انس بن مالکؓ، سیدنا جابر بن عتیک انصاریؓ، سیدنا مالک بن ربیعہؓ سیدنا فضالہ بن عبید انصاریؓ، سیدنا ابو قتادہؓ سیدنا ربیعہ بن کعبؓ اسلمی، سیدنا قیس بن سعد بن عبادہؓ، سیدنا عثمان بن حنیفؓ، سیدنا ابو سعید خدریؓ، سیدنا براء بن عازب، سیدنا زید بن ارقمؓ سیدنا سلمہ بن اکوعؓ سیدنا معقل بن یسارؓ، سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیؓ، سیدنا عوف بن مالکؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ، سیدنا عدی ابن حاتمؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، سیدنا حسن بن علیؓ، سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ، سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پوری ملت اسلامیہ نے ۵۔۶ سال کے تفرقہ اور تشتت کے بعد آپ کی خلافت پر اجماع کیا۔ اسی وجہ سے اس سال کو "عام الجماعة" کا نام دیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳، البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۲۱، ۱۳۱، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے شخص کی خلافت صحیح اور راشدہ نہیں؟ کیا سیدنا معاویہؓ بقول قرآن حکیم أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ۔ خود راشد نہیں؟ کیا اُن کے دست حق

پرست پر بیعت کرنے والے راشد نہیں تھے؟ جب وہ خود بھی راشد تھے اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنیوالے بھی "راشدین" کی جماعت کے لوگ تھے۔ جنہوں نے ان کی خلافت میں گورنری تک کے عہدے بھی حاصل کئے تو پھر ان کی خلافت کو "خلافتِ راشدہ" کیوں نہیں کہا جاتا ہے؟ جن سینکڑوں بلکہ ہزاروں صحابہؓ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی کیا انہوں نے سیدنا معاویہؓ کی حکومت کو "ملک عضوض" سمجھ کر بیعت کی تھی؟ اور اگر انہوں نے اُن کی خلافتِ راشدہ کو غیر راشدہ سمجھ کر اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو انہوں نے کسی ایک موقع پر اس بات کا سیدنا معاویہؓ سے اظہار کیوں نہ کیا؟ کہ جناب آپ خلیفہ نہیں بلکہ آپ تو ایک غیر راشد بادشاہ ہیں اور ہم آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم نہیں کریں گے۔

تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ان صحابہؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی تھی جس طرح سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ اور یہ لوگ اُن کے احکام کی اسی طرح تعمیل کرتے تھے جس طرح اُن حضرات کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ انہوں نے تو ان سب خلافتوں میں کوئی فرق نہیں کیا، لیکن بعد والوں نے اتنا فرق کیا کہ بغیر دلیل کے خلافتِ راشدہ کو ۴۰ھ کے اختتام کے ساتھ ہی ختم کر دیا اور ۴۱ھ سے ملوکیت کا دور شروع کر دیا۔ کیا یہ صحابہؓ کے ساتھ زیادتی اور اُن کے عمل سے انحراف نہیں ہے؟ کیا اچھا فرمایا سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے کہ:-

من کان متاسیًا فلیتاس باصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانھم ابرّ ھٰذہ الامۃ قلوبًا واعمقھا علمًا واقلّھا تکلفا واقومھا ھدیًا واحسنھا حالاً، قوم اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا اثارھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔

جو شخص اقتداء کرنی چاہتا ہے اُسے اصحاب رسول کی اقتداء کرنی چاہیئے، کیونکہ یہ حضرات ساری اُمت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، علم کے لحاظ سے[1]

گھرے تکلف سے الگ تھلگ عادات کے لحاظ سے معتدل اور حالات کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں یہ وہ قوم ہیں کہ اللہ جل وعلاشانہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا۔ لہذا تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے قدموں کی اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔

(شرح عقیدہ سفارینیہ جلد ۲ صـ۳۸۰، اعلام الموقعین جلد ۴ صـ۱۳۹)

ان لوگوں کی بزرگی اور مرتبت کو عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا سعید بن زید نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ:۔

واللہ! لمشهد رجل منهم مع النبی صلی اللہ علیه وسلم یغبر فیه وجهه خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح

بخدا! صحابہ کرام میں سے کسی شخص کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہونا جس میں اُس کا چہرہ غبار آلود ہو جائے، غیر صحابہ سے ہر شخص کی ساری عمر کی عبادت اور عمل سے بہتر ہے اگر چہ اُس کو عمر نوح عطا ہو جائے۔

(مجمع الفوائد جلد ۲ صـ۴۹۲)

اس بارہ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے بھی بڑے پیارے الفاظ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فارض لنفسك ما رضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا وببصر ناقد كفوا وهم علی كاشف الامور كانوا اقوی وبفضل ما كانوا فیه اولی۔

اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو قوم (صحابہ کرام نے) پسند فرمایا، اس لیے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس سے لوگوں کو روکا۔ ایک دُوربین نگاہ کی بنا پر روکا۔ بلاشبہ وہ دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کو کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔ (ابو داؤد جلد ا صـــــ)

اب جو لوگ اپنی طہارت قلب اور گہرائی علم کے لحاظ سے ساری دنیا بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک روشنی کا مینار ہوں وہ کسی ایسے شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پوری اتباع اور اطاعت نہ کرتا ہو، کس طرح اپنا امام اور خلیفہ بنا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ خلیفہ کی حیثیت سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے تو وہ یقیناً بلا شک و شبہ صحیح طور پر خلیفۂ رسول ہوگا۔ اور اس کی خلافت "خلافتِ راشدہ" بلکہ "مرشدہ" ہوگی۔

(ابن القیم نے اعلام الموقعین جلد ۴ ص ۱۲۸ تا ص ۱۵۳ پر بڑی نفیس بحث کی ہے)



۱۵

ایک حدیث اور اُس کا جواب

بات دراصل یہ ہے کہ اکثر حضرات کو ایک حدیث سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت غیر راشدہ ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ سیدنا سفینہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہ۔

الخلافة فی اُمّتی ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذٰلك ثم قال لی سفینة امسك خلافة ابی بکر ثم قال وخلافة عمر وخلافة عثمان ثم قال امسك خلافة علیؓ فوجدناها ثلاثین سنة ، قال سعید فقلت لهٗ انّ بنی اُمیّة یزعمون ان الخلافة فیهم قال کذبوا بنو الزرقاء بل هم ملوك من شرّ الملوك ۔

خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ پھر سیدنا سفینہؓ نے مجھے فرمایا کہ آپ خلافتِ ابوبکرؓ، خلافتِ عمرؓ، خلافت عثمانؓ، اور خلافت علیؓ کا حساب کر لیں ہم نے جب حساب کیا تو وہ تیس سال بنتے تھے سعید (راوی حدیث) نے کہا کہ میں نے سیدنا سفینہؓ سے کہا کہ بنو اُمیہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں بھی خلافت ہے۔ سیدنا سفینہؓ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ وہ بُرے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۵)

یہ وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو چار خلفاء میں محصور و محدود کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جس نے بھی سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو راشدہ شمار نہیں کیا اُس نے اسی حدیث کو اپنے اس غلط فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے غیر راشدہ ہونے پر صرف اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے حالانکہ یہ حدیث روایت اور درایت کے لحاظ سے غیر صحیح بلکہ موضوع ہے

اور اس کو کسی صورت بھی اس اہم فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔
روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے پر مشہور محدث قاضی ابوبکر ابن عربیؒ نے لکھا ہے:۔

هٰذا حديث لايصح۔
یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۲۰۱)

مشہور فاضل علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس حدیث کی سند پر بحث فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو جو غیر صحیح کہا ہے وہ درست ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

لان راويه عن سفينة سعيد بن جمهان، قد اختلفوا فيه قال بعضهم لا بأس به ووثقه بعضهم وقال فيه الامام ابو حاتم "شيخ لا يحتج به" وفي سنده حشرج بن نباتة الواسطي وثقه بعضهم، وقال فيه النسائي ليس بالقوي وعبد الله بن احمد بن حنبل يروي هذا الحديث عن سويد الطحان، قال فيه الحافظ ابن حجر في تقريب التهذيب: لين الحديث۔

کیونکہ سیدنا سفینہؓ سے اس کے راوی سعید بن جمہان ہیں۔ ان کے بارہ میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے توثیق کی ہے۔ اور شیخ ابو حاتم فرماتے ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی اس کی سند میں حشرج بن نباتہ ایک راوی ہیں ان کی بھی بعض نے توثیق کی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل یہ حدیث سوید الطحان سے روایت کرتے ہیں جن کے بارہ میں حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں "لین الحدیث" یعنی حدیث میں کمزور ہے۔ (ایضاً)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے سعید بن جمہان کے بارہ میں ایک خاص انکشاف فرمایا ہے کہ:۔

قال ابن معين روى عن سفينة احاديث لا يرويها غيره۔

محدث یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا سفینہؓ سے بعض احادیث ایسی روایت کی ہیں جو ان کے سوا کسی اور نے نہیں کیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۴)

ابن حجرؒ نے اس کے بارہ میں امام بخاریؒ کا بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ:۔

قال البخاری فی حدیثہ عجائب۔

اس کی حدیث میں بڑی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

ان عجیب و غریب باتوں میں سے اور اُن مخصوص احادیث میں سے جن کو سوائے اس راوی کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے روایت نہیں کیا ایک یہ حدیث خلافت کو تیس سال میں مقید کرنے کی بھی ہے جس کو سوائے سعید بن جمہان کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے نقل نہیں کیا۔ یہ خبر جس کو سیدنا سفینہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے بلکہ ایک نہایت اہم خبر ہے جس سے اُمت مرحومہ کا مستقبل وابستہ ہے لیکن تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا سفینہؓ کے سوا کسی اور صحابیؓ نے آپ سے اس کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی سعید بن جمہان کے سوا کسی اور شخص نے سیدنا سفینہؓ سے اس کو نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نہیں ہے بلکہ بعد کے کسی ذہن کی اختراع ہے اور سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کی خلافتوں کی مدت کو جمع کر کے اس حدیث کے الفاظ بنائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان چاروں خلفاء کی خلافت میں جب تک سیدنا حسنؓ بن علیؓ کی خلافت کے چھ ماہ درج نہ کئے جائیں اس وقت تک تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لیکن حدیث کے الفاظ میں اُن کی خلافت کو تیس سال میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ سیدنا علیؓ کی خلافت پر ہی تیس سال پورے کر دئیے ہیں جو کہ خلاف واقعہ ہیں۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا سفینہؓ

۱؎ یہ بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا سفینہؓ کا انتقال ۷۰ھ میں ہوا۔ اور سعید بن جمہان کا انتقال ۱۳۶ھ میں۔ پھر اول الذکر مدینہ میں رہے اور ثانی الذکر بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ملاقات بھی آپس میں ثابت نہیں۔

سے پوچھا کہ بنو اُمیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میں بھی خلافت ہے تو جواب میں سیدنا سفینہؓ نے فرمایا:۔

هم ملوك من شر الملوك۔

وہ بُرے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔

اگر سیدنا سفینہؓ کی رائے بنو اُمیہ کے بارہ میں یہی ہوتی جس کا اظہار انھوں نے اس حدیث میں فرمایا ہے تو وہ کبھی بھی سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے ہاتھوں پر بیعت نہ فرماتے ان کا ان دونوں کے ہاتھوں پر غیر مشروط بیعت فرمالینا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ ان دونوں کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے۔

اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ متعدد صحیح احادیث کے مخالف اور معارض ہے۔ ان میں سے ایک صحیح ترین حدیث وہ ہے جس کو امام بخاریؒ اور مسلم اور دوسرے کئی ایک محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث سیدنا جابر بن سمرۃؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوا تو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ:۔

ان هذا الامر لا ينقضى حتى يمضى فيهم اثنا عشر خليفة قال ثم تكلم بكلام خفى على قال فقلت لابى ما قال قال كلهم من قريش۔

اسلامی حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اس میں بارہ خلفا نہ ہوں۔ جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ آواز سے کوئی بات کہی جس کو میں نہ سُن سکا۔ لہٰذا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپؐ نے کیا فرمایا انھوں نے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:۔

لا يزال هذا الامر عزيزا الى اثنى عشرة خليفة قال ثم تكلم بشئ لم افهمه فقلت لابى ما قال فقال كلهم من قريش۔

اسلام بارہ خلفاء کے زمانہ تک برابر عزت والا رہے گا۔ سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے پھر کچھ اور بھی ارشاد فرمایا جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپؐ نے کیا فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بارہ خلفاء سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۱۹ بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۱۷۹)

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں :۔

لا یزال امر امتی صالحًا۔ میری امت کے معاملا بہتر رہیں گے۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۸۰)

اسی قسم کی ایک روایت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے کہ اُن سے ایک شخص نے پوچھا :۔

یا ابا عبد الرحمٰن! هل سألتم رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کم یملك هٰذه الامّة من خلیفة؟ فقال عبد الله بن مسعود ما سألنی عنها احد منذ قدمت العراق قبلك ثم قال نعم، ولقد سألنا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فقال اثنا عشر کعدّة نقباء بنی اسرائیل۔

اے ابو عبد الرحمٰن! کیا تم لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ اس اُمت پر کتنے خلیفہ حکومت کریں گے؟ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ جب سے میں عراق آیا ہوں تجھ سے پہلے کسی نے یہ سوال مجھ سے نہیں کیا پھر آپؐ نے فرمایا۔ ہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ بارہ خلیفہ، بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر۔

(مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۹۰، مسند ابی داؤد طیالسی حدیث نمبر ۹۶۷، ۱۲۷۸، مسند احمد میں بھی کئی مقامات پر یہ حدیث مرقوم ہے، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲، فتح الباری جلد ۱۳ ص ۸۱)

سنن ابی داؤد میں جابر بن سمرہؓ کی اس روایت میں اُن بارہ خلفاء کی ایک صفت منقول ہے کہ :

کلهم تجتمع علیه الامّة۔

اُن سب پر اُمت جمع ہوگی۔

(سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۴ صفحہ ۱۷۰)

اب تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیے تو پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد اُمت تشتت و افتراق کا شکار ہوئی اور بجائے دشمنانِ اسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے مسلمان خود آپس میں جدال و قتال کرنے لگے اور جمل اور صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون پانی کی طرح بہا اور اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا۔ آخر ۵۔۶ سال کی بدنظمی اور افراتفری کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں تمام اُمت نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر کفار اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ جہاد شروع کیا اور اسلام کی ترقی کا وہی دَور شروع ہوا جو سیدنا عثمانؓ بن عفان کے دَورِ خلافت اور اُن سے پہلی خلافتوں کے دَور میں تھا۔ چنانچہ اس سال کو تاریخ میں "عام الجماعت" کے نام سے پکارتے ہیں۔

(فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۰، اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۳۸۷)

مشہور محدّث علامہ شمس الحقؒ عظیم آبادی فرماتے ہیں:۔

فـفی سنۃ خمس وثلاثین من ابتداء الجهاد وقعت حادثۃ قتل ذی النورین وتفرق المسلمین وایضا فی سنۃ ست وثلاثین وقعۃ الجمل والصفین وفی هذه الحوادث لما ظهر الفساد والتقاتل فیما بین المسلمین وجعل جهاد الکفار متروکا ومهجورا الی حین علم نظرا الی القرائن الظاهرۃ ان الاسلام قد وهن واضمحل وکوکبه قد احل ولکن اللّٰہ تعالیٰ بعد ذلک جعل امر الخلافۃ منتظما وامضی الی ظهور بنی العباس وتلاشی دولۃ بنی اُمیۃ۔

۳۵ھ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوا اور ۳۶ھ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے حادثات رونما ہوئے ان حادثات

میں اسلامی سلطنت میں فساد اور افراتفری پیدا ہوگئی اور مسلمانوں کے مابین جنگ و جدال شروع ہوگیا۔ کفار سے کچھ مدت تک جہاد بالکل متروک ہوگیا اور ظاہری نگاہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کمزور اور مضمحل ہوگیا ہے اور اس کا کوکب ترقی غروب ہونے کو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس تشتت و افتراق کے دور کے بعد) خلافت کے کام کو منتظم فرمایا اور بنو عباس کی خلافت کے ظہور تک جہاد کا سلسلہ پھر جاری رہا۔

(عون المعبود جلد ۴ ص ۱۷۱)

گویا کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد کفار سے جہاد اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تعطل واقع ہوگیا تھا۔ اس سے پوری اُمت کو چھٹکارا مل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہوچکی تھی سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت میں وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح اکٹھے ہو گئے جس طرح سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ چنانچہ غیر مسلم مؤرخین کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہؓ دولتِ اسلامیہ کے دوسرے موسس کبیر ہیں (سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد ا ص ۴۴۳، ۴۴۷)

اس کے مقابلہ میں سیدنا علیؓ کی بیعت سے اکثر صحابہؓ نے گریز کیا۔

(خطط الشام جلد ا ص ۱۳۶)

جن میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابوسعید الخدری، سیدنا قدامہ بن مظعونؓ، سیدنا صہیبؓ سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیر بن عوامؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن جبیدؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہم کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۲۶، المحاضرات للخضری جلد ۲ ص ۳۳۷ وطبری وغیرہ)

سیدنا جابر بن سمرہؓ کی بارہ خلفاء کے بارہ میں جو روایتیں اوپر نقل کی ہیں، ان میں اُن خلفاء کی تعداد بتائی گئی ہے جن کے زمانہ میں کلمۂ اسلام عزت والا اور مستحکم ہوگا اور اسلام کا نور کرۂ ارض کو منور کرے گا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور قرآن حکیم کی عظمت کا پھریرا

زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے گا۔ اُن خلفاء کا دور دراصل خلافت راشدہ کا دور ہوگا اور اس دور میں اسلام کو دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اسی وجہ سے علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :۔

ومعنی ھٰذا الحدیث البشارۃ بوجود اثنا عشر خلیفۃ صالحاً یقیم الحق ویعدل فیھم۔

اس حدیث کے معنی میں بارہ نیک اور صالح خلفاء کی بشارت مضمر ہے جو کہ حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل و انصاف برپا کریں گے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ ۳۲)

اب یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دورِ حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا اور اُن کا نظامِ حکومت قرآن و سنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جانب رشد و ہدایت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا، وہ ہیں کون؟ ملا علی قاریؒ جو ایک مشہور محدث اور فقیہ ہیں، اس حدیث کے بارہ خلفاء کی تعین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

فالاثنا عشر ھم الخلفاء الراشدون الاربعۃ ومعاویۃ وابنہ یزید وعبد الملک بن مروان واولاد الاربعۃ وبینھم عمر بن عبد العزیز۔

بارہ خلفاء سے مراد سیدنا ابوبکرؓ [۱]، سیدنا عمرؓ [۲]، سیدنا عثمانؓ [۳]، سیدنا علیؓ [۴]، سیدنا معاویہؓ [۵]، یزید بن معاویہؒ [۶]، سیدنا عبد الملکؒ [۷] بن مروان، ولیدؒ [۸] بن عبد الملک، سلیمان [۹] بن عبد الملک، یزیدؒ [۱۰] بن عبد الملک، ہشام [۱۱] بن عبد الملک اور عمر [۱۲] بن عبد العزیزؒ ہیں۔

(شرح فقہ اکبر صـ ۱۸، شرح عقیدۃ الطحاویہ صـ ۵۵۳، فتح الباری جلد ۳ صـ ۱۸۲)

ملا علی قاریؒ کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلافت راشدہ صرف چار خلفاء میں محدود نہیں بلکہ بہت سے خلفاء ہیں جن کی تعداد بارہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے :۔

اس بات کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا ما تأمرنا قال فوا ببیعة الاول فالاول۔

بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو اس کے بعد بھیجدیتے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اُن کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو۔

(بخاری جلد ۱ ص ۴۹۱، مسلم جلد ۲ ص ۱۲۶، مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۷)

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "یکثرون" کا لفظ استعمال فرما کر یہ واضح کیا کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کو چار میں محدود کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کثیر ہے جس کو دوسری حدیث میں ۱۲ کے عدد سے واضح کیا گیا ہے۔ انہیں خلفاء کو ایک اور روایت میں خلفائے راشدین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

فانه من یعیش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔ اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۷۹، مستدرک جلد ۱ ص ۹۵، مسند دارمی ص ۲۶، مسند احمد جلد ۴ ص ۲۷)

وہ خلفاء جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "راشدین اور مہدیین" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان میں سیدنا معاویہؓ بھی شامل ہیں کیونکہ اُن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا واھد بہ"

یعنی اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔

(ترمذی جلد ۲ صہ ۲۴۷، اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۳۸۶، تاریخ بغداد جلد ۱ صہ ۲۰۸)

جن کو آپ نے ہادی اور مہدی فرمایا ہو۔ اگر وہ "راشدین اور مہدیین" میں شامل نہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اور اس زمرہ میں کون شامل ہے۔ یہ صرف تعصب یا شیعی پراپیگنڈہ کا اثر ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو "راشدین مہدیین" میں سے شمار نہیں کیا جاتا۔

معلوم ہوا کہ خلافتِ راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے والی حدیث روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہے، اس کے علاوہ کئی ایسی روایات بھی ہیں جو اس روایت کی تردید کرتی ہیں اُن میں ایک روایت تو ۱۲ خلفاء والی ہے جس کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے جس میں صحیح حقیقتِ حال کو واضح کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

ان رحی الاسلام ستزول بعد خمس وثلاثین او ست وثلاثین او سبع وثلاثین سنۃ فان یھلکوا فسبیل من قد ھلك وان یقم لھم دینھم یقم سبعین سنۃ قال عمرؓ یا نبی اللہ بما مضی او بما بقی قال لا بل بما بقی۔

"اسلام کی چکی پینتیس ۳۵ یا چھتیس ۳۶ یا سینتیس سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہوئے تو اُن کا بھی وہی راستہ ہے جو اور ہلاک ہونے والوں کا ہے اور اگر اُن کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو ستر برس تک قائم رہے گا سیدنا عمرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گزشتہ زمانہ ملا کر (ستر برس) یا صرف آئندہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف آئندہ کے۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۶۷، فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۱)

اس حدیث کے بارہ میں حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں :-

ومضمون این حدیث در خارج ظهور یافت زیراکه در سن خمس ثلاثین حضرت عثمانؓ مقتول شد وامر جهاد برهم خورد وباز در زمانِ معاویه بن ابی سفیانؓ امر جهاد قائم گشت وازاں تاریخ بعد هفتاد سال دولت بنو امیّه متلاشی شد۔

اس حدیث کا مضمون خارج میں ظاہر ہوا کیونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور جہاد کا انتظام بگڑ گیا۔ پھر حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے زمانہ میں جہاد کا انتظام قائم ہوا اور اس تاریخ سے ستر برس کے بعد اُمیہ کی سلطنت زائل ہوگئی۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۶۷)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خلافتِ راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا ایک دور تو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہوا اور دوسرا دور خلفائے بنو اُمیہ پر ختم ہوا لہٰذا جس طرح کی خلافتِ راشدہ پہلے دور کی تھی دوسرا دورِ خلافت راشدہ کا اس طرح کا نہیں تھا جس کی کئی وجوہات ہیں۔ جن کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں :-

بنقل متواتر که در شرعیات نقلے معتمد تر ازاں یافته نمی شود بثبوت پیوسته که آنحضرت صلی اللہ علیه وآله وسلم فتنه را که نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمع اشاره ساخته اند وآں را بتفصیلے که زیاده ازاں در شرائع یافته نشود بیان فرموده اند وآنرا حدِّ فاصل نهاده اند در میان زمان خیروزمانِ شرّ وگواهی داده اندکه دریں وقتِ خلافت علی منهاج النبوّة منقطع شود و ملک عضوض پدید آید ومعنی لفظ عضوض دلالت

می کنند بر حروب و مقاتلات وجهیدن یکے بر دیگرے در ملک و لهذا در احادیث بسیار خلفائے ثلاثه را در یک حکم جمع کردند تا آنکه ظن قوی بهم رسید که هر سه بزرگ فی مرتبةٍ من المراتب متفق اند وغیر ایشاں در آں مرتبه شریک ایشاں نیست و در بعض احادیث لفظے که مشعر بانقطاعِ خلافت باشد ارشاد فرمودند۔

نقل متواتر ہے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو فتنہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے قریب پیدا ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی جانب ارشارہ کیا اور ایسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس سے زیادہ تفصیل دوسرے احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپؐ نے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان میں حدِ فاصل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ بعد شہادتِ عثمانؓ کے خلافت علی منہاج النبوۃ نہ رہے گی اور کاٹنے والی سلطنت ظاہر ہوگی "کاٹنے والی" کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے (کہ پہلی خلافتیں برطریق نبوت تھیں اور فتنہ سے محفوظ تھیں) اکثر احادیث میں خلفاء ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا ہے یہاں تک کہ ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے برطریق نبوت ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے میں) باہم برابر ہیں اور ان کے ساتھ اس مرتبہ میں اُن کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض احادیث میں صاف صاف الفاظ فرمادیے جن سے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ا ص ۳۰۶)

شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ خلافت علی منہاج النبوۃ سیدنا عثمانؓ شہادت پر ختم ہوگئی تھی اُس کے بعد والی خلافتیں

اُس پایہ کی نہ تھیں جس پایہ کی یہ پہلی تین خلافتیں تھیں۔

۲۔ ملک عضوض (کاٹنے والی سلطنت) سے مراد مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور آویزش ہے جس کا آغاز سیدنا علیؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوا۔

۳۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی خلافتیں دونوں باہم برابر تھیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت "خلافت راشدہ" نہ تھی تو سیدنا علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ نہ تھی۔

شاہ صاحبؒ نے اپنی اسی کتاب میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں حل کیا ہے۔ آپ حدیث "الخلافة بعدی ثلاثون سنة (خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی) پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ سیدنا علیؓ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ ان کا زمانہ شامل کئے بغیر تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لہٰذا اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔

پہلا وصف خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔ دُوسرا وصف اُس کے تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق و متحد ہو جانا" (ازالۃ الخفاء جلد ا ص ۲۰۷)

اس بحث کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافتِ خاصہ کے ان دو اوصاف میں سے پہلا وصف سیدنا علیؓ میں پایا جاتا تھا۔ اور دُوسرا ان میں مفقود تھا اور سیدنا معاویہؓ میں دُوسرا وصف پایا جاتا تھا اور پہلا مفقود تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت بالکل سیدنا علیؓ کی خلافت کی طرح تھی[1] اور سیدنا علیؓ کی خلافت کو چونکہ "راشدہ"

---

[1] سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین ایک خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے فرزند ارجمند سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے اور اُن کے بعد خلافت سیدنا معاویہؓ کے خاندان میں چلی گئی اور سیدنا معاویہؓ کے انتقال کے بعد بھی اُن کا بیٹا یزید خلیفہ ہوئے۔ اور اُن کے بعد خلافت دوسرے خاندان یعنی سیدنا مروان کے پاس چلی گئی۔ لہٰذا سیدنا معاویہؓ پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے خلافت کو موروثی بنایا سراسر

مانا جاتا ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی "راشدہ" نہ مانا جائے۔

شاہ ولی اللہؒ کے جلیل القدر پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی خلافت راشدہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:۔

(۱) خلافتِ منتظمہ (۲) خلافتِ غیر منتظمہ

پہلی خلافت کا اختتام سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ہو گیا۔ لیکن دوسری خلافت غیر منتظمہ میں صرف سیدنا علیؓ کی مثال دی ہے لیکن اسی خلافت راشدہ غیر منتظمہ میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی آتی ہے کیونکہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جس کو خلافت غیر منتظمہ کا نام دیتے ہیں۔ وہ وہی خلافت ہے جس کو شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء ص۳۰۷ میں لکھا ہے۔ کہ خلافت کے دو وصفوں میں سے ایک وصف اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور خلافت کے دو وصف یہ ہیں:۔

۱۔ خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔

۲۔ اس کا تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا سیدنا علیؓ میں وہ تمام صفات پوری طرح موجود تھیں جو خلافت خاصہ (خلافت راشدہ) کے لیے شرط اول ہیں لیکن اجتماع کلمۂ مسلمین اور انتظام مملکت کی وہ دوسری شرط نہیں پائی جاتی تھی جو اس کے لیے ضروری ہے کیونکہ ان کے دور میں مسلمانوں میں باہمی افتراق و انتشار رہا۔ اور ان کا تصرف اقطار ارض میں نافذ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اہل حل و عقد کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:۔

خلافت برائے مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) غلط ہے کیونکہ ان کی نسل میں تو صرف یزید تک خلافت رہی اُس کے بعد تو دوسرے خاندان کے پاس خلافت چلی گئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سیدنا مروانؓ بھی تو بنو اُمیہ میں سے تھے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ بنو امیہ ایک بہت بڑا خاندان تھا۔ سیدنا مروان سیدنا عثمانؓ کو سیدنا معاویہؓ سے زیادہ قریبی تھے۔ سیدنا معاویہؓ سے اُن کا دُور کا تعلق تھا۔ اور اس لحاظ سے تو بنو اُمیہ اور بنو ہاشم بھی آپس میں ملتے ہیں۔

عن اجتهادٍ ونصیحةٍ للمسلمین بیعت نه کرده۔

سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوئی تھی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد اور مسلمانوں کی نصیحت کے لیے اُن سے بیعت نہیں کی تھی۔

(ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۲۷۹)

ایک اور مقام پر حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:۔

آن حضرت صلی اللہ علیه وآله وسلم در بسیارے از احادیث متواتره مرویه بطرق متعدده بیان فرمودند که اُمت بر حضرتِ مُرتضیٰ نشود۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ اُمت سیدنا علیؓ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سیدنا علیؓ کی بیعت کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبایعوه ولم یبایعوا سعد ابن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرهما۔

مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی دوسرے جلیل القدر صحابہؓ نے اُن کی بیعت کی۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۲۷)

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جنگ صفین کے لیے جب آپ نے فوج تیار کی تو اہل مدینہ نے آپ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ تواریخ میں ہے کہ:۔

فندب اهل المدینة للمسیر هم فتثاقلوا۔

اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے آپ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۵، طبری جلد ۵ ص ۱۶۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کیا ہے کہ :۔

وکان علیؓ لما عزم علی قتال اهل الشام قد ندب اهل المدینة الی الخروج معه فابوا علیه۔

سیدنا علیؓ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کا عزم کیا تو انھوں نے اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صـ ۲۳۰)

اور تو اور خود سیدنا علیؓ کے بڑے حقیقی بھائی عقیلؓ بن ابی طالب نے بھی آپ کو چھوڑ دیا اور وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس شام چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مل کر صفین کی جنگ لڑی چنانچہ شیعی مؤرخ لکھتا ہے :۔

وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیرالمومنین فی ایام خلافته وهرب الی معاویة وشهد صفین معه۔

اور عقیلؓ اپنے بھائی علیؓ امیر المومنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر انھوں نے (علیؓ سے) صفین کی جنگ لڑی۔ (عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب صـ ۱۵)

اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے دور میں خلیفہؓ خاص کی صفات اگرچہ ویسی نہ تھیں۔ جیسی سیدنا علیؓ میں تھیں کیونکہ سیدنا علیؓ بہرحال سیدنا معاویہؓ سے افضل اور سابق فی الاسلام تھے، دوسری شرط اُن کے دور میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اُن کے زمانہ میں تمام لوگ ایک خلیفہ پر مجتمع ہو گئے تھے اور اُمت میں انتشار و افتراق بکلم ختم ہو گیا تھا یہاں تک کہ اُس سال ہی کو "عام الجماعت" کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ صـ ۵۳، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صـ ۲۱، ۱۳۱، اسد الغابہ جلد ۴ صـ ۳۸۷)

داخلی انتشار ختم ہوتے ہی دشمنانِ اسلام کے جہاد جو سیدنا علیؓ کی خلافت کے دوران بند ہو گیا تھا، پھر سے شروع ہو گیا اور پوری سلطنت میں کامرانی اور شادمانی کا پھریرا لہرانے لگا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :۔

الجهاد فی بلاد العدو قائم وکلمة الله عالیة والغنائم ترد الیه من

اطراف الارض والمسلمون معه فی راحۃٍ وعدلٍ وصفحٍ وعفوٍ۔

(سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل وانصاف اور راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صہ ۱۱۹)

گویا کہ ہر جانب مرفہ حالی کا دَور دَورہ تھا۔ سلطنت کی پہنائیوں میں ہر جانب اضافہ ہو رہا تھا۔ سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ رعیت کی گرویدگی اور شیفتگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسنِ سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے دل کو موہ لیا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

کانت سیرۃ معاویۃ مع رعیتہٖ من خیار سیر الولاۃ وکان رعیتہ یحبونہٗ وقد ثبت فی الصحیحین عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہٗ قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم۔

سیدنا معاویہؓ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم اُن کے لیے دعائیں کرو۔ اور وہ تمہارے لیے دُعائیں کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بُغض رکھو اور وہ تم سے بُغض رکھیں اور تم اُن پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ صہ ۱۸۹)

ہمارے اس نظریہ کی تائید مشہور مؤرخ بلکہ فلسفہ تاریخ اور عمرانیات کے امام علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :۔

وقد كان ينبغي ان تلحق دولة معاوية واخباره بدول الخلفاء واخبارهم فهو تاليهم في الفضل والعدالة والصحبة ولا ينظر في ذلك الى حديث "الخلافة بعدى ثلاثون" فانه لم يصح والحق ان معاوية في عداد الخلفاء وانما اخره المؤرخون في التاليف عنهم لامرين۔

چاہیئے یہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ کی حکومت اور اُن کے حالات و واقعات کو ان سے پہلے خلفاء (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کی) حکومت اور حالات و واقعات کے ساتھ ذکر کئے جاتے کیونکہ آپ عظمت و فضیلت، عدالت اور شرف صحابیت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور اس بارہ میں حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون" (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث (روایت و درایت کے لحاظ سے) صحیح نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اپنے پہلے خلفاء کے زمرہ میں شامل ہیں اور مؤرخین نے انہیں جو اپنی کتابوں اور تالیفات میں الگ اور بعد میں ذکر کیا ہے اُس کے دو سبب ہیں :۔

۱۔ پہلا سبب یہ کہ اُن کے زمانۂ خلافت میں مغالبہ کی صورت پیدا ہو گئی تھی حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک اختیاری اور اجتماعی چیز تھی۔ چنانچہ مؤرخین اسلام نے ان دونوں حالتوں میں فرق کر دیا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ ان خلفاء میں سے سمجھے جانے لگے جن میں مغالبے اور عصبیت کا پہلو شامل ہے۔ اس شئی کو "اہل الاہواء" ملوکیت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن سیدنا معاویہؓ کو ان لوگوں کے ساتھ کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے۔ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ اسی طرح اُن کے بعد والے خلفاء کا حال ہے۔ اس معاملہ میں قانون شرعی یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال کو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی

روشنی میں دیکھا جائے پس جس کے افعال و اعمال اس کے مطابق ہوں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صحیح خلیفہ (خلیفہ راشد) ہے اور جس کے افعال و اعمال احادیث صحیحہ اور قرآن حکیم کے مطابق نہیں تو وہ "بادشاہ" ہے اگرچہ اُس کو مجازی طور پر لوگ "خلیفہ" ہی کیوں نہ کہیں۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صـ ۱۱۴۱ ملخصاً)

علامہ ابن خلدون نے دوسرا سبب جس کی وجہ سے مؤرخین نے ان کا ذکر خلفائے راشدین کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو اُن کے خلیفۂ راشد ہونے میں غلط فہمی ہوگئی ہے، یہ بیان کیا ہے کہ:۔

۲۔ فی ذکر معاویۃ مع خلفاء بنی اُمیّۃ دون الخلفاء الاربعۃ فانهم کانوا اهل نسب واحد، عظیمهم معاویۃ فجعل مع اهل نسبه۔ والخلفاء الاولون مختلفوا الانساب فجعلوا فی نمط واحد۔ والحق بهم عثمان وان کان من اهل هٰذا النسب للحوقه بهم قریبًا فی الفضل۔ واللّٰه نحشرنا فی زمرتهم و یرحمنا بالاقتداء بهم۔

دوسرا سبب جس کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو خلفائے اربعہ کی بجائے خلفائے بنو امیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا یہ ہے کہ بنو اُمیہ کے خلفاء سب ایک ہی سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان سب میں عظیم اور بڑے سیدنا معاویہؓ تھے اس وجہ سے ان کو اہل نسب ہی کے ساتھ (تاریخ کی کتابوں میں) ملا دیا گیا۔ اور ان سے پہلے چاروں خلفاء مختلف سلسلہائے نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا انہیں ایک ہی سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور سیدنا عثمانؓ اگرچہ بنو اُمیہ میں سے تھے لیکن انہیں پہلے خلفاء کے ساتھ شرف و فضل میں قرابت کی وجہ سے ملا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے زمرے میں سے اٹھائے اور ان کی اقتداء پر ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صـ ۱۱۴۲)

علامہ ابن خلدون کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت اسی درجہ کی خلافت تھی جس درجہ کی خلافت سیدنا علیؓ اور دوسرے خلفائے راشدین کی خلافت تھی۔ اور ان دونوں خلافتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان خلافتوں میں حکومت کی کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرامؓ فائز تھے اور ملک میں کتاب وسنت کا قانون جاری وساری تھا اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں بھی حکومت کے عہدوں اور کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرامؓ ہی تھے اور تمام مملکت اسلامیہ میں شریعت اسلامیہ کا قانون نافذ تھا۔ اور ہر طرف رشد وہدایت کا دور دورہ تھا۔ بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کے بعد بھی وہ خلفاء جنہوں نے اپنی حکومت کو قرآن وسنت کے مطابق چلایا وہ خلیفہ راشد تھے۔ اور خلافتِ راشدہ کو تیس سال میں محدود ومقید کرنے کی بھی پرزور تردید کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ حدیث جس کی رُو سے خلافت راشدہ کو تیس سالوں میں محدود کیا جاتا ہے روایتہً ودرایتہً کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے علاوہ خلافت کو تیس سال میں محدود کرنیوالوں کے پاس اور کوئی دلیل نہیں اگر ہے تو پیش کریں اس حدیث پر تفصیلی بحث ہم نے گزشتہ صفحات میں کردی ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ خلافت راشدہ کے دو دور تھے ایک دور تو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہو گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۳۰۷) اور دوسرا دور سیدنا علیؓ کی خلافت سے شروع ہوا اور ان کے بعد کئی سال تک رہا۔ کیونکہ جوں جوں زمانہ نبوت سے بُعد ہوتا گیا خلافت کے خصائص واوصاف میں بھی تغیر آتا گیا نہ مانۂ صدیق اکبرؓ میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی خلافت کے دوران نہ تھیں اور سیدنا فاروقؓ امیر المؤمنین کے دورِ خلافت میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں نہ تھیں۔ اور سیدنا علیؓ کا زمانہ تو فتنہ وآشوب کا زمانہ تھا۔ اس میں تو اور بھی خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کمی واقع ہو گئی۔ اسی طرح سیدنا معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں کچھ اور زیادہ کمی آئی لیکن جس طرح سیدنا علیؓ کی خلافت " خلافت راشدہ کی خصوصیات " کی کمی کے باعث خلافت راشدہ ہی رہی حالانکہ اکثریت نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہی تھی اگرچہ زمانۂ نبوت سے مزید

بُعد کے باعث اس میں خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کچھ کمی تھی۔ لیکن وہ رُوح باقی تھی جو خلافت راشدہ کی جان ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے سیدنا عثمانؓ تک کی خلافت راشدہ کے مقام اور اس کے بعد کی خلافتوں کے مقام میں کچھ فرق کیا ہے۔ چنانچہ امام اہل مدینہ سیدنا مالک بن انسؓ، سیدنا علیؓ کی سنت کو وہ مقام نہیں دیتے تھے جو سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنّت کو دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے :۔

احمد بن حنبل وکثیر من العلماء یتبعون علیاً فیما سنّہ کما یتبعون عمر وعثمان فیما سناہ واخرون من العلماء کمالک وغیرہ لا یتبعون علیاً فیما سنہ وکلھم متفقون علی اتباع عمر وعثمان فیما سناہ۔

امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء سیدنا علیؓ کی سنت کی اُسی طرح اتباع کرتے ہیں۔ جس طرح سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنن کی اتباع کرتے ہیں اور دوسرے علماء جیسے امام مالکؒ وغیرہ سیدنا علیؓ کی سنت کی اُس طرح اتباع نہیں کرتے ہیں، لیکن سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنن کی اتباع میں وہ سب متفق ومتحد ہیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۵۱، انہاء السکن ص ۱۱۱ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

اس سلسلہ میں کہ ہر خلیفہ راشد سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ ہی کی طرح ہو مصر کے مشہور فاضل شیخ محب الدین الخطیبؒ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں۔

ان کان مقیاس الاھلیۃ لذٰلک ان یبلغ مبلغ ابی بکر وعمر فی مجموع سجایاھما، فھذا لم یبلغہ خلیفۃ فی تاریخ الاسلام ولا عمر بن عبد العزیز وان طمعنا بالمستحیل وقدرنا امکان ظھور ابی بکر اخر وعمر اخر فلن تتاح لہ بیئۃ کالبیئۃ التی اتاحھا اللّٰہ لابی بکر وعمر وان کان مقیاس الاھلیۃ الاستقامۃ فی السیرۃ، والقیام بحرمۃ الشریعۃ والعمل باحکامھا والعدل فی الناس

والنظر فی مصالحهم، والجهاد فی عدوهم وتوسیع الآفاق لدعوتهم والرفق بافرادهم وجماعاتهم فان یزید یوم تمحص اخباره و یقف الناس علی حقیقة حاله کما کان فی حیاته تبین من ذلک انه لم یکن دون کثیرین ممن تغنی التاریخ بمحامدهم واجزل الثناء علیهم۔

اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس یہ ہے کہ خلیفہ اپنی مجموعی سیرۃ کے لحاظ سے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ ہی کی مانند ہو تو پھر اسلام کی تاریخ میں اس طرح کا کوئی خلیفہ آپ کو ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو سب خلیفہ راشد کہتے ہیں بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر ہم کسی ناممکن اور محال شی کی آس لگائے بیٹھے رہیں اور ہم ایک اور ابوبکرؓ اور ایک اور عمرؓ کے ظہور کا امکان تسلیم کر لیں۔ تب بھی وہ، وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ نہیں ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ کیونکہ وہ جس معاشرہ اور ماحول کی پیداوار تھے وہ ہی اب سرے سے مفقود ہے (لہٰذا ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسا ہونا ناممکن اور محال ہے) اور اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس سیرت و کردار میں راست روی اور استقامت، حرمتِ شریعت کی پاسداری اور احترام، احکام شریعت پر عمل اور اتباع، لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کے مصالح کا خیال دشمنانِ اسلام کے ساتھ جہاد اور اسلامی دعوت کی اس کرۂ عالم میں توسیع اور نشر و اشاعت، تمام افراد اور جماعتوں کے ساتھ نرمی اور حُسنِ سلوک تو جس روز لوگ صحیح تاریخ اور حقیقتِ حال سے واقف ہوں گے، اُن پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یزید بھی ان بہت سے افراد و اشخاص سے کسی طرح کم نہیں جن کے قابلِ تعریف کارناموں اور محامد و فضائل سے اسلامی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ (العواصم من القواصم ص ۲۱۴ تعلیقہ)

خلاصہ یہ کہ اگر ہم سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کے معیار پر جانچنا شروع کر دیں گے تو پھر تو واقعی ان کی خلافت اس معیار کی ثابت نہیں ہو سکتی جس معیار کی خلافت ابوبکرؓ

اور عمرؓ کی خلافت تھی۔ یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کی خلافت بھی اُس معیار پر پوری نہ اُترے گی۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم گزشتہ سطور میں نقل کر چکے ہیں یعنی زمانہ نبوت سے بُعد، کیونکہ زمانہ نبوت میں معاشرہ اور ماحول میں نورانیت تھی وہ آپؐ کے انتقال کے بعد بتدریج کم ہوتی گئی۔ اسی چیز کو سیدنا انسؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:۔

لما کان الیوم الذی قدم فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ واضاء منہا کل شیء، فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منہا کل شیء۔

جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کی تشریف آوری سے مدینہ کی ہر شی روشن اور منور ہوگئی اور جس روز آپ کا انتقال ہوا اُس روز مدینہ کی ہر شی تاریک ہوگئی۔ (العواصم ص۲۷ تعلیقہ)

جوں جوں زمانہ نبوت سے دُوری ہوتی گئی معاشرہ اور مسلم سوسائٹی میں برکات کی محرومی اور بدعات وفتن کا ظہور ہوتا گیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلامؒ فرماتے ہیں :۔

"نبوت ورحمت کی برکات کی محرومی وفقدان ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات وفتن کے ظہور اور احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی۔ کالحصیر عوداً عوداً، جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے شروع ہوتی اور جس قدر عہد نبوت سے دُوری بڑھتی گئی اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت رحمت کی سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امامت اور خلافت کبریٰ کے معاملے میں ہی نہیں ہوئی بلکہ قوام ونظام اُمت کے مبادیات اور اساسات سے لے کر حیات شخصی وانفرادی کی اعتقادی اور عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔ (مسئلہ خلافت ص۱۲)

معلوم ہوا ارباب اقتدار معاشرے ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اور جب معاشرہ میں ... بگاڑ پیدا ہو تو یقینی بات ہے کہ ارباب حکومت کی زندگیاں بھی اُس سے متاثر ہوں گی اور معاشرے کے اچھے اور بُرے اثرات، اخلاقیات، معاملات، عبادات، دیانات، اقتصادیات معیشت اور معاشرت سب متاثر ہوں گے اور زندگی کا کوئی شعبہ اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا

چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے عہدِ خلافت میں وہ رنگ نظر نہیں آتا جو آپ سے قبل سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں کے دور میں تھا۔ آپ کے عہد خلافت میں تشتت و افتراق پیدا ہو گیا ہے جبکہ ان کے زمانہ میں اُمت کے تمام افراد میں اجتماع و ائتلاف تھا تو آپ نے اُس شخص کو جو جواب دیا وہ ہمارے اس خیال کی پرزور تائید کرتا ہے آپ نے فرمایا:۔

"ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عہد کی رعایا مجھ جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تم جیسے لوگوں پر مشتمل ہے"۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۳۴)

ہماری اس بات کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ ابن حجر مکیؒ نے درج فرمائی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے پوتے سیدنا سالمؓ کو ایک خط لکھا کہ آپ مجھے سیدنا عمرؓ کی ایک سیرت لکھ بھیجیں تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔ سیدنا سالمؓ نے انہیں جواب میں لکھا کہ اگر آپ سیدنا عمرؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ سیدنا عمرؓ سے افضل اور بہتر ہیں کیونکہ:۔

زمانك ليس كزمان عمر ولا رجالك كرجال عمر۔

نہ تو آپ کا زمانہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ جیسا ہے اور نہ آپ کے ساتھی سیدنا عمرؓ کے ساتھیوں جیسے ہیں۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۰۲)

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس زمانہ کے سب علماء اور فقہاء کو یہ بات لکھی تو سب نے وہی جواب دیا جو سیدنا سالم بن عبداللہؓ نے دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے بعد چونکہ معاشرہ کے ہر گوشہ میں بگاڑ کے اثرات پیدا ہو گئے تھے لہٰذا انتظام حکومت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لیکن تمام خلفاء جو عہدِ خلافت پر متمکن ہوئے اُن کا نظریہ یہی تھا کہ حفظِ دین و سیاست دنیا کی غرض سے اُمت کا سیاسی نظام شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو کیونکہ خلافت اسلامیہ کی غرض و غایت جو قرآن حکیم نے بیان کی ہے وہ یہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۔ (الحج: ۴۱)

وہ لوگ کہ ہم اُن کو زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور (نظام) زکوٰۃ قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کیونکہ خلافت کی تعریف ہی یہ ہے :۔

ھی الریاسۃ العامۃ فی التصدی لاقامۃ الدین باحیاء العلوم الدینیۃ واقامۃ ارکان الاسلام والقیام بالجھاد وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلۃ واعطاءھم من الفئ والقیام بالقضاء واقامۃ الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف ونھی عن المنکر نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو (بذریعہ) علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور (بذریعہ) ارکان اسلام کے قائم کرنے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے کے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کو اُن پر تقسیم کرنا اور (بذریعہ) عہدۂ قضا کے فرائض انجام دینے اور حدود کو قائم کرنے اور مظالم کو دُور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے اور بُرے کاموں سے منع کرنے کے، بحیثیت نائب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالفعل حاصل ہوتی ہو۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۹)

خلافت کی یہ تعریف سیدنا معاویہؓ کی خلافت پر ہر لحاظ سے صادق آتی ہے۔ کیونکہ ان کا عہد گورنری اور عہد خلافت دونوں صرف اور صرف دین اسلام کی سربلندی کے لیے تھے اور خلافت سے ان کی کوئی ذاتی غرض یا ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا، پھر ایک صحابی رسول سے اس بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح دے گا۔ صحابہؓ کی پوری زندگی اس بات کی

بین دلیل ہے کہ دین و دنیا میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی جب بھی کوئی صورت پیدا ہوئی۔ انھوں نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دنیا کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ بھی اپنے متعلق خود بیان فرماتے ہیں :۔

مَاکنت لاخیر بین اللہِ وغیرہٖ الا اخترت اللہ علیٰ غیرہ مما سواہ۔

حق تعالیٰ کی رضا اور دوسرے دنیوی مفادات میں جب بھی کوئی ٹکراؤ پیدا ہوا تو میں نے دوسرے تمام مفادات کو یکقلم ٹھکرا کر اللہ کی رضا کو اپنے لیے پسند کر لیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۴، الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۵، منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۳)

پھر مختلف احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے خلیفہ ہونے کے بارے میں بشارت بھی دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ اُٹھائی اور فرمایا :۔

یا معاویۃ! ان ولیت امرًا فاتق اللہ واعدل۔

اے معاویہؓ! اگر تجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۳، تطہیر الجنان ص ۱۵)

سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ :۔

ما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم حتی ولیت۔

مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ میں ضرور حکومت کے کاموں میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں خلیفہ ہو گیا۔ (تطہیر الجنان ص ۱۵)

اسی طرح کی ایک اور حدیث امام ابوبکر بن شیبہ نے نقل کی ہے کہ سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سے یقین تھا کہ مجھے خلافت ضرور ملے گی جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ :۔

اذا ملکت فاحسن ۔

معاویہؓ! جب تجھے خلافت حاصل ہو تو اچھے طریقے سے حکومت کرنا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۲۱۶ ۔)

ان روایات پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں :۔

وتأمل انہٗ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اخبر معاویۃ بانہٗ یملک وامرہ بالاحسان تجد فی الحدیث اشارۃ الی صحۃ خلافتہ وانہا حق بعد تمامہا لہ بنزول الحسن لہ عنہا فان امرہ بالاحسان المترتب علی الملک یدل علی حقیقۃ ملکہ وخلافتہ وصحۃ تصرفہ ونفوذ افعالہ من حیث صحۃ الخلافۃ لا من حیث التغلب لان المتغلب فاسق معاقب لا یستحق ان یبشر ولا ان یؤمر بالاحسان فیما تغلب علیہ بل انما یستحق الزجر والمقت والاعلام بقبیح افعالہ وفساد احوالہ فلو کان معاویۃ متغلباً لاشار لہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ذلک او صرح لہٗ بہ فلما لم یشر لہ فضلاً عن ان یصرح الا بما یدل علی حقیقۃ ما ھو علیہ علمنا انہٗ بعد نزول الحسن لہٗ خلیفۃ حق وامام صدق ۔

"غور فرمائیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاویہؓ کو اس بات کی خبر دی کہ اُس کو حکومت حاصل ہوگی اور اس کے ساتھ نیک سلوک اور عفو و درگزر سے کام لینے کی بھی تلقین فرمائی۔ یہ حدیث سیدنا معاویہؓ کی صحت خلافت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور سیدنا معاویہؓ کی بیعت ہو جانے کے بعد اُن کی خلافت صحیح اور برحق ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمانا جو حکومت کے حصول

کے بعد ممکن تھا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی خلافت برحق اور ان کے افعال اور تصرفات اسی طرح صحیح تھے جس طرح خلافت صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد کسی خلیفہ کے ہوتے ہیں نہ کہ غلبہ اور استیلاء سے کرسی حکومت پر متمکن ہونے والے کے۔ کیونکہ غلبہ اور استیلاء سے خلافت حاصل کرنے والا شخص تو فاسق اور سزاوار عقوبت ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی بشارت کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا کہ اس کو حسن سلوک اور عفو و درگزر کی تلقین کی جائے۔ ہاں زجر و توبیخ کا وہ ضرور مستحق ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اس کو اس کے برے اعمال اور فساد احوال کی اطلاع دی جائے۔ سیدنا معاویہؓ بھی اگر غلبہ و استیلاء سے مسندِ خلافت پر قابض ہوئے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور صراحت کے ساتھ یا کم از کم اشارتاً بیان فرما دیتے۔ جب آپ نے ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا بلکہ صراحت کے ساتھ ایسے امور کی خبر دی ہے جو ان کی خلافت کے برحق اور صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہؓ خلیفہ برحق اور صحیح اور سچے امام تھے۔

(الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ۔ ص ۲۱۷)

ایک اور مقام پر علامہ ابن حجر مکیؒ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے صحیح اور حق ہونے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو امورِ خلافت سپرد کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ صحیح معنوں میں خلیفہ ہو گئے تھے اور وہ خلیفۂ حق اور امام صادق تھے۔ علامہ کے الفاظ ہیں:۔

فالحق ثبوت الخلافۃ لمعاویۃ من حینئذٍ وانہ بعد بعد ذلک خلیفۃ حق وامام صدق۔

صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی صلح کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح معنوں میں ثابت ہے اور اس صلح کے بعد وہ خلیفۂ حق اور امام صادق ہیں۔

(الصواعق المحرقۃ ص ۲۱۶)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفۂ راشد تھے اور اُن کی خلافت انہی معنوں میں خلافت راشدہ تھی جن معنوں میں سیدنا علیؓ اور دوسرے خلفاء کی خلافت "خلافت راشدہ" تھی۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ سوائے ایک حدیث کے جس کے روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہونے کو ہم نے بدلائل واضح ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دلیل "خلافت راشدہ" کو تیس سال میں مقید اور محدود کرنے کی نہیں ہے۔ اب صرف ایک غیر صحیح حدیث پر "خلافتِ راشدہ" کو محدود کرنے کا نظریہ قائم کرنا ہمارے نزدیک نہ صرف صحیح نہیں بلکہ قرآن وسنت کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر اس حدیث کو کسی صورت میں صحیح بھی مان لیا جائے تو سیدنا حسنؓ کی خلافت بھی راشدہ ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ خود سیدنا سفینہؓ نے مدت شمار کرنے میں اُن کی خلافت کو نکال دیا۔ اور اگر اُن کی خلافت کو بھی "خلافتِ راشدہ" میں شامل کر لیا جائے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض بزرگوں نے کس دلیل سے سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ کو بھی خلفاء راشدین میں شمار کر لیا ہے حالانکہ عمر بن عبد العزیزؒ کا سیدنا معاویہؓ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اول الذکر ایک تابعی ہیں حالانکہ آخر الذکر ایک فقیہ و مجتہد صحابی رسولؐ، ایک کاتب وحی اللہ کی وحی کے امین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برادر نسبتی اور خال المومنینؓ، سیاست میں نابغۂ روزگار ہادی اور مہدی۔ چنانچہ عبد اللہ بن مبارکؒ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ معاویہؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ:

واللہ! ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم افضل من عمر بالفِ مرۃ۔ صلی معاویۃ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ۔ فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ۔ ربنا لک الحمد فما بعد ھٰذا الشرف الاعظم۔

خدا کی قسم! وہ غبار اور مٹی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں سیدنا معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں آکر جم گئی وہ عمر بن عبد العزیزؒ سے

ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ جب آپ کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ" تو معاویہؓ کہتے تھے "ربنا لک الحمد" اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے۔

(تطہیر الجنان ص۱۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ قاضی عیاضؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے معافی بن عمرؒ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہؓ کے سامنے عمر بن عبد العزیزؒ کا کیا مقام ہے؟

فغضب غضبًا شديدًا وقال لا يقاس باصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم احد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وامينه على وحي الله۔

آپ کو یہ سوال سن کر سخت غصہ آیا اور فرمایا اصحاب رسولؐ کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی آپ کے برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔ (تطہیر الجنان ص۱۰)

اگر سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت "خلافت راشدہ" ہو سکتی ہے تو سیدنا معاویہؓ کی خلافت کیوں راشدہ نہیں ہو سکتی؟

قرآن حکیم نے ایک بڑی بنیادی بات مسئلہ خلافت کے بارہ میں بیان فرمائی ہے کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے، ان کے لیے اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں

پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی حالتِ خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (النور: ۵۵)

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے صحابہ کرامؓ سے بلاواسطہ اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بالواسطہ "خلافت" کا وعدہ کیا ہے لیکن اس کے لیے دو شرائط ذکر کیں اور دو ثمرات بیان فرمائے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مومن ہو ——————— اور

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل صالح کا حامل ہو۔

جب یہ دو شرطیں پائی جائیں تو اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ انہیں "استخلاف فی الارض" (زمین میں خلافت) عطا فرمائیں گے۔ اور اس کے نتیجے میں دو ثمرات انہیں حاصل ہوں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا۔

۲۔ ان کی حالت خوف کو حالت امن میں بدل دے گا۔

اب یہاں دو باتیں اور ذہن میں رکھیے۔

۱۔ اس آیت میں خلافت سے مراد ایسی حکومت ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر شرعی کے مطابق اس کی نیابت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی لکھتے ہیں :۔

"اب جو شخص بھی یہاں اس سیاق و سباق میں آیت استخلاف کو پڑھے گا وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس امر میں شک نہیں کر سکتا کہ اس جگہ خلافت کا لفظ اس حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اللہ کے اس امر شرعی کے مطابق (نہ کہ محض قوانین فطرت کے مطابق) اس کی نیابت کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والی ہو۔ اسی لیے کفار تو درکنار اسلام کا دعویٰ کرنے والے منافقوں تک کو اس وعدے میں شریک کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے مستحق

صرف ایمان اور عمل صالح کی صفات سے متصف لوگ ہیں"۔
(تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۴۱۸)

۲- دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ یہ وعدہ بعد کے مسلمانوں کو بالواسطہ پہنچتا ہے بلاواسطہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں موجود تھے۔ (تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۴۱۹)

یہ ساری باتیں ذہن میں رکھنے کے بعد اب دیکھئے کہ کیا سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود نہیں تھے؟ یقیناً تھے۔ اور آپ کاتب وحی اور ایک فقیہ صحابی تھے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، اصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲، ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۲۳۸، کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲۴۹، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸)

ایمان اور عمل صالح میں روشنی کا مینار تھے کہ سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ جیسا خلیفہ راشد اُن کے گھوڑے کے نتھنوں میں جمی ہوئی مٹی کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔
(تطہیر الجنان ص ۱۰)

عمرۃ القضاء کے روز ایمان لائے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے خود ان کی زبانی نقل فرمایا ہے کہ:۔

اسلمت یوم عمرۃ القضاء ولکنی کتمت اسلامی من ابی الی یوم الفتح۔

میں عمرۃ القضاء کے روز ایمان لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے اپنے ایمان کو فتح مکہ تک چھپائے رکھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۱، ۱۱۸)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی لکھا ہے:۔

معاویۃ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح و کتب الوحی۔

معاویہؓ بن ابی سفیان صحابی اور خلیفہ راشد ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور آپ کاتب وحی بھی تھے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۵۷)

گویا کہ آپ میں ایمان اور عمل صالح کی دونوں شرطیں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں ان شرائط کے ساتھ خلافت راشدہ کے دونوں ثمرات بھی ان کے زمانۂ خلافت میں مرتب ہوئے۔

پہلا ثمرہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین یعنی اسلام اُن کے زمانہ میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسلامی فتوحات کا سلسلہ یکقلم بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں ایک شہر بھی اسلامی قلمرو میں داخل نہ ہوا۔ آپ نے اپنے زمانے میں جس قدر جنگیں بھی لڑیں وہ اسلام کی خاطر نہیں تھیں بلکہ صرف طلب خلافت کے سبب تھیں۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے:۔

مقاتلات وے رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بودنہ بجہت الاسلام۔

سیدنا علیؓ کی لڑائیاں صرف اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں۔ (ازالۃ الخفاء جلد ا ص ۲۷۷)

فتوحات کا وہ سلسلہ جو سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں بند ہوا۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو دوبارہ جاری کیا اور اپنے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافعؓ کے توسط سے ۴۱ھ میں شمالی افریقہ کے ایک وسیع علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا اور آپ کے جرنیل مہلب بن ابی صفرہؓ نے ۴۴ھ میں سندھ اور ترکستان کے علاقے پر اسلامی پرچم لہرایا۔ پھر اپنے صاحبزادے یزید بن معاویہؒ کی زیر قیادت قسطنطنیہ پر حملہ کروایا۔ ۵۳ھ میں بحری لڑائی کے ذریعہ آپ کے جرنیل جنادہ بن امیہؓ نے روڈس کو فتح کیا۔ پھر ۵۴ھ میں قسطنطنیہ کے قریب ایک جزیرے ارواڈ کو اسلامی حکومت میں داخل کیا۔ چنانچہ علامہ خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے:۔

ھو اول مسلم رکب بحر الروم للغزو وفی ایامہ فتح کثیر من جزائر یونان والدردنیل۔

آپ (سیدنا معاویہؓ) سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم کو اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بے شمار جزیرے اور دردانیال

وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔

(الاعلام جلد ۸ ص ۱۷۳، الفتوحات الاسلامیہ جلد ۲ ص ۹۸)

آپ نے آخری وقت میں یہ وصیت فرمائی۔

شدّ خناق الروم۔

روم کا گلا گھونٹ دو۔ (النجوم الزاہرہ جلد ۱ ص ۱۳۴)

کئی نئے شہر بھی تعمیر کئے، نظم مملکت کو سیدنا فاروق اعظمؓ کی بنیادوں پہ قائم کیا ملک میں رعایا کی خوشحالی اور آرام کے لیے مختلف اصلاحات کیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے ان سب چیزوں کو ان الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ:۔

الجهاد فی بلاد عدو قائم وکلمة الله عالیة والغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدلٍ وصفح وعفو۔

آپ کے زمانہ میں دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں۔ اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل وانصاف اور راحت و آرام کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۸)

آپ کی اسی اسلام دوستی اور رعیت پروری کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانے کے سارے لوگ جو صحابہ کرامؓ اور تابعین پر مشتمل تھے آپ پر دل وجان سے فدا تھا۔ اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ سے محبت کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا کہ:۔

کانت سیرة معاویة مع رعیته من خیار امیر الولاة وکان رعیته یحبونه..... الخ

سیدنا معاویہؓ کا اپنی رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کا تھا اور آپ کی رعایا آپ کو دل وجان سے چاہتی تھی۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

الغرض آپ کی خلافت سے وہ ثمرہ بھی مرتب ہُوا جس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا تھا۔ اور دوسرا ثمرہ بھی مرتب ہوا کہ جب اسلام کا قانون دُور دُور تک رائج ہُوا اور سلطنت اسلامی کی پہنائیوں میں دُور دُور تک اضافہ ہُوا اور ہر جانب مرفہ حالی کا دَور دَورہ ہو گیا تو۔

مسلمانوں کی حالتِ خوف پہلے سے زیادہ حالتِ امن میں تبدیل ہوئی اور مسلمان ایک غالب قوم کی صورت میں دنیا میں ابھرے اور اس جاہلیت کی تہذیب اور تمدن سے مہذب قومیں سرنگوں ہوکر اہل اسلام کی رعایا بنیں ان میں اسلام کو روشناس کرایا گیا یہاں تک کہ اہل اسلام کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہُوا۔ ہر شخص کی جان، مال اور عزت کو تحفظ نصیب ہوا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کی حالتِ خوف حالتِ امن میں بدل گئی بلکہ تمام اقوام عالم ہر قسم کی زیادتیوں اور تعدیوں سے محفوظ و مصئون ہو گئیں۔

چنانچہ قرآنِ حکیم کی یہ آیت کریمہ جس طرح ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی خلافتوں کو راشدہ ثابت کرتی ہے اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی "راشدہ" ثابت کرتی ہے اب قرآن حکیم کے اتنے واضح ثبوت کے بعد صرف ایک مخدوش حدیث کی بنا پر خلافت راشدہ کو صرف چار صحابہؓ میں محدود کر دینا اور ان کی خلافت کے بارہ میں دور از کار تاویلیں کرنا ہماری نگاہ میں صحیح نہیں۔ بلکہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں غلط ہے۔

سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے ادوار خلافت تو بالاتفاق خلافت راشدہ کے دَور تھے۔ ان دونوں خلافتوں میں سیدنا معاویہؓ دمشق کے اہم صوبہ پر گورنری کے جلیل القدر عہدہ پر تقریباً ۲۰ سال تک فائز رہے ان دونوں خلافتوں میں تو وہ خلافت راشدہ کے کل پرزہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے پھر کیا وجہ ہے کہ جب ان کا دَورِ خلافت آیا تو یکایک ان کی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی حالانکہ انھوں نے اپنی خلافت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے طریق سے ہٹ کر ہو۔ اور آج جو اعتراضات ان کی خلافت کو غیر راشدہ یا ملوکیت ثابت کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں وہ سب بعد کے ذہنوں کی پیداوار

ہیں۔ خود اُن کے زمانۂ خلافت میں یا اُن کی خلافت کے کئی سو سال بعد تک اُن پر اس قسم کے کوئی اعتراضات نہیں ہوئے۔ خود ان کا اپنا دورِ خلافت صحابہ کرامؓ کا دور تھا جس کو حدیثِ نبوی میں "خیر القرون" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اُن کی خلافت میں کئی ایک صحابہ جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے۔ اس کا یہ معنی ہوا کہ عہدِ معاویہؓ اگر خلافتِ راشدہ کا دور نہیں تھا بلکہ ملوکیت کا دور تھا تو وہ سارے صحابہؓ ملوکیت کی مشین کے لیے پرزوں کے طور پہ کام کرتے رہے اور انہوں نے اس نظامِ حکومت کو پروان چڑھایا جس سے اللہ اور اس کا رسول قطعاً راضی نہ تھے اور یہ بات محالات میں سے ہے۔ کیونکہ صحابہؓ جاہلیت اور باطل کے نظام کو دنیا میں کبھی فروغ دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے جیسا کہ گذشتہ سطور میں دلائلِ واضحہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت پہ غیر راشدہ کا اعتراض جلیل القدر صحابہ پر اعتراض ہے بلکہ اُس وقت کے پورے معاشرہ پر اعتراض ہے جو ان کی خلافت کو صحیح اور راشدہ سمجھ کر اُن کے حلقۂ بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔

اس سلسلہ میں سیدہ ام حرامؓ کی حدیث بھی غور کے قابل ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے کہ :۔

> جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز کھانا تناول فرما کر اُن کے ہاں استراحت کے لیے لیٹ گئے اور سیدہ ام حرامؓ نے ان کا سر دیکھنا شروع کر دیا آپ کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرامؓ نے دیکھا کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتحیات مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدہ ام حرامؓ نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پہ بیٹھے ہوتے ہیں۔ سیدہ ام حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! دُعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ آپؐ نے دُعا فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور انہی الفاظ کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کی دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے

فرمایا "تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو"

(بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، ص ۴۰۳، ص ۴۰۵، ص ۴۰۹، ص ۴۱۰، جلد ۲ ص ۹۲۹، ۹۳۰،
صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۴۲، زرقانی جلد ۱ ص ۶۶، اصابہ جلد ۸ ص ۲۲۲)

امام بخاریؒ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

اول جیش من اُمتی یغزون البحر قد اوجبوا۔

میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اُس پر جنت واجب ہو گئی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

لیکن دوسری پیش گوئی کے بارہ میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں:۔

اول جیش من اُمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم

میری اُمت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا۔ اُس کے لیے (دربار الٰہی سے) مغفرت (کا پروانہ) ہے (بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے ۲۸ھ میں سمندر کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص (Cyprus) پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی علم بلند کیا وہ ذات والاصفات سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ:۔

وکان امیر ذٰلک الجیش معاویۃ بن ابی سفیان فی خلافۃ عثمان ومعہ ابوذر وابوالدرداء وغیرھما من الصحابۃ۔

خلافت عثمانی میں جب یہ حملہ ہوا تو اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ تھے اور ان کے ساتھ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ جیسے کئی اور دوسرے صحابہؓ تھے

(اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵)

واپسی پر سیدہ ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال فرما گئیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، جلد ۲ ص ۹۲۹، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵، عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴)

چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

قبر امِّ حرام بنت ملحان بقبرس وھم یقولون ھٰذا قبر المرأۃ الصالحۃ ۔

ام حرامؓ بنت ملحان کی قبر قبرص میں ہے اور (وہاں کے لوگ) کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک اور پاکباز عورت کی قبر ہے ۔

(صفۃ الصفوۃ جلد ۲ ص ۳۸، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵)

قبرص کی یہ فتح ۲۸ سنہ ھ میں سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوئی ۔ اس لڑائی میں سیدنا معاویہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان " قَدْ اَوْجَبُوْا " (جنت ان پر واجب ہوگئی) کے تحت اہل جنت میں شامل ہوگئے ۔ یہ فضیلت کوئی معمولی فضیلت نہیں بلکہ جس طرح عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری مل گئی تھی اسی طرح ان صحابہؓ کو بھی جنت ہی کی بشارت دے دی گئی تھی جنہوں نے قبرص کے اس معرکے میں شمولیت فرمائی تھی ۔

پیش گوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہؓ کے دورِ امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دور خلافت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جب آپ کے فرزندِ ارجمند یزید کی زیر قیادت ایک عظیم الشان لشکر نے جس میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور میزبانِ رسولؐ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے، مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۹، فتح الباری جلد ۶ ص ۷۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:۔

فسار معہٗ خلق کثیرٌ من کبار الصحابۃ ۔

جلیل القدر صحابہؓ کی بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۲، ۱۲۷)

بلکہ سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے بھی امیر یزید کی زیر قیادت ایک سپاہی کی حیثیت سے اس لشکر میں شمولیت فرمائی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، ہسٹری آف سیرسنز انگریزی ص ۸۴)

اسی وجہ سے مشہور محدث مہلبؒ فرماتے ہیں :۔

فی ھٰذا الحدیث منقبۃٌ لمعاویۃ لانّہٗ اوّل من غزا البحر و

منقبۃ لولدہٖ یزید لانّہٗ اول من غزا مدینۃ قیصر۔

اس حدیث میں معاویہؓ کی منقبت بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی اور اس حدیث میں اُن کے بیٹے یزید کی بھی منقبت ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا تھا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۷۸)

اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ جس شخصیت کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس قدر پیش گوئیاں فرمائی ہوں اور جس نے ملتِ اسلامیہ کا چاروانگ عالم میں شہرت کا ڈنکا بجایا ہو کیا اُس کی خلافت غیر راشدہ ہو سکتی ہے؟ اور وہ دنیا میں ایسا نظام برپا کر سکتا ہے کہ جو اسلام کے خلاف ہو۔ کیونکہ اسلام کے نظریات و افکار کے مطابق معاشرہ کی داغ بیل ڈالنا عین رشد و ہدایت ہے اور غیر راشدہ ہر وہ فعل ہے جو اسلام کے نظام سے لگاؤ نہ کھاتا ہو۔ خلافتِ راشدہ کو صرف چار پانچ خلفاء میں محدود کر کے ان کے علاوہ سب خلفاء کو عام سطحی بادشاہوں کا درجہ دینا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین کی توہین ہے۔

یہ تھے وہ دلائل جن کی رُو سے ہمارا دعویٰ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت اسی قسم کی خلافتِ راشدہ تھی جس قسم کی سیدنا علیؓ کی خلافت راشدہ تھی۔ اور اگر کوئی شخص ان کو کاتبِ وحی، صحابیٔ رسول مانتے ہوئے خلیفۂ راشد نہیں مانتا تو اس کو صحابیٔ رسول کے بارہ میں اپنے اُس عقیدہ پہ پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے جو علمائے اہل سنت کا متفقہ ہے۔ بہر حال اگر کسی کو آپ کی خلافت کے راشدہ ہونے میں اختلاف ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ دلائل دے اور دلائل قرآن و سنت سے ہوں۔ اور صحیح اور صریح ہوں اور اگر دلائل نہ دے سکیں تو پھر خلافتِ راشدہ کو تیس سال ہی محدود و مقید کرنے کے نظریہ پر نظرِ ثانی کریں اور اس مظلوم صحابیٔ رسولؐ کے بارہ میں اپنے عقیدے کے اُن جراثیم کو ختم کریں جو رفض و تشیع کے مسلسل پراپیگنڈے کی وجہ سے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں نسلاً بعد نسل پل رہے اور موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین اسلام نے بھی اپنی متعدد کتابوں اور مضامین کے ذریعہ ان کی مسلسل آبیاری کی ہے۔

سیدنا معاویہؓ پر ان اعتراضات کے علاوہ کچھ اور اعتراضات بھی کئے ہیں کہ :۔

۱۔ انہوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں تبدیلی کی۔

۲۔ انہوں نے انسانی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان اعتراضات کی حقیقت وہی ہے جو ان اعتراضات کی جن کے تفصیلی جوابات ہم نے اس کتاب میں دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اس لحاظ سے ایک نہایت مظلوم شخصیت ہیں کہ ان کے بارہ میں صدیوں سے پراپیگنڈہ کیا گیا اور ہر وہ حربہ اختیار کیا گیا جس کی وجہ سے ان کی پاکیزہ اور بے داغ شخصیّت کو داغدار بنایا جائے۔ اس بارہ میں خطیب بغدادیؒ نے کیا اچھی بات فرمائی اس کو ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، لیکن بات اتنی نکتہ رس ہے کہ ہم اس کتاب کے اختتام پر بھی اس کو ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

معاویة ستر لاصحاب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم فاذا کشف الرجل الستر اجترا علی ماوراءہ۔

معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کے لیے ایک پردہ ہیں جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی ان کی ہمتیں اور جرأتیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱ ص۲۰۹)

سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ سیدنا معاویہؓ کی شخصیّت پر اعتراضات کر کے صحابہؓ کے اس پردہ کو کھولنا چاہتے ہیں وہ دراصل سیدنا معاویہؓ سے پہلی شخصیتوں یعنی سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کو اپنی تنقید کا ہدف بنانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے قلم سے سیدنا معاویہؓ کے خلاف کچھ لکھا گیا ان کے قلموں کی روشنائی ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ جیسے لوگوں پر بھی خشک نہ ہوئی اور انہوں نے بلا جھجک ان کی شخصیتوں اور ملکی پالیسیوں میں بھی کیڑے نکالنا شروع کر دیئے اور اپنی صحابہؓ دشمنی کا پورا پورا ثبوت دیا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

